بسم اللہ الرحمن الرحیم

منازل العرفان

فی

تفسیر القرآن الکریم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا

سید عبد الستار شاہ صاحب مدظلہم العالی

جامعہ اسلامیہ دار العلوم رحیمیہ
نیلا گنبد سرکی روڈ ⊙ کوئٹہ

نام کتاب: منازل العرفان في تفسير القرآن الكريم

تألیف: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سید عبد الستار شاہ صاحب مدظلہ

قیمت:

سن اشاعت: ۱۴۴۴ھ 2023ء

تعداد: 1100

ملنے کے پتے ....

جامعہ اسلامیہ دار العلوم رحیمیہ، نیلا گنبد، سرکی روڈ، کوئٹہ

جامعہ فرقانیہ، سریاب روڈ، کوئٹہ

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

اور ملک کے تمام بڑے کتب خانے

ضروری گزارش

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ سہواً جو غلطیاں ہوگئی ہوں ان کی تصحیح کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم انسان، انسان ہے، اگر اس اہتمام کے باوجود کسی قسم کی بھی غلطی پر آپ مطلع ہوجائیں، تو برائے مہربانی ہمیں مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ اور آپ ''تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى'' کے مصداق بن جائیں۔ شکریہ

واٹس ایپ نمبر: 03022999778-03128588383

ناشر

جامعہ اسلامیہ دار العلوم رحیمیہ، نیلا گنبد، سرکی روڈ، کوئٹہ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین منازل العرفان جلد ہشتم

سورۃ المؤمنون

سورۃ النور

سورۃ الفرقان

سورۃ الشعراء

سورۃ النمل

سورۂ قصص

سورۂ عنکبوت

سورۃ الروم

سورۃ لقمان

سورۂ سجدہ

سورۂ احزاب

سُورَةُ الْمُؤْمِنُون

مكية آياتها ۱۱۸ رکوعاتها ٦

سورۂ مؤمنون مکی ہے، اس میں ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) آیتیں، اور چھ (٦) رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ المؤمنون ہے، جو اس سورت کی پہلی آیت میں موجود ہے، اور اس کو سورۃ المؤمنون کہنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے شروع میں مؤمنون کے اوصاف اور ایمانی شعبوں کا بیان ہے۔

نزول:

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، اس کا نزول سورۃ الانبیاء کے بعد ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۲۳ نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۷۴ نمبر پر ہے۔

کلمات وحروف اور آیات:

اس سورت میں چھ رکوع، ۱۱۸ آیات، ایک ہزار ستر (۱۰۷۰) کلمات، اور چار ہزار پانچ سو چونتیس حروف ہیں (۴۵۳۴)۔

ربط ومناسبت:

(۱) گزشتہ سورت کے آخر میں اعمال خیر کا بیان ہوا، اس سورت کے شروع میں اعمال خیر کا تذکرہ و بیان ہو رہا ہے۔

(۲) دونوں سورتوں کے شروع میں بعث بعد الموت کا یکساں تذکرہ ہے۔
(۳) توحید رسالت نتائج اعمال ودیگر بہت سے مضامین مشترک ہیں۔

مختصر موضوع:

جنتی دوزخی یعنی مؤمنین وکفار دونوں فریقوں کے اعمال اور نتائج کا بیان تذکیراتِ ثلاثہ کا بیان توحید باری تعالیٰ اور رسالت رسل کا تذکرہ اور ان کے دلائل کا بیان نیز قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا تذکرہ، اور نافرماں اقوام کا مختصر تذکرہ وغیرہ ہے، مؤمن کی عمدہ صفات کا اور کفار ومشرکین کے برے اعمال کا بیان استغفار اور توبہ کی ترغیب ہے۔

الجزء الثامن عشر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ۝۱ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ۝۲ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ۝۳
وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ۙ۝۴ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا
مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ‌ ۝۶ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰ لِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۝۷ وَالَّذِيۡنَ
هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ۝۸ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ‌ ۝۹ اُولٰٓـئِكَ هُمُ
الۡوٰرِثُوۡنَ ۙ۝۱۰ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝۱۱

ترجمہ: تحقیق ایمان والے کامیاب ہوگئے ① جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں ② اور جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں ③ اور جو ادیگی زکوٰۃ کا کام کرنے والے ہیں ④ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ⑤ سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جن کے وہ مالک ہوں، سو بلاشبہ وہ (ان میں اپنی شرم کی جگہوں کو استعمال کرنے پر) ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں ⑥ سو جس نے اس کے علاوہ کچھ تلاش کیا تو وہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں ⑦ اور جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں ⑧ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ⑨ یہ وہ لوگ ہیں جو میراث پانے والے ہیں ⑩ جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ⑪

معارف ومنازل

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ لفظ ''فلاح'' قرآن وسنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے، اذان واقامت میں پانچ وقت ہر مسلمان کو فلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ فلاح کا لفظ دنیا وآخرت دونوں کی خیر وسعادتوں کو جامع ہے، پس فلاح کے معنی یہ ہیں کہ ہر مراد ومقصد حاصل ہو، اور ہر تکلیف دور ہو۔ [تاج العروس] یہ لفظ باجود اپنے اختصار کے نہایت جامع ہے، یعنی ایسی کوئی مراد نہیں جو پوری نہ ہو، اور ایسی کوئی تکلیف نہیں جو دور نہ ہو، کلام عرب میں لفظ فلاح کے علاوہ ایسا جامع کوئی کلمہ نہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں اس کا کوئی مصداق نہیں، کیونکہ عوام وخواص تو درکنار ہفت اقلیم کے بادشاہ کو بھی یہ سہولت حاصل نہیں کہ کوئی چیز خلاف طبع پیش نہ آئے، اور جب بھی کوئی خواہش دل میں پیدا ہو بلا تاخیر وہ فوراً پوری ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کامل فلاح اس دنیا میں کسی کو حاصل نہیں، اور نہ ہی اس کا امکان ہے، البتہ یہ عظیم دولت اور متاع گرانمایہ آخرت کے دارقرار میں جنتی مؤمنوں کے لئے بآسانی دستیاب ہوگی، اور اہل جنت اس کے مدارج و مراتب کے ساتھ نوازے جائیں گے، اور جنت ہی وہ ابدی ملک ہے جس میں ہر مراد کی تکمیل ہوسکتی ہے، اور کسی ادنیٰ رنج وغم کا وہاں تصور تک بھی نہ ہوگا جو کہ فلاح کے معنی ہیں۔ اور قرآن وحدیث بکثرت اس پر گواہ ہیں کہ جنت میں ہر خوشی ہمہ وقت حاصل رہے گی، اور کسی ادنیٰ اور ذرہ برابر تکلیف تک کا نام ونشان نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کامل ومکمل فلاح صرف جنت میں ہوگی، نہ کہ دنیا میں۔ آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر آیات میں ہے، اور یہ فلاح دنیا میں جزوی طور پر اور آخرت میں مکمل طور پر ہوگی۔ دراصل دنیا میں دو ہی فریق احکامِ شریعت کے مخاطب ہیں: ایک فریق مؤمنوں کا، دوسرا گروہ غیرہ مسلموں کا۔ غیر مسلم فریق کے پاس عزّت، اقتدار، تجارت، زراعت، حرفت، مال وغیرہ کی کثرت ہوتی ہے، جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو فلاح والا اور کامیاب سمجھتے ہیں، اور مسلمانوں کو ناکام کہتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس یہ چیزیں مہیا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زوردار الفاظ میں ان کی تردید فرمائی، اور ان کے خیالات کے برخلاف مؤمنین کے لئے فلاح دارین کا اثبات فرمایا، اور اس کا وعدہ بھی فرمایا، اس سلسلے میں مؤمنین کی مخصوص صفات ذکر فرمائیں جو کہ ان کے لئے بمنزلہ شعار وعلامات کے ہیں، وہ صفات جلیلہ یہ ہیں:

پہلی صفت: ﴿فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع اور عجز وزاری کرنے والے ہیں،

دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کو جاگزیں کر کے ظاہری اعضاء کو بھی اس کا تابع بنا کر اتباع سنت کو مشعل راہ بنا کر کَاَنَّکَ تَرَاہُ اَوْ ھُوَ یَرَاکَ کی کیفیت میں نماز پڑھتے ہیں، انفرادی تنہائی اور کسی مجمع میں یکساں نماز قائم کرتے ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر خطرناک پھوڑا نکلا، دمشق کے شاہی طبیب نے آری سے پیر کاٹنے کا مشورہ دیا، مریض راضی نہیں ہوئے، ان کے شاگردوں نے مشورہ دیا کہ رات کو جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو ان پر نماز میں ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی جان بلکہ پورے جہاں کو بھول جاتے ہیں، ایسے وقت میں نماز کے اندر پاؤں کاٹا جائے تاکہ ان کو کسی تکلیف کا احساس نہ ہو، چنانچہ ایسی حالت میں دوائی لگانے کا بہانہ بنا کر طبیب نے پاؤں کاٹ دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب پاؤں سامنے کٹا ہوا پایا تو ناراض ہو گئے۔ یہ ہے خٰشِعُوْنَ کا نمونہ۔ [تاریخ دمشق]

دوسری صفت: ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ اہل ایمان لغو اور بیکار باتوں سے اعراض کرنے والے اور منہ پھیرنے والے ہیں۔ لغو ہر اس بیہودہ چیز کو کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ ہو، اور آخرت میں اس پر کسی ثواب کا ترتب بھی نہ ہو، ایسی چیزوں کو عرف عام میں فضول اور بے فائدہ کہتے ہیں، اس میں ہر قسم کے لہو ولعب شامل ہیں، اور یمین لغو اسی کا حصہ ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ۔ [مشکوٰۃ]

انسان کا اسلام جب ہی اچھا اور پاکیزہ ہو سکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت ہے، اور ادنیٰ وہ جو مفید نہ ہو اور مضر بھی نہ ہو، پس اعلیٰ کا ترک واجب ہے، اور ادنیٰ درجہ کا ترک اولیٰ و بہتر ہے۔

تیسری صفت: ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ﴾ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، یعنی مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں، یہ سورت مکی ہے، اسی طرح دیگر مکی سورتوں میں بھی زکوٰۃ کا تذکرہ ہے، اصل فرضیت زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی، البتہ مقدار نصاب مصارف وغیرہ احکام کا نزول مدینہ منورہ میں ہوا۔

چوتھی صفت عصمت وعفت: فرمایا: ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ﴾ اہل ایمان ناجائز کاموں سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی منکوحہ یا مملوکہ باندیوں کے، یعنی حلال اور جائز مواقع کے علاوہ اپنی جنسی خواہشات کو حرام جگہوں میں استعمال نہیں کرتے ہیں، سو ایسوں پر بلاشبہ کوئی ملامت والزام

نہیں۔ ﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ سوجس نے ان کے سوا یعنی اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے کوئی اور راستہ تلاش کیا سو ایسے لوگ حد سے گزرنے اور تجاوز کرنے والے ہیں، اور عفت وعصمت کے دائرہ سے باہر نکلنے والے ہیں، ایسے لوگ حلال کی حدود کو پار کر کے حرام کی حدود میں داخل ہونے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حلال کے محل اور مواقع صرف یہی دو ہیں، ان کے علاوہ لوگوں نے شیطان کے ورغلانے پر جتنے راستے اور مواقع تلاش کئے ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہوں گے۔

فائدہ:

اہل تشیع متعہ جیسے ملعون عمل کو مباح سمجھتے ہیں، نہ صرف مباح بلکہ اس کے عمدہ فضائل بیان کرنے میں بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، ان کے علماء وذاکرین فضائل بیان کر کر کے اپنے سادہ لوح عوام کو پاگل بناتے ہیں، اور عجیب وغریب قصے سناتے ہوئے ان کی بچیوں اور بہنوں کی عصمت کو لوٹتے ہیں، لیکن اپنی بچیوں اور بہنوں کو اس خالص جنسی عمل سے دور رکھتے اور تحفظ دیتے ہیں، اسی سے آپ ان کے ایمانی اور مذہبی اقدار کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ ایک عمل جو ایک گھرانے کے لئے باعث عزّت وافتخار وثواب ہے وہی عمل دوسرے خاندان کے لئے باعثِ ننگ وعار ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آیت کریمہ کی رو سے متعہ حرام اور زنا کے برابر ہے، کیونکہ زن متعہ نہ بیوی ہے اور نہ باندی ہے، بیوی تو اس لئے نہیں کہ مرد پر اس کا نان ونفقہ نہیں، اور نہ ان کے لئے طلاق ہے، اور نہ عدت ہے، نہ میراث، اور جو بچہ پیدا ہوگا نہ اس کا نسب ہے۔ اور باندی اس لئے نہیں کہ اس کی بیع وشرا اور ہبہ وعتق صحیح نہیں، تو جب زن متعہ بیوی اور منکوحہ نہیں، اور ﴿مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ کا بھی فرد نہیں، تو کسی صورت میں اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات کا جواز نہ ہوگا، تو لازماً حرام اور زنا ہی ہوگا، اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا متفقہ اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے۔

اور جو لوگ متعہ کو جائز بلکہ کارثواب سمجھ کر کرتے ہیں وہ بھی اس کی تشہیر سے شرماتے ہیں، بلکہ چھپ کر یہ کار خیر انجام دیتے ہیں، اس کے اور حلال نکاح کے درمیان بہت ہی فرق کرتے ہیں، اسی سے اس کے عدم جواز کا راز کھل جاتا ہے کہ متعہ کوئی مستحسن اور مباح کام نہیں ہے بلکہ حرام ہے، ورنہ بجائے چھپانے اور مخفی رکھنے کے اسے کھلم کھلا انجام دیتے اور اظہار مسرت کرتے۔

پانچویں اور چھٹی صفت: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، وہ امانت خواہ اللہ تعالیٰ کی ہو یا بندوں کی ہو۔ چھٹی صفت یہ ہے کہ جو اپنے عہد و پیمان کی پوری رعایت اور نگہبانی کرنے والے ہیں۔ وہ لوگ امانتوں میں اور عہد و پیمان میں نہ خیانت کرتے ہیں نہ خلاف ورزی کرتے ہیں، پورا پورا حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی پر قائم رہتے ہیں، آنکھ، کان، زبان، قلب و دماغ اور دیگر تمام جوارح اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں، ان کو حکم خداوندی کے خلاف استعمال کرنا امانت میں خیانت ہے، اور شرمگاہ کو بیوی اور باندی کے سوا دوسری جگہ استعمال کرنا بھی خیانت ہے، اور قانون الٰہی کے ساتھ بغاوت ہے، اور منافقین کی خصلت میں شمار ہے۔

ساتویں صفت نماز کی پابندی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ جو اپنی پنجگانہ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی اپنی نمازوں کو وقت پر باجماعت آداب و شرائط کے ساتھ اہتمام و پابندی کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔ شروع آیت میں نماز اور اس میں خشوع کا تذکرہ تھا، آخری آیت میں نماز کے بقیہ شرائط و آداب پر تنبیہ کی گئی، اس سے مقصد نماز کی اہمیت کا بیان ہے۔ اس کے بعد ان اوصاف سبعہ کے بجالانے والے موصوفین حضرات کی فلاح و عمل کے صلہ پر تنبیہ فرمائی:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ﴾ یہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ان صفات کو جمع کیا، اور ان صفات عالیہ کے زیور سے آراستہ ہوئے، فردوس برین کے وارث ہوں گے جو تمام جنتوں سے اعلیٰ اور بلند و بالا مقام ہے، اور یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ مریں گے، ابدالاباد خوشحال اور تندرست و پاکیزہ اور شادان و فرحان رہیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ مؤمنون مکی ہے، اور شروع سورت میں جن مؤمنین مفلحین کی صفات فاضلہ کا بیان ہوا اس سے مراد مہاجرین اوّلین اور خلفاء راشدین تھے۔ رضی اللہ عنہم [إزالة الخلفاء]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: (۱) جب بات کرو تو سچ بولو (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو ادا کرو (۴) اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو (۵) اپنی نظر کو نیچے رکھو، ناجائز اور بدنظری نہ کرو (٦) اور اپنے ہاتھوں کو بیجا اور غلط استعمال نہ کرو۔ [مشکوٰۃ]

اسی طرح ارشاد فرمایا: منافق کی چار خصلتیں ہیں، ان سے بچو: (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے (۴) جب جھگڑہ کرے تو گالیاں بکے۔ [متفق علیه عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ]

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو، کیونکہ وہ جنت کا سب سے اچھا اور سب سے بلند مقام ہے، اور اس کے اوپر رحمٰن جل شانہ کا عرش ہے، اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں، جو دوسری جنتوں کو سیراب کرتی ہیں۔ [بخاري]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا
الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ
بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا، پھر ہم نے اسے ٹھہرنے کی جگہ نطفہ کی صورت میں رکھا، پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے اس لوتھڑے کو بوٹی بنادیا، پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنادیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنادیا، پھر ہم نے اس کو دوسری طرح کی مخلوق بنادیا، سو بابرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو سب صناعوں سے بہتر ہے ﴿۱۴﴾ پھر بلاشبہ تم اس کے بعد ضرور ہی مرجانے والے ہو ﴿۱۵﴾ پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے ﴿۱۶﴾

معارف ومنازل

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان خالقیت کا بیان ہے، پھر تخلیق انسانی کے مختلف بے مثال تدریجی پیدائش وارتقاء کا نمبروار بیان ہے، جس سے قدرت کے کمالات اور مسئلہ توحید کا واضح اثبات مقصود ہے، اسی کے ساتھ دنیاوی حیات کے زوال کا اور پھر دوبارہ زندگی کا اثبات ہے:

﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ﴾ البتہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔
خلاصہ سے مراد خاص اجزاء جو فرشتہ (ملک الموت) زمین سے اٹھا کر لایا پھر اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق براہ راست مٹی سے ہوئی ہے، پھر اس کو تمام انسانوں پر منطبق کرنے کا یہ مطلب ہے کہ جن غذاؤں سے انسان کی پرورش ہوتی ہے، اور جن سے انسانی بدن میں خون سے مادہ تولید منی کی پیدائش ہوتی ہے، اور یہ ساری غذائی اشیاء مٹی کی پیداوار ہیں، پس نطفہ سے پیدائش بعینہ مٹی سے پیدائش کا ہم معنی ہے۔

تخلیق انسانی کے جو مدارج یہاں بیان ہوئے وہ سات ہیں: سب سے پہلے سلالۃ من طین، دوسرے درجہ میں نطفہ، تیسرے میں علقہ، چوتھے میں مضغہ، پانچویں میں عظام یعنی ہڈیاں، چھٹے میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا، ساتواں دور تکمیل تخلیق یعنی روح پھونکنا۔

سات کا عدد بابرکت ہے، سورۃ الفاتحہ سات آیات ہے، آسمان اور زمین اور سمندر اور ہفتہ کے ایام سات ہیں، قیامت کے روز عرش الٰہی کے نیچے رہنے والے لوگ بھی سات قسم کے ہیں، شب قدر بھی تیسرے عشرے کی ساتویں رات ہے، اس سلسلے میں نطفہ انسانی جن غذاؤں کی پیداوار ہے وہ بھی سات ہیں جو کہ سورۂ عبس میں مذکور ہیں، فرمایا: ﴿فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ۝٢٧ وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا ۝٢٨ وَّزَيۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا ۝٢٩ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ۝٣٠ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا﴾ [عبس] (پھر ہم نے اس میں غلے اگائے۔ اور انگور اور ترکاریاں۔ اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے گھنے باغات۔ اور میوے اور چارہ۔) یہاں انسانوں کی خوراک کی سات قسم مذکور ہیں، اور آخری آٹھویں یعنی ابًا جانوروں کی غذا ہے۔
[قرطبي]

﴿ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ﴾ پھر ہم نے قطرہ آب کو جمے ہوئے محفوظ ٹھکانے (رحم مادر) میں رکھا۔ سورۃ المرسلات میں فرمایا: ﴿اَلَمۡ نَخۡلُقْكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ۝٢٠ فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۝٢١ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝٢٢ فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ۝٢٣﴾ [المرسلات] (کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک حقیر بے قدر ناپاک پانی سے؟ پھر رکھا اسے ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں ایک مقررہ مدت تک، سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں) اسی سے ہماری قدرت کا اندازہ لگا لو کہ ناقص و حقیر چیزوں سے قیمتی اور اعلیٰ چیزیں بنا کر اندازے اور تقدیر مرتب کیا کرتے ہیں، جیسے حقیر منی کے قطرات سے خوبصورت حسن و جمال کا پیکر انسان کی پیدائش، اور بے قدر کیڑوں سے اعلیٰ ونفیس ریشم کی پیدائش، اور مکھیوں سے شہد کی پیداوار و پیدائش وغیرہ۔

﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً﴾ پھر اس حقیر قطرہ آب کو خون کے لوتھڑے میں تبدیل کیا، اس تبدیلی کی مدت چالیس روز ہے۔ ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾ پھر چالیس دن کے بعد ہم نے خون کے جمے ہوئے لوتھڑے کو گوشت کے ٹکڑے میں بدل دیا، پھر ﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا﴾ پھر ہم نے چالیس روز کے بعد گوشت میں ہڈیاں پیدا کر دیں۔ ﴿فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ پھر چالیس روز گزرنے کے بعد ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا، یہ ہڈیاں تقریباً پانچ سو ہیں، اور ان کے جوڑ تین سو ساٹھ ہیں، اسی طرح رگوں پٹھوں غضروف، رباطات اور لچکدار مواد وغیرہ سب اس ڈھانچہ کے لوازمات ہیں۔

﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ پھر ہم نے اس کو ایک عجیب نئی شکل وصورت میں لا کھڑا کیا، جب ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو جسم پر کھال پیدا ہو گئی، اور کھال پر بال پیدا ہو گئے، ناخن بن گئے، اندرونی و بیرونی تمام اعضاء درست کر لئے گئے، ذرا اس تدریجی پیدائش اور اس کی بے نظیر حکمت پر غور کریں کہ کجا ایک حقیر قطرہ آب اور کجا یہ حسین وجمیل مکمل انسان جس کی آنکھیں، ناک، کان، دل، و دماغ بولنے والی زبان، یہ وہ چیلنج ہے جس کی مثال لانا تو درکنار جبکہ پوری خلقت مل کر ایک بدشکل مکھی کی تخلیق سے بھی عاجز ہے۔

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ پس بڑی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو تمام بنانے والوں سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے، تخلیق صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، کیونکہ خلق و تخلیق کے اصلی معنی کسی چیز کو از سرنو بغیر کسی مادہ و نمونہ سابقہ کے پیدا کرنا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے، اس معنی کے اعتبار سے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ کوئی شخص فرشتہ ہو یا انسان یا کوئی جن کسی ادنیٰ چیز کا خالق نہیں ہو سکتا، لیکن کبھی کبھی یہ لفظ خلق و تخلیق صنعت کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عناصر اور مواد اپنی قدرت کاملہ سے اس جہان میں پیدا فرما دیئے ہیں ان کو جوڑ توڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ مرکب کر کے مختلف ڈیزائنوں کی نئی نئی چیز ایجاد کی جائے، یہ کام ہر انسان کر سکتا ہے، اور اسی معنی کے لحاظ سے کسی انسان کو بھی مجازاً کسی خاص مصنوع کا خالق کہا جا سکتا ہے، خود قرآن کریم نے فرمایا: ﴿وَتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا﴾ [العنکبوت:۱۷] (اور تم جھوٹ گھڑتے ہو)۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ﴾ [آل عمران:۴۹] (میں تمہارے لیے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں)۔ یہ سارے مجازی معنی شمار ہوں گے۔ اسی طرح یہاں لفظ خَالِقِيْنَ بصیغہ جمع اس لئے لایا گیا ہے کہ عام انسان جو اپنی صنعت گری کے اعتبار سے

اپنے کو کسی چیز کا خالق سمجھتے ہیں، اگر انہی موجدوں کو مجازاً خالق کہا جائے بھی تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ ان سب خالقوں یعنی صنعت گروں اور موجدوں میں سب سے بہتر بے عیب اور کامل خالق و موجد ہے۔

﴿ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ۝۱۶﴾ پھر تم بلاشبہ اس کے بعد ضرور ہی مرجانے والے ہو، پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے، اور حساب کے لئے پیش ہو جاؤ گے، اور اپنے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ۝۱۷ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ۝۱۸ فَاَنۡشَاۡنَا لَكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍۘ لَكُمۡ فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ۝۱۹ وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ۝۲۰

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر سات طرائق پیدا کئے ہیں، اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں۝۱۷ اور ہم نے آسمان سے خاص مقدار کے مطابق پانی اتارا، پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا، اور ہم اس کے معدوم کرنے پر قادر ہیں۝۱۸ پھر ہم نے اس کے ذریعہ تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کئے، ان میں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں، اور ان میں سے تم کھاتے ہو۝۱۹ اور ہم نے ایک درخت پیدا کیا جو طور سینا سے تیل لئے ہوئے اگتا ہے، اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اگتا ہے۝۲۰

معارف ومنازل

دلائلِ اُلوہیت وتوحید اور مظاہر قدرت کا ایک مرحلہ گزر گیا جس میں تخلیق انسانی کے تمام تدریجی مراحل اجمالاً بیان ہوئے، اب یہاں سے دلائل توحید کا دوسرا مرحلہ بیان ہو رہا ہے جس میں آسمانوں کی تخلیق آسمان سے بارشوں کا خاص مقدار میں نزول اور اس کے ذریعہ زمین کی آبادی سرسبزی وبکثرت میوے اور دوسرے ماکولات کا تذکرہ، یہ سب کچھ اور آئندہ بیان ہونے والی چیزیں ربّ العزّت کی قدرت کاملہ کے مظاہر اور کرشمے ہیں، تو ارشاد

ہوا:

﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ﴾ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر سات طبقے اوپر نیچے بنائے۔ طرائق جمع ہے طریق کی، طریق راستے کو بھی کہتے ہیں اور طبقہ کو بھی، یہاں آسمان کے سات طبقے مراد ہیں، اور یہ فرشتوں کے اور نیک اعمال کے اوپر چڑھنے کے راستے بھی ہیں۔

﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ﴾ اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں، یہ سب کچھ پیدا کر کے اسے مہمل و معطل نہیں چھوڑا، اس کے ہر ذرہ کی خبر گیری اور نگرانی بھی ہمارے ذمہ ہے، پھر ان مخلوقات کی نگہداشت، حفاظت، نشونما، ترقی وتبدیلی اور رزق وروزی وغیرہ امور کی انجام دہی بھی ہمارے حکم وحکمت کے ساتھ منسلک ووابستہ ہے، مجال نہیں کہ مرور زمانہ کے ساتھ ہمارے حکم کے بغیر اور ہمارے فرامین کے خلاف کوئی نشیب وفراز ہو۔

﴿وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا، یہاں سے دلائل توحید کے تیسرے مرحلے کا بیان ہو رہا ہے، فرمایا: یہ پانی آسمان سے، بلندی سے، بادلوں سے، مناسب مقدار میں نازل ہونے کا مطلب ظاہر ہے کہ کمی کی صورت میں قحط اور تنگی ہوتی ہے، اور زیادتی کی صورت میں سیلاب اور تباہی ہو جاتی ہے۔ ہاں! البتہ اگر کسی قوم کو عذاب دینا اور تنبیہ کرنا مقصود ہو تو کمی اور زیادتی دونوں صورتیں عذاب کی ہیں۔ سورۃ الحجر میں ارشاد ہے: ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ﴾ [الحجر: ۲۱] (ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں، اور ہم انہیں ایک خاص اندازے کے مطابق اتارتے ہیں)۔

﴿فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ﴾ پھر ہم اسے زمین میں ٹھہرا دیتے اور ذخیرہ کرتے ہیں، ایک حصہ تالابوں، بندوں، ڈیموں اور نشیبی گڑھوں میں جمع ہوتا ہے، اور اکثر حصہ پانی کا زمین میں جذب ہو جاتا ہے جس کو تم کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعہ حاصل کرتے ہو، اور یہ تمہارے اپنے اور جانوروں کے پینے کا حصہ ہوگا، اور مزید پانی سے کھیتی باڑی کر کے اپنے رزق وروزی کماتے اور پیدا کرتے ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور ذرہ نوازی ہی تو ہے، کیونکہ وہ اگر نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو جیسے ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ﴾ اور ہم اس پانی کو تمہاری دسترس سے دور لے جانے پر بھی قادر ہیں، جیسے کہ اوپر سے اتارنے پر قادر ہیں۔ سورۂ ملک میں ارشاد ہے: ﴿قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُكُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ يَّاۡتِيۡكُمۡ بِمَآءٍ مَّعِيۡنٍ﴾ [الملک: ۳۰] (آپ فرمادیجئے: بھلا دیکھو! تم اگر صبح کو تمہارا پانی خشک یا گہرا

ہوجائے تو پھر کون ہے جو لائے تمہارے پاس صاف پانی؟)۔

مطلب یہ ہے کہ پانی نہ اتارنا چاہیں تو نہ اتاریں، اور اتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں، مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکو، یا خشک کر کے ہوا میں اڑا دیں، یا کھارا اور کڑوا کر دیں، تو ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

﴿فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ﴾ پس اس پانی کے ذریعہ ہم نے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے۔ یہ تخصیص حصر کے لئے نہیں کہ پانی سے صرف کھجور اور انگور پیدا ہوئے، بلکہ پیچھے جو ﴿فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ﴾ کے الفاظ اسی عمومی کثرت پر دال اور قرینہ ہیں کہ یہاں حصر مراد نہیں، قرآن کریم کا طریقہ یہی ہے کہ دنیاوی اور اخروی بے شمار نعمتوں کا اجمالاً اشارہ کر کے بطور نمونہ چند ایک کا نام ذکر کرتا ہے، باقی نعمتوں کا تذکرہ چھوڑ دیتا ہے۔

آج کی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ زمینی پیداوار اور ہر قسم کے پھل پھول، میوے سبزے اور ماکولات جو دنیا کے مختلف ملکوں میں مختلف موسموں میں پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے ممالک میں مختلف ذرائع سے پہنچ جاتے ہیں وہ اتنے بکثرت اور بے شمار ہیں جن کا احاطہ دنیا والوں کے بس سے باہر ہے، جیسے ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [ابراھیم: ۳۴] (اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو نہیں گن سکتے)۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایک ایک پھل کی انواع واقسام کو اگر دیکھا جائے تو سینکڑوں میں ہیں۔ علامہ سمہودیؒ نے تاریخ مدینہ منورہ میں لکھا ہے کہ یہاں ایک سو چھتیس قسم کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔ حکماء اور ماہرین سیب کی چودہ سو اقسام بتاتے ہیں، علیٰ ہٰذا القیاس دوسرے پھلوں کی مختلف ومتعدد اقسام کا حال ہے، تو پاک ہے وہ ذات واحد ولاشریک جس نے جنت میں وہ وہ عجیب وغریب بے شمار نعمتیں تیار کی ہیں جن کے مقابلے میں دنیا کی نعمتوں کی نہ کوئی حیثیت ہے نہ شمار۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [المائدۃ: ۱۲۰] (اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)۔

﴿لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ تمہارے لئے اس میں میوے ہیں، اور اس میں سے تم کھاتے ہو، صرف کھانا نہیں بلکہ یہ دونوں پھل نہایت مفید اور کارآمد ہیں جن کے ذریعہ بہت پیسے کماتے ہو، کھجور کے فوائد بہت زیادہ ہیں، حدیث شریف میں اس کے درخت کو متقی دیندار با اخلاق اور خدمت گزار مؤمن کے ساتھ تشبیہ

دی گئی۔

﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ﴾ ہم نے پانی کے ذریعہ ایک اور درخت پیدا فرمایا جو طور سینا سے بکثرت نکلتا ہے، اس سے مراد زیتون کا درخت ہے، یہ درخت اگر چہ دوسرے مقامات پر بھی ملتا ہے، مگر اس کا اصل وطن طور سینا یعنی سرزمین شام وفلسطین ہے۔ یہ مبارک درخت بڑے منافع اور فوائد کا درخت ہے، اس کے دو فائدے تو یہاں اسی آیت میں بیان فرمادیئے ہیں: اول یہ کہ اسی کا تیل بہت نافع ہے بہت سے کاموں میں آتا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں روٹی ڈبو کر سالن کے طور پر کھاتے ہیں۔ اس درخت اور اس کے میوے اور فوائد کا تفصیلی بیان سورۃ التین کی تفسیر میں دیکھا جائے۔

﴿تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ﴾ یہ تیل اگاتا یعنی پیدا کرتا ہے۔ ﴿وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ﴾ یہ کھانے والوں کے لئے سالن کا بھی کام دیتا ہے۔ عام طور پر جس طرح لوگ گھی اور شہد میں لقمہ ڈبو کر کھاتے ہیں اس طرح تیل میں بھی روٹی ڈبو کر کھاتے ہیں۔ اس تیل کے فوائد ستر کے قریب ہیں، اسی بنیاد پر سورۃ النور میں اس کو شجرۂ مبارکہ کہا گیا ہے، اس درخت کے لئے انبیاء علیہم السلام نے دعا کی ہے، اور اس کے سایہ میں انہوں نے استراحت فرمائی ہے۔

﴿طُوْرِ سَيْنَآءَ﴾ طور سینین، "طور" ایک بابرکت پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے مصر جاتے ہوئے آگ دیکھی تھی، پھر جب وہاں آگ لینے کے لئے گئے تو پہلی بار ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ شانہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اب رہا یہ کہ سینا اور سینین کا کیا مطلب ہے؟ سو حضرت مجاہد مفسر تابعیؒ نے فرمایا کہ یہ دونوں لفظ برکت کے معنی میں ہیں۔ اور حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ طور بمعنی جبل اور سینا وسینین بمعنی الحسن یعنی خوبصورت پہاڑ۔ عکرمہؒ نے کہا کہ یہ اس جگہ کا نام ہے۔ امام مقاتلؒ نے کہا: جس پہاڑ پر بکثرت پھلدار درخت ہوں اس کو نبطی زبان میں سینا اور سینین کہا جاتا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ سینا اور سینین بمعنی درختوں کے ہیں۔ بہر حال! پسندیدہ اور خوبصورت والا معنی قرین قیاس اور مناسب مقام ہے۔

.......❁.......❁.......❁.......

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا
مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے، ہم تمہیں پلاتے ہیں اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، اور تمہارے لئے ان میں بہت منافع ہیں، اور ان میں سے تم کھاتے ہو ﴿۲۱﴾ اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر اٹھائے جاتے ہو ﴿۲۲﴾

معارف ومنازل

یہاں سے دلائل توحید کے چوتھے مرحلے کا بیان ہورہا ہے۔ چوپایوں سے انسانوں کو بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کا دودھ ایک عجیب مفید اور طاقتور غذا ہے، اس کے علاوہ ان کے بال، پشم، گوشت، کھال وغیرہ استعمال کرتے ہو، اور بار برداری اور سواری کے فوائد بھی حاصل کرتے ہو، فرمایا:

﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا﴾ بیشک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت کا سامان ہے، اور یہ ہمہ وقت تمہاری خدمت بجالانے میں مسخر اور مصروف ہیں، ہم تمہیں پلاتے ہیں اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، اس سے مراد دودھ ہے، سورۂ نحل میں اس کی وضاحت موجود ہے: ﴿نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾[النحل:٦٦] (ہم تمہیں مویشیوں کے پیٹوں کی چیز پلاتے ہیں جو گوبر اور خون کے درمیان سے گزرتی ہے، یہ دودھ نہایت عمدہ صاف ستھرا شفاف تمہیں پلاتے ہیں) جس کو گوبر اور خون کے درمیان سے نکال کر خالص کر کے تمہیں پلاتے ہیں، جس میں نہ گوبر کی بدبوئی شامل ہے نہ ہی خون کا رنگ، اس سے تم عبرت سیکھو اور ربّ العزّت سبحانہ کی قدرت کاملہ کا اندازہ لگاؤ، اور دودھ کی طرح خالص عمل اختیار کرو، جس میں کفر ومعاصی اور ریاء کا اختلاط نہ ہو۔

﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور تمہارے لئے ان جانوروں میں دیگر بہت سے منافع اور فوائد ہیں، اور تم ان میں سے کھاتے بھی اور کماتے بھی ہو۔

﴿وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾ اس سے لطیف اشارہ ہے کہ ان جانوروں میں سے تمہارے لئے اسی طرح خشکی کی کشتی ہیں جس طرح دریائی کشتی ہے، تو اہل عرب اونٹ کو سفینۃ البر کے نام سے یاد کرتے ہیں، گویا کہ آیت کریمہ نے بر وبحر دونوں کی کشتیوں کے منافع اور سواری پر متنبہ فرمایا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کا شکرادا کریں اور خالص بندگی اختیار کریں، اور ہر قسم نافرمانی سے بچیں۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا کہ جن جانوروں اور کشتیوں کے ذریعے تم اپنی ضروریات پوری کر رہے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نمونے ہیں، اگر اب بھی تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر نہیں جھکتے ہو بلکہ عاجز و کمزور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی کرسی پر بٹھاتے ہو تو اس کا نتیجہ تمہارے لئے ذلت وتباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا، نمونہ یہ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ
الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى
حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا
جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى
الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ
خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور یہ واقعی بات ہے ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف، پس انہوں نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود، کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿۲۳﴾ تو کہا سر براہ اور ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا ان کی قوم میں سے: نہیں ہے یہ شخص مگر انسان تمہارے جیسا، یہ چاہتا ہے کہ بڑائی حاصل کرے تمہارے مقابلہ میں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اتارتا فرشتوں کو یعنی رسول بنا کر، ہم نے نہیں سنا اس بات کو جو یہ شخص کہتا ہے اپنے اگلے باپ دادوں سے ﴿۲۴﴾ نہیں ہے یہ مگر ایک شخص جو مجنون ہے، پس انتظار کرو اس کے بارے میں ایک وقت تک ﴿۲۵﴾ کہا نوح نے: اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس وجہ سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے، پس ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بناؤ تم کشتی ہمارے سامنے ہمارے حکم سے، پس آئے گا ہمارا حکم اور جوش مارے گا تنور، پس ڈال دینا اس کشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر والوں کو مگر وہ جن کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے ان میں سے، اور نہ مجھ سے بات کرنا ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا بیشک وہ غرق کئے جائیں گے ﴿۲۶﴾ پس

جب تو بیٹھ جائے چڑھ کر کشتی پر اور جو تیرے ساتھ ہیں پس کہو: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نجات دی ہمیں ظالم قوم سے ﴿۲۸﴾ اور کہو: اے میرے پروردگار! اتارنا مجھ کو اچھی طرح برکتوں والا اتارنا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے ﴿۲۹﴾ بیشک البتہ اس میں نشانیاں ہیں اور بیشک ہم البتہ آزمانے والے ہیں ﴿۳۰﴾

معارف ومنازل

دلائل توحید کے آخر میں کشتی کا ذکر آیا، اس کی مناسبت سے دنیا کی عظیم تاریخی کشتی اور اس کے بانی حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور انجام تبلیغ، توحید وقیامت اور دلائلِ قدرت اور مظاہر قدرت کا بیان ہو رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا تاریخی واقعہ مع اپنے تمام جزئیات ولوازمات کے ساتھ تفصیلاً سورۂ نوح اور سورۂ ہود میں بیان ہو چکا ہے، لہٰذا وہاں دیکھا جائے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر اس کی قوم کی طرف بھیجا، آپ علیہ السلام صاحب شریعت سب سے پہلے رسول ہیں، آپ علیہ السلام سے پہلے سارے انبیاء کرام علیہم السلام گزرے ہیں۔

﴿فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ کہنے لگے: اے میری قوم کے لوگو! میرا سب سے پہلا پیغام توحید الٰہی کا ہے، تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اسی کے حضور سر تسلیم خم کرو اور جھکو، تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود اور کوئی مسجود نہیں ہے، وہی تمہارا خالق ومالک ورازق بھی ہے اور مشکل کشا وقاضی الحاجات بھی، پس وہی ہر قسم کی بدنی ومالی عبادت کا مستحق ہے۔

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم اللہ تعالیٰ کے غضب وگرفت سے ڈرتے نہیں؟ یہ تمہاری حماقت ونادانی ہے کہ اپنے خالق سے بے خوف ہو۔ ﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ آپ علیہ السلام کی قوم میں سے جو سرکردہ کافر تھے انہوں نے طنزیہ اور استہزأ کہا کہ دیکھو:

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ یہ شخص ہمارے جیسا ہی ایک انسان ہے اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، اور ہمارے آباءواجداد کے زمانے سے چلے ہوئے معبودوں کو باطل کہتا ہے، اور ہمیں صرف ایک معبود کی عبادت پر بلاتا ہے، یہ عجیب بات ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص تم پر اپنی برتری حاصل کرنا چاہتا ہے، اور یہ کسی سرداری اور قومی سربراہی کے خیال میں ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنانا چاہتا تو اپنے فرشتوں کو اس کام پر مامور کرتا اور لوگوں کے پاس بھیج دیتا، اور ان کی دوسری دلیل یہ تھی:

﴿مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ﴾ ہم نے تو اپنے پہلے آباء واجداد سے یہ بات نہیں سنی کہ کوئی انسان بھی خدا تعالیٰ کا رسول ہوسکتا ہے، اور یہ بھی نہیں سنا کہ ہمارے معبود عبادت کے لائق نہیں، البتہ ان کی باتوں سے یہ اندازہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص دماغی توازن کا مالک نہیں۔ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ یہ شخص تو مجنون پاگل معلوم ہوتا ہے جو حواس وہوش کھو بیٹھا ہے اور بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، لہٰذا تم لوگ پریشان نہ ہوں، یہ جلدی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا جس سے ہماری خلاصی ہوجائے گی، وہ اس طرح کہ تم چند وقت انتظار کرو اور دیکھو، یا تو ان کا دماغی عارضہ ٹھیک ہوجائے گا اور پاگل پن اس کا دور ہوجائے گا، یا عام پاگلوں کی طرح جلدی مر جائے گا۔

سبحان اللہ! اس کش مکش میں صدیاں گزریں، پرانے لوگ مرتے گئے نئے لوگ آتے رہے، دس قرن گزر گئے اور نئے آنے والے اپنے آباء واجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہی دم بھرتے رہے، اس درمیان میں قریب ہزار سال گزر گئے، اس عرصہ اور ہزار سالہ پوری مدت میں صرف اسی ۸۰ بیاسی ۸۲ آدمی مسلمان ہوگئے، اور حضرت نوح علیہ السلام کی امید اب منقطع ہوگئی، ﴿وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ [ھود: ۳۶] (ہم نے نوح کو وحی بھیجی کہ جن گنے چنے افراد کی قسمت میں ایمان لانا تھا وہ لاچکے (یعنی ۸۲ لوگ) آئندہ ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے) لہٰذا اب آپ ان کی عداوت وتکذیب اور ایذا رسانی ومخالفت سے زیادہ پریشان نہ رہیں، عنقریب واحد جبار جل شانہ کی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے جو سب شرارتوں اور شریروں کا خاتمہ کرڈالے گی اور انہیں تباہ کرکے رکھ دے گی، اس طرح کہ صفحہ ہستی اور دھرتی سے انہیں ہمیشہ کے لئے مٹا کر رکھ دے گی۔

چنانچہ ایسا ہوا جب یہ وحی نازل ہوئی تو نوح علیہ السلام قوم کے ایمان سے مایوس ہوگئے اور بددعا کی کہا: ﴿اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ [القمر: ۱۰] (میں بے بس ہوچکا ہوں، اب آپ ہی بدلہ لیجئے) جب تک آپ علیہ السلام کی امید رہی آپ علیہ السلام نے بددعا نہیں کی، جب مایوس ہوگئے تو ہاتھ اٹھادیئے، یہی انبیاء کرام علیہم السلام کی شان اور خلق عظیم ہے۔ علیہم السلام۔ تو کہا:

﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ﴾ اے میرے پروردگار! ساڑھے نوسو سال کی تبلیغ کا کوئی ثمرہ ظاہر نہیں ہوا، اب مجبور و مایوس ہو کر آپ (عزوجل تعالیٰ) سے درخواست کرتا ہوں کہ میری مدد فرما، اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے میری تکذیب کی ہے، جواب آیا:

﴿فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا﴾ ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ہمارے سامنے، ہمارے حکم سے فرشتوں کی نگرانی میں کشتی تیار کرو، چنانچہ اس کشتی کی تیاری میں تین سو سال بیت گئے۔ (تفصیل سورۂ ہود میں ہے)۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ﴾ جب ہمارا حکم آجائے اور ابلنے اور جوش مارنے لگے یہ تنور جو حضرت آدم و بی بی حواء علیہاالسلام کا تھا، یا کوئی چشمہ تھا تنور کی شکل میں، یا تنور سے مراد زمین کی سطح ہے، مفسرین حضرات سے تینوں قول مروی ہیں۔ ﴿فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ﴾ تو کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا جوڑا جوڑا دودو سوار کر لینا بٹھانا اور ساتھ ہی: ﴿وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ﴾ اپنے گھر والوں کو بھی بٹھا لینا سوائے ان کے جن کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے کہ وہ نافرماں ہیں، اور نافرمانوں کے ساتھ غرق ہونے والے ہیں، وہ ان کی بیوی اور کنعان نامی بیٹے تھے۔

﴿وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ اور میرے ساتھ ان لوگوں کے متعلق بات ہی نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا ہے، کیونکہ وہ ہر حال میں غرق ہونے والے ہیں۔ ﴿فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾ اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں سوار ہو جائیں یہ لوگ تقریباً اسی بیاسی اہل ایمان مسلمان تھے، تو اللہ تعالیٰ کا خوب حمد و ثنا اور شکر ادا کرو: ﴿فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ پھر یہ کہنا کہ سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ واحد ولاشریک لہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس ظالم قوم سے اور ان پر آنے والے عذاب سے نجات دی۔

﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا﴾ اے اللہ تعالیٰ! مجھے اس کشتی سے اتار دے بابرکت اتارنا، چھ ماہ کے عرصہ کے بعد جبل جودی پر جب کشتی سے سلامتی کے ساتھ اترے تو آپ علیہ السلام کی زبان پر دعاء کے یہ کلمات جاری تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ تباہ شدہ زمین پر اترنے کے بعد مجھے اور میری نسل کو دوبارہ وہ زمینی فوائد و برکات حاصل رہیں جو طوفانی عذاب سے پہلے تھے، کہیں ایسا نہ ہو کہ طوفانی عذاب کی وجہ سے زمین سے برکات سلب ہو جائیں،

کیونکہ آسمانی عذاب جب بھی کسی سرزمین پر آتا ہے تو قیامت تک اس کی برکت اٹھ جاتی ہے، اور وہ لوگوں کے لئے مقام درس عبرت بن جاتی ہے، اسی خاطر نوح علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم نے آپ علیہ السلام کی دعاء قبول فرمائی، اور زمین کی تمام برکات دوبارہ لوٹائیں جو کہ سب کے سامنے ہیں۔

﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ اور تو سب سے بہتر اتارنے والے ہیں۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ اس سارے واقعہ میں نشانات قدرت موجود ہیں جنہیں دیکھ کر بے ساختہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین آتا ہے، اور اس طویل سفر تبلیغ اور اس پر استقامت ایک ایسا درس عبرت ہے جس کی نظیر نہیں اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے استقلال وصبر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ﴿وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ﴾ اور البتہ بیشک ہم آزمانے والے ہیں۔ ابتلاء آزمائش کو بھی کہتے ہیں اور سزا دینے کو بھی، اور انعام کرنے کو بھی، یہاں تینوں معنوں میں راجح عذاب والا معنی ہے، تو معنی یہ ہوں گے تم دیکھو کہ ہم نافرمانوں کو کس طرح عذاب دیتے ہیں جیسے کہ قوم نوح علیہ السلام کو عذاب دیدیا۔

❀ ❀ ❀

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ
وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا
تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ
كُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا
الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاۗءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: پھر ہم نے ان کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا، پھر ہم نے ان میں سے رسول بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، کیا تم نہیں ڈرتے ہو؟ ﴿۳۱﴾ اس رسول کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلا دیا، اور ہم نے انہیں دنیا میں عیش کی زندگی دی تھی، انہوں نے کہا: یہ تو تمہارے جیسا

ہی آدمی ہے، اسی میں سے یہ کھاتا ہے جس سے تم کھاتے ہو، اور اسی میں سے پیتا ہے جس سے تم پیتے ہو ﴿۳۳﴾ اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی بات مان لی تو بلاشبہ تم ضرور ہی نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے ﴿۳۴﴾ کیا یہ شخص تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے؟ دور ہے دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے ﴿۳۶﴾ یہ تو بس دنیا والی ہی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہم اٹھائے جانے والے نہیں ہیں ﴿۳۷﴾ یہ کچھ نہیں بس یہ صرف ایسا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے، اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۳۸﴾ اس پیغمبر نے عرض کیا کہ اے میرے ربّ! اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمایئے ﴿۳۹﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب یہ لوگ پشیمان ہوں گے ﴿۴۰﴾ سو ان لوگوں کو سچے وعدے کے موافق سخت چیخ نے پکڑ لیا، پھر ہم نے انہیں خس وخاشاک کر دیا، سو دوری ہے ظالم قوم کے لئے ﴿۴۱﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں نہ تو کسی قوم کو نامزد کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کی طرف مبعوث ہونے والے پیغمبر کا اسم گرامی ذکر کیا گیا ہے، اور نہ اس بستی کا نام مذکور ہے جہاں یہ قوم آباد تھی، نفس مضمون وہی ہے جو گزشتہ آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بیان ہو چکا ہے۔ البتہ اس مضمون کی آخری آیت میں لفظ "الصیحة" سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ قوم ثمود کا ذکر ہے، جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، اور جب یہ قوم حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ایک خوفناک چیخ بھیج کر سب کو ختم کر دیا۔

اگر اس سے قوم عاد مراد لیا جائے جن کی تباہی ہوا سے ہوئی اور "الصیحة" سے مطلق عذاب مراد لیا جائے تو مطلب برآری ہوگی، مگر یہ توجیہہ تکلف سے خالی نہیں ہوگی۔ یا یہ کہا جائے کہ جب قرآن حکیم نے اس کو بیان نہیں کیا اور مبہم رکھا، تو خواہ مخواہ تعیین کے لئے قرائن تلاش کرنا کوئی ضروری نہیں، اور یہ ابہام حکمت سے خالی نہ ہوگا، ارشاد فرمایا:

﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ﴾ یعنی قوم نوح علیہ السلام کی ہلاکت کے بعد ہم نے اور بھی قومیں آباد کیں۔ قرن کا اطلاق ایک صدی پر ہوتا ہے۔ ﴿فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ پس انہی میں سے ان کے پاس ایک رسول بھیجا، پس رسول نے قوم سے یہ کہا کہ: ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ اے لوگو!

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ کیا تم ڈرتے نہیں کہ دیدہ دانستہ شرک کرتے ہو؟

﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا:

﴿وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت کی ملاقات کو بھی جھٹلایا اور قیامت سے منکر ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قوم کے سرکردہ ذمہ داروں نے کفر کیا، آخرت اور انبیاء کرام علیہم السّلام کی تکذیب کی، اس کی وجہ یہ ہے:

﴿وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ جن کو دنیاوی زندگی میں ہم نے خوشحال رکھا تھا، یہ بڑے خوشحال آسودہ حال تھے، عیش وعشرت میں مست ولا پرواہ تھے، وہ اپنے پیغمبر اور اس کے مٹھی بھر ایماندار ساتھیوں کی مسکنت اور فقر وغربت کا مذاق اڑاتے اور ان پر استہزاء کرتے اور کہتے:

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہے یہ مگر تمہارے جیسا انسان۔ آگے یہ کہتے:

﴿يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ شخص مدّعی نبوت وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو، اور وہ چیز پیتا ہے جو تم پیتے ہو، اگر یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوتا تو اس کا ہر عمل اور طرز زندگی تم سے مختلف ہوتا اور وہ نفسانی خواہشات کھانے پینے سے بری الذمہ اور فارغ ہوتا۔ دیکھیں! صاحب ثروت لوگوں نے اپنے ماتحت لوگوں کو شیطان کے کہنے پر کیسی پٹی پڑھائی، بڑے لوگ ہر زمانے میں ایسے ہی گمراہ اور سرکش ہوتے ہیں، اور غریبوں کو اپنے در پر سجدہ کراتے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ لوگ جب مسلمان ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کا ہی سجدہ کریں گے، اور ہمارے در کے سجدے سے منکر ہو جائیں گے، جس سے ہماری سرداری کی شان وشوکت خاک میں مل جائے گی۔

میں کہتا ہوں آج بھی ہمارے سیاسی وقومی سربراہوں کا یہی حال ہے، وہ اپنے ماتحت عوام کو کتاب وسنت اور علماء کرام سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اپنی سرداری کو باقی رکھنے کی فکر کرتے ہیں۔ دراصل یہ فلسفہ انہیں ابلیس نے پڑھا کر مذہب سے بیگانہ کر دیا، جس کے متعلق ربّ العزّت سبحانہ نے فرمایا:

﴿عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ﴾ یہ بڑے سرکش سردار اور ان کے چیلے جب عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائیں گے، تو فوراً پشیمان ہو جائیں گے، اور اپنے کئے پر ہر دو فریق افسوس کریں گے، مگر انہیں فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا، اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے رہتے:

﴿وَلَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَكُمۡ ۙ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ﴾ اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی اطاعت کرلی اور اس کی بات مان لی تو یاد رکھئے! تم نے خسارہ اور ناکامی کے سوا کچھ نہیں کمایا۔

﴿اَيَعِدُكُمۡ اَنَّكُمۡ اِذَا مِتُّمۡ وَكُنۡتُمۡ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمۡ مُّخۡرَجُوۡنَ﴾ یہ شخص یہ وعدہ بھی کرتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی اور ہڈیاں بن جاؤ گے، اور تمہارا یہ وجود غبار بن کر نیست و نابود ہو جائے گا، تو پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالا جائے گا، اور حساب و کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا، جہاں جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہو جائے گا۔

﴿هَيۡهَاتَ هَيۡهَاتَ لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ﴾ یہ بات جس کے ساتھ تم سے وعدہ کیا گیا بہت دور اور بہت بعید ہے، یعنی ناممکن ہے کہ دوبارہ مٹی و غبار بننے کے بعد زندگی ہو وہ اس لئے کہ: ﴿اِنۡ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ﴾ ہماری تو صرف اسی دنیا کی زندگی ہے، ہم اسی دنیا میں مرتے ہیں اور اسی میں جیتے ہیں، اس کے علاوہ ہم کسی اور زندگی کو نہیں مانتے، آج تک پورے جہاں میں نہ سنا اور نہ دیکھا کہ مرنے کے بعد کوئی دوبارہ زندہ ہوا، یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں، ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ: ﴿وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ﴾ ہم دوبارہ کسی صورت میں نہیں اٹھائے جائیں گے، یہ سب خود ساختہ باتیں ہیں، آئندہ کچھ بھی نہیں، نہ دوبارہ زندگی ہے نہ حشر و نشر نہ جنت و دوزخ نہ اور کچھ۔

کیا عجیب اتفاق ہے "لارڈ میکالے" کے نصاب تعلیم پڑھنے والے آج بعینہٖ وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو ان کے پیشرو مشرکین یہود و نصاریٰ نے کہا، آج انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا یہی شعار ہے، پھر یہ لوگ جسارت کرتے ہوئے یہاں تک کہنے لگے:

﴿اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ یہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا ہے، جھوٹ کہتا ہے کہ خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿وَّمَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ جب قوم کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور نبی کی سینکڑوں سالہ دعوت و تبلیغ کا کوئی جزوی فائدہ بھی نمایاں نہیں ہوا جس سے مایوسی اور ناامیدی انتہا کو پہنچ گئی تو نبی نے بارگاہ خداوندی میں وہی دعاء کی جو حضرت نوح علیہ السلام نے کی تھی، وہ یہ ہے: ﴿قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ﴾ اے میرے پروردگار! میری مدد فرما، اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے، یہ آپ (عزوجل تعالیٰ) کے حکم سے منحرف ہیں۔ جواب ملا: ذرا ٹھہرو:

﴿قَالَ عَمَّا قَلِيۡلٍ لَّيُصۡبِحُنَّ نٰدِمِيۡنَ﴾ صبر کرو، تھوڑے عرصے کے بعد جب ہماری گرفت آئے گی تو یہ

خود ہی زود پشیماں ہو جائیں گے، بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی، یہ بھی عنقریب خدا کی بے نیام شمشیر انتقام کی زد میں آئیں گے، تو ان کے حواس ٹھکانے پر آ جائیں گے، وہ یہ ہے:

﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَقِّ﴾ پس پکڑا ان کو ایک خوفناک چیخ نے حق کے ساتھ، اور نیچے سے زوردار زلزلہ بھی آیا، جس سے سارے لوگوں کے جگر پھٹ گئے، اور سب گھٹنوں کے بل اوندھے ہلاک ہو گئے، پس یہ ہوا:

﴿فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً﴾ پھر ہم نے ان کو خس وخاشاک کوڑے کرکٹ اور کچرا بنا دیا۔

﴿فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ پس دنیا و آخرت دونوں کی تباہی و بربادی ہے ظالم قوم کے لئے

فائدہ:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلسل دعا کی کہ میری امت پر اس قسم کے عذابوں کا نزول نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، آج اسی دعاء کے طفیل سے مسلم وغیر مسلم دونوں امت محفوظ ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعاء نہ ہوتی تو آج یورپ تباہ ہو چکا ہوتا۔ واللہ اعلم

ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا
رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا وَّجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ ۚ
فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوۡنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى
فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا عَالِيۡنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَيۡنِ مِثۡلِنَا وَقَوۡمُهُمَا لَنَا
عٰبِدُوۡنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَكَانُوۡا مِنَ الۡمُهۡلَكِيۡنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾
وَجَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيۡنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبۡوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيۡنٍ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: پھر ہم نے ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کیا، کوئی امت اپنی اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی تھی اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے ﴿۴۲﴾ پھر ہم نے یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا، جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا، سو ہم بعض کو بعض کے پیچھے وجود میں لاتے رہے، اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا، سو اس قوم کے لئے دوری ہے جو ایمان نہیں لاتی ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی آیات اور کھلی ہوئی

دلیل کے ساتھ فرعون اوراس کے درباریوں کے پاس بھیجا، سوان لوگوں نے تکبر کیا، اور وہ لوگ اونچے (مغرور و سرکش تھے ۴۶ سوان لوگوں نے کہا: کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں؟ اور حال یہ ہے کہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے (غلام) ۴۷ سوان دونوں کو انہوں نے جھٹلایا لہٰذا وہ ہلاک کئے جانے والے لوگوں میں شامل کر دیئے گئے ۴۸ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ لوگ ہدایت پائیں ۴۹ اور ہم نے ابن مریم اوران کی والدہ کو ایک نشانی بنادیا اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسے ٹیلے پر ٹھکانہ دیدیا جو ٹھہرنے کی اور پانی جمع (جاری) ہونے کی جگہ تھی ۵۰

معارف ومنازل

اجمالی طور پر دیگر اقوام کی ہلاکت کا مختصر بیان ہے جیسے قوم لوط اور قوم شعیب علیہما السلام، اور خصوصیت کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کا بھی۔ فرمایا:

﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ﴾ پھر ان کے بعد ہم نے بعض دیگر قوموں کو اٹھایا یعنی عروج بخشا، پھر ان قوموں نے بھی اللہ تعالیٰ کے نبیوں علیہم السلام کی تکذیب کی، اور توحید الٰہی سے انکار کیا، تو وہ بھی نیست ونابود ہو کر تباہ ہوگئیں، پھر فرمایا کہ ہر نافرماں قوم کی سزا کا ایک وقت مقرر ہے۔

﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ﴾ کوئی امت یا قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ تو سبقت کرتی ہے اور نہ پیچھے ہو جاتی ہے، بلکہ عین وقت مقررہ پر تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا﴾ پھر ہم نے بھیجے اپنے رسول لگا تار پے در پے۔ تترا کے معنی ہیں: پے در پے، چیزوں کا یکے بعد دیگرے آنا انقطاع کے ساتھ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے: لَا بَأْسَ بِقَضَاءِ رَمَضَانَ تَتْرَا۔ رمضان کے جو روزے ناغہ ہو گئے ہوں ان کو متفرق طور پر ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [النهاية]

﴿كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ﴾ جب بھی کسی قوم کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلا دیا، تاریخ گواہ ہے کہ ہر نبی کا اتباع معدودے چند افراد نے کی ہے، جبکہ غالب اکثریت نے ہر نبی کی تکذیب کی ہے اور ایذا رسانی میں بھی کوئی کمی نہیں کی ہے۔ ﴿فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا﴾ پھر ہم نے ان کے بعض کو بعض کے پیچھے لگا دیا، یہ لوگ یکے بعد دیگرے آتے رہے، اور بداعمالیوں کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے ہلاک ہوتے رہے۔

﴿وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ﴾ ہم نے انہیں قصہ کہانی بنا کر چھوڑا، ان کا کوئی فرد واحد بھی دنیا میں نہیں رہا، البتہ افسانہ کے طور پر ان کا قصہ سنا کر عبرت کا درس دیتے ہیں۔ ﴿فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے اس قوم کے لئے جو ایمان نہیں لائی۔ جب سارے مکذبین تباہ ہو گئے تو آخر میں:

﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ﴾ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو بھیجا۔

﴿بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اپنی نشانیوں اور کھلی سند دلائل کے ساتھ۔ سورۂ اسراء کے آخر میں: ﴿تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ﴾ [الإسراء:۱۰۱] (نو واضح نشانیاں) کی تفصیل گزر چکی ہے۔

﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کے درباری سرداروں کی طرف۔ ﴿فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ﴾ تو انہوں نے تکبر کیا، اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کا مذاق اڑایا، اور طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے، کیونکہ یہ بڑے مغرور متکبر لوگ دولت اور اقتدار کے نشے میں مست تھے۔ ﴿فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾ کہنے لگے: کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں جو ہماری طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے ہیں؟ اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کی قوم ہمارے دست نگر غلام ہے، تو ہم غلاموں کا کیسے اتباع کر سکتے ہیں؟ یہ تو ناممکن ہے۔

﴿فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ﴾ پس قوم فرعون نے اللہ تعالیٰ کے دونوں نبیوں کی تکذیب کی جس کے نتیجے میں وقت مقررہ پر سارے ہلاک کئے گئے، بحر قلزم کی موجوں کی نذر ہو گئے۔ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی، یہ بابرکت کتاب بنی اسرائیل کے لئے خصوصی اور دوسرے لوگوں کے لئے عمومی سامان ہدایت تھی، اور اس کتاب کے نزول کا مقصد یہ تھا: ﴿لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ تاکہ لوگ اس کے ذریعے ہدایت حاصل کر سکیں، اور اس پر عمل پیرا ہو کر منزل مقصود تک پہنچ جائیں، اور فلاح پائیں۔ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے، لہٰذا آخر میں ان کا تذکرہ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً﴾ ہم نے ابن مریم عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو قدرت کی ایک نشانی بنا دیا، اس سلسلے کی تمام تر تفصیلات سورۂ مائدہ میں بیان ہوئیں۔ ﴿وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ﴾ ہم نے ماں بیٹے دونوں کو ایک اونچی جگہ ٹھکانا دیدیا، اور یہ ایسی جگہ تھی: ﴿ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ﴾ جو برابر تھی اور صاف ستھرے پانی والی تھی، اس سے مراد وہی مقام بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، یہ ہموار اونچی جگہ ہے،

اور اس کے نیچے صاف ستھرے پانی کا چشمہ بھی تھا جہاں فرشتہ نے پیدائش کے وقت حضرت مریم علیہا السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝٢٤ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝٢٥ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا﴾ [مریم] (پس آواز دی اس کو فرشتہ نے اس کے نیچے سے کہ غمگین مت ہونا، کر دیا تیرے ربّ نے تیرے نیچے ایک چشمہ، اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کی شاخ اس سے گر پڑیں گی تجھ پر پختہ عمدہ کھجوریں، پس کھاؤ کھجور اور پیو پانی اور ٹھنڈی کرو آنکھیں (برگزیدہ بیٹے سے))۔

یہ ہے عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بہرحال! ربوہ سے مراد آپ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے، اکثر مفسرین کے نزدیک۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے ایام میں ہیرودس بادشاہ کو نجومیوں نے بتایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تیری سلطنت کا خاتمہ کر دے گا، تو اس ظالم نے فرعون کی طرح خوفزدہ ہو کر ایسے بچے کی تلاش شروع کر دی، اور اسے یہ معلوم ہو گیا کہ بنی اسرائیل کے ایک بچے نے پیدائشی گہوارے میں بات کی ہے۔ اور اپنی والدہ کی صفائی میں اور اپنی پیغمبری کے متعلق اعلان کیا ہوا ہے، اس بات سے ظالم حکمران کو یقین ہو گیا کہ وہ بچہ یہی ہے، چنانچہ بچے کی جان تلف ہونے کے خوف سے حضرت مریم علیہا السلام ان کو الہام ربانی سے مصر لے کر چلی گئیں، مصر کی زمین ویسے بھی اونچی ہے، ورنہ دریائے نیل سے غرق ہو جاتی، اس کے ساتھ انہوں نے ایک اونچی بستی میں قیام کیا جس کو ربوہ اور رملہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، وہاں پانی کا چشمہ بھی تھا، اس دوران وہ ظالم بادشاہ مر گیا۔

خطرہ جب ٹل گیا تو بارہ ۱۲ سال وہاں کے قیام کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ واپس فلسطین شام آ گئے۔ امام ابن کثیرؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے فرمایا کہ تیری موت ربوہ کے مقام پر واقع ہو گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس شخص کو رملہ کے مقام پر موت آئی جو کہ مصر کے علاقے میں ایک اونچی جگہ ہے، اور جس کی آب و ہوا خوشگوار ہے، اسلام کے ابتدائی دور میں یہ جگہ مسلمانوں کی چھاؤنی ہوا کرتی تھی، اس کے قریب ایک نہر بھی بہتی ہے۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رملہ وہی مقام ہے کہ جس کو قرآن پاک اور حدیث میں ربوہ کا نام دیا گیا ہے۔

یہ جو کچھ آپ نے سنا اور پڑھا یہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے برحق اور سچے پیغمبروں کے متعلق تھا، جن کی نبوت روزِ روشن کی طرح قرآن وحدیث سے تواتر علم یقینی قطعی کے ساتھ ثابت ہے۔ اب ذرا مغضوب علیہم اور ضالین قوم کا

مبعوث کیا ہوا کذ اب و مفتری نبوت کا جھوٹا دعویدار مرزا غلام قادیانی جسے برطانیہ نے نبوت کا دعویدار بنا کر اہل اسلام کے اندر تفرقہ ڈالنے اور نظریہ جہاد کو ختم کرنے کی خاطر بھیجا جس نے ایمان کے عوض پیسوں پر سب کچھ قربان کر کے ابدی جہنم کو خریدا، اور ساری زندگی فرنگیوں کی خدمت اور اسلام کی مخالفت میں گزاری، جس کے صلے میں انعام حاصل کرتے ہوئے بحالت حیض بیت الخلاء میں آنجہانی ہو گیا اور واصل جہنم ہو گیا، ذرا اس کی ہرزہ سرائی اور بے محل ناکام کوششوں کی صرف ایک بات سماعت فرمائیے وہ یہ کہ:

تقسیم برصغیر کے بعد قادیانی ٹولہ جب قادیان سے پاکستان منتقل ہو گیا تو اس نے ضلع سرگودھا میں ایک جگہ کا انتخاب کر کے اپنا ہیڈ کوارٹر مقرر کیا، ایک نئی بستی آباد کی اور اس کا نام ربوہ رکھا، اب اس نام سے وہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو! ہم سچے ہیں، ہماری بستی کا نام تو قرآن پاک میں موجود ہے۔ دراصل مرزائیوں کا سارا فلسفہ ممات مسیح پر چلتا ہے، سب سے پہلے وہ مسیح علیہ السلام کی وفات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی ہے جس سے وہ مسئلہ کفارہ ثابت کرتے ہیں، اور صلیب کا نشان بھی اپناتے ہیں، اور تبرک و یکجہتی کے طور پر اپنے گلوں میں صلیب کا بدل ٹائی باندھتے ہیں جسے دیکھ کر ہمارے انگریزی خوان نے طبقہ بڑے فخر سے اپنایا، یہاں تک کہ سکول کے چھوٹے بچوں کو ٹائی پہنا کر سکول بھیج دیتے ہیں۔ حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **من تشبه بقوم فهو منهم۔[رواه أبو داؤد وأحمد والطبراني في الكبير]**

جو شخص کسی قوم کی عادت اپنائے اور خود کو ان جیسا بنائے اور ان کی مشابہت اختیار کرے قیامت کے دن وہ انہی میں سے ہوگا، اور ان کے ساتھ اٹھے گا۔ یہ بڑی بدنصیبی ہوگی کہ مسلمان ہوتے ہوئے غیر مسلموں کے شیطانی اعمال کو بہتر سمجھ کر اپنایا جائے، یہ گناہ کبیرہ بھی ہے اور قابل مؤاخذہ بھی، ایسے لوگوں کا خاتمہ شاید اسی مذہب پر ہو جسے وہ اسلام کے مقابلہ میں بہتر سمجھتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو ایسے غیر شرعی منکرات سے بچنا چاہئے۔

قادیانیوں کے مذہب کی بنیاد انگریزی تعلیمات ہیں، اور انہیں یہ مقام بھی انگریزوں نے عطا کیا ہوا ہے، ان دونوں قوموں کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اب بقول ان کے جن کی آمد کی قرب قیامت پیشین گوئی کی گئی ہے وہ مسیح نہیں بلکہ تمثیل مسیح ہیں، اور وہ مرزا غلام کی شکل میں دوبارہ دنیا میں آچکے ہیں، چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لئے کبھی یہ مرزا قادیانی مثیل مسیح، کبھی مہدی اور کبھی مکمل نبی ثابت کرنے کی ناکام

کوشش کرتے ہیں۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کے سارے دعوے دار دجال اور کذاب ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ قیامت تک تیس بڑے دجال و کذاب آئیں گے مگر یاد رکھو! اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی۔ میں سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جھوٹے دجال و کذاب آج تک جو مختلف زمانوں میں مختلف روپ میں آئے ہیں ان کی فہرست سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں دیکھی جائے۔ بہر حال! یہ قادیانی جسے یورپ کی سرپرستی حاصل ہے جس کی تخم ریزی برطانیہ نے کی اب اسے یورپ اور پوری عیسائیت اور یہودیت کی ہمدردیاں حاصل ہیں، یہ "ربوہ" کے نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے گمراہ فرقے سے دور رہیں، اور شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر قائم و پابند رہیں۔

❁ ❁ ❁

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ
فَرِحُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٥٤﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿٥٥﴾
نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور نیک عمل کرو، بلاشبہ میں ان کاموں کو جانتا ہوں جنہیں تم کرتے ہو ﴿٥١﴾ اور بلاشبہ یہ تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے، اور میں تمہارا ربّ ہوں، سو تم مجھ سے ڈرو ﴿٥٢﴾ سو ان لوگوں نے الگ الگ طریقہ اختیار کر کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، ہر جماعت کے لوگ اس سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے ﴿٥٣﴾ سو آپ انہیں ایک وقت تک ان کی جہالت میں چھوڑ دیں ﴿٥٤﴾ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ان کو مال اور بیٹے دیئے جاتے ہیں ﴿٥٥﴾ ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ شعور نہیں رکھتے ﴿٥٦﴾

معارف و منازل

﴿يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ﴾ ممکن ہے یہ خطاب پیغمبروں کو ازلی میثاق کے اجتماعی موقع پر ہو، یا ہر نبی کو اس کی بعثت کے موقع پر یہ خطاب ہو، تاکہ وہ بذات خود اس پر عمل کرے، اور اپنی امت کو بھی اس کی تبلیغ کرے۔ لفظ طیبات کے

لغوی معنی ہیں: پاکیزہ، نفیس چیزیں، اور چونکہ شریعت اسلام میں جو چیزیں حرام کردی گئی ہیں وہ نہ پاکیزہ ہیں نہ اہل عقل کے لئے مرغوب ونفیس، کیونکہ محرمات سب گندے اور ناپاک ہیں، تو یہاں طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ اور نفیس ومرغوب ہیں۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنے اپنے وقت میں یہ ہدایات دی گئی ہیں، پہلی بات یہ کہ کھانا اور غذا پاکیزہ کھاؤ، دوم یہ کہ نیک عمل کرو، اور جب انبیاء علیہم السلام کو یہ اہم اور بنیادی خطاب ہوا حالانکہ وہ معصوم وپاکیزہ ہیں تو ان کی امتوں کو بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کریں، جیسے ارشاد ہے: ﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ [النحل: ۱۱۴] (پس کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو)۔

مفسرین کرام نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حلال روزی کا عملِ صالح میں بہت بڑا دخل ہے، جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی خود بخود توفیق پیدا ہوجاتی ہے، اور حلال مال دیگر نیک کاموں میں خرچ ہونے لگتا ہے، اور غذا اگر حرام ہو تو نیک اعمال کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، اور باوجود ارادہ اور قصد ونیت کے مشکلات حائل ہوجاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں، اور غبار آلود رہتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہاتھ پھیلاتے ہیں: یاربّ یاربّ پکارتے ہیں، مگر ان کا کھانا حرام ہوتا ہے، پینا بھی حرام اور لباس بھی حرام کا ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ [مسلم، أحمد] دوسری حدیث میں ارشاد ہے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ۔ جس بدن کی پرورش حرام سے ہو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ [مشکوۃ]

﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ بیشک تمہارا دین وملّت اور طریقہ ایک ہی ہے۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا: ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ [الأنبياء: ۹۲] (بیشک تمہاری یہ ملّت ایک ملّت ہے)۔ امت جماعت اور قوم کو کہتے ہیں مگر یہاں امت سے مراد ملّت اور دین ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اسی معنی میں مستعمل ہے: ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الزخرف: ۲۲] (یعنی کفار نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر (شرک وبت پرستی) پر پایا ہے، اور ہم انہی کے اتباع کرنے والے ہیں)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو اصول اور عقائد کے مسائل میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کا حکم دیا ہے، جس میں سرفہرست مسئلہ توحید ہے: ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [المؤمنون:۳۲] (یہ کہ اللہ کی عبادت کرو، نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود اس کے علاوہ)۔

ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اسی کی دعوت دی، اسی کا نام ہے: وحدت ملّت جو کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں مشترک ہے، اس کے بعد شریعت کا مقام ہے جو کہ ہر نبی کی شریعت اور احکام مختلف ہیں، ایک شریعت میں کوئی چیز حلال اور جائز ہے جبکہ دوسری شریعت میں وہ حرام ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے منہاج سے تعبیر فرمایا جو کہ ارشاد ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ [المائدة:۴۸] (ہم نے ہر امت کے لئے علیحدہ علیحدہ شریعت اور منہاج مقرر کردی ہے)۔ پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کو بھی خطاب کر کے فرمایا: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾ [الجاثية:۱۸] (ہم نے آپ کے لئے بھی ایک خاص شریعت مقرر کی ہے، آپ اس کا اتباع کریں) جس طرح ہر نبی اپنی شریعت کا اتباع کرتا ہے۔

﴿فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا﴾ انہوں نے ملّت واحدہ میں تفریق کر کے اپنے معاملات (دینی مسائل وعقائد) کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو چھوڑ کر اور اس کی بندگی سے انحراف کر کے اپنی خواہشات ومزعومات پر ڈٹے رہے، نفس وشیطان کا غلام بن کر گمراہ فرقے بن گئے، ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام:۱۵۹] (بیشک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، وہ فرقے بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں)۔

فرقہ بندی یہی ہے کہ دین کے بنیادی اصولوں کو ترک کیا جائے، اور ان کی جگہ غلط عقائد وضع کئے جائیں، یا عقائد حقہ کو غلط معنی پہنا کر ان کا حلیہ تبدیل کیا جائے، اور بدعات ورسومات کو شریعت بنایا جائے، یہ سب حرام اور الحاد وزندقہ شمار ہوگا جو کہ قطعاً حرام ہے۔

زُبُرًا زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنی میں آتا ہے، اور زبر بھی ٹکڑے اور قطعہ کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا کہ حضرت ذوالقرنین کے واقعہ میں ہے: ﴿قَالَ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ [الكهف:۹۶] (ذوالقرنین نے کہا کہ میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ) بمعنی لوہے کے ٹکڑوں کے۔

یہاں یہی معنی مراد ہے کہ لوگوں نے اختلاف کر کے دین کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرلیا، اور طرح طرح کے

فرقوں میں تقسیم ہوگئے، اس فرقہ بندی کا یہ حال ہے کہ:

﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ ہر فرقہ اپنی اپنی بات اور نظریہ پر خوش ہے کہ وہ صحیح عقیدہ پر قائم ہے۔

﴿فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ﴾ آپ ان فرقہ پرست گمراہ لوگوں کو ایک مقررہ وقت تک چھوڑ دیں، ایک وقت آئے گا کہ یہ اپنی موت آپ مرہی جائیں گے، اور دنیا والوں کو ان کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کے مال واولاد کی صورت میں جو مدد کر رہے ہیں: ﴿نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ تو کیا ہم ان کے لئے بھلائیوں میں سبقت کر رہے ہیں؟ یہ ان کی خام خیالی ہے، یہ ہماری طرف سے استدراج ہے جو ان پر اتمام حجت کے لئے ہے، یہ ہماری عنایت ہے کہ ہم انہیں سب کچھ دے کر دشمن پروری کا ثبوت دے رہے ہیں، وہ وقت دور نہیں جب کہ وہ پکڑ میں آجائیں گے، ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ [القلم: ۴۵] (اور میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے)۔ اسی طرح: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [القلم: ۴۴] (میں ان کو وہاں سے ڈھیل دوں گا جہاں سے ان کو پتہ بھی نہ چلے)۔ یہ تو استدراج ہے، ہم انہیں ایسے طریقے سے پکڑیں گے کہ انہیں خبر بھی نہ ہو گی، وہ بڑے ناداں ہیں جو اپنے کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔ ﴿بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ﴾ بلکہ انہیں شعور ہی نہیں کہ ہمارا نتیجہ بہت برا ہوگا، وہ بے عقل ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۵۷ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۸
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى
رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝۶۰ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝۶۱ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۲

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اپنے ربّ کی ہدایت سے ڈرتے ہیں ۝۵۷ اور جو لوگ اپنے ربّ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ۝۵۸ اور جو لوگ اپنے ربّ کے ساتھ شرک نہیں کرتے ہیں ۝۵۹ اور جو لوگ کچھ دیتے ہیں تو اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس بات سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ کے پاس لوٹنے والے ہیں ۝۶۰ یہ وہ لوگ ہیں جو نیک

کاموں میں جلدی کرتے ہیں، اوران کی طرف دوڑ رہے ہیں ﴿۶۱﴾ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے، اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق کے ساتھ بیان کرے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا ﴿۶۲﴾

معارف ومنازل

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صفات:

ان آیات میں نیک بندوں کی مزید صفات بیان فرمائی ہیں۔

اولاً تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اپنے ربّ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

دوسرے یہ فرمایا کہ وہ اپنے ربّ کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

تیسرے یہ فرمایا کہ اپنے ربّ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔

چوتھے یہ فرمایا کہ وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس خرچ کرنے پر انہیں کوئی سخاوت کا گھمنڈ اور غرور نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہمیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں جانا ہے، وہاں یہ مال خرچ کرنا قبول ہوتا ہے یا نہیں، وہاں پہنچ کر صورت کیا کچھ ہوگی پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کی پذیرائی ہوگی یا نہیں، مال پوری طرح حلال تھا یا نہیں؟ نیت میں خلوص تھا یا نہیں؟ یہ انفاق برمحل تھا یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

مؤمنین کی مذکورہ صفات بیان فرما کران کی تعریف فرمائی کہ یہ لوگ خیرات یعنی نیک کاموں کی طرف جلدی جلدی آگے بڑھتے ہیں، اور نیکیوں میں سبقت کرتے ہیں، تو فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ﴾ ایمان والے لوگ وہ ہیں جو اپنے ربّ کے خوف سے ڈرتے ہیں۔ یہ صفت بہت عمدہ ہے جس میں یہ صفت ہو وہ ہر گناہ سے بچتا رہے گا۔ دوسری صفت یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان لاتے ہیں، آیات مثلاً کتب سماویہ، معجزات، دلائل قدرت انفسی اور آفاقی، تمام آیات دین شریعت ملت احکام وغیرہ۔ تیسری صفت یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ﴾ وہ اپنے ربّ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناتے، وہ خالص توحید پر قائم رہتے ہیں، یہ لوگ شرک فی الذات والصفات دونوں سے بری اور پاک ہوتے ہیں۔ چوتھی صفت یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا﴾ وہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں، یا وہ کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں مگر حال یہ

ہے: ﴿وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ کہ ان کے دل اس بات سے لرزاں وترساں رہتے ہیں کہ: ﴿اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ کہ بیشک وہ اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ انہوں نے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ﴿يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا﴾ میں ہرا چھابرا عمل شامل ہے؟ فرمایا: یابنت صدیق! اس سے برائی کے کام یعنی چوری ڈاکہ زنا وغیرہ نہیں، بلکہ صرف نیکی کے کام مراد ہیں، یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ نماز، روزہ، صدقہ وخیرات وغیرہ کے کام کرنے کے باوجود اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں۔ [ترمذي]

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے، پس ہوسکتا ہے کہ کسی خامی کی وجہ سے ان کی تمام یا کچھ نیکیاں قبول ہی نہ ہوں، اور وہاں انہیں شرمندگی اٹھانا پڑے، وہ اسی فکر میں پریشان اور خوفزدہ رہتے ہیں، اسی وجہ سے فرمایا کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے، یہ دونوں چیزیں ایمان کی علامات میں سے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ﴾ یہی لوگ ہیں کہ بھلائی اور خیر کے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں۔

﴿وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ اور وہ ایسے کاموں میں سبقت کرنے والے ہوتے ہیں، آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔ ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ہم کسی نفس کو اس کی طاقت ووسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے، کیونکہ دین میں آسانی ہے سختی نہیں، اکثر احکام میں عزیمت کے ساتھ رخصت بھی ہے جو آسانی کا پیغام ہے، دین میں ایسا عمل قطعاً نہیں جو انسانی طاقت سے باہر اور اس کی ادیگی طاقت سے باہر ہو۔

﴿وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ﴾ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے، اس میں تمہارے سارے اعمال انصاف کے ساتھ درج اور لکھے ہوئے ہیں، جب ہمارے پاس آؤ گے تو اسے پڑھو گے، قیامت کے روز اسی کتاب کے مندرجات پر تمہارا فیصلہ ہوگا۔ ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْــَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ

اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: بلکہ ان کے دل اس دین کی طرف سے جہالت میں ہیں، اس کے علاوہ اور بھی ان کے اعمال ہیں جنہیں وہ کرتے ہیں ﴿۶۳﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب کے ساتھ پکڑ لیں گے تو وہ چلائیں گے ﴿۶۴﴾ آج مت چلاؤ، بلاشبہ آج ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی ﴿۶۵﴾ تم پر میری آیات تلاوت کی جاتی تھیں سو تم الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے ﴿۶۶﴾ تکبر کرتے ہوئے قرآن کو مشغلہ بناتے ہوئے بیہودہ باتیں کرتے تھے۔

معارف ومنازل

اوپر اہل ایمان کا تذکرہ اور مؤمنین صادقین کی صفات کا بیان تھا، اب ان آیات میں کفار ومنکرین کے احوال اور برے اعمال کا تذکرہ ہے، اول تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے دل میں جہالت مستحکم ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید اور اعمالِ اسلامیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، بلکہ مسلسل دین الٰہی کی تکذیب و انکار پر مصر ہیں، اور اس کے علاوہ دیگر اعمالِ خبیثہ کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ لوگ اسی حال میں رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو پکڑ لیں گے اور ان پر عذاب نازل کریں گے تو فوراً چیخ اور چلائیں گے، جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آچکا اس وقت وہ تکذیب کرتے رہے، جب عذاب آگیا تو چیخ کر رونے لگے، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے، اور انہیں خبردار بھی کیا گیا تھا کہ تمہارے انکار کا انجام عذاب کے سوا کچھ نہیں، مگر وہ اپنے غرور میں مست رہے اور نہ مانا، تو ان سے کہا جائے گا کہ اب چیخ و پکار نہ کرو، اب ہم تمہاری مدد نہیں کریں گے، کیونکہ جب تم پر میری آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو تم تکبر کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے، اور تم نے قرآن کو مشغلہ بنا رکھا تھا کہ اس کی شان میں بیہودہ بکواس کرتے تھے، قرآن کو کبھی جادو کہتے تھے، اور پرانے لوگوں کے قصے کہانی کہتے رہتے تھے، اور کبھی اسے شعر کہتے تھے۔

﴿بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ یعنی آخرت کی جانب سے ان کے دل سخت غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ﴾ ان کے کچھ اعمال خبیثہ ہیں جن کا وہ بڑے شوق سے ارتکاب کرتے ہیں، وہ بے شمار معاصی ومنکرات کو فخریہ طور پر انجام دیتے ہیں۔

﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ﴾ یہاں تک کہ جب ہم ان کے آسودہ حال

لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیتے ہیں تو وہ چیخنے چلانے لگتے ہیں، واویلا شروع کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی ہے: ﴿لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۖ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ آج مت چلاؤ، آج تم اپنے انجام کو پہنچ چکے ہو، آج ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

﴿قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ﴾ میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں، مگر تم الٹے پاؤں ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگتے تھے۔ ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ﴾ تم تکبر وغرور میں مبتلا تھے، پیغمبر اور قرآن کے بارے میں بیہودہ قصہ گوئی کرتے تھے، اور یاوہ گوئی و بکواس کرتے تھے۔

سٰمِرًا کے معنی ہیں: رات کو قصہ گوئی کرنا۔ تَهْجُرُوْنَ بکواس یاوہ گوئی کرنا۔ تَهْجُرُوْنَ کے دوسرے معنی ہیں: ترک وعدم التفات۔ یہ لوگ راتوں کو کعبۃ اللہ شریف کے پاس بیٹھ کر قصہ کہانی بیان کرتے تھے، ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات پر گفتگو کرتے ہوئے طرح طرح کی بکواس یاوہ گوئی کر کے چھوڑ کر چلے جاتے تھے، ان بکواس اور یاوہ گوئی کا انجام آنے والی آیات میں واضح طور پر بیان ہوگا۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ
مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ
كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا
لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا؟ یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان سے پہلے ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی؟ ﴿۶۸﴾ یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا؟ سو وہ اس کے منکر ہو رہے ہیں ﴿۶۹﴾ یا وہ یوں کہتے ہیں کہ اس کو دیوانگی ہے؟ بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق لے کر آیا ہے، اور ان میں اکثر وہ ہیں جو حق کو مکروہ جانتے

ہیں۞ اور اگر حق ان کی خواہشوں کا تابع ہوجائے تو آسمان اور زمین اور جو ان کے اندر ہیں سب تباہ ہوجائے، بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت بھیجی ہے، سو وہ اپنی نصیحت سے روگردانی کررہے ہیں۞ کیا آپ ان سے کچھ آمدنی کا سوال کرتے ہیں؟ سو آپ کے ربّ کی آمدنی بہتر ہے، اور وہ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے۞ اور بلاشبہ آپ انہیں صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۞ اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۞ اور اگر ہم ان پر مہربانی کریں، اور وہ جس تکلیف میں ہیں اسے دور کریں تو وہ اپنی سرکشی میں بھٹکے ہوئے اصرار کرتے رہیں گے۞ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انہیں عذاب میں گرفتار کیا سو وہ اپنے ربّ کے سامنے نہ جھکے اور نہ عاجزی اختیار کی۞ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول دیں گے، تو اچانک وہ اس میں حیرت زدہ ہوکر رہ جائیں گے۞

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں متکبرین کی جہالت اور ضلالت کا اجمالی بیان تھا، اب ان آیات میں ان کی جہالت اور ضلالت کے اسباب کو تفصیل کے ساتھ بیان کرکے ان کا رد فرماتے ہیں، اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن اسباب کی بنا پر کفر اور سرکشی پر آمادہ ہوئے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ بتلایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا سبب ان پانچ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے:

(۱) یا تو یہ وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں غور وفکر نہیں کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی روشن دلیل ہے، اور گزشتہ تمام آسمانی کتابوں سے بلند وبالا ہے، اور سب کے لئے ناسخ بھی ہے، تمام دنیا کے فصحاء وبلغاء اس کے معارضہ سے عاجز ہیں، اور اس کی اپنی فصاحت وبلاغت بینظیر ہے۔

(۲) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو امر غریب اور نئی چیز سمجھا۔

(۳) یا یہ وجہ ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال سے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق وامانت اور اخلاق واعمال سے واقف نہ تھے، اسی طرح اُمی ہوتے ہوئے علم وفیض کے چشمے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جاری ہوئے تو یہ لوگ حیرانی میں گم ہوگئے۔

(۴) یا یہ وجہ ہے کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجنون دیوانہ ہیں، یا ساحر وشاعر ہیں، یا مسحور

ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل ٹھکانے پر نہیں۔

(۵) یا یہ وجہ ہے کہ انہوں نے یہ باور کیا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے کچھ مالی منفعت اور مالی شکرانے کے طلبگار وخواہش مند ہوں۔

ربّ العزّت سبحانہ نے کفار کی ان بے بنیاد باتوں کو نقل کر کے ان کا جواب دیدیا، اور واضح فرمایا کہ ان بدنصیبوں کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ:

(۱) قرآن کریم کے ظاہری اور معنوی اعجاز وفصاحت سے واقف نہیں۔

(۲) یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وامانت وعلم ودیانت اور اخلاق واعمال سے واقف نہیں۔

(۳) یا یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے نہیں۔

(۴) یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کسی مالی منفعت کے امیدوار اور خواہشمند ہیں۔ ان باتوں میں سے ان کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ حسد اور بغض کی وجہ سے اور غرور وتکبر کی بنیاد پر حق سے انکار کر رہے ہیں، اور حق کے سامنے جھکنے کی بجائے حق کو اپنے تابع بنا کر اپنے سامنے جھکنے کے خواہشمند ہیں۔ فرض کیجئے کہ اگر حق ان کی خواہشوں کا تابع ہوجائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہوجائے، اور پورا نظام عالم تباہ ہوجائے، یہ لوگ بڑے سرکش ہیں، بغیر کسی آسمانی تباہ کن عذاب کے حق کے سامنے جھکنے والے نہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود عذاب کے نزول میں رکاوٹ ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ [الانفال: ۳۳] (اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو)۔ پس انکار اور تکذیب پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ﴾ کہ انہوں نے اس قرآن میں غور نہیں کیا تا کہ قرآن کا لفظی اور معنوی اعجاز ان پر واضح ہوجاتا، اور وہ جان لیتے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور بشری حیثیتوں سے بہت بلند ہے، اور توحید وصفات کے حقائق ودلائل کا امین ورازدار ہے۔

﴿اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یا تکذیب وانکار کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی انوکھی غیر معروف چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی تا کہ ان کا یہ عذر وبہانہ صحیح ہو کہ اس قسم کی چیزوں سے ہم بے خبر ہیں، یہ ہمارے باپ دادوں نے نہ دیکھا اور نہ ہم نے سنا، تو فرمایا: یہ ایسی بات نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری رہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں، ان کے باپ دادوں نے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی

تکذیب کی ہے جس طرح یہ لوگ کر رہے ہیں۔ یا تکذیب کی یہ وجہ ہے:

﴿اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ یا یہ کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا، اور اس کی صداقت فہم وفراصت اور امانت واخلاق کو نہیں جانا، پس اس لئے وہ اس کے منکر ہیں، سو یہ بھی غلط ہے، یہ سارے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے حسب ونسب کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وامانت اور اخلاق کریمانہ کو اچھی طرح جانتے ہیں، اور اقرار بھی کر چکے ہیں، اور ''امین'' کا لقب بھی دے چکے ہیں، اور علماء یہود جو تعصب میں ان سے بھی آگے ہیں وہ بھی ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾[البقرة:۱۴۶] (وہ لوگ آپ ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)۔ اس انکار کی وجہ تعصب وحسد وتکبر کے سوا اور کچھ نہیں۔ یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ (معاذ اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے، سو یہ بات مشاہدہ کے بالکل خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن مکارم اخلاق اور اعمال حسنہ فاضلہ کے ساتھ آراستہ ہیں، اور جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہاں کے کامل عقلمند صاحب فراست معلم خیر ہیں، ان برگزیدہ کمالات کے مالک کو مجنون کہنا اپنی جہالت وجنون کا واضح اقرار ہے، بلکہ تکذیب کی اصل وجہ یہ ہے:

﴿بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ﴾ یہ پیغمبر صادق ان کے پاس حق وسچائی لے کر آیا ہے۔

﴿وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ اور ان میں سے اکثر بدقسمت لوگ حق سے بیزار اور متنفر ہیں، اور اپنی خواہشات کے غلام ہیں، اور بجائے اتباع حق کے وہ یہ چاہتے ہیں کہ حق ہماری خواہشات کا اتباع کرے، تو فرمایا:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ اور اگر بالفرض حق ان کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان وزمین اور ان کے اندر تمام موجودات سب تباہ وبرباد ہو جائیں (اور قیامت سے پہلے قیامت آجائے)۔ ان دونوں باتوں میں تلازم ہے، آپس میں لازم وملزوم ہیں، آخر زمانہ میں جب حق مغلوب اور مفقود ہوگا اور خواہشات کے سایہ میں باطل کا غلبہ ہوگا اور روئے زمین پر ''اللہ'' کہنے والا کوئی نہیں ہوگا تو:

﴿لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ کا ظہور ہوگا، جس کا نام قیامت ہے، جس سے پورا عالم تباہ ہو جائے گا، اب کی یہ بات فرضی ہے کہ بالفرض اگر حق تابع ہو جائے اور ان کی خواہشات متبوع ہوں تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو، اور انسانوں کی زندگی درندوں سے بدتر اور خراب ہو۔

﴿بَلْ اٰتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائے ہیں جس میں ان کی عزّت وشرف کا پیغام ہے، پس وہ اپنی عزّت وشرف اور کامیابی کی چیز سے اعراض کرنے والے ہیں، یہ ان کی حماقت اور بدنصیبی ہے۔ یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ:

﴿اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ﴾ کہ آپ اپنی تبلیغ کے عوض ان سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی کوئی اجرت ومعاوضہ مانگتے ہیں، اسی وجہ سے وہ آپ سے دور بھاگتے ہیں، اور تیرے ربّ کا عطیہ و بخشش تیرے لئے بہت بہتر ہے، اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں، کیونکہ:

﴿وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ وہ سب دینے والوں سے بہتر اور زیادہ دینے والا ہے، وہ مالک حقیقی ہے، پس جب یہ بات بھی نہیں تو ان کی تکذیب بلا وجہ ہے، اور محض غرور وسرکشی ہے، اور اصلی بات یہ ہے کہ:

﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور تحقیق آپ تو ان کو سیدھے راستے کی دعوت دیتے ہیں، آپ کا مقصود تو آخرت ہے، نہ کوئی دنیاوی چیز اور جو آخرت سے منحرف ہیں، وہ یہ ہیں:

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ﴾ اور تحقیق جو لوگ دنیا کی لذّتوں پر فریفتہ ہیں وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے منحرف ہیں۔ ﴿وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ اور اگر ہم ان پر رحم کریں، اور ہر قسم کی تکلیف ان سے دور کریں تو تب بھی ہمارا احسان نہ مانیں، اور ایمان واصلاح قبول نہ کریں، اور برابر اپنی سرکشی وگمراہی میں سرگرداں رہیں، جب انہیں مصیبت پہنچی تو الحاح وزاری میں لگ گئے، اور مصیبت کے دور ہونے پر دوبارہ سرکشی میں لگ گئے، فرمایا: ﴿مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ﴾۔ [یونس: ۱۲] (چل کھڑا ہوتا ہے جیسے کبھی اپنے آپ کو پہنچنے والی کسی تکلیف میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا)۔ اسی طرح: ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ [العنکبوت: ۶۵] (جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ان کا اعتقاد خالص اسی پر ہوتا ہے۔ پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً شرک کرنے لگتے ہیں)۔

چاہئے کہ انسان دنیا کے مزوں اور طرح طرح کی سہولتوں میں بکثرت اللہ تعالٰی کو یاد کرے، اور اس کا شکر بجالائے اور ہردم اس کے حکموں پر عمل پیرا رہے، لیکن شکر گزاری تو کیا جب مصیبت آتی ہے تب مالک الملک یاد

آجاتا ہے، جوں ہی اس کے حکم سے مصیبت ٹل جاتی ہے تو احسان فراموش آدمی پھر اپنی سرکشی شروع کرتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ البتہ تحقیق ہم نے ان کو بعض اوقات آفت اور مصیبت میں بھی پکڑ لیا، پھر بھی یہ سرکش اپنے ربّ کی طرف نہ جھکے اور نہ نرم پڑے، اور نہ عاجزی اور زاری کی، بلکہ اپنے کفر وشرک اور طغیانی وسرکشی میں مست رہے۔

﴿حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر شدید عذاب کا دروازہ کھول دیا تو اچانک وہ اس میں مبتلا ہوکر مایوس ہوگئے، اور مسلمانوں کے ہاتھوں معرکوں میں مارے گئے، یہ باب شدید دراصل جہاد کا دروازہ تھا جس کے طفیل سے مختصر مدّت میں جزیرۃ العرب سے کفر وشرک کا نام ونشان مٹ گیا، اور پورے عرب پر اسلام کا پرچم لہرایا گیا، اور اس کے بعد مسلمانوں نے قیصر وکسریٰ کے تین ہزار سالوں سے قائم سلطنتوں کو خاک خون میں تڑپا دیا، اور چاردانگ عالم میں توحید الٰہی اور اسلام کو متعارف کیا۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ
فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا
ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾
قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾
قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، تم کم شکر ادا کرتے ہو﴿۷۸﴾ اور وہی ہے جس نے زمین میں تمہیں پھیلا رکھا ہے، اور تم اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے﴿۷۹﴾ اور وہی زندہ کرتا ہے

اور موت دیتا ہے، اور اسی کے اختیار میں ہے رات دن کا یکے بعد دیگرے آنا جانا، سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟⑧⓪ بلکہ انہوں نے وہ بات کہی جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی ⑧① انہوں نے کہا کہ کیا ہم جب مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟⑧② اس بات کا ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے وعدہ کیا جاتا رہا، یہ بات پرانے لوگوں سے نقل ہوتی آئی ہے⑧③ آپ فرمادیجئے: کس کے لئے ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے؟ اگر تم جانتے ہو⑧④ اس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے، آپ فرمایئے: پھر کیوں غور نہیں کرتے؟⑧⑤ آپ فرمادیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا ربّ کون ہے؟⑧⑥ وہ جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، آپ فرمادیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟⑧⑦ آپ فرمادیجئے کہ وہ کون ہے جس کے قبضے میں ہر چیز کا اختیار ہے؟ اور وہ پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو⑧⑧ وہ جواب دیں گے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، آپ فرمادیجئے کہ پھر تم کہاں ہوجادو کئے ہوئے؟⑧⑨ بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس حق بھیجا ہے، اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں⑨⓪

معارف ومنازل

اسباب جہالت وضلالت کے بیان کے بعد اب ان آیات میں اپنی نعمتوں کو یاد دلاتے ہیں، اور اپنی قدرت کاملہ کے آثار کو ذکر کرتے ہیں، تاکہ حیات بعد الموت میں شک نہ کریں، اور قیامت اور جزا وسزا پر ایمان لے آئیں، اسی کے ساتھ اپنی قدرت کے کمالات کا ان سے اقرار بھی کراتے ہیں، جنہیں ماننے کے باوجود کفر وسرکشی پر جمے ہوئے ہیں، اب چار دلائل کا بیان ہوگا جو کہ وحدانیت کے دلائل بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی ہیں۔

پہلی دلیل: ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کئے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل، اگر اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یہ اعضاء پیدا نہ کرتا تو تم نہ سن سکتے اور نہ دیکھ سکتے اور نہ سمجھ سکتے، تم کو یہ عجیب وغریب اربوں درا ہم سے قیمتی نعمتیں مفت اس لئے عطا کیں کہ تم اپنے ربّ کا شکر بجالاؤ، لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو، تو ظاہر ہے کہ ناشکروں کو سزا ملنی ضروری ہے۔

دوسری دلیل: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور پھیلایا، اور تمہاری تمام حاجتوں کو زمین میں بکھیر دیا، پھر قیامت کے روز اسی کی طرف اکٹھے کئے

جاؤ گے، اوران نعمتوں کا حساب دو گے۔

تیسری دلیل: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے (موت دیتا ہے) یہ سب اس کے حکم کا نتیجہ ہے، یعنی وجود و عدم موت کے بعد دوبارہ زندگی سب اس کے ہاتھ میں ہے۔

چوتھی دلیل: ﴿وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے دن رات کی آمد و رفت اور روشنی و تاریکی اور ان کا گھٹنا بڑھنا اور موسموں کی تبدیلی وغیرہ، سو کیا تم سمجھتے نہیں کہ یہ عظیم کارخانہ اور اس کا نظام جس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے تمہاری دوبارہ زندگی اور قیامت یہ سب اسی کے ہاتھ میں ہیں، تو تمہارے لئے انکار کا نہ جواز ہے اور نہ ہی گنجائش، پس کیا تم اندھے بہرے پاگل ہو؟ جو سب کچھ دیکھ کر پھر بھی منکر ہو، اور حال یہ ہے:

﴿بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿٨١﴾ قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨٣﴾﴾ بلکہ ان بے عقلوں نے وہی بات کہی جو اگلوں نے کہی تھی، وہ یہ کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ یہ بہت محال اور دور کی باتیں ہیں کہ مٹی میں ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندگی ہو۔ ایک دو رکوع پہلے یہ الفاظ تھے: ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ بہت دور اور بعید ہے یہ بات۔

﴿لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ البتہ یہ وعدہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں کے ساتھ کیا جاتا رہا، مگر ہم نے تو آج تک کسی مردہ کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے پرانے لوگوں کے خیالی قصے کہانیاں ہیں، ان کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں۔

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾﴾ آپ فرما دیجئے اور سوال کیجئے کہ اچھا تم یہ بتلاؤ کہ یہ زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے یہ کس کی ملکیت ہے؟ اور کون اس کا خالق و حاکم ہے؟ اگر جانتے ہو تو بتلاؤ جواب دو، وہ بہر حال مجبور ہو کر یہی کہیں گے اور اقرار کریں گے کہ یہ سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے، تو آپ فرمایئے کہ تم کیوں یاد نہیں کرتے ہو کہ جو خداوند قدوس عظیم ذخیرہ کائنات کا جو مالک و متصرف ہے وہ تمہارے ننھے اور چھوٹے بدن کو زندہ کرنے پر بھی بڑا قادر ہے۔

﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا

تَتَّقُوْنَ﴿۸۷﴾ آپ منکرین قیامت سے دریافت فرمائے کہ تم بتلاؤ کہ سات آسمانوں کا پروردگار اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے؟ تو جواب میں وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں ڈرتے ہوا تنے جاننے کے باوجود منکر قیامت ہو؟

﴿قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴿۸۹﴾﴾ آپ منکرین قیامت سے یہ بھی دریافت فرمائیے کہ بتلاؤ وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر شیٔ کی بادشاہت اور حکومت ہے؟ وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ اس کے جواب میں لامحالہ وہ یہ کہیں گے کہ یہ سب صفتیں تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں، تو آپ انہیں سمجھائیں کہ پھر تم کہاں جادو کر دیئے گئے ہو؟ تمہاری عقول اور سوچ پر کہاں سے اور کس نے جادو کر کے پردہ ڈال دیا اور تمہیں بیوقوف بنا کر اپنے خالق و مالک سے برگشتہ کیا؟ جس کی تمام قدرتوں اور حکمتوں کا اقرار کرتے ہوئے اس کی حکم عدولی پر مجبور کیا۔

﴿بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ بلکہ ہم ان کے پاس حق اور صدق لے کر آئے ہیں، اور بلاشبہ یہ جھوٹے ہیں جو توحید اور حیات اُخروی سے منحرف ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے لئے شریک ٹھہراتے ہیں اور اولاد ثابت کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۹۲﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا قرار نہیں دیا، اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا، اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر لیتا، اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں﴿۹۱﴾ پوشیدہ اور آشکارا ہر چیز کا جاننے والا ہے، سو وہ ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے﴿۹۲﴾

معارف ومنازل

سابقہ آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد ثابت کرتے ہیں وہ جھوٹے

ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد نہیں ٹھرایا، نہ بیٹا نہ بیٹی، اور نہ اس کو کسی اولاد یا ہمسر یا وزیر یا مشیر یا کسی معاون کی ضرورت ہے، اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے۔ بالفرض اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا، یعنی خدائی تقسیم ہو جاتی، اور ہر خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا کر لیتا تا کہ اس کی قدرت اور سلطنت کا علم سب کے سامنے واضح ہو، اور لوگ جانیں کہ یہ فلانے خدا کی مخلوق ہے، اور وہ ہرگز پسند نہ کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق کے ساتھ خلط ملط ہو جائے۔

جب خدا دو ہوتے ہیں تو ان کی مخلوق بھی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، اور ہر ایک خدا اپنی سلطنت اور بادشاہت کو الگ کر لیتا ہے تا کہ دوسرا خدا اس کی حدود سلطنت وملکیت میں مداخلت نہ کر سکے (جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کا طرز وطریقہ ہے) ایک بادشاہ کبھی بھی اس بات پر راضی نہیں ہوسکتا کہ اس کی حدودِ سلطنت دوسرے بادشاہ کی حدود سلطنت کے ساتھ رَل مل جائیں، اسی طرح ہر کارخانہ کا نشان اور مہرا الگ ہوتی ہے تا کہ اس کارخانہ کی پیداوار دوسرے کارخانوں کے مال کے ساتھ ملتبس نہ ہوں۔ غرض یہ کہ ایک خدا کبھی بھی اس پر راضی نہیں ہوسکتا کہ دوسرا خدا اس کے ملک میں شریک اور دخیل ہو سکے، اور یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس کی مخلوق اور مخلوق کی مہر و نشانی دوسرے خدا کی مخلوق کی مہر و نشانی میں ممتاز نہ ہو۔

تمام دنیا کی سلطنتوں کا قاعدہ ہے کہ ایک بادشاہ کی حدود سلطنت، مہر و نشان، کرنسی نوٹ اور فوج اور فوجی وردی، غرض ہر چیز دوسروں سے ممتاز ہو، ہم بشمول تمام جہان کے ہزاروں سالوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ تمام علوی، سفلی، جاندار، نباتات، جمادات مخلوقات ایک طرز وطریق ایک ہی شکل وصورت ایک ہی دستور کے مطابق چل رہے ہیں، نہ اختلاف ہے نہ مخالفت، نہ گڑبڑ، نہ رسہ کشی، پھر ہم دنیا کے مجازی بادشاہوں کو دیکھتے ہیں کہ پورے ملک میں تباہی مچاتے ہوئے فساد برپا کر رہے ہیں۔

دور مت جاؤ، سیاسی جماعتوں کو دیکھو، پھر غور وفکر کر کے اندازہ لگاؤ کہ کائنات لاکھوں سالوں سے جس محکم و منظم محیر العقول بے مثال نظام کے ساتھ رواں دواں ہے مجال نہیں کہ اس عالمگیر نظام میں بال برابر فتور یا فروگزاشت ہو، اگر اس جہاں میں ایک سے زائد خدا ہوتے تو کب سے اس کا خانہ خراب ہو چکا ہوتا۔ آپ ایک چھوٹی سی ریاست میں دو بادشاہ نامزد کریں پھر تماشا دیکھیں، کیا کچھ نہیں ہوگا۔ فرمایا:

﴿وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٍ﴾ اور اگر دو خدا ہوتے تو آخر کار ان دو خداؤں میں لڑائی اور جھگڑا ہوتا،

اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے، اور ہر ایک اپنا غلبہ چاہتا، جو غالب آجاتا تو دوسرے کا ملک چھین لیتا، وہ دوسرا مغلوب ہوجاتا، پھر وہ خدائی کے قابل نہ رہتا، اور پورا نظامِ عالم درہم برہم ہوجاتا، مگر سب دیکھتے ہیں کہ نظامِ عالم میں کوئی خلل اور فساد نہیں ہے، جب سے یہ عالم وجود میں آیا ہے آج تک اسی نہج وطرز پر چل رہا ہے، اور اس کے طول وعرض اور اوپر نیچے ایک ہی ہاتھ کارفرما ہے، اور سارا کارخانہ ایک ہی پروردگار واحد لاشریک لہ کے محکم نظام کے ساتھ چل رہا ہے، اور قیامت کے وقتِ مقررہ کی آمد پر اسی کے حکم وفرمان کے ساتھ تہہ وبالا ہوگا، اور قیامت برپا ہوگی، سورۂ انبیاء کی آیت: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ﴾[الأنبياء: ۲۲] (اگر زمین اور آسمان میں دو معبود ہوتے اللہ کے سوا) کے تحت مفصل کلام ہو چکا ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔

﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ وہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے لئے بتاتے ہیں۔

﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ وہ غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے، اس عظیم صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں، جو کوئی اس کی مخصوص صفات میں کسی بھی مخلوق کو شریک مانے گا وہ کافر ہی ہوگا، پس وہ بالاتر اور برتر ہے اس سے جس کو وہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔

.....❁.....❁.....❁.....

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ
نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ۝
وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۝

ترجمہ: آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے ربّ! جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے اگر وہ آپ مجھے دکھادیں تو ۹۳ اے میرے ربّ! مجھے ان ظالموں میں شامل نہ فرمایئے ۹۴ اور بلاشبہ ان سے ہم جو وعدہ کررہے ہیں ہمیں اس پر قدرت ہے کہ اسے آپ کو دکھادیں ۹۵ آپ اس طریقے پر ان کی بدمعاملگی کو دفع کیجئے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں ۹۶ اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے ربّ! میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں ۹۷ اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں ۹۸

معارف ومسائل

﴿قُلْ رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّلِمِينَ ﴿٩٤﴾﴾ مطلب یہ دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مشرکین و کفار پر عذاب کی وعید مذکور ہے جو عام ہے، قیامت میں تو اس کا وقوع قطعی اور یقینی ہے، دنیا میں ہونے کی بھی احتمال ہے، پھر یہ عذاب اگر دنیا میں ان پر واقع ہو تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد آئے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے سامنے ان پر اللہ کا کوئی عذاب آجائے۔

اور دنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو بعض اوقات اس عذاب کا اثر صرف ظالموں ہی پر نہیں رہتا، بلکہ نیک لوگ بھی اس سے دنیاوی تکلیف میں متاثر ہوتے ہیں، گو آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہ ہو، بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے گا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً﴾ [الأنفال: ۲۵] (یعنی ایسے عذاب سے ڈرو جو اگر آ گیا تو صرف ظالموں ہی تک نہیں رہے گا) بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کے لپیٹ میں آئیں گے۔

آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے کہ یا اللہ! اگر ان لوگوں پر آپ کا عذاب میرے سامنے اور میرے دیکھتے ہوئے ہی آنا ہے تو مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ رکھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معصوم اور عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یقینی تھا، مگر پھر بھی اس دعا کی تلقین اس لئے فرمائی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حال میں اپنے ربّ کو یاد رکھیں، اس سے فریاد کرتے رہیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجر بڑھے۔ [قرطبي]

﴿وَإِنَّا عَلَىٰ أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ﴾ یعنی ہم کو اس پر پوری قدرت ہے کہ ہم آپ کے سامنے ہی آپ کو ان پر عذاب آتا ہوا دکھلا دیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اگر چہ اس امت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے عذاب عام نہ آنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ﴾ [الانفال: ۳۳] (اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو)۔ یعنی ہم ان لوگوں کو اس حالت میں ہلاک کرنے والے نہیں کہ آپ ان کے اندر موجود ہوں، لیکن خاص خاص لوگوں پر خاص حالات میں عذاب کا دنیا ہی میں آجانا اس کے منافی نہیں۔

اس آیت میں جیسا کہ فرمایا ہے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ آپ کو بھی ان کا عذاب دکھلا دیں وہ اہل مکہ پر قحط اور بھوک کا عذاب تھا، پھر غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تلوار کا عذاب تھا جو آپ کے سامنے ہی ان پر پڑ چکا تھا۔ [قرطبی]

﴿اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ﴾ یعنی آپ برائی کو بھلائی کے ذریعہ ظلم کو انصاف کے ذریعہ اور بے رحمی کو رحم کے ذریعہ دفع فرما دیں، یہ مکارم اخلاق کی تعلیم ہے جو رسول اللہ ﷺ کو دی گئی ہے، جو مسلمانوں کے باہم تمام معاملات کے لئے ہمیشہ جاری رہے گا۔ البتہ کفار و مشرکین سے ان کے مظالم کے مقابلے میں عفو و درگزر ہی کرتے رہنا، ان پر ہاتھ نہ اٹھانا۔

یہ حکم آیات جہاد سے منسوخ ہو گیا، مگر عین حالت جہاد میں بھی اس حسن خلق کے بہت سے مظاہر باقی رکھے گئے۔ وہ یہ کہ عورت کو قتل نہ کیا جائے، بچے کو قتل نہ کیا جائے، جو مذہبی لوگ مسلمانوں کے مقابلے پر جنگ میں شریک نہیں ان کو بھی قتل نہ کیا جائے، اور جس کو بھی قتل کریں تو اس کا مثلہ ہرگز نہ کریں، یعنی ناک کان کاٹ نہ لیں، اسی لئے بعد کی آیت میں سرور عالم ﷺ کو شیطان اور اس کے وساوس سے پناہ مانگنے کی دعا تلقین کی گئی کہ عین میدان جنگ میں بھی آپ کی طرف سے عدل وانصاف اور مکارم اخلاق کے خلاف کوئی چیز شیطان کے غصہ دلانے سے صادر نہ ہونے پائے، وہ دعا یہ ہے:

﴿وَقُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۸﴾﴾ لفظ همز کے معنی دھکا دینے اور دبانے کے آتے ہیں، اور پیچھے کی طرف سے آواز دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ دعا اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے ایک جامع دعا ہے جو شیطان کے شر اور مکر و فریب سے بچنے کے لئے ہے۔ سرور عالم ﷺ نے مسلمانوں کو اس دعا کی تلقین فرمائی ہے تا کہ شیطانی شرارتوں سے محفوظ رہ کر بے قابو نہ ہوں۔

مسلمانوں کے ساتھ شیاطین کی جنگ ہر موقع ہر مقام اور ہر زمان جاری رہتی ہے، اس لیے کارآمد ہتھیار فراہم کیا ہے جس کے مقابلے کا توڑ شیاطین کے پاس نہیں، وہ ہے اللہ تعالیٰ سبحانہ کی پناہ، یہ پناہ صرف شیاطین کے مقابلے کے لئے نہیں، بلکہ ہر قسم کے شر سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہزاروں چیزوں کے شر سے استعاذہ کیا ہے، لہٰذا یہ استعاذہ بہت بابرکت دعا بھی ہے، اور شیاطین کے ساتھ مقابلہ کرنے کا زبردست ہتھیار بھی ہے۔ جب مؤمن استعاذہ کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے قلعے میں محفوظ ہو جاتا ہے، پھر مجال نہیں کہ اس تک شیطان کی رسائی ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند میں گھبرا جائے تو یہ دعا پڑھ کر سو جائے : أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَنْ يَحْضُرُوْنَ۔ [ترمذي] میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ذریعہ اس کے غصہ سے اس کے عذاب سے، اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس حاضر ہوں پناہ لیتا ہوں۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ
هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ
يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب اس کے پاس موت آپہنچے تو کہتا ہے کہ اے میرے ربّ! مجھے واپس کیجئے ﴿۹۹﴾ تاکہ میں جس کو چھوڑ کر آیا ہوں اس میں نیک عمل کروں، ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ بات ہے جس کا وہ کہنے والا ہے اور ان کے آگے اٹھائے جانے کے دن تک برزخ ہے ﴿۱۰۰﴾ سو جب صور پھونکا جائے گا تو اس روز ان میں باہمی رشتے نہ رہیں گے، اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پوچھیں گے ﴿۱۰۱﴾ سو جن کے وزن بھاری ہوں گے تو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے ﴿۱۰۲﴾ اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کرلیا، ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ﴿۱۰۳﴾ ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے ﴿۱۰۴﴾

معارف و منازل

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ کفر پر جمے ہوئے ہیں ان کی کافرانہ زندگی اسی طرح گزرتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سر پر موت آکھڑی ہوتی ہے، اور آخرت کے حالات کا معائنہ ہونے لگتا ہے، اور روح قبض کرنے والے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں (جو بری طرح کافر کی روح قبض کرتے ہیں اور اسے مارتے جاتے ہیں) تو وہ اس وقت اپنی زندگی پر نادم ہوتا ہے، اور پشیمان ہو کر اللہ جل شانہ سے یوں عرض کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اسی دنیا میں لوٹا دیجئے، اور موت کو ہٹا دیجئے، امید ہے کہ اب میں واپس ہو کر نیک کام

کروں گا، یعنی آپ کے رسول کی تصدیق بھی کروں گا، اور اعمال کے اعتبار سے بھی درست رہوں گا، اچھے اعمال میں لگا رہوں گا، اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿كَلَّا﴾ (یعنی ہرگز نہیں) (یعنی اب تجھے تو مرنا ہی ہے، واپسی نہیں ہوسکتی) واپسی کی کوئی صورت نہیں، جب موت کا وقت آ گیا تو اب اس میں تاخیر نہیں ہوسکتی۔

﴿اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ﴾ (یہ ایک بات ہے جسے وہ کہتا ہے) لیکن اس کی بات کے موافق فیصلہ ہونے والا نہیں ہے۔ ﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (اور ان کے آگے اس دن تک برزخ ہے جس دن اٹھائے جائیں گے)۔ برزخ حاجز یعنی آڑ کو کہتے ہیں جو دو حالتوں یا دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ موت کے بعد سے قیامت قائم ہونے تک جو وقفہ ہے اسے برزخ کہتے ہے، جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو برزخ میں چلا جاتا ہے، مؤمن صالح اچھی حالت میں ہیں اور کافر برابر عذاب میں رہتا ہے، جس کسی کی سر پر موت آ کھڑی ہو تو وہ ٹلنے والی نہیں، روح نکلی اور عالم برزخ میں پہونچ گئی۔

اللہ جل شانہ کا یہ قانون ہے کہ جو شخص ماں کے پیٹ سے دنیا میں آ گیا اب واپس وہاں نہ جائے گا، اور جب موت آگئی تو دنیا میں واپس نہ آئے گا، اور جب قیامت کے دن کے حساب کتاب سے فارغ ہو کر جو حضرات جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اور وہ وہاں سے واپس نہ ہوں گے، اور کافر دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے، اور وہ وہاں سے واپس نہ ہوں گے۔

حاصل یہ ہے کہ ہر بعد والی منزل میں پہنچ کر پہلی منزل کی طرف واپس نہ ہوں گے۔ ہاں! بعض مسلمان اپنے گناہوں کی وجہ سے جو دوزخ میں چلے جائیں گے وہ عذاب بھگت کر وہاں سے نکال لئے جائیں گے، اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، اب وہاں سے انہیں پھر کہیں جانا نہ ہوگا، ان کو دوزخ سے اس لئے نکال دیا جائے گا کہ اس میں ان کو مستقل طریقہ پر داخل نہیں کیا جائے گا۔ مستقل طور پر کافر ہی دوزخ میں داخل ہوں گے۔

''برزخ'' اس وقفہ کا نام ہے جو موت اور قیامت کے درمیان ہے، جو لوگ دفن کئے جاتے ہیں اور جو لوگ جلا دیئے جاتے ہیں اور جنہیں جانور کھا جاتے ہیں ان سب پر برزخ کے احوال گزرتے ہیں، اور ہر ایک کے اپنے اپنے دین اور اعمال کے اعتبار سے وہاں اچھی زندگی والے بھی ہیں اور بری زندگی والے بھی، جیسا کہ احادیث شریفہ میں تفصیل آئی ہے۔

﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَآءَلُونَ﴾ سو جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن نسب باقی نہ رہیں گے، اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ اس میں یہ بتایا کہ برزخ کا زمانہ گزرنے کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو لوگوں کے آپس میں جو انساب یعنی رشتہ داری کے تعلقات تھے وہ اس دن ختم ہو جائیں گے، یعنی کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا، بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے دور ہونے اور بھاگنے کی راہ اختیار کریں گے۔ سورۂ عبس میں فرمایا: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝﴾ [عبس] (جس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور کسی طرف متوجہ نہ ہونے دے گا)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب دوسری بار صور پھونک دیا جائے گا تو مرد اور عورت جو بھی ہوا اوّلین و آخرین سب کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا، اور ایک پکارنے والا پکار دے گا: یہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، جس کسی کا اس پر حق ہو اپنا حق لینے کیلئے آجائے، یہ اعلان سن کر انسان کا یہ حال ہوگا کہ وہ اس بات سے خوش ہوگا کہ اچھا ہے کہ میرے باپ پر یا میری اولاد پر یا میری بیوی پر یا میرے بھائی پر میرا کچھ حق نکل آئے تو وصول کرلوں۔ (وہاں نیکی اور برائیوں کے ذریعہ لین دین ہوگا)۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ: ﴿فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ کی تلاوت فرمائی۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ کی ایک تفسیر یوں نقل کی گئی ہے کہ اس دن آپس میں نسب پر فخر نہ کریں گے جیسا کہ دنیا میں کرتے ہیں، اور نہ آپس میں یوں سوال کریں گے کہ تم ہمارے رشتہ دار تھے بحق رشتہ داری یہاں کچھ مدد کرو۔

یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہاں ﴿وَلَا يَتَسَآءَلُونَ﴾ فرمایا، اور دوسری آیت میں: ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَآءَلُونَ﴾ [الصافات: ۲۷] (اور بعض بعض پر متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے) فرمایا ہے، اس میں بظاہر تعارض سا ہے۔ اور اگر ﴿وَلَا يَتَسَآءَلُونَ﴾ کی یہ تفسیر کی جائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے مدد اور صلہ رحمی کا سوال نہیں کریں گے جو نسب کی بنیاد پر ہو، اور مدد کے لئے کوئی کسی کو نہ پوچھے گا تو کوئی تعارض نہیں رہتا، کیونکہ دوسری آیت میں جس سوال کا ذکر ہے وہ سوال رشتہ داری کی بنیاد پر نہیں ہے۔

اورحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے احوال مختلف ہوں گے، کسی وقت بہت زیادہ خوف کی شدت ہوگی تو آپس میں کوئی سوال نہ کریں گے، اور بعض مواقع میں جو ہوش وحواس ٹھیک ہوں گے تو آپس میں کچھ پوچھ پاچھ کرلیں گے۔ [معالم التنزيل بزيادة] [بخاري] اس کے بعد قیامت کے دن کی تول کا تذکرہ فرمایا:

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ سو جن جن کی تولیں بھاری ہوں گی یعنی نیکیاں وزن دار ہوں گی سو یہ لوگ کامیاب ہوں گے۔ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ اور جن کی تولیں ہلکی ہوں گی سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کرلیا ہوگا، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے بعد اہل جہنم کے عذاب اور ان کی بدصورتی کا تذکرہ فرمایا، ارشاد ہے:

﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ دوزخ کی آگ ان کی چہروں کو جھلستی ہوگی، اور ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے، یعنی ان کے چہرے بدصورت ہوں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ﴿وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دوزخی کو آگ بھون ڈالے گی، جس سے اس کے اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا، اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر اس کے ناف پر پہنچ جائے گا۔ [ترمذي]

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا
وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ
لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ
خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾
اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾

ترجمہ: کیا تمہارے پاس میری آیتیں نہیں آئیں جو تمہارے اوپر تلاوت کی جاتی تھیں؟ پھر تم انہیں جھٹلاتے تھے ﴿١٠٥﴾ وہ کہیں گے: اے ہمارے ربّ! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی، اور ہم گمراہ لوگ تھے ﴿١٠٦﴾ اور اے

ہمارے ربّ! ہمیں اس سے نکال دیجئے، پھر اگر ہم دوبارہ کریں تو بلاشبہ ہم ظالم ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم اس میں راندے ہوئے پڑے رہو، اور مجھ سے بات نہ کرو ﴿۱۰۸﴾ بلاشبہ بات یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے ایک جماعت تھی جو یوں دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے ربّ! ہم ایمان لائے، سو آپ ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے، اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں ﴿۱۰۹﴾ سو تم نے ان کو مذاق بنالیا یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلادی، اور تم ان پر ہنستے تھے ﴿۱۱۰﴾ بلاشبہ آج میں نے انہیں ان کے صبر کرنے کی وجہ سے یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۱۱۱﴾

معارف ومنازل

تو اللہ تعالیٰ ان مجرموں سے فرمائے گا: ﴿اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ پس تم ان کو جھٹلاتے تھے، تمہارے سامنے دلائل توحید واحکام بیان ہوئے، لیکن تم نے کسی ایک پر بھی یقین نہیں کیا، اب وہ اقرار کر کے کہیں گے:

﴿قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی، اور ہم یقیناً گمراہ لوگ تھے، اب درخواست پیش کریں گے:

﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ایک دفعہ یہاں سے نکال دے، پھر اگر پلٹ کر ہم نافرمانی کریں گے تو یقیناً ہم سخت مجرم وظالم ہوں گے، ادھر سے جواب آئے گا:

﴿قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ جاؤ اس دوزخ میں ذلیل ہوجاؤ، اور میرے ساتھ بات بھی نہ کرو۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے امام زہری رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک ہزار سال متواتر چیخیں گے چلائیں گے تب یہ جواب آئے گا۔ سورۂ زخرف میں ارشاد ہے: ﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ﴾ (ایک ہزار سال کے بعد) ﴿اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ [الزخرف:۷۷] (اور وہ پکار کر کہیں گے کہ: اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے، وہ کہے گا کہ تمہیں اسی حال میں رہنا ہے)۔

اس کی ایک وجہ ان کا کفر وتکذیب بیان فرما کر دوسری وجہ یہ بتادی:

﴿اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ میرے بندوں میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا ہماری خطائیں معاف کردے، اور ہم پر رحم فرمایئے، تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے، مگر تم نے اس پسندیدہ گروہ کے ساتھ برا سلوک کیا، وہ یہ:

﴿فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا﴾ تم نے انہیں تمسخر ومذاق کا نشانہ بنایا۔ ﴿حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ﴾ یہاں تک کہ انہوں نے تم کو میرے ذکر سے غافل کردیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار ومشرکین نے رات دن ہر وقت اہل حق کے ساتھ دشمنی وبدگوئی میں انہماک کیا کہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے، یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے ربّ کے دعا و استغفار کرتے تو تم ہنسی و مذاق کرتے، اس قدر ٹھٹھا کرتے اور ان کی نیک خصلتوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سروں پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت تم سے پوچھ گچھ کرے، اور تمہیں سزا دے۔

﴿وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ﴾ اور تم ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔ سورۂ مطففین میں فرمایا: ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ﴾ [المطففین: ۳۰] (جب وہ اہل حق کے قریب سے گزرتے ہیں تو ناک چڑھا کر آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں)۔ یہ بات آج بھی ہمارے مشاہدے میں ہے کہ انگریزی خواں طبقہ کا جب مساجد و مدارس، حفاظ قرآن پر گزر رہوتا ہے تو ان کے لباس، پگڑی ٹوپی اور داڑھی کا مذاق اڑا کر گزرتے ہیں، اور ان کے سنجیدہ لوگ افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بیچارے ضائع ہو رہے ہیں، معاشرے میں ان کا کوئی مقام نہ ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ تم غلطی پر ہو، تمہیں دھوکہ لگ گیا، دراصل محرومی تمہارے مقدر میں ہے نہ کہ ان اہل حق کے۔

﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا﴾ بیشک آج میں نے ان کو بدلہ دیا ہے جو ان کے صبر کا پھل ہے کہ انہوں نے تمہارے طنز و مذاق پر صبر کیا۔ ﴿اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ بلاشبہ یہی لوگ کامیاب و بامراد ہوں گے، اور ان کے دشمن ہمیشہ کے لئے خوار وذلیل ہوں گے۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ شانہ کا سوال ہوگا کہ تم برسوں کی گنتی کے اعتبار سے زمین میں کتنے دن رہے؟﴿۱۱۲﴾ وہ کہیں گے کہ ایک یا ایک دن سے بھی کم رہے، سو آپ گننے والوں سے سوال فرمالیجئے﴿۱۱۳﴾ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے اگر تم جانتے ہو﴿۱۱۴﴾ کیا تم نے یہ خیال کیا کہ ہم نے تمہیں بطور عبث پیدا کیا؟ اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے؟﴿۱۱۵﴾

معارف ومنازل

کافروں سے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ شانہ کا یہ سوال ہوگا کہ تم زمین میں برسوں کی گنتی کے اعتبار سے کتنے دن رہے؟ وہاں خوف وہیبت کی وجہ سے ہوش وحواس گم کرچکے ہوں گے، اس لئے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں تو کچھ ایسا خیال آتا ہے کہ ایک دن یا اس سے بھی کم مدت دنیا میں رہے ہوں گے، اور صحیح بات یہ ہے کہ ہمیں یاد ہی نہیں ہے، آپ حساب والے فرشتوں سے سوال فرمالیجئے، ہماری عمروں کا حساب ان کو معلوم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم دنیا میں تھوڑی ہی مدت رہے، وہاں جتنے دن بھی زندگی گزاری وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی ہی ہے، وہ دار الفناء تھا، محض رہ گزر تھا، اور یہ دار القرار ہے، اور ہمیشگی کی منزل ہے، یہاں نہ موت ہے اور نہ جان خلاصی، اگر تم دنیا میں خرمستی نہ کرتے دنیا کو عارضی سمجھ کر آخرت پر ایمان لاتے تو آج تمہارا انجام کچھ اور ہوتا، مگر تم نے سرکشی کی اور آخرت کی تکذیب کی اور اپنی پیدائش کے مقصد سے منحرف ہوئے۔ دنیا میں تم اچھی طرح جانتے تھے کہ ہمارے خالق نے ہمیں بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے، ہمارے خالق کا ہم پر حق ہے، اور وہ حاکم مطلق ہے، ہمیں عبث پیدا نہیں فرمایا، ہمیں جس مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہماری نجات اسی میں ہے، اور ہمیں لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے، مگر تم نے کچھ بھی نہ مانا، آج تم پشیمانی کرکے دوبارہ واپس دنیاوی زندگی کا جو مطالبہ کرتے ہو یہ ناممکن بھی ہے اور عبث بھی۔ سورۂ سجدہ میں فرمایا: ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [السجدة: ۲۳] (اور تمہارا یہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا، اس نے تمہیں ہلاک کردیا سو تم خسارے والوں میں شامل ہوگئے)۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ

اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: سو برتر ہے اللہ تعالیٰ جو بادشاہ ہے، حق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عرش کریم کا ربّ ہے ﴿۱۱۶﴾ اور جو کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، سو اس کا حساب اس کے ربّ کے پاس ہے، بلاشبہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوں گے ﴿۱۱۷﴾ اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے ربّ! بخش دیجئے اور رحم فرمائیے، بلاشبہ آپ رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں ﴿۱۱۸﴾

معارف ومنازل

﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ پس بلند و برتر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو سچا برحق بادشاہ ہے، وہ حکیم ہے، اس کا ہر کام مبنی بر حکمت ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنے بڑے جہاں کو بے مقصد پیدا کرے اور پھر تخلیق کے بعد اُسے یوں ہی چھوڑ دے، اور کسی انجام تک اسے نہ پہنچائے، اور اپنی صفت عدل اور قضاء کا علیٰ رؤس الخلائق مظاہرہ و مشاہدہ نہ کرے۔

یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بدکار ہوتے ہوئے عزّت و اکرام اور آرام کی زندگی بسر کرتا ہے، اور دوسرا آدمی نیک ومخلص اور اپنی قوم کا بلکہ تمام نوع انسانی کا سچا خیر خواہ ہونے کے باوجود عمر بھر طرح طرح کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے، اگر موت ہی انسانی زندگی کے قافلہ کی آخری منزل ہوتی تو اس سے بڑی بے انصافی اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ انسان جو نیک اور مخلص وہ عمر بھر کانٹوں پر لوٹتا رہے، اور جو بدمعاش اور سفاک وہ داد عیش دیتا رہے۔

اس صورت میں ان اخلاقی قدروں کو جن سے انسانی عظمت وابستہ ہے کون اپنائے گا؟ بلکہ کون انہیں اچھا جانے گا اور سراہے گا؟

وہ جانباز جو اپنی جوانی اور شباب کی رنگینیوں کو اپنی قوم اور وطن کی آزادی پر قربان کر دیتا ہے اس سے تو وہ غدار اچھا ہوا جس نے اگرچہ اپنی قوم کی عزّت کا سودا دشمن سے کیا لیکن اپنی زندگی آن بان سے گزاری، اور اپنی اولاد

کے لئے ڈھیروں سونا چھوڑ گیا، محض یہ کہہ دینا کہ نیک کام کرنے والے کا نام نیکی کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے اور اس کا ذکر خیر تاریخ کے صفحات کی زینت بنتا ہے، اور یہی اس کی نیکیوں کا صلہ ہے، یہ کہنا بھی بہت بڑی زیادتی ہے، اللہ تعالیٰ جو عادل حکیم ہے کم از کم اس کی فرمانروائی میں ایسی زیادتی قطعاً قابل برداشت نہیں، اس لئے اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی بھی ہو، جہاں عدل وانصاف کے سارے تقاضے پورے کئے جائیں، نیک اور مخلص لوگوں کو ان کی مخلصانہ جدوجہد کا پورا پورا صلہ دیا جائے، اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی پوری سزا ملے جو کہ تخلیق کائنات کا مقصد اور اعمال کا صحیح انجام ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو اس دنیا میں ہی عدل کا ظہور کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کے متعلق مختصر عرض یہ ہے کہ ہماری اس دنیوی زندگی کا دائرہ کیفیت وصورت کے ساتھ نمودار نہیں ہو سکتے، اور بعض گراں بہا اعمال ایسے بھی ہیں جن کا معاوضہ اس دنیا میں نہیں دیا جا سکتا، آپ اس نوجوان کو کیا معاوضہ دے سکتے ہیں جس نے اپنی قیمتی جان حق سربلند کرنے کے لئے قربان کر دی ہو؟ یا آپ اس مجرم کو سزا کیا دے سکتے ہیں جو لاکھوں انسانوں کو خاک وخون میں تڑپایا ہو؟ علیٰ ہذا القیاس دوسرے جرائم کا حال ہے۔ انسان اس مسئلہ میں جتنا غور کرتا چلا جائے اس کا عقیدہ آخرت کی زندگی پر (جو دائمی ہے) زیادہ مستحکم اور استوار ہوتا چلا جائے گا۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی اللہ ہے۔ ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ عزت والے عرش کا مالک ہے۔

﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو پکارتا ہے، اس کے پاس اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے محض جاہلانہ اندھی تقلید کے ساتھ کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقہ پر پایا ہے، اور بس: ﴿فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ایسے کافر ومشرک کا حساب اس کے ربّ کے پاس ہے، جو اسے ذرہ ذرہ کا پتہ اور علم حاصل ہے، اور ایسے کفر کرنے والے فلاح نہیں پاتے، بڑے خسارے میں ہوتے ہیں۔ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔ آپ ہمیشہ مغفرت ورحمت کی دعا کیا کریں، تیرا ربّ سب رحم کرنے والوں سے بہتر اور زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

فائدہ:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ﴾ سے آخر سورت تک یہ آیات بڑی فضیلت کی حامل ہیں۔ مفسرین کرام کہتے ہیں کہ صبح و

شام انہیں بطور ورد پڑھنا چاہئے۔ روح المعانی، نوادر الاصول، حلیۃ الاولیاء، امام بغوی اور امام ثعلبی رحمہم اللہ سب نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسے بیمار پر ہوا جو سخت امراض میں مبتلا تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے کان میں یہ آیتیں پڑھ کر دم کیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیات کسی پہاڑ پر پڑھ دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ [الحدیث]

میں کہتا ہوں کہ جس مریض پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیتیں پڑھ دیں وہ صرع کا مریض تھا۔

دراصل وظائف واوراد کے فضائل وبرکات سے کوئی انکار نہیں، کسی بھی آیت یا دعا یا ورد میں جب اسماء حسنیٰ شامل ہوتے ہیں، تو وہ نافع الخلائق کے طور پر اکسیر کا حامل ہوگا، اس کی برکت مثالی ہوگی، اس کے طفیل اور وسیلہ سے بہت سے پیچیدہ مسائل معجزانہ طور پر حل ہو سکتے ہیں، اور جیسا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کے پڑھنے سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں، یہ سب باتیں بغیر کسی شک وشبہ کے درست ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ پڑھنے والے میں جان ہو، محض معطر جسد نہ ہو، اس میں تقویٰ کی روح ہو۔ آج تعویذ وگنڈے کا جو رواج چلا ہے اور پیشہ ور دکانداروں نے جو سلسلہ شروع کیا ہے، اگر آپ ان کے اندر کے حالات سے واقف ہوں گے تو ''الامان والحفیظ'' کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو اندر سے بھیڑیئے اور ظاہر سے بھیڑ نظر آتے ہیں، مسلمانوں کو ایسے درندہ صفت لوگوں سے دور رہنا چاہئے، جن کی صحبت ایمان کے لئے زہر قاتل ہے۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے ☆ گلیم بوذر، دلقِ اویس و چادر زہرا

سُورَةُ النُّور

مدنيةٌ آياتها ۶۴ رکوعاتها ۹

سورۂ نور مدنی ہے، اس میں چونسٹھ (۶۴) آیتیں، اور نو (۹) رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۂ نور ہے، جو اس سورت کی آیت نمبر (۳۵) میں موجود ہے، اور یہ نام اسی سے مأخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں (۲۴) ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول کے اعتبار سے (۱۰۲) نمبر پر ہے، اور اس کا نزول سورۃ الحشر کے بعد ہے۔

نزول:

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ یہ سورت بالاجماع مدنی ہے۔

[روح المعاني، قرطبي]

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں نو (۹) رکوع، چونسٹھ (۶۴) آیات ہیں، اور یہ چودہ سو بیس (۱۴۲۰) کلمات، اور چھ ہزار چار سو دس (۶۴۱۰) نورانی حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱) سورۃ المؤمنون اور سورۃ النور دونوں میں مؤمنین کے اوصاف کا بیان ہے۔ (۲) دونوں سورتوں میں حقوق اللہ وحقوق العباد کا تفصیلی بیان ہے۔ (۳) سورۃ المؤمنون کی آیت: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴾

[المؤمنون:۵] (اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں) مجمل ہے، سورۃ النور اس اجمال کی تفصیل ہے۔ (۴) بنیادی چیزیں، مثلاً توحید، رسالت، قیامت، جزاء اعمال وغیرہ کا دونوں سورتوں میں یکساں بیان ہے۔
(۵) سورۃ المؤمنون میں نماز کی اور سورۃ النور میں مراکز نماز یعنی مساجد کا بیان ہے۔

مختصر موضوع:

شرف انسانیت، تکمیل انسانیت، عفت و پاکدامنی کے تمام ذرائع واسباب کا بیان، قوانین تکوینیہ، ضوابط شرعیہ، احکام سلطانیہ اور برکات رحمانیہ کا ایک روح پرور انوکھے انداز میں بیان و تذکرہ۔ اسی لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دیدو۔ [قرطبي] امام بغویؒ نے کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو بالاخانوں میں مت رکھو، اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ (بلکہ ان کو چرخہ سکھاؤ) اور انہیں سورۃ النور کی تعلیم دیدو۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ [مظهري]

نور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

سورۂ نور میں سراسر عفت وعصمت اور حیاء کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ میرے بندے اور بندیوں میں ایمان کے ساتھ حیاء وعفت کا جوہر نمایاں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے احکام وضع کئے ہیں جن پر عمل کرنے سے زنا کا صدور ہی آسان نہیں۔ نظروں پر پابندی ہے، بے حیائی اور عریانی پر پابندی ہے، عورتوں کی صفات بیان کرنے پر پابندی ہے، اور ان کی محفلوں میں جانے پر پابندی ہے، نامحرموں سے پردہ ہے، زیب وزینت میں باہر جانے پر پابندی ہے اور بھی کئی پابندیاں ہیں۔ ان تمام امور کے باوجود اگر زنا صادر ہو جائے تو اس کی سزا کے لئے ایسی شرطیں لگائی ہیں جن کا وجود میں آنا ہی مشکل ہے۔

اگر چار گواہ گواہی دیں کہ ہم نے فلاں مرد وعوت کو اس طرح زنا کرتے ہوئے دیکھا کہ دونوں کے مخصوص عضو ملے ہوئے تھے، تب زنا کا ثبوت ہوگا۔ ظاہر ہے ایسے چار گواہ ملنا عادتاً ناممکن ہے، ہاں! اگر مرد وعورت بغیر کسی جبر وزبردستی کے زنا کا اقرار کرلیں تو ان پر حد جاری ہوگی۔ لیکن اس میں بھی امیر المؤمنین اور قاضی کو حکم دیا گیا کہ معمولی شبہات پر حد ساقط کردیں، مقصود لوگوں کی پٹائی کرنا اور سنگسار کرنا نہیں، بلکہ زنا سے بچانا مقصود ہے۔ یہ ہے معاملہ حد زنا کا جس کی تفصیل آئندہ آنے والی ہے، جس سے اس فاحشہ عورت کی سنگینی کا اندازہ ہوگا۔

دیکھیں! قتل میں دو گواہ ضروری ہیں، جبکہ زنا میں چار گواہوں کا متفقہ ہونا ضروری ہے، اگر گواہوں میں

معمولی اختلاف ہو تو حد زنا ساقط ہوگی۔ ہاں! معاشرہ کو اس خبیث عمل سے پاک رکھنے کے لئے شریعت نے حدود کے علاوہ تعزیرات کا حکم جاری فرمایا ہے، جن میں یہ سخت شرائط نہیں، جن کے ذریعہ پورا معاشرہ صاف ستھرا رہے گا، بدقسمتی سے آج تعزیرات کے نام سے بھی لوگ واقف نہیں، اب تو پورے مسلمان ملکوں میں بے حیائی، زنا، بدکاری وغیرہ جرائم اپنے عروج پر ہیں۔ فحاشی، عریانی، یاری ودوستی کا دور دورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

نکاح کے فوائد اور زنا کے نقصانات

کافروں، ملحدوں، زندیقوں، غیر مسلموں کو اس بات پر حیرانی اور تعجب ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا کو جو بقول ان کے (ایک محبت وہمدردی ہے) کیوں حرام اور جرم قرار دیا گیا، اور اس پر کیوں سخت سے سخت سزا مقرر ہوئی؟ وہ کہتے ہیں کہ یہ مرد وعورت کا اپنا ذاتی معاملہ ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ ایک قسم کا تعاون اور ہمدردی ہے، وہ یہاں تک اس فعل بد کی سرپرستی کرتے ہیں کہ محرمات یعنی ماں بہن کے ساتھ بھی اس کو حرام نہیں سمجھتے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈالا ہے، اوران کے دلوں پر مہر لگائی ہے، پس اس بارے میں ان لوگوں کی یہ بات جہالت وضلالت پر مبنی ہے، اور سراسر واضح گمراہی ہے، اور فطرت انسانی کے ساتھ بغاوت ہے۔

یہ کہنا کہ لوگوں کو اختیار ہے اور وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں، جو چاہیں کریں، یہ بہت بری گمراہی ہے، اور انسانی شرافت کی پیشانی پر بدنما داغ ہے۔ جب خالق کائنات جل جلالہ نے پیدا فرمایا، اور سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہیں، تو کسی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ خالق اور مالک کے بنائے ہوئے قانون کے خلاف زندگی گزارے، اور ربّ العزّت کے احکام کو نظر انداز کردے۔ کوئی انسان خود اپنا نہیں اور نہ اس کے اعضاء اپنے ہیں، وہ خالق جل مجدہٗ کی ملکیت ہے، ان اعضاء کو قانون الٰہی کے خلاف استعمال کرنا بغاوت ہے اور سرکشی ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، پھر ان کی طبعی موانست کے لئے حضرت حواء علیہا السلام کو پیدا فرمایا، پھر ان دونوں سے انسانی نسل کو جاری فرمایا۔ مرد، عورت میں جو ایک دوسرے کی طرف فطری اور طبعی میلان ہے اس کے لئے نکاح کو مشروع فرمایا، تاکہ انسانوں اور حیوانات میں کئی اعتبار سے مابہ الامتیاز اقدار کا فرق نمایاں ہو، اور شرافت وبہیمیت میں نمایاں اور واضح فرق ہو۔

جب قوانین الٰہیہ کے مطابق مرد وعورت کا نکاح ہوجائے تو وہ آپس میں ایک دوسرے سے حلال استمتاع حاصل کریں، اس میں اصل مقصد نسل انسان کی بقاء اور طرح طرح کی خاندانی محبتوں کی آبیاری اور ابھار ہے، اور یہ

نسل ونسب انسانوں کے لئے رحمت خداوندی بھی ہے، اور فضیلت وشرف بھی، اور انسانی عفت و پاکدامنی بھی۔ ایک میاں بیوی کے اختلاط ومحبت اور طبعی خواہشات کے نتیجے میں ہزاروں افراد پر مشتمل ایک قابل فخر قوم وقبیلہ کا وجود وابستہ رہے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹوں کی نسل سے آج پورا جہاں آباد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل ہیں، جن کا نسب مسلم ہے، اور ضائع ہونے سے محفوظ ہے۔ یہ خصوصیت صرف عرب قوم کو حاصل رہی، سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اور وسیلہ سے۔

باقی دنیا والے اپنے اپنے انساب کا تحفظ نہ کر سکے، الا ماشاء اللہ۔ اسلام کے بعد کچھ قوموں، قبیلوں نے شاید کیا ہو۔ پس اسی نکاح شرعی کے بطفیل تمام جہان میں سلسلہ نسب کے ساتھ دیگر ہر طرح کی دوستیاں، محبتیں، چاہتیں، الفتیں، رہائشی وسکونتی، شادی بیاہ، زندگی اور موت تک کے تعلقات قائم ہیں۔ اگر نکاح نہ ہو، مادر پدر آزادی ہو اور مرد وعورت یوں ہی آپس میں اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے رہیں، تو جو اولاد ہوگی وہ کسی باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگی، وہ بیچاری کسی محبت ومتعہ کی پیداوار ہوگی، تو اس کا علاج یہی ہوگا کہ وہ لاوارث ہو کر یورپی فوج میں بھرتی ہوگی، یہ بڑی داستاں ہے۔

اور جس عورت نے سینکڑوں مردوں سے زنا کر کے اس بچے کو جنم لیا ہو، وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتی ہے کہ یہ کس کا نطفہ حرام ہے، جب کوئی باپ ہی نہیں تو کون اس بچے کی پرورش کرے گا، اور اس بچے کو بھی معلوم نہیں کہ میرا باپ کون ہے، چونکہ باپ جب معلوم نہیں تو یورپ میں بچوں کی ولدیت بڑے فخر کے ساتھ ماں کے نام سے لکھ دی جاتی ہے۔ اب یہ بچہ نہ کسی کا بیٹا، نہ کسی کا پوتا، نہ کسی کا بھتیجا، نہ کسی کا بھانجا، اس میں اور ایک گدھے، کتے، گائے میں کوئی فرق نہیں، اور یہ ننگ جہاں اور شرمندہ جہاں بھی۔

مگر افسوس ہے کہ آج مسلمان خاص کر یورپی تعلیم یافتہ شخص اپنے مسلمان حلالی زادوں سے محبت نہیں کرتا، اور یورپ کے حرام زادوں پر فخر کرتے ہوئے ان کی مدح کرتا ہے۔ یورپ خود گواہ ہے اور اپنے اس بھیانک معاشرہ پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی ضرورت نہیں کہ انسان نسب ورشتہ کی کڑیوں میں جکڑ کر کسی قوم کا غلام بن جائے، اور جو مسلمان یہاں سے ہجرت کر کے یورپ چلے گئے ہیں اور وہاں کی شہریت حاصل کر لی ہے، تو وہ بھی شروع میں پریشان رہے مگر بعد میں ''خر کہ درکان نمک رفت نمک شد'' کے مصداق ہو گئے، اس سلسلے میں ''یورپ میں خواتین کی آزادی'' کتاب کا بغرض عبرت مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ عزّ وجل جس کا دین صرف اسلام ہے، اگر کوئی اسلامی تعلیمات کا خاص کر سورۃ النور کا بغور مطالعہ کرے اور دل کھول کر غور وفکر کرے تو بعید نہیں کہ اسے دنیاوی زندگی میں جنت کا منظر نظر نہ آئے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک ان میں حرامی بچوں کی کثرت نہ ہو جائے، سو جب ان میں اولاد الزنا کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔ [مسند أحمد، الترهيب الترغيب]

یہ عذاب عمومی طور پر آج خوب مسلط ہے، کیونکہ تمام اسلامی اقدار شرعی اعمال معدوم ہو گئے، ہر شہر ہر بستی یہاں تک کہ تمام دیہاتوں میں یورپی اعمال، یورپی معاشرہ اور یورپ کی طرز زندگی کا راج ہے، مسلمان اسلام کے نام سے متنفر ہیں، پس کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے، تو سنو اور اگر تھوڑی سی غیرت ہے تو ماتم کرو۔ آج بے حیائی کس قدر عام ہے، سڑکوں، کلبوں، پارکوں اور نام نہاد قومی اور ثقافتی پروگراموں میں، عرسوں اور میلوں میں، شادیوں اور منگنیوں میں، ہوٹلوں، دعوتی پارٹیوں میں کس قدر حیا سوز اور بے حیائی کے کام ہوتے ہیں، اس کے ظاہر کرنے اور بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

جاننے والے اور اخبارات کا مطالعہ کرنے والے اور نیٹ پر مشاہدہ کرنے والے بخوبی واقف اور انگشت بدندان ہیں، پھر اس بے حیائی اور فحش کاری کے نتیجے میں وبائی امراض طاعون، ہیضہ، ایڈز، انفلوئنزا وغیرہ پھیلتے ہیں، اور ایسے ایسے امراض سامنے آرہے ہیں جن کے طبی اسباب اور معالجہ کے سمجھنے سے ماہر ڈاکٹر اور معالج عاجز ہیں۔ جس قدر ڈاکٹری ترقی پزیر ہے اسی قدر جدید امراض ظاہر ہو رہے ہیں، ان امراض اور دیگر بہت سے پریشان کن مصائب وآلام کے موجود ہونے کے اسباب جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہے یعنی بے دینی کا عام ہونا، بے حیائیوں کا پھیلنا جب تک یہ اسباب ختم نہیں ہوں گے یہ مصائب آتے رہیں گے۔

دور حاضر کے لوگوں کا اب یہ طریقہ ہو گیا ہے کہ ان کے نزیک شہوت پرستی کے سوا دنیا میں اور کوئی مشغلہ نہیں، اور یہی بے حیائی وشہوت پرستی سب کچھ ہے، وہ اپنی زندگی کا سارا خلاصہ اسی شراب وکباب اور بدکاری کو سمجھتے ہیں، مرد عورتوں کے پیچھے اور عورتیں مردوں کے پیچھے اور یورپ میں ہم جنس پرستی کے تحت مرد مرد کے اور عورت عورت کے پیچھے گھوم گھوم کر اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت دے رہے ہیں، اور نت نئے ایسے طرز وطریقے ایجاد کر رہے ہیں، جنہیں سن کر یا دیکھ کر انسانی سر شرم وحیاء سے جھک جاتا ہے، اور عام انسان اپنی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔

ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

اگر یہ مساجد ومدارس اور تعلیم دین وشریعت کے مراکز علماء کرام اور طلباء کرام اور بسترہ اٹھانے والے گلی کوچوں میں فریضۂ تبلیغ ادا کرنے والے تبلیغی حضرات نہ ہوتے تو آج ہم پر پتھروں کی بارش ہوتی۔ اور عذاب الٰہی کی آمد کا دور دورہ ہوتا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَفَرَضۡنٰهَا وَاَنۡزَلۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ ۖ وَّلَا تَاۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ۚ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ②

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے، اور ہم نے اس کی ادائیگی کا ذمہ دار بنایا ہے، اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو ① زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو دُرّے مارو، اور اللہ تعالیٰ شانہ کے دین میں ان دونوں کے بارے میں تمہیں رحمت نہ پکڑے اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر، اور ان کی سزا کے وقت مؤمنین کی ایک جماعت حاضر رہے ②

معارف ومنازل

حدود اللہ کا بیان، اور ان کے فوائد:

اسلام میں انسانی جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن کریم میں متعین کردی گئی ہیں، زنا کی سزا بھی ان تمام جرائم کی سزا سے اشد اور نہایت سخت ہے۔ زنا خود ایک بہت بڑا جرم ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ سینکڑوں جرائم لے کر آتا ہے، اور اس کے نتائج میں پوری انسانیت کی تباہی ہے، دنیا میں جتنے قتل وغارتگری کے واقعات پیش آتے ہیں، تحقیق کی جائے تو ان میں بیشتر کا سبب کوئی عورت اور اس سے حرام تعلق ہوتا ہے، جبکہ دوسرے نمبر پر مال وجاہ کی زہر افشانی ہوتی ہے۔ اس لئے سورت کے شروع سے اس تباہ کن فعل بد اور اس کی سزا پر توجہ مبذول فرمائی، اور اس مردار عمل کی خرابی ونقصان پر تنبیہ فرمائی۔

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے، کسی قاضی یا حاکم یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا ہے، اور نہ کسی کو ان سزاؤں میں نرمی کی اجازت دی ہے۔ ان متعین سزاؤں کو اصطلاح شریعت میں ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ قاضی اور امیر مجرم کی حیثیت اور حالت، نیز جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے، ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے۔

حدود شرعیہ چار ہیں: (۱) چوری۔ (۲) کسی پاکدامن عورت پر تہمت لگانا۔ (۳) شراب پینا (۴) اور زنا کرنا۔ ان میں ہر جرم اپنی جگہ پر بڑا سخت اور دنیا کے امن و امان کو برباد کرنے والا اور بہت سی خرابیوں کا واقعی مجموعہ ہے، لیکن ان سب میں بھی زنا کے عواقب اور نتائج بد جیسے دنیا کے نظام انسانیت کو تباہ و برباد کرنے والے ہیں وہ شاید کسی دوسرے جرم میں نہیں۔

(۱) کسی شخص کی بیٹی، بہن، بیوی پر ہاتھ ڈالنا اس کی ہلاکت کے مترادف ہے۔ شریف انسان کو سارا مال و جائیداد اور اپنا سب کچھ قربان کر دینا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ اپنے حَرم کی عفت پر ہاتھ ڈالنا، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں روز مرّہ یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ جن لوگوں کے حَرم پر ہاتھ ڈالا گیا ہے وہ اپنی جان کی پروا کئے بغیر زانی کے قتل و فنا کے درپے ہوتے ہیں، اور یہ جوش انتقام نسلوں میں چلتا ہے، اور خاندانوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

(۲) جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں بہن، بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے، جب یہ رشتے بھی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آسکتی ہے جو زنا سے بھی زیادہ اشد جرم ہے۔

(۳) غور کیا جائے تو دنیا میں جہاں کہیں بدامنی اور فتنہ و فساد ہوتا ہے، اس کا بیشتر سبب عورت ہے، اور اس سے کم درجہ مال ہوتا ہے، تو جو قانون عورت اور دولت کی حفاظت صحیح انداز میں کر سکے اور ان کو ان کے مقررہ حدود سے باہر نہ نکلنے دے وہی قانون امن عالم کا ضامن ہو سکتا ہے، اور یہ قانون صرف اور صرف اسلام کا ہے، دنیا کے دوسرے قوانین میں یہ استحکام نہیں۔ یہ جگہ زنا کے تمام مفاسد اور خرابیاں جمع کرنے اور تفصیل سے بیان کرنے کی نہیں۔ انسانی معاشرہ کے لئے اس کی تباہ کاری کے معلوم ہونے کے لئے اتنا بھی کافی ہے، اس لئے اسلام نے زنا کی سزا کو دوسرے سارے جرائم کی سزاؤں سے اشد قرار دیا ہے۔ وہ سزا آیت مذکورہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ اس میں عورت زانیہ کا ذکر پہلے اور مرد

زانی کا بعد میں لایا گیا ہے، سزا دونوں کی ایک ہی ہے، عام قیاس بیان احکام کا یہ ہے کہ اکثر تو صرف مردوں کو مخاطب کر کے حکم دیدیا جاتا ہے، عورتیں بھی اس میں ضمناً شامل ہوتی ہیں، ان کا علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی، سارے قرآن حکیم میں ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے صیغہ مذکر سے جو احکام بیان کئے گئے ہیں، عورتیں بھی اس میں بغیر ذکر کے شامل قرار دی گئی ہیں۔

شاید حکمت اس کی یہ ہے کہ جس طرح اللہ جل شانہ نے عورتوں کو مستور رہنے کا حکم دیا ہے ان کے ذکر کو بھی ذکر رجال کے ضمن میں مستور کر کے بیان کیا گیا ہے، اور چونکہ اس طرز سے یہ احتمال تھا کہ کسی کو یہ شبہ ہو جائے کہ یہ سب احکام مردوں ہی کیلئے ہیں عورتیں اس سے سبکدوش ہیں، اس لئے خاص خاص آیات میں مستقلاً عورتوں کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے جیسے: ﴿اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ﴾[الأحزاب: ۳۳] (نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں) اور جہاں مرد و عورت دونوں ہی کا ذکر کرنا ہوتا ہے تو ترتیب طبعی یہ ہوتی ہے کہ مرد کا ذکر مقدم اور عورت کا بعد میں ہوتا ہے۔ چوری کی سزا میں اسی ضابطہ عرفیہ کی مطابق ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا﴾[المائدة: ۳۸] (چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو) فرمایا ہے، جس میں مرد چور کو مقدم اور عورت کو مؤخر ذکر کیا گیا ہے۔

مگر سزائے زنا میں اول تو عورت کے ذکر کے ضمنی آجانے پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ صراحۃً ذکر مناسب سمجھا گیا، دوسرے عورت کا ذکر مرد پر مقدم کر کے بیان کیا گیا، اس میں بہت سی حکمتیں ہیں:

اول تو عورت ضعیف الخلقۃ اور طبعی طور پر قابل رحم سمجھی جاتی ہے، اگر اس کا صراحۃً ذکر نہیں ہوتا تو کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید عورت اس سزا سے مستثنیٰ ہے۔ اور عورت کا ذکر مقدم اس لئے کیا گیا کہ فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بیبا کی اور بے پروائی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں فطری طور پر ایک حیاء اور اپنی عفت کی حفاظت کا جذبہ قویہ ودیعت فرمایا ہے، اور اس کی حفاظت کے لئے بڑے سامان جمع فرمائے ہیں۔ اس کی طرف سے اس فعل کا صدور بنسبت مرد کے زیادہ اشد ہے، بخلاف چور کے کہ مرد کو اللہ پاک نے کسب اور کمائی کی قوت دی ہے، اپنی ضروریات اپنے عمل سے حاصل کرنے کے مواقع اس کے لئے فراہم کئے ہیں، نہ یہ کہ ان کو چھوڑ کر چوری کرنے پر اُتر آئے، یہ مرد کے لئے بڑا عیب اور موجب عار ہے، عورت کے چونکہ یہ حالات نہیں ہیں، اگر اس سے چوری کا احیاناً صدور ہو جائے تو بنسبت مرد کے وہ اتنی قابل ملامت نہیں ہے۔

﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، اور اس میں احکام وشرائع ہم

نے مقرر کئے ہیں۔ یہاں فرض کے معنی ہیں: مقرر کرنا جو کہ فرائض اور واجبات اور سنن وغیرہ سب کو شامل ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ اور ہم نے اس میں واضح احکام نازل فرمائے ہیں۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ زنا کرنے والی عورت زنا کرنے والا مرد ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو، اور اے مسلمانو! تم کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں: ﴿وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ ان دونوں پر رحم اور ترس نہ آنا چاہئے کہ رحم کھا کر ان کو چھوڑ دو، یا ان کی سزا میں کچھ کمی کر دو، دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے آسان ہے۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ہوئے ہو تو حکم الٰہی کو پوری طرح جاری کرو، اور اس میں نرمی اور سستی نہ کرو، ورنہ خدا تعالیٰ آخرت میں تم سے سوال کرے گا کہ تم نے ہمارے قانون کے جاری کرنے میں لوگوں کو رعایت دے کر سستی اور بزدلی دکھلائی، اللہ کا حق یہ تھا کہ اس کی تعمیل میں ہمت اور دلیری سے کام لیتے، اور جب تم یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں اس دن کی باز پرس سے ڈرنا چاہئے تھا۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ کی مقرر کردہ حد کو بلا کسی رعایت کے پوری طرح جاری کرو۔

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور چاہئے کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے تا کہ لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس سزا کی تشہیر بھی ضروری ہے تا کہ اس فضیحت کو دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں، اگر کسی بند مکان میں یہ سزا جاری کی گئی تو یہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل اور بالغ اور غیر شادی شدہ ہو، ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں ''غیر محصن'' کہتے ہیں، اور جو شخص شادی شدہ ہو اور ہمبستری بھی کر چکا ہو ایسے شخص کو ''محصن'' کہتے ہیں۔ اس آیت میں غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ کی سزا کا ذکر ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں، اور جو شخص محصن یعنی شادی شدہ ہو اور وہ ہمبستری بھی کر چکا ہو تو اس کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے، یعنی سب کے سامنے اس کو پتھر مارے جائیں، یہاں تک کہ وہ مر جائے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں بحوالہ توریت یہ گزر چکا ہے۔ ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ﴾ [المائدة: ۴۳] (اور وہ کس طرح آپ سے فیصلہ کراتے ہیں؟ حالانکہ ان کے پاس تورات ہے، اس میں اللہ کا حکم موجود ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت پر (جو شادی شدہ تھے) زنا کی سزا میں

ان کو بحکم تورات سنگسار کیا، اور سب نے طوعاً و کرہاً اس کو قبول کیا، کہ توریت میں شادی شدہ زنا کار کا حکم سنگسار کرنا ہے، اور علی الاعلان رجم کی سزا جاری کی گئی، اور اسی بارے میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی جس میں رجم کی سزا کو حکم اللہ کہا گیا۔ اور جب آپ ﷺ نے یہود کے بارے میں رجم کا فیصلہ فرمایا، تو یہ ارشاد فرمایا: "اللّٰهم إني أول من أحيا إذا اماتوه"۔ خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم رجم کو زندہ کیا جب کہ وہ مٹا چکے تھے۔

بہر حال! آنحضرت ﷺ نے بحکم خداوندی شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ فرمایا، اور پھر اس واقعہ یہود کے بعد جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے، ان سب میں آپ ﷺ نے زانی محصن کو رجم کی سزا دی، اور اس بارے میں اس قدر احادیث مروی ہیں کہ ان کا قدر مشترک بلا شبہ تواتر معنوی کو پہنچا ہوا ہے، اور حضور پرنور ﷺ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا، اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔

آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل نے یہ واضح کر دیا کہ توریت میں جو رجم کا حکم تھا وہ شریعت محمدیہ میں حسب سابق باقی ہے، جیسا کہ قتل عمد کی سزا میں قتل کا حکم قرآن حکیم میں بحوالہ تورات بیان کیا گیا ہے: ﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ [المائدة:۵: ۴۵] (اور ہم ان پر تورات میں لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان ہے) اسی طرح رجم کے حکم کو سمجھو۔

خلاصہ کلام یہ کہ آیت میں جو سو کوڑے لگانے کا حکم مذکور ہے، وہ اس بدکار مرد اور عورت کا ہے کہ جو غیر شادی شدہ ہوں، اور جو مرد اور عورت شادی شدہ ہوں اور وہ بدکاری کریں تو ان کا حکم رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ جیسا کہ احادیث صریحہ اور متواترہ سے اور خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے، جس میں نہ مجال انکار ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے۔ [أحكام القرآن للجصاص]

بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری حج سے واپسی کے بعد اور اپنی شہادت سے ایک ماہ قبل ایک طویل خطبہ دیا، جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا، اور ان پر قرآن اتارا، اور اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رجم کی آیت بھی اتاری، پس ہم نے اس آیت رجم کو پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا اور اس کو یاد رکھا، آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں رجم کے حکم پر عمل کیا، اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہم لوگوں نے یعنی صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے رجم کے حکم پر عمل کیا، اور اس حکم کو جاری کیا، سو میں ڈرتا ہوں کہ ایک مدت زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کی آیت نہیں پاتے، پھر گمراہ ہوں

ایک فرض کے ترک کی وجہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے یعنی آیت رجم کی تلاوت، اگر چہ منسوخ ہوگئی، مگر اس کا حکم باقی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو رجم کا حکم نازل فرمایا وہ بالکل حق اور درست ہے۔ اور یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو کہ مرد یا عورت شادی شدہ ہو اور وہ زنا کرے، اور وہ زنا گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوجائے، یا حمل سے ظاہر ہوجائے، یا مرد وعورت کے اقرار سے ثابت ہوجائے، تو ایسے زنا کار مرد اور عورت کا رجم بحکم الٰہی درست ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا۔ پوری آیت اس طرح ہے: ﴿اَلشَّیْخُ وَ الشَّیْخَةُ اِذَازَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًامِّنَ اللهِ وَاللهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ [نسائي وحاكم، فتح الباری ج ۱۲] یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کرو، قطعی طور پر اور یہ رجم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عبرت ہے تا کہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں، بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دے کر فرمایا: اے مسلمانو! رجم میں ہرگز شک نہ کرو، اس لئے کہ رجم کا حکم برحق اور یقینی ہے۔ [فتح الباري ج ۱۲] اسی طرح بے شمار روایتوں سے ثابت ہے کہ آیت رجم جو اوپر مذکور ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی، تلاوت اگر چہ اس کی منسوخ ہوگئی ہے مگر اس کا حکم بالاجماع باقی اور برحق ہے۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے موافق عمل کیا اور حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اور حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا دونوں پر سزائے رجم وسنگساری جاری فرمائی، اور دونوں یہودی زانیوں کو بھی مسجد نبوی کے موضع الجنائز میں رجم فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا۔

لوگ زنا کی سزا کی سختی کو تو دیکھتے ہیں مگر اس سزا کی حکمتوں اور بے شمار فوائد کو نظر انداز کرتے ہیں، وہ صرف اور خاص طور پر یہ دیکھتے کہ ایک شخص بے دردی کے ساتھ سنگسار ہو رہا ہے، اور یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ شخص مسلمانوں کے معاشرہ کے ایک ایسے کینسر میں مبتلا عضو ہے جو بالکل ہی سڑ چکا ہے، جس کے کاٹنے میں جسم کی اصلاح اور تندرستی ہے، اور اس کے رہنے میں تباہی اور بربادی ہے۔ آپ نے ہمیشہ دیکھا اور سنا ہے کہ کینسر زدہ ہاتھ، پاؤں کو ڈاکٹر مریض کے مشورہ اور مرضی سے کاٹ دیتے ہیں، تا کہ باقی بدن ناکارہ نہ ہو، اور مریض کی موت واقع نہ ہو، اس شرعی حد رجم کا یہ فائدہ ہوا کہ ہزاروں لوگوں کی عصمت اور شرافت محفوظ رہے گی، اور خلق خدا کی حیاء تار تار ہونے سے بچ جائے گی۔

آج اسی شرعی حد کی برکت ہے کہ سعودی عرب جیسے اسلامی ملک میں لوگوں کی حیاء وننگ محفوظ ہے، مجال

نہیں کوئی ایسی غلط حرکت کرے، جبکہ امریکہ جیسے مہذب، اور ترقی یافتہ ملک میں ہر منٹ کسی زنا بالجبر سے خالی نہیں۔ کائنات کے خالق و مالک نے جس نظام کے تحت اپنی مخلوقات کو زندگی گزارنے کا حکم دیا ہوا ہے، اسی میں ان کی بھلائی بھی ہے اور ترقی وخوشحالی بھی۔ آج یورپ اپنے پیدا کردہ نظام سے برلب گور بھی ہے، اور نہایت پریشان بھی، نہ وہاں رشتے ناطے ہیں، نہ خاندانی دوستیاں، نہ الفتیں نہ محبتیں، جانوروں کی طرح کھاتے پیتے، پھرتے اور عیاشیاں کرتے ہیں۔ خوب عبرت حاصل کرو۔

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۳﴾

ترجمہ: زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے، اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے، اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۳

معارف ومنازل

دوسرا حکم نکاح زانی اور زانیہ کے متعلق ہے۔ بداخلاق یعنی زانی کو شرفاء کی جماعت سے خارج کیا جائے، اور اسے الگ تھلگ رکھا جائے۔ اس آیت کی تفسیر کے متعلق امام نسفی تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا مقصود بدکار اور زناکار عورتوں سے نکاح کرنے سے نفرت دلانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ سوائے مسلمان یا پاکدامن عورتوں کے کسی عورت سے نکاح کی طرف راغب نہ ہوں۔ اس لئے زانی اور بدکار مرد کا میلان اور رغبت اسی عورت کی طرف ہوتا ہے کہ جو زنا اور بدکاری میں اس کے مذہب ومشرب پر ہو، یا اس عورت کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے جو سرے سے مسلمان ہی نہ ہو، چہ جائیکہ وہ عفت و پاکدامنی میں غور وفکر کرے۔ علیٰ ہذا القیاس زانیہ اور بدکار عورت کا میلان دو شخصوں میں سے کسی ایک شخص کی طرف ہوتا ہے، یا تو زانی مرد کی طرف یا کسی کافر اور مشرک مرد کی طرف، جو زانی سے بھی بدتر ہے، اور کسی حلال وحرام کا قائل نہیں۔ [شیخ زادہ بیضاوی]

اس آیت کے ظاہر کی بنا پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے کہ پارسا مرد کا نکاح زانیہ عورت سے صحیح

نہیں یہاں تک کہ وہ صحیح توبہ کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ زانیہ اور فاجرہ عورت سے جو زنا پر مصر ہو نکاح کرنا تو ناجائز اور حرام ہے، لیکن اگر وہ نکاح کر لے تو وہ نکاح فی حد ذاتہ درست ہے۔ اور بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ ایک بدکار عورت نے جس کا نام اُم مہزول تھا اس نے ایک مسلمان سے نکاح کرنا چاہا تو اس مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عجب نہیں کہ جس طرح ابتداء اسلام میں مشرک سے نکاح جائز تھا اسی طرح زانیہ سے بھی نکاح جائز ہو، مگر اس آیت کے نزول سے زانیہ سے نکاح کرنا حرام اور ناجائز ہوا۔ حرمت اور بطلان میں فرق ہے، حرام ہونے سے باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زانیہ سے نکاح باطل ہے، اور جمہور علماء کے نزدیک زانیہ اور اہل کتاب کی کافرہ سے نکاح کرنا تو ناجائز ہے، لیکن اگر نکاح کر لیا تو وہ نکاح درست ہو جائے گا۔ شاید یہ نکاح اس زانیہ کی عفت اور پاکدامنی کا سبب بن جائے جیسے یہودیہ اور نصرانیہ سے بلاضرورت نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کر لیا تو نکاح درست ہو جائے گا۔ شاید یہ نکاح اس یہودیہ اور نصرانیہ کے اسلام کا سبب بن جائے۔ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی تفصیل سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ
جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ
تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) دُرّے مارو، اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور یہ لوگ فاسق ہیں ۝ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان ہے ۝

معارف ومنازل

حکم سوم، حد قذف:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ

جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ گزشتہ آیت میں زانیہ سے نکاح کی حرمت بیان کی، اب اس آیت میں کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جو کسی پر بغیر ثبوت کے زنا کی تہمت لگائے اس کی کیا سزا ہے؟ چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں:

﴿ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ پھر ان کے زنا کے ثبوت پر چار گواہ نہ لاسکیں، تو ایسے:

﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ لوگوں کو اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ، اور آئندہ ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ ایسے ہی لوگ خدا کے نزدیک فاسق ہیں کہ انہوں نے ایک پاکدامن کو بے آبرو کیا، اور بلاثبوت کے اس پر زنا کی تہمت لگائی۔

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ مگر جن لوگوں نے تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لی، اور اپنی حالت کی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق معاف کر دیا، اور فسق کا نام ان سے اٹھ گیا، مگر توبہ کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ بندہ کا حق ہے، توبہ کرنے سے اس کو یہ فائدہ نہیں کہ اب اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ قذف یعنی تہمت لگانے کا جو گناہ اس کے ذمہ تھا، وہ توبہ سے رفع ہو گیا۔ باقی رہی حد سو یہ اس کی دنیوی سزا ہے جس سے مقصود دوسروں کو عبرت دلانا ہے، یہ سزا توبہ کرنے سے بالاجماع ساقط نہیں ہو سکتی۔

البتہ اختلاف اس میں ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد فسق کے دائرہ سے تو باہر ہو جائے گا، مگر اس کی شہادت اور گواہی ہمیشہ کے لئے مردود رہے گی، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد اس کے فسق کا حکم بھی ختم ہو جائے گا اور عدم قبول شہادت کا حکم بھی اس سے اٹھ جائے گا۔

فائدہ:

جاننا چاہئے کہ اس آیت میں قاذف یعنی تہمت لگانے والے کے تین حکم مذکور ہیں:

(۱) ایک ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً﴾ یعنی اسی (۸۰) کوڑے۔

(۲) دوم ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ یعنی اس کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔

(۳) سوم ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ایسے لوگ فاسق ہیں، اب تین حکموں کے بعد تائبین کا استثنا فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ تو علماء نے اختلاف کیا کہ یہ استثناء حکموں میں سے کس حکم کی طرف راجح ہے؟ پس اس پر تو ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ استثناء پہلے حکم یعنی اسی (۸۰) کوڑے مارنے کی طرف راجع نہیں، تہمت لگانے والے پر حد قذف یعنی اسی کوڑوں کی مار بالاجماع جاری ہوگی، چاہئے وہ توبہ کرے یا نہ کرے۔

اب باقی رہے دو جملے: ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ یعنی ان کی شہادت قبول نہ کرو، اور دوسرا جملہ: ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ یہ لوگ فاسق ہیں۔ اب اخیر میں ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ کا استثناء مذکور ہے۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس استثناء کا تعلق دونوں جملوں سے ہے، یعنی توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی، اور فسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق صرف آخری جملہ سے ہے، پس توبہ سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر شہادت اس کی ہمیشہ کے لئے مردود رہے گی۔

اور قاضی شریح، ابراہیم، سعید بن جبیر، مکحول، اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہم کی بھی یہی رائے ہے، اور یہی مذہب سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور قواعد عربیہ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جب تین جملوں کے بعد کوئی استثناء آرہا ہے، یا تو تینوں سے متعلق کرو، یا صرف آخری جملہ سے اس کو متعلق کرو، اس آیت میں یہ استثناء بالاجماع پہلے جملے کی طرف راجع نہیں، کیونکہ توبہ کرنے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی، اور یہ امر بھی متعین ہے کہ یہ استثناء آخری جملہ کی طرف ضرور راجع ہے۔

اب درمیانی جملہ: ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ محتمل رہا، اور ظاہر یہی ہے کہ یہ استثناء آخری جملہ کی طرف راجع کی جائے، کیونکہ وہ اس کے قریب ہے اور متصل ہے۔ نیز قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں توبہ کا ذکر آیا ہے تو اس کا تعلق حقوق اللہ اور احکام آخرت سے ہے، نہ کہ دنیوی احکام سے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ استثناء فقط ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ سے متعلق اور مربوط ہو، کیونکہ فسق کا تعلق احکام آخرت سے ہے اور درمیانی جملہ: ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ کا مضمون احکام دنیا سے متعلق ہو۔ جیسا کہ پہلے جملہ کا حکم: ﴿ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ احکام دنیا سے متعلق ہے۔

پس بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ: ﴿وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ کو ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا جائے، اور تائبین کے استثناء کو فقط آخری جملہ: ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ کے متعلق رکھا جائے۔

نیز ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ کی جزاء تو ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ پر پوری ہوئی، اور ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ جملہ مستانفہ ہے، جو قذف کے جزاء اور سزا بیان کرنے کے بعد لایا گیا ہے، اور اسلوب کلام بھی بدلا ہوا ہے۔ اس لئے کہ ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ دونوں خطاب کے صیغے ہیں، اور دونوں جملے جملہ انشائیہ ہیں، ایک امر ہے اور ایک نہی ہے، اور جملہ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ مستقل جملہ ہے، جو سابق خطاب کے ختم کے بعد لایا گیا ہے، اور یہ جملہ اسمیہ خبر یہ ہے، پہلے دونوں جملوں کی طرح فعلیہ انشائیہ نہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس جملہ اسمیہ خبر یہ کا عطف یعنی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ کا عطف شروع جملہ اسمیہ خبر یہ یعنی ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ پر کیا جائے اور ﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾ جو کہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہے اس پر اس کا عطف نہ ہو، کیونکہ جملہ فعلیہ انشائیہ پر جملہ اسمیہ خبر یہ یعنی ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ کا عطف باعتبار قواعد بلاغت جائز یا مناسب نہیں۔ [معارف کاندھلوی رحمہ اللہ]

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس ان کی اپنی جانوں کے علاوہ گواہ نہ ہوں تو یہ تہمت لگانے والا اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر چار مرتبہ یوں کہے کہ بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے ۝ اور پانچویں مرتبہ یوں کہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں ۝ اور عورت کی سزا اس طرح ٹل جائے گی کہ وہ چار مرتبہ اللہ تعالیٰ

کی قسم کھا کر یوں کہے کہ بلا شبہ یہ جھوٹوں میں سے ہے⑧ اور پانچویں مرتبہ یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ سچوں میں سے ہو⑨ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے حکمت والا ہے تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے⑩

معارف و منازل

جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں ان کے لئے لعان کا حکم ہے، کوئی مرد یا عورت اگر کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگا دے اور اپنی بات کی سچائی ثابت کرنے کے لئے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس تہمت لگانے والے پر حد قذف یعنی اس کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ لیکن کوئی مرد اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہے کہ اس نے زنا کیا ہے، اور عورت اس کو جھٹلائے، اور شوہر کے پاس چار گواہ نہیں ہیں، تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی، بلکہ امیر المؤمنین یا قاضی لعان کا حکم دے گا۔

یہ لفظ لعنت سے لیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں قسمیں کھائیں، اور ہر ایک ایسے الفاظ کہے جس سے خود اس کی اپنی ذات پر لعنت پڑتی ہو، جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہا کہ اس نے زنا کیا ہے، یا یوں کہا کہ یہ جو بچہ پیدا ہوا ہے مجھ سے نہیں ہے، تو اب اس پر لازم ہے کہ چار گواہ پیش کرے، اگر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے، کیونکہ زنا گواہوں کے سامنے نہیں کیا جاتا) اور عورت یوں کہے کہ اس نے مجھے تہمت لگائی ہے، تو امیر المؤمنین یا قاضی شوہر سے کہے گا کہ تو لعان کر، یا یہ اقرار کر کہ تو نے جھوٹی تہمت لگائی ہے، اگر وہ دونوں میں سے کسی بات پر راضی نہ ہو تو قاضی اسے بند کر دے گا یہاں تک کہ لعان کرنے پر راضی ہو جائے، یا یوں کہے میں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے، اگر اس دوسری بات کا اقرار کرے تو پھر اسے حد قذف لگائی جائے گی۔ اگر وہ اپنے نفس کو نہیں جھٹلاتا اور اسے برابر اس بات پر اصرار ہے کہ میری بیوی نے زنا کیا ہے تو قاضی دونوں کے درمیان لعان کرنے کا حکم دے گا۔

لعان کا طریقہ:

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرد کھڑا ہوگا اور چار مرتبہ یوں کہے گا: ”أشهد بالله أني لمن الصادقين فيما رميت هذه من الزنا“۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتا ہوں کہ میں اس عورت کے بارے میں جو کہہ رہا ہوں کہ اس نے

زنا کیا ہے، میں اس بات میں سچا ہوں۔ پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے: ”لعنت الله عليه إن كان من الكاذبين فيما رمی هذه من الزنا“۔ اس عورت کے بارے میں جو میں نے کہا ہے کہ اس نے زنا کیا، اس بارے میں اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ پانچویں مرتبہ جب لفظ ”هذه“ اس عورت کے الفاظ ادا کرے، تو ہر مرتبہ عورت کی طرف اشارہ کرے۔ جب مرد پانچویں مرتبہ مذکورہ الفاظ کہہ چکے تو اس کے بعد عورت چار مرتبہ کہے: ”أشهد بالله أنه لمن الكاذبين فيما رماني به من الزنا“۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس بارے میں یہ جھوٹا ہے۔ پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے: ”أن غضب الله عليها إن كان من الصادقين فيما رماني من الزنا“۔ مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر یہ اپنی اس بات میں سچا ہو، جو اس نے میرے طرف زنا کی نسبت کی ہے۔

جب دونوں لعان کرلیں تو اب قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا، اور یہ تفریق کرنا طلاق بائن کے حکم میں ہوگا، اور اگر لعان اس لئے تھا کہ نومولود بچہ کے بارے میں شوہر نے یوں کہا تھا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو لعان کے بعد تفریق کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی اس بچے کا نسب اس مرد سے ختم کردے گا، اور یہ حکم نافذ کردے گا کہ یہ بچہ اپنی ماں کا ہے، اس عورت کے شوہر کا نہیں ہے۔ لعان کرنے کے بعد شوہر اپنی تکذیب کردے، یعنی یوں کہہ دے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی، تو پھر قاضی اسے حد قذف یعنی اسی (۸۰) کوڑے لگادے گا۔

حدیث کی کتابوں میں عویمر عجلانی اور ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہما کے اپنی بیوی سے لعان کرنے کا تذکرہ ملتا ہے۔ صحیح بخاری [ص۷۹۹، ۸۰۰] اور کتاب التفسیر [ص۶۹۰] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہلال ابن امیہ نے جو اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہا کہ اس نے فلاں شخص سے زنا کیا ہے، تو آیت لعان ﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ﴾ نازل ہوئیں۔

لعان کی کچھ شرائط ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی نابالغہ نہ ہو، دیوانی نہ ہو، اور شوہر نابالغ اور دیوانہ نہ ہو، اور اگر گونگا شوہر اشاروں سے اپنی بیوی کو تہمت لگادے تو اس کی وجہ سے قاضی لعان کا حکم نہیں دے گا۔ اس کے علاوہ بہت سی شرائط ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّكُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ لِكُلِّ امۡرِیٴٍ
مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَالَّذِىۡ تَوَلّٰى كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۱﴾ لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ
ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۲﴾ لَوۡلَا جَآءُوۡ عَلَيۡهِ بِاَرۡبَعَةِ
شُهَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ يَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ
وَرَحۡمَتُهٗ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمۡ فِىۡ مَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِيۡهِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۴﴾ اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ
وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوۡلَاۤ اِذۡ
سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ
تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ
الَّذِيۡنَ يُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ فِى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ
يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ تہمت لے کر آئے یہ تم میں سے ایک جماعت ہے، تم اسے اپنے لئے شر نہ سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے، ان میں سے ہر شخص کے لئے گناہ کا وہ حصہ ہے جو اس نے کمایا، اور ان میں سے جس شخص نے بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے ⑪ جب تم نے اس کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ اچھا گمان کیوں نہ کیا، اور یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے؟ ⑫ وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ سو جب وہ گواہ نہ لائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں ⑬ اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات میں تم لگے رہے اس کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب واقع ہو جاتا ⑭ جب تم اس بات کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے، اور اپنے مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہیں ہے، اور تم اسے ہلکی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے ⑮ اور جب تم نے اس کو سنا تو یوں کیوں نہ کہا کہ یہ بات اس لائق نہیں ہے کہ ہم اسے اپنے منہ سے نکالیں؟ سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے ⑯ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر کبھی بھی تم ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو ⑰ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ⑱ بلاشبہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے

حیائی کی بات کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے
⑲ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نہ بچتے، اور اللہ تعالیٰ بڑا مہربان، بڑی رحمت والا ہے ⑳

معارف و منازل

دنیا کی فضاء اور ہوا ویسے بھی مسموم ہے، لیکن اہل حق کے لئے نسبتاً اور ہی ناموافق ہے، بہت بڑی بڑی پاکباز ہستیوں کو بھی دنیا داروں نے اپنی تہمتوں کا نشانہ بنایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگی تو خارق عادت کے طور پر شیر خوار بچے نے ان کی صفائی پر گواہی دے دی، حضرت جریج پر تہمت لگا کر لوگوں نے ان کا حجرہ منہدم کیا پھر نوزائیدہ بچے نے ان کو بری قرار دلوا کر گواہی دی، اسی طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے حق میں دو روز پہلے پیدا ہونے والے بچہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے والدہ کی صفائی بیان کرتے ہوئے پورے مجمع کو حیرت میں ڈال دیا، اب آخری مرحلے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا بیان ہے، مگر صورت حال وہ نہیں جس کا ابھی تذکرہ ہوا، بلکہ آپ رضی اللہ عنہا کی براءت و پاکبازی کا اعلان خود رب العلمین جل مجدہ عرش معلیٰ سے فرما رہے ہیں۔ اس لئے یہ براءت ﴿وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾ [الشرح: ۴] (اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے) کا حصہ، اور کڑی ہے، اور یہ آپ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے ہے۔

گزشتہ آیات میں عام مسلمانوں کا اپنی پاکدامن بیویوں پر تہمت لگانے کی قباحت کا ذکر تھا، اب ان آیات میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کی قباحت کو بیان فرماتے ہیں۔ یہاں سے اٹھارہ آیات تک یعنی (۲۶) تک یہی مضمون چلا گیا ہے، جس میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا ذکر ہے، جس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور پوری امت مسلمہ کی والدہ (شیعوں کی نہیں) پر تہمت لگانا کفر و ارتداد، اور خالص نفاق و گمراہی ہے۔

واقعہ افک کا اجمالی بیان:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے اور ازواج مطہرات میں سے اگر کسی کو ساتھ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈال لیتے، جس کا نام نکلتا اسی کو ساتھ لے کر تشریف لے جاتے ۶ھ میں غزوۂ بنی مصطلق کے لئے تشریف لے گئے، اس دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نکلا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ساتھ لے کر چلے، وہ ایک ہودج (کجاوہ)

میں سوار رہتی تھیں، ہودج کو دو آدمی اٹھا کر اونٹ پر رکھتے، پھر رسیوں سے کس کر اونٹ کی کمر پر باندھتے، واپسی میں جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو وہاں کچھ آرام اور توقف فرمانے کے بعد آخری شب میں روانگی کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان روانگی سے پہلے ہوتا تھا تا کہ لوگ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر تیار ہو جائیں۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے جب اعلان سنا تو قضائے حاجت کے لئے کچھ دور میدان میں چلی گئیں تا کہ لوگوں سے پردہ میں رہیں، جب واپس قریب آ گئیں تو دیکھا کہ گلے میں جو ہار پہنا ہوا تھا وہ غائب ہے، کہیں گر گیا ہے، اس کی تلاش کی خاطر واپس میدان میں پہنچ کر تلاش کرنا شروع کیا، اس دوران کافی تلاش وجستجو میں بڑا وقت گزر گیا جو انہیں محسوس نہ ہوا، جب وہ اپنی جگہ واپس پہنچیں تو میدان خالی تھا اور پورا قافلہ روانہ ہو چکا تھا، اونٹ پر کجاوہ رکھنے والوں کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ یہ خالی ہے، جیسے ہمیشہ اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے، اس دفعہ بھی انہوں نے ایسا ہی کیا، یہ اس لئے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اس وقت بارہ سال تھی، اور نہایت کمزور ونحیف، دبلی پتلی تھیں، پتہ نہیں چلا اور خیال تک نہیں آیا کہ وہ ہودج میں سوار نہیں ہیں، بس ان کے اونٹ کو قافلہ کے اونٹوں کے ساتھ شامل کر کے روانہ کر دیا۔

جب وہ اپنی جگہ تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ موجود نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ سمجھ دی کہ یہیں چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤں، اور یہ خیال کیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دیکھیں گے کہ میں کجاوے میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہیں واپس آئیں گے، ادھر ادھر کہیں جانے میں خطرہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاش میں دشواری ہو۔ چنانچہ وہیں بیٹھے بیٹھے آپ رضی اللہ عنہا کو نیند آ گئی، اور آپ رضی اللہ عنہا سو گئیں۔

حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، جنہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام پر مقرر فرمایا تھا کہ لشکر کی روانگی کے بعد دو تین گھنٹے کے وقفے کے بعد پیچھے سے آیا کریں، اس میں یہ مصلحت تھی کہ کسی کی کوئی چیز رات کی تاریکی میں گری پڑی ہو اور اسے معلوم نہ ہوا ہو، تو اسے اٹھا کر لیتے آئیں، اور مالک کے حوالہ کر دیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب وہ وہاں پہنچے جہاں میں سو رہی تھی تو انہیں ایک انسان نظر آیا، (یہ سورج نکلنے سے پہلے کا وقت تھا، جہاں وہ میدان میں لشکر کے پڑاؤ پر سامان تلاش کر رہے تھے) انہوں نے دیکھ کر مجھے پہچان لیا، کیونکہ نزول حجاب سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے، مجھے دیکھتے ہی "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون" پڑھی، ان کی اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی، اور میں نے اپنی چادر سے چہرہ ڈھانک لیا، (اس سے ان جاہلوں کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں چہرہ کا پردہ نہیں ہے)۔

وہ قریب آئے اور کوئی بات تک نہیں کی، اور اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا، میں اونٹنی کے اگلے پاؤں پر قدم رکھ کر سوار ہوگئی، اس کے بعد وہ اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے پیدل چلتے رہے، یہاں تک کہ دوپہر کے وقت لشکر کے پاس پہنچ گئے، اس وقت لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔ (اس وقت تک میری غیر حاضری کا نہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم تھا نہ کسی اور کو)۔ لشکر کے ساتھیوں میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا، اس نے تہمت لگادی اور خوب اس کی تشہیر کی کہ حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قصداً اسی آدمی کے ساتھ پیچھے رہ گئی تھیں، پھر بات کو زیادہ اچھالنے، لے کر پھرنے اور تشہیر کرنے میں بھی اس خبیث کا بڑا ہاتھ تھا، اس کے ساتھ تمام منافقین چرچا کرنے میں شامل رہے، یہاں تک کہ شاعر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (جو بعد میں نابینا ہو گئے) اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور عورتوں میں حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی اس طوفان میں بہہ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ تو پہنچ گئے، لیکن اس تہمت کا مجھے پتہ نہیں چلا، میں بیمار ہوگئی تو میں نے سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وہ لطف وکرم نہیں پایا جو پہلے اپنے بارے میں محسوس کرتی تھی، صرف اتنا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تھے تو گھر کے دوسرے افراد سے پوچھ لیتے تھے کہ اس کا کیا حال ہے، اور کبھی مجھ سے دریافت فرمالیتے کہ کیسی ہو؟ بس روانہ ہوتے، اور کبھی تشریف فرما ہو کر نہیں بیٹھتے۔ مجھے حقیقت حال کا علم نہ تھا کہ باہر کیا باتیں چل رہی ہیں، اسی درمیان میں یہ ہوا کہ میں مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ رات کو کچھ افاقہ کے بعد باہر میدان میں انسانی حوائج کی خاطر نکلی، اس وقت گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنائے گئے تھے، قضائے حاجت کے لئے آبادی سے باہر رات کے وقت میں جایا کرتے تھے، میں مسطح رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ساتھ جارہی تھی کہ ان کی چادر میں ان کا پاؤں پھسل گیا، ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ مسطح ہلاک ہو، میں نے کہا: یہ تو نے ایک بدری صحابی کے لئے جو کہا بہت ہی نامناسب کہا، وہ کہنے لگیں: کیا تو نے سنا ہے جو لوگ کہہ رہے ہیں؟ ان کہنے والوں میں مسطح رضی اللہ عنہ بھی ہے، اس کے بعد انہوں نے مجھے پوری تفصیل بتادی کہ تیرے متعلق منافق اور کچھ دوسرے لوگ یہ تہمت لگا رہے ہیں۔

میں نے اپنی بیماری میں کچھ افاقہ جو محسوس کیا تھا، اس بات نے میرے مرض میں اور زیادہ اضافہ کر دیا، جب میں اپنے گھر واپس آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور حسب سابق گھر کے دوسرے افراد سے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اجازت دے دی، تو میں اپنے میکہ چلی آئی، والدہ سے میں نے پوچھا: لوگوں میں کیا باتیں چل رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹی تسلی رکھو، جس عورت کی سوکنیں ہوتی ہیں اس کے ساتھ (حسد میں) ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ (والدہ کا اشارہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ واللہ اعلم)۔

میں نے کہا: سبحان اللہ! واقعی ایسا ہی ہو رہا ہے؟ یہ افواہ گشت کر رہی ہے؟ اس کے بعد میں رات بھر روتی رہی، اور ذرا دیر کو آنسو بند نہ ہوئے، اور مجھے ذرا سی بھی نیند نہ آئی، اور اس کے بعد روتے روتے یہ حال ہو گیا کہ مجھے خیال پیدا ہو گیا کہ زیادہ رونے سے میرا جگر پھٹ رہا ہے، اسی پریشان حال میں رات دن گزرتے رہے، اور ایک مہینہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، مجھے پورا پورا یقین تھا کہ ارحم الراحمین جل شانہ مجھ بے قصور کی براءت کا ضرور فیصلہ فرمائے گا، اور میرا خیال یوں تھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب (وحی خفی) دیکھ لیں گے جس میں ارحم الراحمین مجھے بری فرما دیں گے، میں اپنے نفس کو اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ میری براءت میں قرآن کریم کی کوئی آیت نازل ہوگی، جس کی تلاوت قیامت تک ہوتی رہے گی۔

ایک دن آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور بیٹھ گئے، میرے والدین دونوں وہاں موجود تھے، اس اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوگئی، اور حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آگیا جو وحی کے وقت سخت سردی کے دنوں میں بھی ثقل وحی کی وجہ سے آیا کرتا تھا، اور چہرہ انور سے پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح ٹپکتے تھے، اور چہرہ انور سرخ ہوتا تھا، اور دم گھٹتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبے سانس لیتے تھے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دور ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے یہ کلمہ ارشاد فرمایا: ''اے عائشہ! اللہ تعالیٰ کی تعریف کر، اللہ تعالیٰ نے تیری براءت نازل فرما دی''، اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ﴾ یعنی جو لوگ تہمت لے کر آئے ہیں یہ تم ہی میں کا ایک گروہ ہے۔ اِفک اُفک یعنی جھوٹ، بے بنیاد، بے حقیقت، خود ساختہ، اختراع یہ سب اس کے معنی ہیں۔

رئیس المنافقین ابن ابی ابن سلول اگرچہ باطناً کافر تھا مگر ظاہراً چونکہ مسلمانوں میں شمار ہوتا تھا اس لئے ﴿مِنۡکُمۡ﴾ کے خطاب میں وہ داخل تھا۔ عُصۡبَۃٌ کا اطلاق دس سے بیس تک ہوتا ہے، یہاں تین لوگ وہ تھے جو خالص مسلمان تھے، چوتھا جو اس واقعہ افک کا بانی و سربراہ تھا رئیس المنافقین، اور باقی لوگ اس کے منافق ساتھی تھے جن کے نام معلوم نہیں ہوئے۔

﴿لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ﴾ اس طوفانی تہمت کو تم اپنے بارے میں بُرا خیال نہ کرو۔

﴿بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، ظاہراً ہر تہمت کی طرح یہ بھی بدتر ہے، مگر نتیجہ وانجام کے لحاظ سے بہتر ہے۔ "اَشَدُّ الْبَلَاءِ الْاَنْبِيَاءُ"۔ اس میں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ذہنی پریشانی ہوئی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفع درجات کا حصہ ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رفع درجات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوستوں اور دشمنوں کی آزمائش ہے، مسلمانوں کے لئے درس صبر بھی ہے، اور درس عبرت بھی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے لئے سولہ آیتوں پر مشتمل براءت یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ منافقین کے لئے نفاق کے عذاب کے علاوہ عذاب عظیم کا پیغام ہے، وغیرہ۔

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ﴾ ان میں سے ہر شخص کے لئے گناہ میں حصہ ہے، کسی کا حصہ سب سے زیادہ یعنی عذاب عظیم ہے، اسی خاطر وہ دنیا کے عذاب حد قذف سے مستثنیٰ رہا، اسے آخرت کے عذاب کے لئے نظر انداز کیا گیا، بخلاف باقی تینوں مسلمانوں کے کہ انہوں نے توبہ کی اور ان پر حد جاری ہوئی، اسی کے ساتھ ان کی توبہ بھی قبول ہوئی۔

﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور جو شخص اس منگھڑت طوفان میں بڑے حصے کا مالک بنا اس کے لئے عذاب عظیم مقرر ہے۔ اب مسلمانوں کو تنبیہ ہے:

﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے ایسی بات سنی تھی تو انہوں نے اپنے لوگوں پر بہتری اور پاکدامنی کا گماں کیوں نہ کیا؟ یہاں ایک ایسی پاکدامن عورت کا سوال ہے کہ ساری امت کی ماں ہے، پھر یہ کیوں نہیں سوچا کہ نبی کی بیوی کافرہ تو ہوسکتی ہے فاحشہ ہرگز نہیں ہوسکتی۔ تیسری بات کہ تمہیں معلوم تھا کہ یہ کم سن بچی ہے عورت نہیں، اس کا لشکر سے پیچھے رہنا اس کی غفلت اور غلطی ہے۔ چوتھی بات ایک عمر رسیدہ شخص کے بارے میں جو اسی کام پر مامور ہے کہ لشکر کے پیچھے سامان تلاش کر کے ان کے مالکوں کو پہنچائے، الزام تراشی نہایت قبیح اور گناہ ہے، ان امور کے پیش نظر تمہیں نیک گمان کرنا چاہئے تھا، اور بجائے خاموش رہنے کے سب کو مل کر پوری قوت سے تردید کرنا چاہئے تھا۔

﴿وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ کتنا اچھا اور بروقت مناسب ہوتا کہ آپ سب مل کر یوں کہہ دیتے کہ یہ صریح بہتان اور منگھڑت ہے۔ ﴿لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ تو پھر یہ مدعی لوگ اپنے دعویٰ کے ثبوت

میں چار گواہ کیوں نہ لائے؟ گزشتہ آیات میں: ﴿فَاِذۡ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ﴾ اگر یہ چار گواہ پیش نہیں کرتے تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں، اور جھوٹوں کا حکم بیان ہو چکا ہے کہ انہیں حد لگاؤ اور انہیں مردود الشہادت اور فاسق قرار دیدو۔

﴿وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمۡ فِىۡ مَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِيۡهِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی دنیا اور آخرت میں، تو ضرور تم کو عذاب عظیم پہنچتا، اس چیز میں جس کا تم نے چرچا کیا ہے۔ یہ بات ناموس رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مخل اور ناہموار تھی، جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم پر عذاب آجائے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و مہربانی اور رحمت نے تمہیں بچالیا اور عذاب عظیم ہٹ گیا، اور تم گرفت خداوندی سے بچ گئے۔

﴿اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ﴾ جب تم اس بات کو اپنی زبانوں پر چڑھا رہے تھے، اگر قاف پر شدّ نہ پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جب تم جھوٹ بول رہے تھے۔ ﴿وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ﴾ اور اپنے مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہیں، یعنی تم بلا تحقیق منافقوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

﴿وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ﴾ اور تم اسے ہلکی بات خیال کر رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی۔ یہ تمہیں زیب نہیں دیتا تھا کہ ساری امت کی پاکیزہ ماں کے متعلق اس طرح کی باتیں کرو جن کا انتخاب ربّ العزّت سبحانہ نے فرما کر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ ازدواج میں منسلک فرمایا تھا، بھلا کائنات کے خالق و مالک کے انتخاب میں کسی فروگزاشت اور غلطی کا امکان ہے؟ ہرگز نہیں، ہرگز ممکن نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کو اس قسم کی خطاؤں سے محفوظ رکھتا ہے اور انہیں معصوم بنایا ہے، اسی طرح ان کی ازواج کو محفوظ رکھتا ہے تاکہ نبی کی عصمت داغدار نہ ہو۔

﴿وَلَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا﴾ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تھی تو یوں کہہ دیتے کہ اس بات کو زبان پر لانا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے، تمہیں تو ایسے الزام کی فوراً تردید کرنی چاہیے تھی، اور صاف کہنا چاہیے تھا کہ: ﴿سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ﴾ اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے، اور منافق جو کہہ رہے ہیں یہ بہت بڑا بہتان ہے، اس بہتان میں اور اسے پھیلانے والوں میں کوئی صداقت نہیں۔ یہ مسلمانوں کو سخت تنبیہ ہے کہ تم لوگوں کو وفاداری و صداقت اور امانت کا حق ادا کرنا چاہیے تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے حق میں وفاداری اور محبت کا مظاہر کرنا چاہئے تھا، لیکن آپ ایسا نہ کر سکے۔

﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو آئندہ ایسی بات کبھی نہ کرنا، اور حق وصداقت کے ساتھ چل کر کسی منگھڑت بہتان پر خاموش نہ رہنا اور پروپیگنڈوں پر کان نہ دھرنا، بلکہ ان کی مخالفت پر کمر بستہ رہنا۔

﴿وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات اور احکام کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس واقعہ میں کئی حکمتوں کا تعلق ہے، خاص کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر خود مختار یا مختار کُل اور عالم الغیب نہیں ہوتے، جس طرح اس پورے واقعہ سے معلوم ہوا۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ تحقیق وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کی مسلمانوں میں تشہیر ہو۔ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ جب برائی اور برائی کا ارتکاب حرام اور ناپسندیدہ ہوا تو اس طرح اس کی تشہیر مزید باعث ہلاکت وتباہی ہوگی، اور ایسے لوگ دنیا وآخرت دونوں میں عذاب الیم کے مستحق ہوں گے۔ جیسا کہ رئیس المنافقین اور اس کی جماعت کے متعلق بیان ہوا۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ بہت شفقت کرنے والا اور بڑا مہربان ہے تو تم تباہی کے گہرے گڑھے میں گرتے، جہاں سے تمہارا نکلنا آسان نہ ہوتا، کیونکہ تم لوگوں نے منافقین کا اور ان کے جھوٹے الزامات کا سختی سے جواب نہیں دیا، اور ان کی شرارتوں کا موثر جواب بھی نہیں دیا، حق تو یہ تھا کہ تلوار نیام سے نکال کر میدان میں کھڑے ہو کر منافقوں کو للکارتے اور تنبیہ کرتے کہ خبردار! جو شخص ہماری امّی جان کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتا ہے، ہم ان تلواروں سے اسے سیدھا کر کے صفحہ ہستی سے مٹائیں گے۔

مگر اس نازک موقع پر تم نے واقعی جرأت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے فرماتے ہوئے یہ سنا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے گا، اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ قیامت کے دن اسے دوزخ کی آگ سے دور رکھے گا۔ [مشکوۃ]

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے غائبانہ اپنے بھائی کی طرف سے دفاع کیا ہے، (یعنی لوگوں نے اس کی عیب جوئی کی اور اس نے اس کی صفائی کی) اللہ تعالیٰ اس دفاع کرنے والے کے لئے اپنے اوپر یہ واجب کرلیا ہے کہ اسے دوزخ سے آزاد فرمائے گا۔[مشکوۃ]

سبحان اللہ! کتنا بڑا انعام ہے، یہ بات یاد رکھیں کہ جو شخص کسی مؤمن کی طرف سے دفاع کرے گا تو اس کو جہنم سے نجات ملے گی، اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی رہیں گے۔ رہا وہ شخص جو کسی مؤمن پر عیب یا تہمت لگائے، یا ان کی غیبت و برائی بیان کرتا پھرے، اس کی سزا وہی ہے جسے قرآن کریم نے عذاب عظیم اور عذاب الیم کی حیثیت سے بیان کرلیا، اور یہ بہت خطرناک گناہ ہے، اور اس کی سزا سخت ہے۔ اسی وجہ سے حدیث شریف نے غیبت کو زنا سے بدتر قرار دیا، اور ایک مسلمان پر لعن طعن کرنے کو اس کے قتل کے برابر جرم قرار دیدیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے اعمال صالحہ کو ضائع نہ کریں، اور دوسروں کا گناہ اپنے سر پر نہ اٹھائیں، کیونکہ جس کی غیبت ہوتی ہے غیبت کرنے والے کی نیکیاں ان کو ملیں گی اور ان کے گناہ اس غیبت کرنے والے پر رکھے جائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو، اور جو شخص شیطان کے قدموں کے پیچھے چلتا

ہے سو وہ بے حیائی کے کاموں کا اور برائیوں کا حکم دیتا ہے، اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کبھی بھی کوئی شخص پاک نہ ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۲۱﴾ اور جو لوگ تم میں بڑے درجے والے اور وسعت والے ہیں وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مال نہ دینے کی قسم نہ کھائیں، اور معاف کریں، اور درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے؟ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۲﴾ بلاشبہ جو لوگ بے خبر مؤمن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں، دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ﴿۲۳﴾ جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو یہ لوگ کیا کرتے تھے ﴿۲۴﴾ اس دن اللہ تعالیٰ ان کو پوری سزا دے گا جو ان کی واقعی سزا ہوگی، اور وہ لوگ جان لیں گے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور ظاہر فرمانے والا ہے ﴿۲۵﴾ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں، اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں، اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں، یہ لوگ اس سے بری ہیں جو تہمت لگانے والے کہتے ہیں، ان کے لئے مغفرت ہے، اور عزّت والا رزق ہے ﴿۲۶﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں سات احکام وفضائل اور عمدہ خصائل کا بیان ہے۔ پہلی بات جو پہلی آیت میں فرمائی کہ تم لوگ شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو، کسی بھی برائی میں شیطان (جن وانس) کے نقش قدم پر مت چلو، اور جو کوئی شیطان کے حکموں پر چلے گا تو وہ دنیا وآخرت دونوں میں برباد ہوگا، کیونکہ شیطان بے حیائی کے کاموں اور طرح طرح کی برائیوں کا حکم دیتا ہے، اور جو کوئی اس کی بات مانے گا وہ ابدی خسارہ کا شکار ہوگا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی (یہ حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص نہیں قیامت تک آنے والے اچھے مؤمن ومتقی اس عظیم فضل وکرم کے حقدار ہیں اور اس کے مصداق ہیں) تو تم میں سے کوئی کبھی بھی تزکیہ وپاکی حاصل نہ کرتا، ہدایت وایمان ہو یا تقویٰ وپرہیزگاری ہو یا گناہوں کے بعد توبہ کی توفیق ہو، یا کسی کے ساتھ نیکی کرنے کا معاملہ ہو، یا کسی گناہگار سے عفو ودرگزر ہو، یا شیاطین الانس والجن سے دوری واجتناب ہو، یہ تمام تزکیہ کے اسباب ہیں، جو سب کے سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مشیت وچاہت پر موقوف ہیں، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تیسری بات یہ بتائی کہ تزکیہ والوں کو چاہئے کہ عفو و درگزر سے کام لیں، اور اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت پر کار بند ہوں، گناہگاروں کو معاف کریں۔ تو فرمایا:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ ﴾ تم میں سے بڑے درجے والے اور وسعت والے لوگ ایسی قسمیں نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہیں کریں گے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے قریبی رشتہ دار مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کے فقر و احتیاج کی وجہ سے اس پر مال خرچ کرتے تھے، انہیں سہارا دیتے تھے، لیکن جب مسطح ابن اثاثہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ افک میں حصہ لیا اور چوتھے نمبر پر اس کا شمار ہونے لگا، جس کی تصدیق اس کی والدہ نے بھی کی، مگر جب مسطح رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں منافقین کا ساتھ دے کر بہت بڑا جرم کیا، اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برائت نازل فرمائی، اور مسطح سمیت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو حد قذف لگائی گئی، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آئندہ کے لئے مسطح پر مال خرچ نہ کرنے کی قسم کھائی، اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔

تفسیر درمنثور میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو و درگزر کا حکم ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا:

﴿ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ﴾ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے؟ تو سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں یہ آیت سنائی اور فرمایا: ﴿ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ﴾ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ضرور یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے، سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معاف اور درگزر کرلو، اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اب تو یہ ضروری بات ہوگئی کہ آج سے پہلے میں جو کچھ مسطح پر خرچ کرتا تھا اسے بدستور جاری رکھوں گا، اس میں کوئی کمی نہیں کروں گا۔

درمنثور میں ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر اس سے دوگنا زیادہ خرچ کیا کرتے تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں کوئی قسم کھالوں پھر قسم کی خلاف ورزی کرنے میں خیر و منفعت دیکھوں تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ دوں گا، اور جو بہتر کام ہے اسی کو کرلوں گا۔ [بخاري]

درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے اپنے ان رشتہ داروں کا خرچہ بند کرنے کی قسم کھائی تھی جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں کچھ نہ کچھ حصہ لیا تھا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب کو تنبیہ کی اور آیت بالا نازل ہوئی۔

چوتھی اور پانچویں بات یہ فرمائی کہ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی سزا دنیا اور آخرت دونوں کی بدحالی اور لعنت کا بیان فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ جو لوگ ان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو پاکدامن ہیں، اور برے کاموں سے غافل ہیں اور مؤمن ہیں، ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ چھٹی بات یہ ارشاد فرمائی:

﴿يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ﴾ کہ ان کی بدحرکتوں کا ثبوت قیامت کے دن خود ان کے اپنے اعضاء کی گواہی سے ہوگا، قیامت کے دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو کام وہ لوگ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ سورۂ یٰس میں ارشاد ہے: ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [یس: ۶۵] (آج ہم ان کے منہوں پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے، اور ان کے پاؤں اس چیز کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے)۔

بظاہر یہاں اشکال ہوتا ہے کہ سورۂ یٰس میں زبانوں پر مہر کا بیان ہے کہ ان کی زبانیں خاموش رہیں گی، اور سورۂ نور میں زبانوں کی گواہی کا بیان ہے، بظاہر یہ تعارض ہے۔ جواب یہ ہے کہ جیسے کہ سورۂ مؤمنون کے آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے روز اوقات مختلف ہوں گے، کہیں خاموش کہیں سوال وجواب، کبھی اپنے جرائم کا انکار اور کبھی اقرار علیٰ ہذا القیاس۔

﴿يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ﴾ اس روز اللہ تعالیٰ پورا پورا ان کا بدلہ دیدے گا جو ان کا واقعی بدلہ ہوگا جس کے وہ سزاوار وحقدار تھے۔ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ [الزلزلۃ: ۸] (اور جو ذرہ برابر برائی کا عمل کرے گا اس کو دیکھے گا) کا آنکھوں دیکھا مظاہرہ ہوگا، تب سب پر واضح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بلا کم وکاست صحیح فیصلہ دینے والا ہے، اور ہر عمل کی اصلی حقیقت کو ظاہر کرنے والا ہے، وہ اس طرح کہ ہر چھپے ہوئے عمل اور ہر پوشیدہ قلبی قصد

ونیت علیم بذات الصدور کے علم کلی کے مطابق پردۂ خفاء سے نکل کر ظاہر ہو جائے گا۔ ساتویں بات یہ فرمائی:

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ﴾

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں، اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں، اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا: ؎

کند ہم جنس وبا ہم جنس پرداز ☆ کبوتر با کبوتر باز با باز

اور اسی طرح:

ذرہ ذرہ کاندرین ارض وسماست ☆ جنس خود را ہمچو کاہ و کہر باست
ناریان مرناریان را جاذب اند ☆ نوریان مرنوریان را طالب اند
اہل باطل باطلان رامی کشند ☆ اہل حق از اہل حق خوشحال ترند
طیبات آمد برائے طیبین ☆ الخبیثات للخبیثین بالیقین

(رومی)

مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کو عام معانی پر بھی حمل کر کے کہا ہے کہ خبیث اعمال خبیث لوگوں کے اور پاکیزہ کام پاکیزہ لوگوں کے لائق ہوتے ہیں، خبیث سے مراد نہ صرف خبیث لوگ ہیں بلکہ اس سے گندے عقائد، اعمال، گفتار و کردار اور برے اخلاق مراد ہیں۔ اسی طرح طیبات سے پاک عقائد، پاک گفتار و کردار اور پاک اعمال واخلاق ہی مراد ہیں۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ گندے اعمال اور گندے اخلاق گندے لوگ اختیار کرتے ہیں، اور پاکیزہ اعمال و پاکیزہ اخلاق پاکیزہ لوگ اختیار کرتے ہیں، جیسے کہ روزمرہ کا مشاہدہ اس پر دلیل اور ثبوت ہے۔

اس آخری آیت کریمہ میں عام ضابطہ یہ بتلا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی اور فطری طور پر جوڑ رکھا ہے کہ برے لوگ برائی کو پسند کرتے ہیں، اور اچھے لوگ بھلائی کی رغبت رکھتے اور پسند کرتے ہیں، تو اس ضابطہ کلیہ سے واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام جو دنیا میں پاکی اور ظاہری و باطنی صفائی میں مثالی شخصیات ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو ازواج بھی ان کے مناسب عطا فرماتے ہیں۔ ہم ذرا اس نکتہ پر غور کریں کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ ازواج مطہرات عطا کیں جن کی طہارت، پاکیزگی، ظاہری و باطنی اور مثالی تھی، اور ان تقدس

وشرافت سارے جہاں کی عورتوں سے نہایت بلند وبالا تھی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے کس پیارے اور منفرد انداز میں خطاب کر کے فرمایا: ﴿يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ﴾ [الأحزاب:۳۲] (اے نبی کی بیویو! تم دنیا کی عام عورتوں کی طرح نہیں ہو) تمہاری بہت بڑی شان ومنقبت ہے، تم شرافت وطہارت کے سب سے اونچے درجہ پر ہو، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان سب میں ممتاز ہیں، ان کے بارے میں شک وشبہ وہی کرسکتا ہے جس کو خود ربّ العزّت جل شانہ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ ہو، اور ایسے لوگ بالاتفاق کافر ہیں، جیسے کہ شیعوں کے بعض فرقے اس عقیدۂ مذمومہ میں مبتلاء ہیں، جن کے کافر ہونے میں باجماع امت کوئی شک وشبہ نہیں۔

اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیبیوں کے بارے میں جو قرآن کریم میں ان کا کافر ہونا مذکور ہے، تو ان کے متعلق بھی ثابت ہے کہ کافر ہونے کے باوجود فسق وفجور میں مبتلا نہیں تھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: "مَابَغَتْ اِمْرَأَةُ نَبِيٍّ قَطُّ"۔ یعنی کسی نبی کی عورت نے کبھی زنا نہیں کیا، اور نہ ہی یہ ممکن ہے۔ [درمنثور]

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی کی بیوی کافرہ ہوجائے تو اس کا امکان ہے مگر بدکار وفاحشہ ہونا اس کا امکان نہیں، کیونکہ بدکاری طبعی طور پر موجب نفرت وبیزاری ہے، جبکہ کفر طبعی نفرت کا موجب نہیں۔ [بیان القرآن]

﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ یہ سب لوگ پاک ہیں اس چیز سے جو یہ منافق بکتے ہیں، بلکہ اس قسم کے لوگ جو پاکیزہ اور نفوس طاہرہ پر اتہام لگاتے رہتے ہیں، یہ خود نجس وناپاک اور خبیث ہیں، ان میں اگر طہارت اور تقویٰ وخدا ترسی کا مادہ ہوتا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ جو ساری امت کی ماں ہے، جن کی براءت کا خود ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ عرش معلّی سے اعلان فرما رہے ہیں، ایسی مقدس عظیم ہستی پر تہمت لگانے کی جرأت نہ کرتے، ان مقدس ہستیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رزق کریم کی بشارت ہے، رزق کریم، جنت اور اس کی نعمتیں ہیں، اس حکم وبشارت میں تمام ازواج مطہرات شامل ہیں۔ الحمدللہ علی ذلک۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ساٹھ (۶۰) سے زائد خصوصیات:

مفسرین، محدثین، مؤرخین اور اصحاب سیرت نے حضرت ام المؤمنین صدیقۂ کائنات بنت صدیق اکبر زوجہ محبوبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب، علم وکمالات بالواسطہ اور بلاواسطہ جو بیان کئے ہیں، وہ اگرچہ بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم اختصار کے طور پر ان میں سے چند خصوصیات کا انتخاب کر کے ذکر کر رہے

ہیں، یہ چند خصوصیات وہ ہیں جو صدیقہ کائنات کے علاوہ پورے جہاں میں کسی بھی عورت میں نہیں پائی جاتی ہیں، اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے کہ ان خصوصیات کا حامل کوئی پیدا ہو۔ وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود فرمایا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے، اور عرض کیا کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ [بخاري، بغوي، مظهري، قرطبي]

(۲) فرمایا: میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واحد کنواری بیوی ہوں۔

(۳) فرمایا: سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات میری گود میں ہوئی۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں دفن ہوئے۔

(۵) سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کبھی وحی اس حالت میں نازل ہوتی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے، دوسری کسی ازواج مطہرات کو یہ صفت حاصل نہیں رہی۔

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں سورۂ نور کی دس آیات نازل ہوئیں۔

(۷) آپ رضی اللہ عنہا خلیفۃ الرسول، افضل ہٰذہ الامۃ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، اور سیدہ ''صدیقہ'' آپ رضی اللہ عنہا کا لقب ہے۔

(۸) آپ رضی اللہ عنہا کے متعلق براءت وطہارت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ ہے۔

(۹) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فقیہانہ اور عالمانہ تحقیق اور فاضلانہ گفتگو کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہا کی جلالت شان کا برملا اعتراف کیا، اور موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر زیادہ فصیح وبلیغ کسی کو نہیں دیکھا۔ [رواه الترمذي وغيره]

(۱۰) تفسیر قرطبی اور دیگر کتب تفاسیر میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچے کو قوت گویائی دے کر شہادت سے ان کی براءت ظاہر فرمائی، اسی طرح حضرت جریج کی براءت پر نومولود بچے نے گواہی دی۔ [بخاري] اور جب حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ان کو بری فرمایا، اور جب حضرت عائشہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو

خود ربّ العلمین عزّ سلطانہ نے سورۂ نور کی دس آیات نازل فرما کر بذریعہ وحی جلی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت و طہارت کا اعلان فرمایا، اور آپ رضی اللہ عنہا کی صداقت و شرافت اور عزّت و وقار اور فضل و کمالات کو ہمیشہ کے لئے بڑھا کر واضح فرمایا۔

(۱۱) احادیث مبارکہ نبویہ کی روایت میں آپ رضی اللہ عنہا کا بہت اونچا مقام ہے، آپ رضی اللہ عنہا کا شمار مکثرین (وہ چھ حضرات جنہوں نے بکثرت احادیث مبارکہ روایت کی ہیں) میں ہے ان کی ترتیب اور تعداد روایات اس طرح ہے۔(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۳۷۴)۔(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۲۶۳۰)۔(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۲۲۸۶)۔(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۲۲۱۰)۔(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۱۶۶۰)۔(۶) حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ (۱۱۷۰)۔

یہ وہ حضرات ہیں جن کی روایات ایک ہزار سے زائد ہیں، جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چوتھے نمبر پر ہیں، اور یہ بڑا اعزاز ہے جو پوری انسانیت میں آپ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی خاتون کو حاصل نہیں ہے۔

(۱۲) سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ یعنی (۵۳۷۴) احادیث روایت کرنے والے یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔(حسب وصیت)

(۱۳) فتح مکہ کے دن آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی میں لوگ خود چل کر آتے اور مسلمان ہوتے، لیکن حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دادا ابوقحافہ (عثمان نام ہے) کے بارے میں جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے والد ابوقحافہ کو ساتھ لا کر حضور پرنور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ان کو کیوں یہاں لائے؟ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔ آپ اندازہ لگائیں یہ کتنی بڑی قیمتی پیشکش ہے۔

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کے دوران صحابہ کرام حضرات رضی اللہ عنہم کو بیس (۲۰) نمازیں پڑھائیں، اور یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان اور حکم کے تحت ہوا تھا، یہ ان کی خلافت کی طرف اشارہ تھا۔

(۱۵) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی، یہ صفت تمام ازواج مطہرات میں صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔

(۱۶) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں نے سب لوگوں کے احسانات کا بدلہ چکا دیا، ادا کر دیا، لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی روز قیامت انہیں عطا فرمائے گا۔

(۱۷) یہ اعزاز صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم سفر ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق ہوئے۔

(۱۸) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب ہجرت جبل ثور کی بلندی پر اپنے کندھوں پر اٹھایا، اور غار میں رفاقت کا عظیم مرتبہ وشرف حاصل کرلیا۔

(۱۹) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے اور آپ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں سے سفر ہجرت کا توشہ تیار ہو کر ترتیب پایا۔

(۲۰) یہ بہت عظیم و بے مثال شرف صرف آپ رضی اللہ عنہا کے خاندان کو حاصل ہے جن کی چاروں پشت شرف صحابیت سے مشرف ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کے دادصحابی ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کے عظیم والد اور والدہ صحابی ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کے بہن بھائی صحابی اور آپ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور بھانجوں کو بھی صحابیت کا شرف حاصل ہے، اور یہ عظیم صفت کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں۔

(۲۱) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم کی صحابیت براہ راست قرآن حکیم سے ثابت ہے: ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ۴۰] (جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غمگین نہ ہوں، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) اسی بنیاد پر اجماع امت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی صحابیت کا منکر کافر ہے۔

(۲۲) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ خصوصی اعزاز حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے ہار کی گمشدگی پر تیمم کا حکم نازل ہوا، جس میں امت کے لئے بے حد بڑا شرف و آسانی ہے۔

(۲۳) آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے حضرت صدیقہ صادقہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔

(۲۴) یہ خصوصیت بھی آپ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم نے ایک درجن کے قریب نومسلم غلاموں اور باندیوں کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کیا، جو اسلام لانے کی وجہ سے سخت عذابوں میں مبتلا تھے۔

(۲۵) اکثر و بیشتر سابقین اولین کے اسلام لانے کا ذریعہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ بنے۔

(۲۶) صرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قبائل عرب میں ''علم الانساب'' کے سب سے بڑے عالم اور ماہر تھے، خصوصاً قریش کے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ جو قبائل قریش میں سب سے بڑے علم الانساب کے ماہر تھے وہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، انہوں نے علم الانساب وغیرہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سیکھا تھا۔

(۲۷) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف اور عظیم اعزاز حاصل ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک ہزار اونٹ اور گھوڑے مع سامان کے خدمت اقدس میں پیش کئے، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نصف مال پیش کیا، جبکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گھر اور ملکیت کا سارا سامان عورتوں کی سوئی اور کنگھی تک پیش کیا۔ جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ بیوی بچوں کے لئے کچھ چھوڑ آئے ہو؟ کہنے لگے: صرف اللہ تعالیٰ کا نام، اور بس۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ☆ صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

(اقبال)

(۲۸) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد شروع سے آخر تک سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت حمیدہ میں رہے، اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں استراحت پائی، اور ان کے برابر عمر بھی پائی۔ رضی اللہ عنہ

(۲۹) قرآن مجید کے جمع کرنے کا فریضہ اور حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر جنگ یمامہ کے بعد حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا، چنانچہ ابتداء وہاں سے ہوئی اور تمام قرآن مجید جمع ہوا، صرف کتابت و تدوین کا مسئلہ باقی رہا جسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مکمل کیا۔ دور فاروقی فتوحات کا دور رہا، جس میں یہ کام نہ ہوسکا، اور اس عرصہ میں یہ سارا ذخیرہ حضرت ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔

(۳۰) سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلا کام جیش اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی جانب روانہ فرمایا، اگرچہ بعض جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فی الحال یہ لشکر روانہ نہ کرنے کا مشورہ دیا، مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس لشکر کو حبیب رب العلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترتیب دیا اور روانگی کی تاکید فرمائی، ابوبکر بن ابی قحافہ کی کیا مجال کہ اسے روکے یا واپس کرے؟

(۳۱) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد پوری امت میں سب

سے افضل شخص فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا، انسان تو انسان تھے فرشتوں نے بھی اس انتخاب کو سراہا۔

(۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جلالت شان اور تقویٰ کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ صرف ایک قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد فرمائے۔ [سيرة النبي]

(۳۳) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد سابقین اولین میں سے ہیں، پھر اصحاب بدر میں سے ہیں، اصحاب بیعة الرضوان میں سے ہیں، اصحاب احد اور اصحاب خندق، اصحاب فتح مکہ، اصحاب حنین اور اصحاب تبوک میں سے ہیں، جہاں جہاں ختم الرسل سید کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا وہاں وہاں وہ بھی موجود رہے۔

(۳۴) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ اعزاز کہ جن اونٹنیوں پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا سفر از مکہ تا مدینہ فرمایا، یہ اونٹنیاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں پالی گئیں، ان کے نام قصواء اور جدعا تھے۔

(۳۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حوصلہ دیا، اور انہیں حقیقی صورت حال سے آگاہ فرمایا، جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تھا جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بڑے بڑے دلیر اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے تھے اور ان کے حوصلے بالکل پست ہو چکے تھے، پس حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں حوصلہ اور سہارا دیا۔

(۳٦) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بہت سے امور حل فرمائے، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف پائے جاتے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کے متعلق جو اختلاف پیدا ہوا تھا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فوراً حل فرمایا، اور کہا کہ میں نے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ نبی وہیں دفن ہوتا ہے جہاں اس کی روح مبارک قبض ہوتی ہے۔ [ترمذي، ابن ماجة]

(۳۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب انصار نے کہا: مِنَّا اَمِیرٌ وَ مِنکُمْ اَمِیرٌ۔ یعنی ایک امیر ہم انصار میں سے ہو اور ایک امیر تم مہاجرین میں سے ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے گروہ انصار! تم کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض موت میں حکم دیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد میں لوگوں کی امامت کرے، پس تم میں سے کون ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پیش قدمی کرے؟ انصار رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پیش قدمی کریں۔

مطلب یہ تھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص طور پر تاکید اور اصرار کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنانا اور

اپنے مصلّی پر کھڑا کرنا، اور اپنا قائم مقام مقرر فرمانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی نظر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل اور مقدم تھے۔ کچھ لوگوں نے کہا بھی تھا کہ یا رسول اللہ! ابو بکر رقیق القلب ہیں، آپ ﷺ کے مصلّی پر کھڑے ہو کر روتے رہیں گے، وہ لوگوں کو کیا نماز پڑھائیں گے، آپ ﷺ ان کی بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ وہ نماز پڑھائے۔ [بخاري، نسائي، ترمذي]

اور شمائل ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب انصار رضی اللہ عنہم نے کہا: ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہوگا، تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تین خصوصیات بیان فرمائیں۔ اور علی الاعلان فرمایا کہ بتاؤ یہ تین خصوصیات ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور شخص میں پائی جاتی ہیں؟ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم میں ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ [التوبة: ۴۰] (دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے) فرمایا۔

دوئم یہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضرت اقدس سرور عالم ﷺ کا ثانی بتلایا، اور آپ ﷺ کا یارِ غار بتلایا اور ان کو آپ ﷺ کا صاحب ساتھی اور رفیق بتلایا۔

سوئم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے لئے اپنی معیت خاصہ کو ذکر فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ۴۰] (غمگین نہ ہوں، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صرف تین دلائل پر اکتفاء فرمایا، ورنہ آیت کریمہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے اور بھی دلائل موجود ہیں۔

(۳۸) آنحضرت سرور عالم ﷺ نے وصال سے چار روز قبل اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کی نعمتوں کو اختیار کرے یا آخرت کی نعمتوں کو پس اس نے آخرت کی نعمتوں کو اختیار کیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ چونکہ سب سے زیادہ علم والے تھے وہ سمجھ گئے کہ اس بندے سے مراد آنحضرت ﷺ ہی ہیں، سنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔

(۳۹) آنحضرت سرور عالم ﷺ نے خطبہ کے بعد ارشاد فرمایا کہ مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کر دو، صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا رہے، جان و مال صحبت و رفاقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا مجھ پر ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے، ابو بکر رضی اللہ عنہ میرا سب سے بڑا محسن ہے، جس جس نے مجھ پر احسان کیا میں نے سب کی مکافات کر دی، سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کہ ان کے احسانات کا بدلہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ہی ان کو دیں گے، اگر میں

نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اپنا دوست بنانا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، لیکن ان سے اسلامی اخوت ہے جس میں وہ سب سے افضل اور بہتر ہیں۔ اللہ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد کی شان ملاحظہ کریں اس مخصوص صفت میں پوری دنیا کی کوئی خاتون سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہمسر نہیں۔

(۴۰) حجۃ الوداع کے سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیماری کی وجہ سے عمرہ نہ کرسکیں، حج سے فراغت کے بعد کہنے لگیں: یارسول اللہ! آپ کے تمام ساتھیوں نے حج وعمرہ دونوں ادا کئے جبکہ میں نے صرف حج پڑھا اور عمرہ نہ کرسکی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خصوصیت کے ساتھ "تنعیم" سے عمرہ ادا کرنے کا ان کے بھائی عبدالرحمن کے ساتھ اجازت دیدی، اسی روز سے مسجد تنعیم مسجد عائشہ کے نام سے مشہور ہوگئی جس سے قیامت تک عمرہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ یہ آپ رضی اللہ عنہا کا مخصوص عمل پوری امت کے لئے حجت بن گیا۔

(۴۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ۹ ھ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر الحج بناکر ماہ ذوالقعدہ میں مکہ مکرمہ روانہ فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو مناسک حج سکھائیں، اور یہ اعلان کریں کہ آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرسکے گا، اور ننگے ہوکر طواف کرنا ممنوع ہوگا، آپ رضی اللہ عنہ مناسک حج سکھانے والے پہلے صحابی بھی ہیں، اور امیر الحج بھی ہیں، اس سفر میں تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے، اسی سال ۹ ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی۔

(۴۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات سے مؤمن وکافر کی تفریق ہوتی ہے، جو شخص آپ رضی اللہ عنہا کو پاکیزہ، طیبہ طاہرہ، یقین کرے گا وہ مؤمن کہلائے گا، اور جو کوئی آپ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا منکر ہوگا وہ کافر ہی رہے گا، کیونکہ اس نے قرآن وحدیث اور شان نبوت کا انکار کیا، جیسے روافض۔

(۴۳) صدیق کا لقب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اور صدیقہ کا لقب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے مخصوص ہے، اور کسی کے لئے یہ القاب مشہور نہیں ہوئے، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے صدیق تھے، اور صحابیات رضی اللہ عنہن تمام صدیقات کے منصب پر فائز رہی ہیں۔

(۴۴) یہ کوئی اتفاقی بات نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے کہ ہجرت کی رات سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک ابوبکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، اور وصال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا، اور ابدی دائمی آرامگاہ (جنت الفردوس) عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ منتخب ہوا جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تندرستی

میں بشارت سنائی تھی: "مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة"۔ میرے گھر اور منبر کے درمیانی حصہ جنتی باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور میرا منبر حوض کوثر پر رکھا ہوا ہے۔ [متفق علیه]

(۴۵) تمام اکابر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہا کے شاگرد رہے ہیں، وہ ہر وقت ہر پیچیدہ مسئلہ میں آپ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہا سے مسائل کا خاطر خواہ تسلی بخش جواب پاتے تھے، چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہا سے مسائل سیکھے اور استفادہ کیا۔

(۴۶) واقعہ معراج (۲۵) یا (۲۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، ان (۲۵) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں شامل ہیں، حالانکہ معراج کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پانچ اور چھ سال کے درمیان تھی، تمام خواتین صحابیات اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں یہ صفت ان ہی دونوں بہنوں کو حاصل ہے۔

(۴۷) ہجرت مدینہ کے بعد جو پہلا بچہ مہاجرین صحابہ کے گھر میں پیدا ہوا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھانجا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہے، یہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے، اسی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا، اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج علم دین کا ایک بہت بڑا باب بند ہو گیا، اور محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبہ ان کے ہاں پہنچ گئی۔ رضي الله تعالىٰ عنها

(۴۸) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات السلاسل کے موقع پر میں دربار نبوت میں حاضر ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ محبوب کون ہے؟ (میرا خیال تھا کہ مجھے لشکر کا امیر بنا کر روانہ فرما رہے ہیں شاید میرا نام لے کر کہیں گے کہ سب سے زیادہ محبت تم سے ہے، مگر میری یہ تمنا ادھوری رہ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سوال کا یہ جواب ارشاد فرمایا) کہ "عائشہ رضی اللہ عنہا" پھر میں نے عرض کیا کہ عورتوں میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مگر مردوں میں کون؟ ارشاد فرمایا: ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام آیا۔ پھر میں خاموش ہوا کہ خدا جانے کہیں میرا نام آئے گا یا نہیں۔ [بخاري] اس سے اندازہ ہوا کہ اماں جان عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مقدم ہے۔ رضي الله عنها

(۴۹) مختصر تعارف:

نام: عائشہ رضی اللہ عنہا۔ لقب: صدیقہ۔ کنیت: ام عبداللہ۔ والد: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ والدہ کا نام: زینب بنت

عامر، کنیت، ام رومان رضی اللہ عنہا۔ تاریخ پیدائش: ۹ ھ نبوت قبل از ہجرت بمقام مکۃ المکرمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت میں تقریباً دس سال سے کچھ کم۔ وفات: ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ بمقام مدینہ منورہ بروز منگل۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں۔ تدفین حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا و دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے قُرب میں جنۃ البقیع میں ہوئی۔ وفات کے وقت عمر مبارک ۶۶ سال۔ تعداد احادیث مرویہ: دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰)۔ فتاویٰ: تقریبا چار ہزار کے قریب جنہیں ساتویں صدی ہجری کے مؤرّخ و محدث و مفسر شیخ عماد الدین ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے چار ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔ اور نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

آپ رضی اللہ عنہا کے جسد اقدس پر جنتی پھولوں کی بارش علی الدوام ہو، جس جسد اقدس نے رحمۃ للعٰلمین شفیع المذنبین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ورفاقت پائی، پس ان کی ذات عالی صفات پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اربوں کھربوں صلوٰۃ وسلام ہوں۔ قبر میں حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اتارنے والے سب محرم تھے۔ وہ یہ ہیں: قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی عتیق۔ رضي الله عنهم

شجرۂ نسب:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ الطیبۃ الطاہرۃ بنت عبداللہ ابی بکر الصدیق بن عثمان ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لویٰ بن غالب۔ مرہ پر سلسلہ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملتا ہے۔ قبیلہ تیم قریش کا مشہور قبیلہ ہے۔ رضي الله عنها

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت ان کی عمر چھ (۶) سال تھی، رخصتی کے وقت نو (۹) سال۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر (۱۸) سال تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد (۴۵) سال زندہ رہنے کے بعد ۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۵۰) خلیفہ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح خلیفہ دوئم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس جنتی خطے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی درخواست کی، تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کی درخواست منظور فرمائی، اور انہیں اس مقدس ترین خطے میں جو عرش عظیم سے زیادہ بابرکت و شرفناک ہے دفن ہونے کی اجازت دیدی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ والے مقام کو حضرت اماں جان نے اپنے لئے مخصوص کیا تھا، مگر جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پیغام آیا تو انہیں اپنے اوپر ترجیح دے دی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اجازت پہنچ گئی تو بیحد خوش ہوئے۔

ہاں! عدل فاروقی کا اندازہ لگائیں جب کہنے لگے: اے میرے دوستو! ابھی میں زندہ ہوں تو اماں جان نے اجازت دیدی، ہوسکتا ہے میرے مرنے کے بعد ان کی رائے بدل جائے تو ایسا کرو کہ میرے مرنے کے بعد میرا جنازہ اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر رکھو، اب دوبارہ نئے سرے سے باادب اجازت مانگو، اگر انہوں نے اجازت دیدی تو زہے سعادت، ورنہ عام مسلمانوں کے مقبرہ بقیع غرقد میں مجھے دفناؤ، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب جنازہ اماں جان کے حجرے کے سامنے حاضر ہوا تو وہ اس فاروقی صدمے سے رو رہی تھی، جنازہ دیکھ کر اور نڈھال ہوگئی، اور بطیب خاطر اجازت دے کر جنازہ کا استقبال کیا۔ [بخاري]

(۵۱) حضرت صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو یعنی سیدہ بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بڑے صاحبزادے اور سید الکونین سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو بھی حجرہ شریفہ کے اندر دفن ہونے کی اجازت دی، لیکن مروان امیر مدینہ نے مداخلت کی اور بغض وعناد کی وجہ سے انہیں نہیں چھوڑا۔

(۵۲) سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد قبائل عرب مرتدین کے ساتھ جہاد کرنا، جبکہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دلائل واضحہ کی روشنی میں انہیں قائل کر دیا۔

(۵۳) جھوٹے دجالی فتنے کے بانی مدعیان نبوت کے خلاف زبردست جہادی لشکر تیار کرنا اور مسیلمہ کذاب جیسے طاقتور مدعی نبوت کو جہنم رسید کرنا، اور اس کے چالیس ہزار جنگجوؤں کو تباہ وبرباد کرنا یہ سب صدیقی کارنامے ہیں۔ رضي الله عنه وعن جميع أهل بيته

(۵۴) ملک شام کی تسخیر کرنا، وہاں فوج روانہ کرنا، پھر ان کے لئے کمک روانہ کرنا، قیصر روم کے اثرات کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا۔

(۵۵) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنانا، یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ بے مثال عظیم کارنامہ ہے جس کا احسان صرف مسلمانوں پر نہیں بلکہ عالم کفر پر بھی ہے، کیونکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حکمرانی کے وہ کامیاب قواعد وضوابط وضع کئے جنہیں دیکھ کر عالم کفر نے بھی انہیں سراہا اور اپنایا۔

آج مسلمانوں کا زوال اور بدقسمتی دیکھو کہ وہ بجائے فاروقی نظام کے مغربی شیطانی نظام پر چل رہے ہیں، اور خود مغرب کا ایک بہت بڑا حصہ فاروقی نظام پر چل رہا ہے، جس کی بدولت ان کی حکمرانی کامیاب اور ان کے عوام خوشحال اور ان کے ممالک میں مثالی امن وامان ہے، جبکہ ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے، ہمارے شہروں، بازاروں،

سڑکوں کا کچھ نہ پوچھئے، عیدگاہ و مساجد تک محفوظ نہیں، تارک قرآن ہو کر ڈوب گئے، اور اتنے ذلیل وخوار ہوئے جس کی کوئی حد و اندازہ نہیں۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہاں سے رخصت ہو رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں خلافت کی پیشکش کی، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے کسی خلافت کی ضرورت نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہاری بات درست ہے، لیکن خلافت اور امت دونوں کو تمہاری ضرورت ہے، اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے سہارا اور خادم بنو، ساری پریشانیوں کا حل تمہارے پاس ہے، چنانچہ وہ نہ چاہتے ہوئے صدیق رضی اللہ عنہ کے اصرار پر راضی ہو گئے، پھر جو کچھ ہوا اور جو کچھ کیا، وہ سب کے سامنے ہے۔ رضي الله تعالیٰ عنه

(۵۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فقہاء سبعہ میں سے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر علم تاریخ اور علم الانساب کا عالم کوئی نہیں دیکھا۔

(۵۷) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عفو و درگزر کا نمونہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، ہر معاملہ میں دشمنوں اور بدخواہوں کو معاف فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی سیرت مقدسہ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عمل رہا، زندگی بھر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خبر گیری اور دلجوئی فرماتی رہی، حالانکہ مسئلہ افک کے شرکاء میں سے تھے۔

(۵۸) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب بھی کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو اس کا حل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملتا، اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کو بے انتہاء عقل وعلم سے نوازا تھا۔ [ترمذي]

(۵۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑی زاہدانہ زندگی گزارتی تھیں، اور اکثر صائم الدّہر رہتی تھیں، عبادات وطاعات خاص کر سالانہ حج کا بڑا اہتمام کرتیں، کثرتِ قرآن آپ رضی اللہ عنہا کا بڑا مشغلہ تھا۔

(۶۰) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت پورے مدینہ میں ضرب المثل تھی، آپ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ اتنا کشادہ تھا کہ اگر کسی دن دو بوری بھی درہم کی آتیں تو شام ہونے سے پہلے غرباء میں تقسیم ہو چکی ہوتیں۔ ایک روز حضرت عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران آپ رضی اللہ عنہا کے لئے چالیس ہزار درہم بھیجے، باندی سے فرمایا: انہیں لوگوں میں مساکین وغرباء میں تقسیم کرو چنانچہ ایسا ہی ہوا، خود روزہ رکھا تھا، لونڈی سے پوچھا: افطار کے لئے کوئی چیز ہے؟ تو اس نے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہا اپنے لئے ایک درہم رکھ لے تھیں تو میں دکان سے آپ رضی اللہ عنہا کے افطار کے لئے کھجور لے کر

آتی، فرمایا: کوئی بات نہیں، مجھے خیال نہیں آیا، پھر پانی پر افطار فرمایا۔ رضی اللہ عنہا

علماء کرام نے آپ رضی اللہ عنہا کی سیرت اور خصوصیات پر مستقل کتابیں لکھیں ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کی شان اور عظمت وبلندی کے لئے صرف یہی ایک بات کافی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا دونوں جہانوں کے سردار وپیشوا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ اور محبوبہ سعیدہ ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبریل سید الملائکہ علیہ السلام نے سلام کیا، اور آپ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے دروازے پر ہزاروں مرتبہ دستک دی، اور سب سے بڑی بات کہ قرآن مجید کی دس آیات آپ کی براءت وطہارت کے بارے میں نازل ہوئیں، گویا ربّ العزّت سبحانہ وتعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کی براءت و پاکدامنی پر گواہی دی۔ فالحمد للہ رب العلمین

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ
قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک کہ اُنسیت حاصل نہ کرلو، اور ان گھروں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرلو ﴿۲۷﴾ سو اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اس وقت تک ان میں داخل نہ ہوں جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے، سو اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو لوٹ جاؤ، یہ تمہارے لئے خوب زیادہ پاکیزگی کی چیز ہے، جو کچھ تم کرتے ہو، اسے اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ﴿۲۸﴾ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہیں، ان میں تمہارے استعمال کرنے کی چیز ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو ﴿۲۹﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں زنا اور زنا کی تہمت کے احکام بیان ہوئے۔ اب اس آیت میں معاشرتی آداب اور معاشرتی احکام بیان ہوں گے، انسانی معاشرہ اور اس کے طور وطریقے فطری طور آداب واحکام پر مبنی ہیں، انسان کوئی

جانوروں کی طرح شتر بے مہار نہیں کہ ہر طرح آزادی کے ساتھ چلتا پھرتا رہے، اور بے سوچے سمجھے کھاتا پیتا رہے، کچھ معاشرتی امور ایسے ہیں کہ جن کا اہتمام او پابندی غیر مسلم معاشرہ میں بھی ہے، تو ایسے امور کا اہتمام مسلمان معاشرہ میں بطریق اولیٰ ہونا چاہئے، تاکہ زنا بدکاری اور ہر طرح کی بدچلنی اور غیر شرعی آزادی کا مکمل سدّ باب اور بندش ممکن ہو۔

انصار کی ایک خاتون خدمت گرامی میں حاضر ہوئی، اور عرض کی: یارسول اللہ! بسا اوقات میں گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس حالت میں کوئی دیکھے، لیکن اچانک کبھی میرے والد یا بھائی، یا بیٹا یا کوئی قریبی رشتہ دار آجاتے ہیں، تو میں بُرا محسوس کرتی ہوں، تو میں کیا کروں اور کیسے بچوں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب اور پس منظر یہ ہے کہ انسان فطری طور پر شریف النفس ہے، اور اس کا گھر اس کا خلوت خانہ ہے، جس میں اس کی عزّت نفس محفوظ ہے، جہاں وہ بے تکلفی سے وقت بسر کرتا ہے، اور زندگی کے بہت سے امور تنہائی میں لوگوں سے چھپا کر انجام دیتا ہے، اگر یہاں بھی ہر شخص کو بلا اجازت بے دھڑک آنے اور گھسنے کی آزادی ہو، تو انسان گھر میں وہ راحت وسکون اور دل جمعی نہیں پاسکے گا، جو ہر لحظہ اس کا مطلوب ومقصود ہے۔

مردوں کا معاملہ چھوڑیئے، گھر کی مستورات کی زندگی، رہن سہن، نشست وبرخاست کی سہولت وآزادی سلب ہوجائے گی، پھر گھر کی چاردیواری اور عام میدانوں اور سڑکوں کا کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ تو فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ﴾ اے ایمان والو! اپنے خاص رہائشی مکان کے سوا دوسرے گھروں میں جس میں دوسرے لوگ بھی رہتے ہوں داخل نہ ہو۔

﴿حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا﴾ یہاں تک کہ ان سے اجازت طلب کرو، اور اجازت طلب کرنے کے ساتھ ان گھروں کے رہنے والوں پر سلام کرو، داخل ہونے سے پہلے **السلام علیکم ءَاَدْخُلُ؟** کیا میں آسکتا ہوں؟ کہو، یہ ہے شرعی استیذان۔ پہلے مرحلے پر جب استیذان کا حکم ہوا تو لوگ آداب سے چنداں واقف نہیں تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں آنا چاہا تو دروازے پر کھڑے ہوکر زور سے کہا: ءَاَدْخُلُ؟ کیا میں آسکتا ہوں؟ سرور عالم ﷺ نے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص اجازت مانگنے کا طریقہ نہیں جانتا، ذرا اٹھ کر اسے بتادو کہ یوں کہنا چاہئے: "**السلام علیکم ءَاَدْخُلُ؟**"۔ [أبو داؤد، ابن جریر]

اذن لینے کا طریقہ یہ ہے کہ سلام بھی کہے اور داخل ہونے کی اجازت بھی طلب کرے، جیسے ابھی بیان ہوا،

اور اپنا نام بھی بتائے ، یعنی تعارف کرے اور کام بھی بتائے ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب خدمت گرامی میں شرف ملاقات حاصل کرنا چاہتے تو یوں عرض کرتے : "السلام علیک یا رسول اللہ! اَیَدْخُلُ عُمَرُ؟" یا رسول اللہ! آپ پر سلام ہو، کیا عمر حاضر ہوسکتا ہے؟

اگر صاحب خانہ اندر سے اذن طلب کرنے والے سے پوچھے تم کون ہو؟ تو اسے اپنا نام اور کام بھی بتانا چاہئے ، صرف یہ کہنا: میں ہوں، درست نہیں ۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب ناپسند فرمایا ، کیونکہ یہ مبہم ہے ۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اِذن طلب فرماتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے ، بلکہ ذرا دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے ، کیونکہ سامنے کھڑے ہونے سے بسا اوقات بے پردگی ہوتی ہے ۔ اگر آہستہ سلیقہ کے ساتھ دروازے پر دستک دی جائے تو یہ بھی بہتر طریقہ ہے ۔ آج کل اکثر لوگوں کے گھروں میں گھنٹی کا انتظام ہے، وہ بھی اِذن لینے کا ایک اچھا طریقہ ہے ۔

یہ بات ضروری ہے کہ اِذن طلب کرنے کے لئے تین بار عمل ہو، اگر تیسری بار جواب نہ آئے تو واپس جانا چاہئے ، کئی مرتبہ مکرر اِذن طلب کرنے سے لوگ پریشان ہوجاتے ہیں، کیونکہ گھروں کے اور گھروں میں رہنے والوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں ۔ ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور "السَّلَامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَةُ اللہِ" کہا، دو دفعہ اجازت طلب کی مگر اندر سے جواب نہ آیا ، تیسری مرتبہ جواب نہ ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس ہوگئے ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اندر سے دوڑ کر آئے اور عرض کی : یا رسول اللہ! میں آپ کی آواز سن رہا تھا مگر میرا جی چاہتا تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے میرے لئے جتنی بار بھی سلام رحمت کی دعا نکل جائے اچھا ہے، اس لئے میں بہت آہستہ آہستہ جواب دیتا رہا ۔ [أبو داؤد، أحمد]

﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ یہی تمہارے لئے بہتر ہے کہ بغیر اجازت لئے کسی کے گھر میں داخل ہونا کسی طرح مناسب نہیں ۔ معلوم نہیں کہ وہ گھر والے کس حال میں ہیں، اور کیا کر رہے ہیں، بعض مواقع میں تو نوبت جنگ وجدال تک پہنچ جاتی ہے، لہٰذا پوری طرح احتیاط کرنی چاہئے ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس لئے خبردار کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ہوشیار رہو ۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا﴾ پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ جو تم کو اندر آنے کی اجازت دے خواہ آدمی کوئی نہ ہو یا آدمی ہو، مگر آنے کی اجازت نہ دے تو:

﴿فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَكُمۡ﴾ تو ایسے گھروں میں مت داخل ہونا۔ یہاں تک کہ تم کو صاحب خانہ کی طرف سے داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

﴿وَاِنۡ قِيۡلَ لَكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡكٰى لَكُمۡ﴾ اجازت لینے کے وقت تم سے یہ کہا جائے کہ لوٹ جاؤ، اندر آنے کی اجازت نہیں، تو تم بصد خوشی و رغبت لوٹ جاؤ، نہ وہاں کھڑے رہو اور نہ بیٹھو کہ یہ بہت ہی بُری بات ہے، اور ایک قسم کی سینہ زوری ہے، بلکہ وہ دروازہ چھوڑ کر جہاں سے آئے تھے وہاں کا رخ کرو، کیونکہ ایسا کرنا تمہارے لئے بہت بہتر اور فائدہ مند ہے، اس لئے کہ کسی کے دروازے پر بیٹھنا، بار بار اجازت طلب کرنا یا جھانک کر اندر دیکھنا سخت منع ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو، تمہارے ذرہ ذرہ کا عمل اس کے علم میں ہے، اور استیذان کے معاملے میں تمہارے قصد و ارادوں سے مکمل باخبر ہے۔ اب تک رہائشی مکانوں کا بیان ہوا۔ آئندہ غیر رہائشی مکانات کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّكُمۡ﴾ تمہارے لئے ایسے مکانات میں بغیر اجازت داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں جن میں کوئی نہ رہتا ہو، اور ان میں تمہاری کوئی ضرورت یا منفعت ہو، یا ان میں تمہارا کوئی سامان رکھا ہوا ہو، جیسے ہسپتال، سرائے خانے، عوامی مسافر خانے، خانقاہیں، مدارس مساجد و عیدگاہیں۔ عموماً اس قسم کے عوامی مکانات میں نہ عورتیں ہوتی ہیں نہ آنے والوں پر کوئی پابندی ہے، ہاں! اگر پابندی ہو یا لکھا ہوا ہو کہ بغیر اجازت اندر آنا منع ہے تو پھر اجازت ضروری ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن ہر چیز سے باخبر ہے، اور ہر طرح سے تمہارے ظاہر و باطن کا کلی علم رکھتا ہے، اور ارادوں کو جانتا ہے۔

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَيَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَزۡكٰى لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا
يَصۡنَعُوۡنَ ۝۳۰ وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ
نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ
یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى
اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: آپ مومنین سے فرما دیجئے کہ: اپنی آنکھوں کو پست رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہونے کی بات ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو﴿۳۰﴾ اور مؤمن عورتوں سے فرما دیجئے کہ: اپنی آنکھوں کو پست رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے، اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، مگر اپنے شوہروں پر، یا اپنے باپوں پر، یا پنے شوہروں کے باپوں پر، یا اپنے بیٹوں پر، یا پنے شوہروں کے بیٹوں پر، یا اپنے بھائیوں پر، یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر، یا اپنی عورتوں پر، یا اپنی مملوکہ باندیوں پر، یا ایسے مردوں پر جو طفیلی بن کر رہے ہیں جنہیں کوئی حاجت نہیں، یا ایسے لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کے پردے کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے، اور مؤمن عورتیں زور سے اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں تاکہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے، اور اے مؤمنو! تم سب اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ﴿۳۱﴾

معارف ومنازل

شروع سورت میں یہاں تک فواحش ومنکرات زنا اور دیگر تہمتوں کا بیان تھا، اب ان آیات میں زنا اور فواحش ومنکرات کے اسباب کا بیان ہے۔ دراصل اسلام کے زرین اصولوں میں سے چند ایسے اہم اصولوں کا بیان ہے جن کے اپنانے سے معاشرہ جنت نظیر بن جائے گا، اور انسانی واسلامی اقدار کا مکمل تحفظ ہو جائے گا، جس سے تمام معاشرتی ناہمواریوں کا قلع قمع ہو جائے گا، اور یہ وہ خصوصی بابرکت زرین اصول ہیں جنہیں صرف اسلام نے متعارف کرایا اور اپنایا، جن سے غیر مسلم اقوام دوسری نیکیوں کی طرح ناواقف اور تہی دامن ہیں۔ ان آیات میں آٹھ چیزوں کا بیان ہے:

(۱) مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو حکم ہے کہ اپنی آنکھوں کی ایک دوسرے غیر محرموں کے نظارے سے

حفاظت کریں۔ (۲) مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے کہا جارہا ہے کہ اپنی شرمگاہوں کی حرام سے مکمل حفاظت کریں۔ (۳) مؤمن عورتوں کو حکم ہے کہ اپنی زینت حسن و جمال کا اجنبی لوگوں کے سامنے مظاہرہ اور ظاہر کرنے سے مکمل اجتناب کریں۔ (۴) مؤمن عورتوں کو حکم ہے کہ اپنے پورے جسم اور خاص کر چہروں کو چادروں سے ڈھانپ کر شرعی حجاب پر مکمل عمل کریں۔ (۵) اپنے پاؤں کو چلتے وقت زور سے زمین پر نہ مارا کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ پوشیدہ زینت اور سنگار کا راز اجنبی لوگوں کے سامنے کھل جائے، جو بہت ممنوع اور برا ہے۔ (۶) محرم اور محرمات شرعیہ کا بیان جن سے پردہ نہیں ہوتا، ان کا بیان۔ (۷) نابالغ بچوں، ضعیف العمر، اور مسلم عورتوں اور باندیوں اور غلاموں کا بیان، جن سے شرعی پردہ نہیں ہوتا۔ (۸) احکامِ الٰہی کی پابندی کے باوجود کبھی فروگزاشت یا غفلت ہو تو توبہ کرنے کا حکم و بیان۔

ان آیات میں اہل ایمان کو نظر و بصر کے احکام اور آداب بتلاتے ہیں تاکہ اس بڑے فتنے سے پورا معاشرہ محفوظ رہے، اور اس بارے میں مردوں کے حکم کو مقدم کیا کہ وہ اصل طالب اور متقاضی ہیں، اور عورتیں بوجہ حیاء کے ان سے کم ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: "اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِیْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ"۔ اس لئے سد باب کے پیش نظر متصل پہلی آیات میں استیذان کا بیان ہوا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ آپ اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنے نور ایمان کی حفاظت چاہتے ہیں تو ناجائز کاموں سے، بازاروں، گلیوں، باغوں، پارکوں اور دیگر ہر قسم کی اجتماعی تقریبات اور انفرادی اوقات میں غیر محرم عورتوں کے دیکھنے اور نظر جمانے سے ہر طرح اجتناب کریں۔

﴿غَضَّ﴾ کے معنی ہیں: کسی چیز کو کم کرنے، گھٹانے اور پست کرنے کے، تو غض بصر کا مطلب ہے: نگاہ پست کرنا، نظر نیچی رکھنا، پابند کرنا اور دیکھنے سے نظر بچانا۔

﴿مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ میں مِن تبعیض کے لئے ہے، یہاں ہر نظر پر پابندی مراد نہیں، بلکہ مخصوص نظر پر پابندی مراد ہے، یعنی مردوں کا عورتوں کو دیکھنا اور بدنیتی کے ساتھ غیر محرموں پر نظر جما کر دیکھنا۔ اسی طرح کسی مرد یا عورت کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ ڈاکٹر وطبیب اور معالج کے لئے ضرورت کی وجہ سے بوجہ مجبوری جواز ہے۔

﴿وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یعنی نفسانی خواہشات پورا کرنے کے جتنے

طریقے اور ناجائز صورتیں ہیں ان سب سے اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں۔ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ناجائز و حرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات اور اقسام سب ممنوع وحرام ہیں، جس میں ابتداء اور انتہاء کو صراحۃ ذکر فرمایا، باقی درمیانی ناجائز حرکات سب اس میں داخل ہوگئیں۔ فتنۂ شہوت کا سب سے پہلا خطرناک سبب نظر ہے، جبکہ شہوت کے ساتھ ہو، بسا اوقات بے پردگی کی وجہ سے اس کا تعلق جانبین سے ہوتا ہے، اور آخری نتیجہ زنا و بدکاری کا ارتکاب ہے، ان دونوں کے ذکر کرنے اور حرام قرار دینے سے درمیانی مقدمات مثلاً بات کرنا، اشارہ کرنا، ہاتھ لگانا، وغیرہ کی حرمت ضمناً ثابت ہوئی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آیت میں ابتداء وانتہاء کے ذکر وحرمت سے درمیانی سب مقدمات کی حرمت آگئی، جو کہ سارے گناہ کبیرہ اور حرام ومعصیت ہیں۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ غیر محرم کی طرف نظر شیطانی تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص باوجود دل کے تقاضے (چاہت) کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ [ابن کثیر]

صحیح حدیث میں آتا ہے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من یکفلني وفي روایة من یضمن لي مابین لحییه وبین رجلیه أکفل له الجنة"۔ (أضمن له الجنة)۔ [مشکوۃ] جو شخص مجھے ضمانت دے گا ان چیزوں کی جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے، یعنی زبان اور جو دورانوں کے درمیان ہے، یعنی شرمگاہ تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ تمام فتنوں اور فسادات اور ناہمواریوں کی جڑ یہی دونوں عضو ہیں، اگر کوئی ان دو پر کنٹرول حاصل کرے تو سمجھو کہ اس نے پوری شریعت پر عمل کیا، جس کا نتیجہ جنت ہی ہوگا، اور جو شخص ان دونوں کو آزاد رکھے سمجھو اس نے تمام گناہوں کا ارتکاب کیا، جس کا انجام جہنم ہی ہوگا۔ زبان اور شرمگاہ کے فتنے اتنے عمیق اور گہرے ہیں جتنا جہنم گہرا ہے۔ آج پوری دنیا کی تباہی کا سبب یہی دونوں ہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں؟ فرمایا کہ جلدی نظر کو پھیر لو۔ [مسلم] آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اے علی! نظر پڑ جانے کے بعد نظر کو باقی نہ رکھو، یعنی جو نظر بے اختیار پڑ جائے اس کو فوراً ہٹالو، اس بے اختیار نظر پر مواخذہ نہیں، اگر نظر کو باقی رکھا فوراً نہ ہٹایا، تو

اس پر مواخذہ ہے۔ [مشکوۃ] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: (۱) جب بات کرو تو سچ بولو۔ (۲) جب وعدہ کرو تو پورا کرو۔ (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کرو۔ (۴) اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو۔ (۵) اور اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو۔ (۶) اور اپنے ہاتھوں کو ظلم وزیادتی سے روکے رکھو۔ [مشکوۃ]

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ آپ مؤمنہ عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی عفت وناموس کو ہرگز داغدار نہ بنائیں، اللہ تعالیٰ نے جو حیا اور تقدس انہیں عطا کیا ہے دل وجان سے اس کے تقدس کی حفاظت کریں، یہ قدرت کی طرف سے پاکیزہ امانت ہے، اس میں ہر قسم کی خیانت سے بچیں تا کہ بلا تکلف جنت کا استحقاق حاصل کریں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو عورت اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے، پانچ وقت نماز ادا کرے، ماہ رمضان کا روزہ رکھے، اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے۔ [مشکوۃ]

لہٰذا یہ امر ضروری ہے کہ نگاہ کی پابندی جس طرح مردوں پر لازمی ہے اسی طرح عورتوں پر بھی، اور اکثر عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ بدنگاہی کی حرمت یک طرفہ ہے، یہ ان کی نادانی اور غلطی ہے، اگر کسی مرد کو کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے تو اسی طرح عورتوں کو اجنبی مردوں کا نظارہ کرنا اور دیکھنا بھی حرام ہے۔ عورت یہ نہ سمجھے کہ جب مرد کا برقعہ نہیں تو اس کو دیکھنا جائز ہے، مرد اگر برقعہ پہنے تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ پھر یہ کہ عورت کو قدرت نے ایک نازک ومخفی حسن وجمال سے نوازا ہے، وہ مستقل ایک خاص کشش کی مالک ہے، اس لئے اس کے لئے پردے کا حکم ہے۔

﴿وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے اوپر کی چادر مراد ہے، جب عورت اچھی طرح کپڑوں میں لپٹ کر اوپر ایک موٹی بڑی چادر اوڑھ کر منہ چھپا کر کسی ضرورت سے باہر نکلے گی تو اوپر کی چادر پر (اسی طرح اس کے قد وقامت پر بھی) مردوں کی نظر پڑے گی، چونکہ عورت کا یہ نکلنا مجبوری کی وجہ سے ہے، اور اوپر کی چادر عام طور پر سادہ بھی ہے، جس میں زینت نہیں ہوتی، اور کشش بھی نہیں ہوتی، لہٰذا یہ معاف ہے، کیونکہ اس میں کسی زینت کا مظاہرہ نہیں۔

﴿وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ﴾ اور چاہیے کہ مؤمن عورتیں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبان پر ڈالے رہا کریں، اس میں سینہ چھپانے اور گردن چھپانے اور ڈھانکنے کا حکم ہے، کیونکہ گریبان عموماً سینے پر ہی ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں سروں پر دوپٹے ڈال کر دو کنارے پشت کی طرف چھوڑ دیا کرتی تھیں، دوپٹے کا کوئی حصہ سینہ اور گریبان پر نہیں ہوتا تھا، اور سینہ، گلہ، گریبان سب کھلے رہتے تھے، جس سے بے پردگی کا پورا مظاہرہ ہوتا تھا۔ اس بے پردگی کو ختم کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان تمام نازک و پرکشش اعضاء کو چادر سے چھپائے رکھو۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں: ﴿وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ﴾ کا حکم نازل فرمایا، تو صحابیہ عورتوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنالئے۔ یہ حدیث سنن ابوداؤد کتاب اللباس میں بھی ہے، اس میں یہ لفظ ہے کہ انہوں نے اپنی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنالئے۔ پس یاد رکھنا چاہئے کہ عورتوں کا دوپٹہ ہو یا عام لباس اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ باریک نہ ہوں جس سے سر کے بال نظر آتے ہوں، یا بدن کے دیگر کپڑے نمایاں ہوں، ایسی عورتوں کے لئے احادیث میں سخت وعید آئی ہوئی ہے۔

زمانہ جاہلیت کا ایک تاریک دور تھا، جہاں دین الٰہی اور ننگ وحیاء کے نام تک سے لوگ واقف نہ تھے، جبکہ آج پورے جہاں کے چاروں اُفق پر اسلام اور اسلامی تعلیمات کا چرچا ہے، لیکن یورپ کی تقلید نے مردوں اور عورتوں کی سوچ اور عقلوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے، بازاروں، شہروں، گلی کوچوں، اور پارکوں، میں بے پردگی کے وہ حیا سوز مناظر دیکھنے میں آتے ہیں، جن سے شرم وحیاء کا سر نیچے جھک جاتا ہے، اور عزّت مند مسلمان وہاں سے گزرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ پھر اپنا ستر دوسروں کے سامنے کھولنے سے بھی پرہیز کریں، اس معاملہ میں عورتوں کے لئے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے لئے ہیں، لیکن عورت کے ستر کے حدود مردوں سے مختلف ہیں، نیز عورت کا ستر مردوں کے لئے الگ ہے، اور عورتوں کے لئے الگ، مردوں کے لئے عورت کا ستر ہاتھ اور چہرے کے سوا اس کا پورا جسم ہے، جسے شوہر کے سوا کسی دوسرے مرد حتی کہ باپ، بھائی اور بیٹے کے سامنے بھی نہ کھلنا چاہئے۔

اور عورت کو ایسا باریک اور چست لباس بھی نہ پہننا چاہئے جس سے بدن اندر سے جھلکے، یا بدن کی ساخت نمایاں ہو۔ اسی طرح احتیاط اس میں بھی ہے کہ مرد حضرات بھی اس قسم کے باریک لباس پہننے سے پرہیز کریں جن سے ان کے بدن کی ساخت عورتوں کے سامنے ظاہر ہو، اس معاملہ میں صرف اتنی رعایت ہے کہ عورت اپنے محرم رشتہ

داروں (مثلاً باپ، بھائی، بیٹاوغیرہ) کے سامنے اپنے جسم کا اتنا حصہ کھول سکتی ہے، جسے گھر کا کام کاج کرتے ہوئے کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے، جیسے آستین تھوڑا وضواور صفائی کے لئے اوپر چڑھالینا۔

یادرکھیں! یہ ستر کے مسائل حجاب سے بھی اہم ہیں، اکثر عورتیں حجاب کے معاملات میں مستعد رہتی ہیں مگر ستر کے معاملات میں غفلت کا شکار رہتی ہیں، یہاں تک کہ گھر میں دوپٹہ سر سے اتار دیتی ہیں جس سے پورے گھر والوں کو گناہ میں مبتلا کرلیتی ہیں، یا چیخ کرزور سے باتیں کرتی ہیں، گھر سے باہر تک ان کی آواز پہنچتی ہے، یہ بہت سخت گناہ ہے۔عورتوں پر نماز کی طرح فرض ہے کہ وہ ستر اور حجاب کے مسائل سیکھیں، اوران پر عمل کریں، اور عورت کے لئے عورت کے ستر کی حدود وہی ہیں جو مرد کے لئے مرد کے ستر کے ہیں، یعنی ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ جبکہ عورت کو پورا جسم ڈھانکنا فرض ہے، اگر نماز میں کوئی حصہ کھل جائے تو نماز نہیں ہوگی۔

ہاں! عورتوں کے لحاظ سے سارا بدن چھپانا فرض نہیں، ایک عورت دوسری عورت کا گریبان اور پیٹ دیکھ سکتی ہے، اگرچہ بہتر تو نہیں، مگر بوقت ضرورت حرام بھی نہیں۔ واللہ اعلم

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ یہ دوسرا استثناء ان مردوں سے کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں، جس کے سبب دو ہیں: اول تو جن مردوں کو مستثنٰی کیا گیا ہے ان سے کسی فتنہ کا خطرہ نہیں، وہ محارم ہیں جن کی طبائع کو اللہ تعالیٰ نے خلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت وحیاء کے محافظ اور نگہبان ہوتے ہیں، ان سے خود کسی فتنہ کا احتمال نہیں۔ دوسرے ہر وقت اکٹھے رہنے سہنے کی ضرورت بھی سہولت پیدا کرنے کی مقتضی ہے، اور یہ یادرکھنا چاہئے کہ شوہر کے سوا دوسرے محارم کو جو استثناء کیا گیا ہے وہ احکام حجاب و پردہ سے استثناء ہے، ستر عورت سے استثناء نہیں۔عورت کا بدن جو ستر میں داخل ہے جس کا کھولنا نماز میں جائز نہیں، اسی طرح اس کا دیکھنا محارم کے لئے بھی جائز نہیں۔

اس آیت میں آٹھ محرم مردوں کا اور چار دوسری اقسام کا پردہ وحجاب سے استثناء کیا گیا ہے، اور سورۂ احزاب کی آیت جو نزول میں اس سے مقدم ہے، اس میں صرف سات اقسام کا ذکر ہے، باقی پانچ کا اضافہ سورۂ نور کی آیت میں کیا گیا ہے، جو سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی ہے۔

فائدہ:

اس جگہ محرم عام معنی میں استعمال ہوا ہے جو شوہر کو بھی شامل ہے۔ فقہاء کرام کی اصطلاح میں محرم اس کو کہتے

ہیں کہ جس کے ساتھ ابدی نکاح جائز نہ ہو، وہ یہاں مراد نہیں، سورۂ نور کی آیت میں جن بارہ محرم مردوں اور دوسری اقسام کے لوگوں کا جن سے حجاب اور پردہ نہیں، تفصیل یہ ہے:

پہلے شوہر ہے، جس سے کسی قسم کا پردہ نہیں۔ دوسرے اپنے باپ جس میں دادا، پردادا، نیز نانا، نیز رضاعی باپ، بھی شامل ہیں۔ تیسرے شوہر کا باپ اس میں بھی دادا، پردادا سب شامل ہیں۔ چوتھے اپنے لڑکے خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں۔ چھٹے اپنے تینوں بھائی حقیقی، علاتی، اخیافی وغیرہ اس میں رضاعی بھائی بھی شامل ہے۔ البتہ چچا، پھوپی، ماموں، خالہ کے بیٹے اس میں شامل نہیں، ان سے حجاب ضروری ہے۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے یعنی حقیقی، علاتی، اخیافی بھائیوں کے لڑکے صرف۔

واضح ہو کہ بعض عورتیں کچھ اجنبی غیر محرم مردوں کو دینی باپ، دینی بھائی اور دینی بیٹا بناتی ہیں، شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں، لہٰذا ان سے نکاح بھی جائز ہے اور پردہ بھی واجب ہے۔ بعض لوگ ایک عورت سے یہ کہہ کر شادی نہیں کرتے ہیں کہ میں اس کو ماں یا بہن کہہ چکا ہوں، یہ غلط ہے، زبانی طور پر کسی کو کچھ کہنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ اور پردہ وحجاب کی تفصیل ان شاء اللہ سورۂ احزاب میں آئے گی۔

آٹھویں بہنوں کے لڑکے اس میں بھی بہنوں سے حقیقی، علاتی اور اخیافی تینوں مراد ہیں۔ ماموں زاد، چچا، پھوپی زاد بہن اس میں شامل نہیں ہیں۔ یہ آٹھ قسمیں تو محارم کی ہیں۔ نویں قسم:

﴿أَوْ نِسَآئِهِنَّ﴾ یعنی اپنی عورتیں ان سے مراد مسلمان عورتیں ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ احکام حجاب و پردہ کے متعلق ہیں، ان کا تعلق احکام ستر سے نہیں، اس لئے کہ ایک عورت اپنے جو اعضاء کسی محرم کے سامنے نہیں کھول سکتی، اسی طرح وہ اعضاء کسی مسلمان عورت کے سامنے بھی نہیں کھول سکتی، مگر علاج ومعالجہ ودیگر ضروریات مستثنیٰ ہیں۔ البتہ کافرہ عورتیں غیر محرم کے حکم میں ہیں، لہٰذا مسلمان عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ کافرہ عورت کے سامنے زیب و زینت کا اظہار کریں۔

دسویں قسم: ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ یا وہ جو عورتوں کے داہنے ہاتھ کی ملکیت ہوں، یعنی ان کی لونڈیاں، رہا غلام اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ غلاموں سے پردہ ہوگا۔ تو: ﴿مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ سے مراد صرف کنیز اور لونڈیاں ہوں گی۔

گیارہویں قسم: ﴿أَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ یا ان مردوں پر جو طفیلی (باقی) کے

طور پر تمہارے گھروں میں رہتے ہوں، اور ان کو عورتوں کے ساتھ کوئی رغبت و توجہ نہ ہو، اس سے وہ پیر سال اور بوڑھے از کار رفتہ لوگ مراد نہیں جن کے لئے عورت و مرد برابر ہیں، وہ بیچارے عورتوں سے اور نفسانی خواہشات سے یکسر فارغ ہیں۔ بعض اہل خیر متقی مسلمان اس قسم کے ضعیف اور بوڑھے لاوارث لوگوں کو اپنے گھروں میں ثواب کی نیت سے پالتے ہیں، اور یہ گئے گزرے ضعیف لوگ ان کے گھروں کے افراد شمار ہوتے ہیں، لہٰذا ان ناتوانوں سے پردہ نہیں ہونا چاہئے۔ ان کو تابعین اس لئے کہا گیا کہ یہ خود کوئی کمائی نہیں کر سکتے، یہ گھر والوں کے تابع ہوتے ہیں تا کہ بچا کچھا کھانا ان کو مل جائے۔ ''اربۃ'' کے معنی ہیں: رغبت اور حاجت۔ ﴿غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ﴾ جس کو حاجت نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد عنین نامرد ہے۔

بارہویں قسم: ﴿أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾ وہ نابالغ چھوٹے بچے بھی پردے سے مستثنیٰ ہیں جو عورتوں کے راز و دیگر معاملات پر مطلع نہیں ہیں، وہ بوجہ کم عمری اور صغرسنی کے یہ جانتے ہی نہیں کہ عورتوں کے معاملات کیسے اور کیا ہیں، اگر ان کے سامنے عورتوں کی زیب و زینت ظاہر ہو جائے تو کوئی حرج اور مواخذہ نہ ہوگا۔ بارہ مستثنیات کے بعد عورتوں کو تنبیہ ہو رہی ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ﴾ عورتیں چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں کہ جس سے ان کی پوشیدہ زینت کا لوگوں کو علم ہو جاتا ہے۔ اکثر عرب میں عورتیں پاؤں میں خلخال پہن لیتی تھیں، جن میں آواز کرنے والے گنگرو ہوتے تھے، جب بے احتیاطی کے ساتھ چل کر پاؤں زمین پر زور سے مارتی تھیں تو جھنکار سنائی دیتی تھی، اس کی آواز سے فتنہ کا اندیشہ ہوتا تھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو تاکید سے فرمایا کہ جب نماز کے لئے مسجد آئیں تو سادگی کے ساتھ سادہ لباس میں آئیں، اور خوشبو استعمال نہ کریں تا کہ لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہوں، کیونکہ ابلیس مردوں کو جس آسانی سے عورتوں کے ذریعہ شکار کرتا ہے، کسی دوسرے ذریعہ سے ایسا نہیں کر سکتا۔

تنبیہ:

ستر و حجاب کا مسئلہ نہایت نازک اور پیچیدہ ہے، اس کا تعلق عورتوں کے ساتھ ہے جو کہ نہایت غیر محتاط بھی ہیں، اور جہالت میں مبتلا بھی، پھر غیر شرعی حرکتوں کا صدور بنسبت مردوں کے عورتوں میں زیادہ ہے، اگر عورت شرع پر عامل ہو اور محتاط رہے، اور مردوں کی بات مانے اور خدا کا خوف رکھے تو پورا معاشرہ سدھر جائے، اور بے حیائی کا

مکمل خاتمہ ہو، مجال نہیں کہ مردوں میں آوارہ گردی ہو۔ دراصل معاشرہ کو زیادہ تر عورتوں نے خراب کیا، جس سے مرد بھی متاثر ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے مسلمانوں کو سمجھ دے، اور ہر طرح بے حیائی سے بچائے۔ آمین

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

ترجمہ: اور تم میں سے جو بے نکاح ہو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو نیک ہو ان کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ تنگدست ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی فرمادے گا، اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، جاننے والا ہے﴿۳۲﴾ اور چاہئے کہ عفیف بن کر رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے نکاح کی طاقت یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے مستغنی کر دے۔

معارف منازل

شروع سورت سے فواحش ومنکرات، زنا اور اس کے متعلقات کی شدید سزاؤں کا ذکر کیا گیا، پھر تدارک زنا و بے حیائی کی روک تھام کی خاطر استیذ ان کے احکام بیان ہوئے، پھر عورتوں کے لئے شرعی پردہ اور اس کے احکام کا بیان ہوا، اب انسانی خواہشات کے جائز اور صحیح طریقہ کا بیان ہوگا، یعنی شرعی نکاح اور انسانی نسل کی بقاء کے مختصر احکام۔

آیت کریمہ میں ارشاد ہے کہ زنا اور نظر بد سے حفاظت کا جو جائز اور صحیح طریقہ جو کہ شرعی نکاح ہے اس کا اہتمام کر کے اپنے غیر شادی شدہ لوگوں کا اور اپنے غلام اور کنیزوں کے نکاح کا بندوبست کر لیا کرو، اگر وہ فقیر ہوں ان کے پاس حق مہر ونفقہ اور دیگر ضروریات پوری کرنے کی استطاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی تمام ضروریات اور حوائج پورے فرمائیں گے، اور اپنے غیب کے خزانوں سے انہیں غنی فرمائیں گے، وہ وسعت والا جاننے والا ہے۔

﴿اَیَامٰی﴾ ایم کی جمع ہے، جو ہر اس مرد وعورت کو کہتے ہیں جس کا نکاح موجود نہ ہو، خواہ شروع ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا ہو، ایسے مردوں اور عورتوں کے

اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے نکاح کا انتظام کریں تا کہ وہ بدنظری، زنا اور اس کے متعلقات سے بچ جائیں، اور نکاح کی وجہ سے ان کا ایمان محفوظ ہو جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے نے نکاح کر لیا تو اس نے آدھے دین کو کامل کر لیا، لہٰذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ سے ڈرے۔ [مشكوة، ترمذي]

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے پسند فرما کر اختیار فرمایا: (۱) حیاء وشرم کرنا۔ (۲) عطر وخوشبو لگانا۔ (۳) مسواک کرنا۔ (۴) نکاح کرنا۔ [ترمذي]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے جوانو! تم میں سے جس کو نکاح کی قدرت ہو وہ نکاح کر لے، کیونکہ نکاح نظروں کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو پاک رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور جسے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے رکھنے سے اس کی شہوت دب جائے گی۔ [بخاري]

﴿وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ یعنی اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صالح اور نیک ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صالحین سے وہ غلام اور باندیاں مراد ہیں جنہیں نکاح کی صلاحیت ہو، یعنی مالی استطاعت ہو، جو نان ونفقہ پر قدرت رکھتا ہو۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک صالحین کا معروف معنی مراد ہے، یعنی نیک خصلت ونیک سیرت، متقی و پرہیزگار، کیونکہ ایسے لوگ نیکی ونکاح کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں۔

﴿اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ اگر یہ لوگ مفلس ونادار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی فرمائے گا، اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، جاننے والا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ نکاح کرنے والوں کی مالی مدد فرمائے گا، اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تنگدستی کی وجہ سے نکاح کرنے سے باز نہ رہیں، اگر کوئی مناسب دیندار عورت مل جائے تو نکاح کر لیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورتوں سے نکاح کرو، وہ خود اپنے ساتھ مال لے کر آئیں گی، یعنی عورت کے آنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ فراخی کے دروازے کھول دے گا۔ [مظهري بحواله بزار، خطيب، دارقطني، أبوداؤد في المراسيل] ثعلبی اور دیلمی مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ نکاح کے ذریعہ رزق تلاش کرو۔ [مظهري] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے:

(۱) وہ مکاتب جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے، مکاتب کا بیان آنے والا ہے۔

(۲) وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(۳) وہ مجاہد جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ [نسائي كتاب النكاح]

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا﴾ اور چاہئے کہ پاکدامن وعفیف رہیں وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے، اگر رہنے کے لئے مکان نہیں، مہر کے لئے رقم نہیں پاتا اور بیوی کی ضروریات نان ونفقہ کے لئے کچھ میسر نہیں، اور وسائل بھی مہیا نہیں تو مجاہدہ کرو، نکاح کے بغیر پاکدامن رہو، اور شدّت شہوت سے مغلوب ہو کر کوئی غلط شیطانی قدم نہ اٹھاؤ، اور خوب صبر وضبط کا مظاہرہ کرکے نفلی روزے رکھو، جس سے عفت حاصل ہونے کے ساتھ بڑے ثواب کماؤ، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا یہی شیوہ رہا۔ حضرت حسن بصریؒ نے سیدہ رابعہ بصریہؒ سے کہا کہ سنت نکاح پر عمل کرلو، کہنے لگی: میرا نکاح تقویٰ کے ساتھ ہو چکا ہے، بندوں کے ساتھ دوسرے نکاح کی ضرورت نہیں۔ ﴿حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ حتی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مستغنی کردے، یعنی مال واستطاعت عطا فرمائے، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

صاحب مظہری نے لکھا ہے کہ نکاح کرنے والے کو غنی بنانے اور مال عطا فرمانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی شرط پر ہے کہ نکاح کرنے والے کی نیت اپنی عفت کی حفاظت اور سنت پر عمل ہو، اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد ہو۔ مشکل یہ ہے کہ اکثر لوگوں کی نیت یہ نہیں ہوتی، بیشتر لوگ اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے کی خاطر اور لذت حاصل کرنے کی خاطر نکاح کرتے ہیں، تو ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا اور ہر قسم کے اجر وثواب کا استحقاق حاصل نہیں کر پاتے، وہ نکاح کرنے کے باوجود محتاج رہتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ
مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۳ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور تمہاری ملکیت میں جو لوگ ہیں ان میں سے جو مکاتب ہونے کی خواہش رکھتے ہوں انہیں مکاتب بنادو، اگر تم ان میں بہتری پاؤ، اور تم انہیں اللہ تعالیٰ کے مال میں سے دیدو جو اس نے تمہیں دیا ہے، اور اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو، جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں، تاکہ تم کو دنیاوی زندگی کا کوئی مال مل جائے، اور جو شخص ان پر زبردستی کرے تو اللہ تعالیٰ انہیں مجبور کرنے کے بعد بخشنے والا ہے، مہربان ہے ﴿۳۳﴾ اور ہم نے تمہاری طرف کھلی کھلی آیات نازل کی ہیں، اور جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کی بعض حکایات اور متقیوں کے لئے نصیحت نازل کی ہے ﴿۳۴﴾

معارف ومنازل

شریعت اسلامیہ میں غلاموں اور کنیزوں کے آزاد کرنے پر بڑے بڑے ثواب اور اجر کا وعدہ ہے، یہاں تک سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی کسی غلام یا لونڈی کو مفت فی سبیل اللہ آزاد کرے گا تو اس کے ہر عضو کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آزاد کرنے والے کا ہر ہر عضو جہنم سے آزاد فرمائے گا، حتی کہ اس کی شرمگاہ کے عوض مالک کی شرمگاہ کو جہنم سے آزاد فرمائے گا۔ [بخاري] اسی خاطر شریعت نے غریب لوگ، مجبور غلاموں اور کنیزوں کی پابندی و حقارت ختم کرکے انہیں آزادی کی نعمت سے نوازا ہے، اور بہت سے طریقے ایجاد کئے ہیں کہ انہیں کفارۂ قتل، کفارۂ قسم، کفارۂ ظہار، کفارۂ صوم وغیرہ میں آزاد کیا کرو، اور انہیں مدبر بناؤ، جو تمہاری موت کے بعد خود بخود آزاد ہوجائیں گے۔ اگر کنیز ہو تو اس سے صحبت کرو تاکہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کی آزادی کا راستہ کھل جائے۔ اگر تم پیسوں کے لئے حاجتمند ہو تو انہیں مکاتب بناؤ، وہ تمہیں پیسہ کما کر دیدیں تو انہیں اس بہانے سے آزاد کرو۔

آیت کریمہ میں اس آخری شق کا بیان ہے، وہ یہ ہے کہ غلام یا لونڈی اپنے مالک سے یہ کہے یا مالک ان سے یہ مطالبہ کرے کہ ابھی فی الحال یا اتنی مدت کے اندر اتنی رقم مجھے ادا کرلو، میں تمہیں آزاد کروں گا، خواہ یکمشت ہو یا قسطوں پر۔ یا تم فلاں خدمت کو انجام دیدو (جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ان کے یہودی مالک نے پانچ سو کھجور کے درختوں کے لگانے اور ان کے پھل دینے کی شرط لگائی تھی) جس کے بدلے میں ہم تم کو آزاد کریں گے، اس معاہدہ کو شریعت میں مکاتبت کہتے ہیں، اور غلام اور کنیز کو مکاتَب کہا جائے گا، اس دوران وہ جو کچھ کمائے وہ اس کی ملکیت ہوگی، جب وہ اپنی مقررہ رقم ادا کرے یا وہ مشروط کام انجام دیدے تو وہ آزاد ہوگا، مگر یہ بات ہے کہ جب تک مکمل

ادائیگی نہ ہو وہ غلام ہی رہے گا۔

مالکوں پر واجب نہیں، البتہ مستحب اور کار ثواب ہے کہ مطالبہ کے وقت اس آیت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے غلاموں اور کنیزوں کو غلامی کی قید سے چھڑا کر انہیں کسی نہ کسی طرح آزاد کر لیں، کیونکہ آزادی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطری طور پر آزاد و خود مختار پیدا کیا ہے، جبکہ غلامی غیر فطری لعنت ہے، جس کا طوق جس کسی کے گلے کا ہار ہوگا اس کی زندگی کتوں سے بھی بدتر اور تکلیف دہ ہوگی، وہ انسان ہوتے ہوئے بے اختیار جانوروں سے بدتر سمجھا جائے گا، اسی بناء پر شریعت مطہرہ نے اس کے ازالے کے لئے مختلف تدبیریں وضع کیں، اور غلام و کنیزوں کی آزادی پر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے ثوابوں کا بھی وعدہ فرمایا، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عظیم ثواب کے پیش نظر بکثرت غلام آزاد کر لئے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) نے ایک ہزار غلام اور کنیز فی سبیل اللہ آزاد کر لئے۔ مطلب یہ ہے کہ غلام کی آزادی بہت بڑا کارنامہ ہے جسے اہل ایمان کو سرانجام دینا چاہئے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ﴾ اگر تمہارے غلام تم سے کتابت کا مطالبہ کریں اور وہ مال کے بدلے میں آزادی کے خواہشمند ہوں پس تم ان کا مطالبہ پورے کرتے ہوئے ان سے کتابت کا عہد و معاہدہ کرو، اس شرط پر:

﴿اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان غلاموں کی آزادی میں خیر ہے، یعنی یہ اچھی طرح جانچ لو کہ یہ غلام آزادی حاصل کرنے کے بعد تمہارے معاشرے اور سوسائٹی پر بوجھ نہ ہو، یعنی خیر والوں سے آزادی کا معاہدہ کرو، کیونکہ وہ آزادی کے حقدار ہیں، اور جن میں خیر نہیں وہ آزادی کے حقدار نہیں، ان کے لئے غلامی ہی بہتر ہے۔ سبحان اللہ! کیا اچھا زرین فیصلہ ہے جو کہ آج کے سوا ارب مسلمانوں پر منطبق ہے۔ آج کرہ ارضی پر ساٹھ مسلمان ممالک ہیں، ان کی مجموعی آبادی سوا ارب سے زائد نفوس پر مشتمل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اور قرآن مجید کے وسیلہ و برکت سے پورے جہاں پر حکمرانی عطا فرمائی تھی، اور آزادی کی اس پر جوش امتیازی شان و شوکت سے نوازا تھا کہ پورے جہاں پر بسنے والے لوگ اور تمام اقوام عالم ان کے باج گزار بنے رہے، انہوں نے قرآن و سنت کو سینے سے لگا کر بڑی بڑی سلطنتوں کو اور لمحوں میں چار ہزار سالہ سلطنتوں کو خس و خاشاک کی طرح پامال کر کے رکھ دیا، اور نصف عالم پر اسلام کا پرچم لہرایا تھا۔ بدنصیبی کہئے یا بدقسمتی جب ان کے

جانشین بدمذہب وعیاش لوگوں نے قرآنی نظام سے بغاوت کی، اور دنیا پرستی میں گم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کفار ومشرکین کو مسلط فرمایا۔

یہود ونصاریٰ جہاں ان کا نام سنتے تھے کانپ ہی جاتے تھے، اور ہوش وحواس کھو بیٹھتے تھے، ان پر حاکم بنے اور خوب انہیں پامال کیا، بچا کھچا دین وایمان اور جذب حق وصداقت ان کے دماغ وسوچ میں جو مجزن رہتا تھا اسے مکمل انجکشن لگا کر ٹیسٹ کے ذریعہ نکال دیا۔ آج وہ سر سے پاؤں تک مرد، عورت، بوڑھے، جوان مجموعی حیثیت سے یہود ونصاریٰ کے زرخرید غلام بنے ہوئے ہیں، ان میں یہ جرأت نہیں کہ وہ قرآنی نظام کا نفاذ تو بجائے خود صرف قرآن کا نام لیں۔ آج ساٹھ ملکوں پر مشتمل قوم مسلم مجال نہیں کہ یہود ونصاریٰ کے مشورے کے بغیر اپنے ملکوں میں اسلام کی اشاعت وترویج کا نام لیں، یا یہود ونصاریٰ کے مشورے کے بغیر اپنا سالانہ بجٹ پیش کر سکیں۔ قرآن حکیم نے ہماری شہ رگ پر ہاتھ رکھ کر بات کی، اور حکم دیا کہ جس غلام میں خیر نہ ہو وہ ہرگز آزادی اور خودمختاری کا حقدار نہیں، نہ اس کے ساتھ معاہدہ کرو، اور نہ آزادی کا اسے مژدہ سناؤ، اس کے لئے یہ غلامی بہتر ہے، کیونکہ اس نے خود یہ غلامی بابرکت آزادی کے عوض خریدی ہے، اور قرآن وسنت سے بغاوت کر کے انگریزی نظام سے وفاداری کی ہے۔

پھر فرمایا: اگر تم سمجھتے ہو کہ غلام آزاد ہو کر معاشرے کے بہتر فرد ثابت ہوتے ہیں تو ان سے نہ صرف مکاتبت کا معاہدہ کرلو، بلکہ ان کے ساتھ مالی امداد کر کے ان کی آزادی کی راہ ہموار کرو، وہ یہ کہ:

﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ جو مال اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے ایسے مکاتب کو بھی ادا کرو، تاکہ وہ جلدی آزادی کی نعمت حاصل کر سکے۔

زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے زبردستی ناجائز کمائی کرواتے تھے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی چھ سات لونڈیاں اسی کام پر لگی ہوئی تھیں، اور ان میں سے بعض ایمان لا چکی تھی، مگر مالک نے انہیں مجبور کیا ہوا تھا، ایک دن وہ بھاگ کر آئیں رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئیں اور اپنی بے بسی پر رونے لگیں، تو اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ﴾ اپنی باندیوں کو پیسے کی خاطر بدکاری پر مجبور نہ کرو۔

﴿اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہیں اور تم چاہتے ہو مال۔

﴿لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ کہ اس ناجائز قبیح ذریعہ سے مال حاصل کرلو، یہ تمہاری ناجائز حرکت

تمہارے لئے تباہ کن ہے۔ ﴿وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور جو کوئی ان کو مجبور کرے گا تو اس کا گناہ اس مالک پر ہو گا جو انہیں مجبور کرتا ہے، حالانکہ لونڈیاں ایسا نہیں کرنا چاہتیں، پس ان کی مجبوری کی بناء پر اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا معاف کرنے والا ہے، اور بہت مہربان ہے۔

اس میں ﴿اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ کے جو الفاظ ہیں اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ کریں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر باندیاں پاکدامن نہ رہنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور کرنا جائز ہے، بلکہ آقاؤں کو زجر و تنبیہ اور غیرت دلانا مقصود ہے کہ باندی تو پاکدامن رہنا چاہتی ہے، اور تم بے غیرتی کے ساتھ انہیں زنا پر مجبور کر کے زنا کی اُجرت لینا چاہتے ہو۔ اب بات جاہلیت والی نہیں رہی، اب زنا خوشی میں ہو یا زبردستی میں ہو، تباہ کن عمل ہے اور مطلقاً حرام ہے۔ چونکہ رئیس المنافقین خبیث مسلمان ہونے کا دعویدار تھا اس لئے آیت کریمہ میں لفظ: ﴿اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ بڑھا دیا کہ باندیاں زنا سے بچ رہی ہیں اور تو انہیں زنا پر مجبور کر رہا ہے یہ کیسی مسلمانی ہے؟

﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ﴾ یعنی تمہارے پاس ہم نے کھلی واضح آیات بھیجی ہیں ان احکام میں کسی قسم کا ابہام نہیں، اور تمام احکام فطرت سلیمہ اور عقل سلیم کے عین مطابق ہیں۔

﴿وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور جو امتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان کے بھی بعض احوال، حکایات اور واقعات بیان کر دیئے ہیں، جن میں تمہارے لئے عبرت کا سامان ہے، اور ایسی چیزیں نازل کی ہیں:

﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ جو متقین کے لئے نصیحت ہیں۔ قرآن مجید سب کے لئے ہدایت و نصیحت ہے، مگر اس سے استفادہ کرنے والے صرف متقین لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

❁ ❁ ❁

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۳۵

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے، اس میں

ایک چراغ ہے، وہ چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے، وہ قندیل ایسی ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو، وہ چراغ بابرکت درخت سے روشن کیا جاتا ہو جو زیتون ہے، یہ درخت نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف، قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے، اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے، نور علیٰ نور ہے، اللہ تعالیٰ سبحانہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے، اور لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۳۵

معارف ومنازل

﴿النور﴾ اللہ تعالیٰ شانہ کے اسماء حسنیٰ میں سے عظیم کائناتی اسم ہے، جس کے حسن و جمال اور پرتو کی چمک ودمک کائنات کے ہر ذرہ پر ضوافگن ہے، اور یہ ضوء وروشنی اس کی ذاتی صفت ہے، جس سے زمین وآسمان پوری کائنات اور آخرت کی رونق وبستی اور آبادی ہے، موجودہ سورج اسی نور الٰہی کا پرتو ہے، جس سے پورا عالم روشن و درخشندہ ہے، جبکہ آخرت اور جنتی زندگی میں نور الٰہی بغیر کسی سورج کے واسطہ کے براہ راست ضوء افشاں رہے گا۔ آٹھوں جنتوں میں براہ راست نور الٰہی کے انوار وتجلیات کی روشنی ہوگی، جہاں نہ سورج ہوگا، نہ چاند، ستارے۔

علماء کرام محققین ومفکرین نے اس نور ایزدی کی تعیین میں بڑی تحقیق کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آگے ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ﴾ سے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے۔ عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اس پر بڑا کلام کیا ہے جو کہ قابل دید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نور سے مراد ہدایت صمدانی ہے جس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں: ﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ﴾ کے الفاظ وارد ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نور سے مراد قلب مؤمن ہے۔ بعض کے نزدیک نور سے مراد قرآن حکیم ہے۔ بعض کے نزدیک اعمال صالحہ ہیں۔ بعض کے نزدیک ایمان اور توحید ہے۔ وغیرهم من الأقوال۔

سب سے جامع اور حقیقی قول یہ ہے کہ اس سے مراد منبع النور، خالق الانوار، حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اور اس کی صفات ہیں۔ سب مخلوقات اور پوری کائنات کے تمام اجزاء وذرات کو ''نور وجود'' اسی سے ملا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، صالحین، اولیاء، اتقیاء، ملائکہ، وغیرہ میں اسی طرح چاند، سورج، ستارے، وغیرہ میں جو ظاہری یا باطنی نور وروشنی ہے، اسی ''منبع النور'' سے مستفاد ہے۔ ہدایت ومعرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ احدیت وصمدیت سے پہنچتا ہے، تمام علویات وسفلیات اس کی آیات تکوینیہ وآیات تنزیلیہ سے ہی منور وروشن ہیں۔ حسن وجمال یا خوبی

وکمال، نورانی چہرے یا نورانی اعمال کی کوئی چمک اگر نظر آتی ہے وہ اسی ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾[الرحمن:۷۸] (بڑا بابرکت نام ہے تمہارے پروردگا کا جو عظمت والا بھی ہے، کرم والا بھی)۔ اور ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [الرحمن:۲۷] (اور تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل وکرم والی ذات باقی رہے گی)۔ یعنی اسی کی ذات مبارک اور وجہ منور کے جمال وکمال کا ایک پرتو ہے۔ فرمایا: ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾[الزمر:۶۹] (اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی)۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی تاریکیوں میں ہاتھ اٹھا کر یہ پڑھتے: ”اللّٰهم أنت نور السمٰوات و الأرض ومن فيهن“۔ اور اپنے ظاہری و باطنی اعضاء اور جہات واطراف کا نام لے کر یہ کہتے ہیں: ”اللّٰهم يا نور النور قبل الأزمنة والدهور، اللّٰهم اسئلک بنور وجهک الذي ملأ أركان عرشک، اللّٰهم اجعل لي نورا في قلبي ونورا في قبري ونورا من بين يديّ ونورا من خلفي ونورا عن يميني ونورا عن شمالي ونورا من فوقي ونورا من تحتي ونورا في سمعي ونورا في بصري ونورا في شعري ونورا في بشري ونورا في لحمي ونورا في دمي ونورا في عظامي، اللّٰهم أعظم لي نورا وأعطني نورا واجعل لي نورا وزدني نورا و زدني نورا وزدني نورا، لا إله إلا أنت“۔

حدیث شریف میں آتا ہے: ”إن الله خلق الخلق في ظلمة ثم ألقىٰ عليهم من نوره فمن أصابه من نوره يومئذ اهتدىٰ ومن أخطاه ضل“۔[مشکوۃ] یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو تاریکی میں پیدا فرمایا، پھر ان پر اپنا نور ڈال کر متوجہ ہوا، سو جس کسی کو وہ نورانی کرن پہنچ گئی وہ ہدایت پا گیا، اور جس کو وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ رہا۔

مطلب یہ ہے کہ جس کو اس وقت اللہ تعالیٰ کے نور سے حسب استعداد حصہ ملا وہ ہدایت پر آ گیا، اور جس کو اس کی استعداد کی بناء پر حصہ نہ ملا وہ گمراہ رہا۔ جس طرح آپ دنیا میں مشاہدہ کر رہے ہیں کہ نور نبوت، نور قرآن، نور اسلام سب کے سامنے روشن وتابان رہتے ہیں، کوئی استفادہ میں شب وروز مصروف ہے، اور کچھ وہ ہیں جو ان انوار و تجلیات کا مذاق اڑاتے ہیں، اور انوار سے محروم ہیں۔

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے نور کی ایسی مثال ہے جیسے ایک طاقچہ ہے، جس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہے، اور وہ چراغ ایسی قندیل میں ہے جو شیشہ کی بنائی ہوئی ہے، اور وہ قندیل ایسی صاف شفاف ہے جیسے چمکدار ستارہ ہو، چراغ تو خود ہی روشن ہوتا ہے، پھر وہ ایسی قندیل میں جل رہا ہے جو شیشے کی ہے، اور شیشہ بھی

معمولی نہیں، اپنی چمک دمک میں ایک چمکدار ستارہ کی طرح ہے، پھر وہ چراغ جل بھی رہا ہے ایک بابرکت درخت کے تیل سے جسے زیتون کہا جاتا ہے، زیتون کے جس درخت سے یہ تیل لیا گیا ہے وہ درخت بھی کوئی عام درخت نہیں، بلکہ وہ ایک ایسا خاص درخت ہے جو نہ مشرق کے رخ پر ہے نہ مغرب کے رخ پر، یعنی اس پر دن بھر دھوپ پڑتی ہے، نہ تو مشرق کی جانب کوئی آڑ ہے جو اس کی دھوپ کو روکے اور نہ مغرب کی طرف کوئی آڑ ہے جو اس جانب سے آنے والی دھوپ کو روکے۔ یہ درخت کھلے میدان میں ہے جہاں اس پر دن بھر دھوپ پڑتی رہتی ہے، ایسے درخت کا تیل بہت صاف روشن اور لطیف ہوتا ہے۔

کمال یہ ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی چھوئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی خود بخود جل اٹھے گا، چراغ روشن ہے، پھر اس میں کئی طرح سے روشنی بڑھنے کے اسباب موجود ہیں، یہ سب چیزیں جمع ہو کر نور علیٰ نور (روشنی پر روشنی) کی شان پیدا ہوگئی۔ یہ ایک تشبیہ ہے، اور ایک عمدہ مثال ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جس نور کو مثال مذکور میں بیان فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

حضرت حسن بصری اور زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ اس سے قرآن کریم مراد ہے۔ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی صفات مراد ہے۔ اور حضرت ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے وہ نور مراد ہے جو مؤمن بندوں کے دلوں میں ہے، وہ اسی کے ذریعہ ہدایت پاتے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے، جیسے سورۂ زمر نے یوں بیان کیا: ﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾ [الزمر: ۲۲] (بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، پس وہ اپنے پروردگار کی روشنی پر ہو)۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اعمال صالحہ اور اطاعت مراد ہے۔ حدیث میں اسی کو فرمایا: "اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ"۔ [ترمذي] حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس تشبیہ کو واضح کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اسی طرح مؤمن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز ان کا انشراح صدر قبول حق کے لئے بڑھتا چلا جاتا ہے، اور ہر وقت احکام شریعت پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، گو بالفعل بعض احکام کا علم بھی نہ ہوا ہو، کیونکہ علم تدریجاً حاصل ہوتا ہے، جیسے وہ روغن زیتون آگ لگنے سے پہلے ہی روشنی کے لئے مستعد تھا، مؤمن بھی علم احکام سے پہلے ہی ان پر عمل کے لئے مستعد ہوتا ہے، کیونکہ یہ اس کی فطرت ایمانی کا

تقاضا بھی ہے، اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نورِ عمل یعنی عمل کے پختہ ارادہ کے ساتھ نورِ علم بھی شامل ہو جاتا ہے، جسے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے، پس عمل و علم جمع ہو کر نورٌ علی نور بن جاتا ہے، اور یہ نہیں ہوتا کہ علم احکام کے بعد اس کو کچھ تأمل و تردد ہو کہ اگر موافقِ نفس کے پایا تو قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا۔

اسی انشراح اور نور کو دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿ اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰهُ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ﴾ [الزمر: ۲۲] (یعنی جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے)۔ اور ایک جگہ فرمایا: ﴿ فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ﴾ [الأنعام: ۱۲۵] (جس شخص کو اللہ ہدایت تک پہنچانے کا ارادہ کر لے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿ فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ﴾ [الأنعام: ۱۲۵] تلاوت فرمائی، پھر فرمایا: بلاشبہ جب نور سینہ میں داخل کر دیا جاتا ہے تو وہ پھیل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا پھر اس کی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اس کو پہچان لیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! دار الغرور (دھوکہ کے گھر دنیا) سے دور رہنا اور دار الخلود (ہمیشگی کے گھر آخرت) کی طرف متوجہ ہونا، اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری کرنا، یہ اس نور کی علامت اور پہچان ہے۔ [مشکوۃ بحوالہ بیہقي في شعب الإیمان]

﴿ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ ؕ ﴾ چراغ شیشے کی قندیل میں۔ ﴿ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ ﴾ اور قندیل چمکدار ستارے کی مانند ہو۔ ﴿يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ﴾ چراغ جلایا جاتا ہو ایسے تیل سے جو زیتون کے مبارک درخت سے حاصل کیا گیا ہو۔ ﴿لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ﴾ جو نہ مشرقی ہو، نہ مغربی۔ یہ مثال ہے نورِ ایمانی کی، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی، یا اعمال صالحہ کی، یا قلب مؤمن کی، یا قرآن حکیم کی جیسے پہلے بیان ہوا۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں نہ شرقی ہیں اور نہ غربی، بلکہ سارے جہاں کی ہدایت کے لئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ﴾ [البقرۃ: ۱۷۷] (نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر ایمان لائیں)۔ وہاں تفصیل دیکھی جائے۔ پھر فرمایا:

﴿يَّكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ﴾ قریب ہے وہ چمک اٹھے اگرچہ آگ اس کو چھوئے بھی نہ،

گویا اس تیل میں جل اٹھنے کی اتنی صلاحیت ہو کہ وہ بغیر آگ دکھائے جل اٹھے۔

﴿نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ﴾ روشنی پر روشنی ہے، یعنی نور وانوار کا ایک عجیب وغریب اجتماع ہے، جو یہ ہیں:

(۱) فطرتی نور۔ (۲) ایمان وتوحید کا نور۔ (۳) اعمال صالحہ کا نور۔ (۴) قرآن وسنت کا نور۔ یہ سارے انوار کا قلب مؤمن پر اجتماع ہوگا تو وہ آسمانی ستاروں، کہکشاؤں سے زیادہ منور وروشن ہوگا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام حسنات انوار وبرکات کے منبع نور ہیں، جن کا مُنوِّر اور روشن کرنے والا حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے، اور تمام سیات جہنم کی ظلمات ہیں جن کا منبع نفس امارہ اور ابلیس ہے۔

﴿یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے نور کے لئے جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔

﴿وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ﴾ اور لوگوں کو سمجھانے کے لئے مثالیں بھی بیان کرتا ہے۔ ان مثالوں کے بیان کرنے کا یہی ایک مقصد ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور احکام میں غور وفکر کریں، اور اپنی سمت قبلہ درست کریں۔

﴿وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔

اس کے بعد ان انوار وبرکات کے اسباب ووسائل کا بیان آنیوالا ہے اور انوار وظلمات کے انجام خیر وانجام شر کا بیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے عرض ہے ودرخواست ہے کہ اپنے انوار وبرکات سے ہمیں آباد وخوش حال رکھے۔ آمین

نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب بن احبار رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں؟ ﴿مَثَلُ نُوۡرِهٖ کَمِشۡکٰوۃٍ﴾ کعب بن احبار رحمۃ اللہ علیہ جو تورات وانجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے، انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب انور کی بیان کی گئی ہے۔ [مشکوۃ] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک، اور ﴿زُجَاجَة﴾ یعنی قندیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک، اور ﴿مِصۡبَاح﴾ یعنی چراغ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ہے۔ اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار واعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان موجود ہے، اور پھر وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ جب اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا چمکدار نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اظہار نبوت وبعثت بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب و

غریب واقعات عالم میں ایسے پیش آئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بشارت دینے والے تھے، جن کو محدثین کی اصطلاح میں ''ارہاصات'' کہا جاتا ہے، کیونکہ معجزات کا لفظ تو اس قسم کے ان واقعات کے لئے مخصوص ہے جو دعوائے نبوت کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر جاری کئے جاتے ہیں، اور دعوائے نبوت سے پہلے جو اس قسم کے واقعات دنیا میں ظاہر ہوں ان کو ارہاصات کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں، اور حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں، اور دوسرے علماء کرام نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے تحت تفسیر مظہری میں بھی نقل کر دیا ہے۔

خصائص کبریٰ بہت عمدہ جامع کتاب ہے، تین ہزار کے قریب ارہاصات و معجزات اور دیگر خصوصیات کی جامع ہے۔ دلائل النبوۃ دو ہیں۔ دوئم امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، بہت عمدہ اور عجیب کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی رہے۔ آمین

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے، اور ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے، ایسے لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں ﴿٣٦﴾ جنہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے، اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے، سوداگری اور خرید و فروخت کرنا غفلت میں نہیں ڈالتا، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی ﴿٣٧﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے، اور اپنے فضل سے انہیں اور بھی زیادہ دے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے ﴿٣٨﴾

معارف ومنازل

﴿فِي بُيُوْتٍ﴾ جار مجرور کا تعلق سابق آیت کے: ﴿يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ﴾ کے ساتھ ہے، اور مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مثال سابق میں اللہ تعالیٰ کے جس نور ہدایت کا ذکر ہوا ہے، اس کے ملنے کی جگہ وہ بیوت ومکانات ہیں جہاں صبح وشام اللہ تعالیٰ جل شانہ کا نام لیا جاتا ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، ان کی تعظیم واحترام واجب ہے:

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور استدلال میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ مجھ سے محبت کرے، اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے محبت کرے، اور جو صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ قرآن سے محبت کرے، اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ مسجدوں سے محبت کرے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے، اور ان میں برکت رکھی ہے، وہ بھی بابرکت ہیں، اور ان میں رہنے والے بھی بابرکت ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں، اور ان میں رہنے والے بھی حفاظت میں ہیں، وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے کام بناتے ہیں اور حاجتیں پوری کرتے ہیں، وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ [قرطبی]

سبحان اللہ! اگر مساجد کے متعلق پورے ذخیرۂ حدیث میں اور کوئی روایت ثابت نہ بھی ہو صرف یہی ایک روایت ان کی تعظیم وبرکت کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ ایک مسلمان اس حدیث کے شروع سے آخر تک ہر ہر جملہ پر صحیح غور کرے تو اس کو دس (۱۰) چیزوں کی عظمت واہمیت کا واضح طور پر علم واطمینان حاصل ہو جائے گا۔

﴿اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ﴾ اَذِنَ اِذن سے مشتق ہے، جس کے معنی اجازت دینے کے ہیں، اور تُرْفَعَ رَفع سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ بلند کرنے اور تعظیم کرنے کے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے مسجدوں کو بلند کرنے کی۔ اجازت دینے سے مقصد اس کا حکم کرنا ہے، اور بلند کرنے سے مراد ان کی تعظیم کرنا ہے، وہاں ادب سے رہنا اور ہر قسم کے بے فائدہ، دنیوی اور لغو کاموں سے اجتناب کرنا۔ [ابن کثیر وغیرہ] سورۂ توبہ میں مساجد کی تعمیر کو اہل ایمان کی ایک علامت کے طور پر بیان فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾[التوبة:۱۸] (مسجدوں کو وہی لوگ تعمیر اور آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے اللہ تعالیٰ شانہ کی رضا کی خاطر مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔[متفق علیه] اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا: جب تم کسی شخص کو مسجد کی خدمت کرتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دیدو۔[قرطبي] بہرحال! مسجد بنانا، پھر اس کی دیکھ بال اور خدمت کرنا، اس کی تعظیم و احترام بجالانا اور غیر شرعی تمام اعمال سے مسجد کو پاک رکھنا، غیر شرعی اسراف اور یہود و نصاریٰ کی طرح زیب و زینت اور طرح طرح کے غیر ضروری نقش و نگار سے اجتناب کرنا، یہ سب ایمان کی علامت ہیں۔ ان مسائل کی پوری تفصیل سورۂ توبہ میں لکھ چکے ہیں، وہاں دیکھیں۔

﴿يُسَبِّحُ لَهٗ فِيۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ﴾ ان مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں صبح اور پچھلے پہر۔ مطلب یہ ہے کہ صبح و شام۔ ﴿غُدُوّ﴾ سے صلوٰۃ فجر، اور ﴿آصَال﴾ دوپہر سے لے کر رات کے آخری حصے تک کے اوقات مراد ہیں، اور تسبیح سے مراد صرف پانچوں اوقات کی نمازیں مراد نہیں، بلکہ ہر قسم کی عبادات واذکار اور تمام طاعات اعمال صالحہ سب مراد ہیں۔ آگے ان تسبیح کرنے والوں کی صفات کا بیان ہے:

﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ﴾ وہ ایسے مرد ہیں جنہیں تجارت اور بیع و شراء اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتیں، اور نہ ہی نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے۔

﴿وَلَا بَيۡعٌ﴾ کا عطف ﴿تِجَارَةٌ﴾ پر عطف تفسیر ہے، یا یوں کہہ دیں کہ عطف خاص علی العام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ''دست بکار دل بہ یار'' کے مصداق ہیں، اور یہ لوگ دنیاوی کاروبار میں اتنے منہمک نہیں رہتے ہیں کہ عبادات سے غافل ہوں، بلکہ وہ اپنا کاروبار بھی جاری رکھتے ہیں اور فرائض و واجبات اور دینی امور کو بھی برابر ادا کرتے ہیں، اور کبھی سستی نہیں کرتے۔ دراصل یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح اور ان کی صفات کا بیان ہے، البتہ ایسے لوگ قیامت تک اس امت میں پیدا ہوں گے، مگر نہایت قلت کے ساتھ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے صدیقین تھے، ان کا مقام پوری امت سے اونچا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک ادنیٰ صحابی کے ایمان کو اگر پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو سب کے لئے کافی ہے۔ آگے وجہ بیان فرما رہے ہیں:

﴿يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ وہ اس دن سے خوف کھاتے ہیں، اور صبح وشام جس طرح اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اسی طرح صبح وشام ڈرتے رہتے ہیں اس دن کی سختی سے جس دن دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی، دل دھڑک رہے ہوں گے، اور آنکھیں خیرہ ہو کر اوپر کو اٹھی ہوئی ہوں گی کہ پتہ نہیں ہمارے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا، معلوم نہیں ہمارے اعمال قبولیت کا شرف پاچکے ہیں یا مسترد ہو چکے ہیں۔ وہ لاکھوں بلکہ پہاڑوں کے برابر نیکیوں کے باوجود کانپ رہے ہوں گے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی غمگین ہوں گے، اور ترساں ولرزاں رہیں گے کہ پتہ نہیں آج ہماری امتوں کا کیا ہوگا؟

﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ﴾ فرمایا: ان کا ڈرنا بجا ہے، مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے ان کے اچھے اعمال کا جو انہوں نے بغیر کسی غفلت کے دنیا میں انجام دیئے، اور زیادہ ثواب دے ان کو اپنے فضل سے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس ''زیادہ'' سے مراد اللہ تعالیٰ شانہ کی زیارت اور دیدار ہے، جیسا کہ سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ [یونس:۲۶] (یعنی احسان کرنے والوں کے لئے جنت ہے، اور اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہے)۔ زہے سعادت۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصلی انعام ربّ العزّت کا دیدار ہے، جنت اس کی تابع اور سایہ ہے، جنت بغیر دیدار الٰہی کے بے مزہ ہے۔ لوگوں نے سوال کیا کہ دیدار کے لئے کونسا عمل ہو؟ فرمایا: صحیح عقیدہ کے ساتھ مکمل اتباع شریعت اور کثرت سجود ہو، خاص کر راتوں کے نوافل اور تہجد کی نماز جو کہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

﴿وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب روزی دیتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، ساٹھ ستر سالہ زندگی میں تم نے جو عبادت کی وہ کتنی کم اور مختصر ہے، مگر ابدی جنت اور جنت کی بے شمار نعمتیں اسی کی تفسیر ہیں کہ بغیر حساب اور بے شمار نعمتیں آپ کو ملیں گی، گو کہ جنت کسی عمل کی قیمت نہیں، مگر ایمان وتوحید جنت کے اولین اسباب ضرور یہ ہیں، اور یہ سب فضل الٰہی کا ثمرہ ہے کہ کسی کو ایمان وتوحید کی توفیق دے، یہ اس کا کرم وعنایت خاصہ ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ

شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ
يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ
يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ رہا ہو، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا، اور اس نے وہاں اللہ تعالیٰ کی قضاء کو پالیا، سو اللہ تعالیٰ نے اس کا حساب پورا کر دیا، اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۳۹﴾ یا جیسے کسی گہرے سمندر کے اندرونی حصے میں اندھیریاں ہوں، جسے موج نے ڈھانک رکھا ہو، اس کے اوپر ایک موج ہو، اس کے اوپر بادل ہو، اندھیریاں بعض بعض کے اوپر ہوں، جب اپنے ہاتھ کو نکالے تو اس کو کچھ نہ دکھائی دے، اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور نہ مقرر فرمائے سو اس کے لئے کوئی نور نہیں ﴿۴۰﴾

معارف ومنازل

سعیدوں کے اعمال کی جزاء اور انوار کے بعد شقیوں کے اعمال کی سزا اور ان کی ظلمتوں کا بیان فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنایا ہے کہ ہر طرح کے نیک اعمال کی اخروی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے، جس کی وجہ سے مؤمن کے ہر چھوٹے بڑے عمل کا ثواب اسے آخرت میں ستر سے سات سو گنا تک ملے گا، جبکہ کافروں کو پہاڑوں برابر نیکیوں کا ذرہ بھر فائدہ نہ ہوگا۔ البتہ ان کی نیکیوں کا بدلہ انہیں مال، صحت اور خوشحالی کی صورت میں اسی دنیا میں ضرور ملے گا۔ اس سلسلے میں آیات بالا میں ان کی محرومی کے متعلق دو مثالیں بیان فرمائیں۔

کافر لوگ دنیا میں بہت خیر والے اعمال انجام دیتے ہیں، مثلاً سڑکیں بناتے ہیں، پل بناتے ہیں، ہسپتال اور مسافر خانہ تعمیر کرتے ہیں، غرباء ومساکین پر خوراک لباس تقسیم کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، جانوروں کو کھلاتے ہیں، کنواں کھودتے ہیں، ان سب میں خیر وبھلائی کی نیت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں موت کے بعد ان اعمال کا فائدہ ہوگا۔ یہاں ان کی اس غلط فہمی کو واضح کرنے کے لئے دو مثالیں ذکر فرمائیں:

پہلی مثال یہ کہ ایک شخص پیاسا ہو، وہ دور سے صحراء میں سراب یعنی چمکتی ریت کو دیکھے، اور وہ یہ سمجھے کہ یہ پانی ہے (سخت گرمی میں دوپہر کے وقت جنگلوں کے چٹیل میدانوں میں گرمی کی شعاعیں پانی معلوم ہوتی ہیں) اب وہ

جلدی جلدی اپنے خیال میں پانی کی طرف چلتا ہے، وہاں پہنچتا ہے تو اسے کوئی پانی دستیاب نہیں ہوتا، وہاں گرم ریت کے سوا کچھ بھی نہیں پاتا، اوراس کا یہ سارا خیال لا حاصل اور بے فائدہ نکلا، یا یوں کہو کہ اس کا خیال جھوٹ اور دھوکہ ثابت ہوا۔ اسی طرح کافر جب میدان محشر میں وارد ہوں گے تو دنیا میں ان کے بہت سارے کئے ہوئے اعمال ریت کی طرح ﴿هَبَآءً مَّنثُورًا﴾[الفرقان: ۲۳] (بکھرا ہوا گرد و غبار) ہوکر جھوٹے ثابت ہوں گے، کیونکہ اعمال صالحہ کے اُخروی ثواب کے لئے ایمان شرط ہے۔

اسی کے متعلق ارشاد ہے: ﴿وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا۟ مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَـٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا﴾[الفرقان: ۲۳] (اور انہوں نے جو عمل کیے ہیں ہم ان کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار بنا دیں گے)۔ اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے بکھرے ہوئے پراگندہ غبار۔

اسی طرح سورۂ ابراہیم میں فرمایا: ﴿مَّثَلُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِرَبِّهِمْ ۖ أَعْمَـٰلُهُمْ كَرَمَادٍ ٱشْتَدَّتْ بِهِ ٱلرِّيحُ فِى يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَّا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا۟ عَلَىٰ شَىْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلضَّلَـٰلُ ٱلْبَعِيدُ﴾[ابراهيم: ۱۸] فرمایا: کافروں نے بارادۂ ثواب جتنے اعمال خیر انجام دیئے وہ محشر میں اسی طرح اڑ جائیں گے جس طرح تیز آندھی کے وقت جب زوردار ہوا چلے تو راکھ کے ذرّات اڑ جاتے ہیں اور راکھ کا پورا ڈھیر ایسا اڑ کر ختم ہوگا جہاں ایک ذرّہ بھی باقی نہیں رہے گا، یہی حال کفار کے اعمال کا ہوگا، حالانکہ یہ موقع ایسا ہے جہاں نیک عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی، اور قدر و قیمت بھی۔

اللہ اکبر! یہ کیسی حسرت کا وقت ہوگا کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھے تھے وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح بے حقیقت ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ ریا کار مؤمن کے اعمال صالحہ مثلاً علم، سخاوت، شہادت اور دیگر طاعات کا بھی یہی حال ہوگا کہ یہ اعمال ضائع ہو جائیں گے، اور الٹا گلے میں پڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ مسلمانوں کو اخلاص کے ساتھ عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، اور ریاء و دکھاوے سے محفوظ رکھے۔ آمین

عبداللہ بن جدعان مکے کے سرداروں میں سے بڑا مالدار اور بہت بڑا سخی تھا، رات دن مسافروں کو بے تحاشا کھانا کھلاتا تھا، اور عام غرباء و مساکین کے ساتھ احسان کرتا تھا، ایک ایک مجلس میں سو سو اونٹ بخشتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اس کو ان اعمال خیر کا آخرت میں کچھ فائدہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، وجہ یہ ہے کہ: "لَمْ يَقُلْ يَوْمًا رَبِّ اغْفِرْلِي خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ"۔ [مسلم] اس

نے زندگی بھر ایک دن بھی یوں نہیں کہا کہ اے پروردگار تعالیٰ! میرے گناہ معاف کر دے، یہ شخص کافر اور قیامت کا منکر تھا۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً﴾ وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، ان کے اعمال چٹیل بیابان میں سراب کی مانند ہیں۔ سراب وہ چمکتی ہوئی ریت ہے جو جنگلی بیابان میں سورج کی تپش کی وجہ سے پانی کی طرح معلوم ہوتا ہے، پیاسا آدمی اسے دور سے دیکھ کر پانی سمجھتا ہے، اور اس کی طرف چلتا ہے، حالانکہ وہ بے حقیقت اور خیالی چیز ہے۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا﴾ یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہاں کوئی چیز نہیں پاتا، بلکہ وہ محض دھوکہ ہے پانی کی شکل میں۔ صحیحین میں روایت ہے کہ قیامت کے دن یہودیوں سے سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ خدا کے بیٹے عزیر علیہ السلام کی، ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو، خدا کا کوئی بیٹا نہیں، اب بتلاؤ کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے مولا! ہم سخت پیاسے ہیں ہمیں پانی پلایا جائے، وہاں جہنم کی آگ انہیں سراب کی طرح نظر آئے گی، پس فرشتے ان کے کہیں گے: جاؤ وہ پانی جو نظر آتا ہے اس سے پیو، جب وہ وہاں پہنچیں گے تو پانی کچھ نہیں ہوگا، انہیں جہنم میں ڈالیں گے۔ یہی حال نصاریٰ کا بھی ہوگا، فرق اتنا ہے کہ وہ عزیر علیہ السلام کی بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیں گے، اور دیگر کفار کا بھی یہی حال ہوگا، وہ اپنے اپنے معبودانِ باطلہ کا نام لیں گے، پھر سب جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

﴿وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ﴾ پس وہ اپنے سامنے اللہ تعالیٰ کو پاتا ہے۔ ﴿فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ﴾ جو اس کا حساب پورا پورا دیتا ہے یعنی اس کے کفر وسرکشی کا بدلہ جہنم اور اس کا عذاب اس کا مقدر ہوگا۔ فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ اب کافروں کی دوسری مثال فرمائی: ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ﴾ یوں سمجھو جیسے بہت سی اندھیریاں بڑے گہرے سمندر کے اندرونی حصے میں ہوں، اور اس سمندر کو ایک بڑی موج نے ڈھانک لیا ہو، پھر اس موج کے اوپر دوسری موج ہو، پھر اس کے اوپر بادل ہو، نیچے اوپر اندھیریاں ہی اندھیریاں ہیں، اگر کوئی شخص دریا کی تہہ میں ہو جہاں مذکورہ اندھیروں پر اندھیریاں ہوں، اور وہ شخص اپنا ہاتھ نکال کر دیکھنا چاہے تو وہاں اس کے اپنے ہاتھ دیکھنے کا ذرا بھی احتمال نہیں۔ اسی طرح کافر بھی گھٹاٹوپ، گھپ اندھیریوں میں ہیں، وہ اپنے طور پر سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے اچھے اعمال کا قیامت کے

دن اچھا نتیجہ سامنے آئے گا، حالانکہ اس کا کچھ بھی اچھا نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔

﴿لُّجِّيٍّ﴾ میں یاءِ نسبت کے لئے ہے، معنی ہیں: بڑا پانی، گہرا پانی۔ فرمایا: ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ﴾ جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے ہوں۔ ﴿يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ﴾ جس کو ڈھانپ رہی ہو موج کے اوپر موج۔

﴿مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ﴾ پھر اوپر سے بادل بھی ہو۔ ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ کہ بہت سے اندھیرے ہیں، بعض کے اوپر بعض اوپر نیچے اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔

﴿اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا﴾ کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے۔ (۱) گہرے سمند کی تاریکی۔ (۲) پھر پانی کی موجوں کی تاریکی۔ (۳) اس کے اوپر بادلوں کی تاریکی، پھر اگر رات بھی ہو تو تاریکی در تاریکی۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی تاریکیوں کے ساتھ دی ہے، کافر کا قول بھی تاریک، فعل و عمل بھی تاریک، قلب و دماغ بھی تاریک، اس کی موت کی تاریکی، پھر قبر و برزخ بھی تاریک، پھر ابدی جہنم اور درکات جہنم کی تاریکی۔ یہ ہے کفر کی تاریکیاں، اس سے پہلے اہل ایمان کے انوار روشنیوں کا بیان ہوا تھا۔ آخر میں فرمایا:

﴿نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ﴾ جن کی ہر ادا، کردار، گفتار و اعمال، قلب و دماغ، عقیدہ، موت، برزخ، جنت کی ابدی راحت اور سب سے بڑا عظیم نور حق تعالیٰ کا دیدار۔ اللھم اجعلنا من أصحاب الجنة و الأنوار الربانيه۔ آمین

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ جس کے لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا تو اسے کہیں سے بھی کوئی نور اور روشنی میسر نہیں آئے گی، وہ ہمیشہ ظلمتوں اور تاریکیوں میں بھٹکتا پھرے گا، اور ہر طرح کے انوار و برکات سے محروم رہے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۴۲ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۗءُ ۭ

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي
الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ
عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں، ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے، اور جن کاموں کو لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ انہیں جانتا ہے ﴿۴۱﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۴۲﴾ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادل کو چلاتا ہے، پھر بادلوں کو باہم ملا دیتا ہے، پھر اس کو تہہ بہ تہہ بنا دیتا ہے، پھر اے مخاطب! تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے نکل رہی ہے، اور بادل سے یعنی بادل کے بڑے بڑے ٹکڑوں میں سے جو پہاڑ کی طرح ہیں اولے برساتا ہے، پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی روشنی آنکھوں کو ختم کردے ﴿۴۳﴾ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا ہے، اس میں ضرور عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے ﴿۴۴﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا فرمایا، پھر ان میں بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۴۵﴾

معارف ومنازل

اس وسیع وعریض کائنات اور اس میں موجود بے شمار مخلوقات اور ان کے حقائق وصفات اور خواص کا انسان تو کیا فرشتے بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ ابتداء آفرینش سے آج تک لاکھوں محققین، مفکرین، دانشور، فلاسفر، حقائق اشیاء سے بحث کرنے والے، ریسرچ وتحقیقات کرنے والے تھک چکے ہیں، ہوش وحواس بھی کھو چکے ہیں، بالآخر ہتھیار پھینکنے والے باغیوں کی طرح قلم توڑ کر میدان سے ہٹ چکے ہیں، عمر وزندگی کھپائی مگر عجائبات قدرت تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ پھر لطف یہ کہ ایک محقق نے کسی چیز پر پچاس سال صرف کر کے کچھ لکھا، اور دوسرے نے اس پر پانی پھیر دیا اور اس کی ساری پونجی کو غلط ثابت کر دیا۔

یہ رنگیلی کائنات اٹھارہ ہزار، یا چالیس ہزار، یا ستر ہزار مخلوقات کے مختلف رنگوں سے بھری ہوئی جو

خوبصورت اور حسین ہے علاوہ جسے اس کے خالق و مالک نے مختلف اور متضاد رنگوں میں تخلیق فرمایا ہے، اس کے حقائق و خواص تک تا قیامت رسائی اور احاطہ طوقِ بشر سے باہر ہے۔ قرآن حکیم ہی اگر اس عروس عالم کے مخفی حسن و جمال سے پردہ اٹھا کر اس کی بعض صفات کو آشکارا کرے تو حق بجانب ہے، کیونکہ وحی الٰہی کے سامنے تمام کائنات شیشے کی طرح ظاہر و اشکارا ہے۔

یہ پانچ آیات کریمہ اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں، اگر کوئی عالم ماہر قرآن ان آیات کریمہ کی تشریح کرنا چاہے اور ان میں مخفی کمالات و مقاصد پر حدیث و سنت کی روشنی میں کلام کرنا چاہے تو شاید ہزاروں صفحات پر اس کی تحقیق مشتمل ہونے کے باوجود پھر بھی حق ادا نہ ہو۔ قرآن کریم نے اپنے طرز بیان کے مطابق یہاں بارہ (۱۲) چیزوں کا اشارۃً تذکرہ فرمایا، وہ یہ ہیں:

(۱) کائنات کا ہر ذرہ اپنے خالق و مالک جل شانہ کا ثناء خواں ہے۔ (۲) زمین پر چلنے والے رینگنے والے ہوں یا فضاء میں اُڑنے والے یا تیرنے والے ہوں، تکوینی طور پر سب تسبیح پڑھنے والے ہیں، اور جاننے والے بھی ہیں۔ (۳) تمام کائنات کا خالق و مالک اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (۴) آسمان و زمین کی درمیانی فضاؤں پر ہر رنگ و ہر کیفیت کے بادلوں کو پیدا کرنا، پھر انہیں جما کر اکٹھا کرنا، پھر ان سے ہر طرح کی بارش، برف، اولے برسانا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ (۵) دن رات کا اور موسموں کی تبدیلی کا نظام صرف اسی پاک ذات کا کارنامہ ہے۔ (۶) اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمام جانوروں کی تخلیق پانی سے فرمائی ہے۔ (۷) گرج و چمک اور بجلی کی روشنی اس کے کمالات اور انوار کی روشنی کے نمونے ہیں۔ (۸) اس نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت مختلف مخلوقات پیدا فرمائیں۔ (۹) کچھ وہ ہیں جو پیٹ پر چلتے ہیں (۱۰) کچھ وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں۔ (۱۱) کچھ وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ پھر اگر زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو دو پاؤں والوں سے لے کر ایک سو پاؤں تک چلنے پھرنے رینگنے والوں کی کوئی کمی نہیں۔ (۱۲) ارشاد ہے کہ وہ ذات پاک ہر قسم کی تخلیق پر قادر ہے، اس نے ان تمام مخلوقات کو مختلف حقائق و صفات اور متفرق خواص کے ساتھ اس حکمت کے تحت پیدا فرمایا تا کہ اس کی معرفت آسان ہو۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ کیا تو نے اس بات کی طرف نہیں دیکھا کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

﴿وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ﴾ اور اڑنے والے پرندے، پر کھولے ہوئے بھی اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں، آسمانوں کے فرشتے جو بہت بڑی نورانی مقدس مخلوق ہیں ان کا ایک لمحہ بھی تسبیح وتحمید سے خالی نہیں، اور زمین میں جن وانس، جانور، چرند پرند، کیڑے مکوڑے، پہاڑ، درخت، نباتات، جڑی بوٹیاں، دریا، سمندر اور سمندری مخلوقات سب اپنے خالق ومالک عزّ شانہ کی تسبیح وذکر کرتے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ﴾ [الرحمن:۶] (اور بیلیں اور درخت سب اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں)۔

﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ کی یہ سب کے سب اپنی نماز اور تسبیح کو جانتے ہیں، اور ان سب کو اور ہر نوع کو تکوینی طور پر اپنی عبادت کا طریقہ معلوم ہے، جس طرح انسان اپنے کھانے پینے پہننے رہنے سہنے سے باخبر ہے، اسی طرح یہ تمام مخلوقات اپنی عبادت کے طریقوں سے باخبر ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے اسی کو نقل فرمایا اور کہا: ع

کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں، تسبیح وتحمید ہو یا دیگر عبادات کے طریقے ہوں، اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا ہوا ہے، جس پر وہ کاربند ہیں، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو پہاڑ، درخت اور تمام حیوانات، چرند، پرند، ان کی آواز پر ذکر وتسبیح پڑھتے تھے۔

اگر آج بھی کوئی صاحب کرامت جنگل میں ذکر شروع کرے تو کوئی بعید نہیں کہ تمام جنگلی جانور اور درخت اور پہاڑ ساتھ نہ دیں۔ آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ بڑے جانوروں سے لے کر کیڑے مکوڑے، مکھی اور مکڑی اور چیونٹیوں تک رات دن غذائی اشیاء کھانے کی تمام چیزیں تلاش کرتی ہیں، تو اسی احساس اور سوچ کے ساتھ وہ تسبیح کے مواقع بھی تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ذکر بھی کرتے ہیں، اور باقاعدہ ان کے فرائض میں یہ داخل ہے۔ یہ چھوٹے جانور کیڑے مکوڑے اتنے ہوشیار اور باشعور ہیں ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے پر بڑے بڑے اسکالر اور ماہر حیوانات حیران ہو جاتے ہیں، اس سلسلے میں حیاۃ الحیوان نامی کتاب کا مطالعہ بے حد مفید ہے اور عجائب المخلوقات کا بھی۔

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ حقیقت میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اور کائنات کے ہر ہر ذرہ کی تسبیح وتحمید اسی کی وحدانیت اور سلطنت کی دلیل ہے، پس یہ ساری مخلوقات غیر مکلف ہوتے ہوئے جب ذکر وتسبیح میں ہمہ وقت مشغول ہیں، حالانکہ وہ قیامت کے حساب وکتاب سے مستثنیٰ ہیں، تو مکلف انسان کو چاہئے کہ اپنے حساب وکتاب کی فکر کرے، کیونکہ:

﴿وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ اسے اپنے ربّ کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اور لمحہ لمحہ کا حساب بھی دینا ہے، اور اپنی پوری زندگی اور تمام اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ﴾ کیا تم نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ شانہ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر ان کو اکٹھا کرتا ہے، ﴿ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا﴾ پھر بنادیتا ہے اسے تہہ بہ تہہ، تودوں کی شکل میں۔

﴿فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ پس تو دیکھتا ہے اس کے درمیان سے بارش نکلتی ہے، یہ اس کی قدرت کاملہ کا ایک نمایاں کرشمہ ہے، جسے ہر شخص دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہے۔ ﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ﴾ اور بادل کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے جو پہاڑ کی طرح ہیں اولے برساتا ہے، پھر ان اولوں کے ذریعے:

﴿فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ﴾ پس وہ پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ جس کو چاہے، اور جس سے چاہے اولوں کو پھیر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو اور جن جن کے گھروں، شہروں، باغات اور فصلوں کو ان کے مالکوں کے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ کرنا چاہتا ہے تو تباہ کرتا ہے، اور نقصان پہنچاتا ہے، اور جن لوگوں کے باغات، فصل، شہروں، گھروں کو تباہ نہیں کرنا چاہتا ہے تو ان لوگوں کو اولوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

بہرحال! جن کو بچانا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچ جائیں گے، اور جن کو تباہ کرنا ہو تو حکم الٰہی سے تباہ ہو جائیں گے۔ تو اولے ہوں یا زلزلے، طوفانی بارشیں ہوں یا رحمت کی، سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں، وہی "اَلضَّار" بھی ہے، اور "اَلنَّافِعْ" بھی ہے۔

﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ قریب ہے کہ بجلی کی چمک آنکھوں کو لے جائے اور ناکارہ کردے۔ ظاہر ہے کہ بادل جب آتے ہیں اور اولے بارش برساتے ہیں، اور ژالہ باری کے ساتھ وقفے وقفے پر بجلی بھی چمکتی ہے، اور بادل گرجتے ہیں، بعض اوقات یہ بجلی مکانوں پر، یا رکھے ہوئے لوہے پر، یا گھروں کی چادر کی چھتوں پر، کبھی پہاڑوں پر گرتی ہے، تو تباہی مچاتی ہے، اور کبھی بالمقابل سامنے گرتی ہے تو لوگوں کی آنکھیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کے مناظر اور نشانات ہیں۔

﴿يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ جو رات اور دن کو پلٹ دیتا ہے، تبدیل کرتا ہے، رات گئی دن آیا، دن گیا رات آئی، کبھی یہ بڑی وہ چھوٹا، کبھی یہ چھوٹی وہ بڑا، اسی طرح دن رات کی تبدیلی سے موسموں کی تبدیلی اور سردی گرمی کا نظام اسی سے زمین کی پیداوار، پھل، میوے، اناج، سبزی ترکاری، وغیرہ بے شمار قسم کی روزی اور کھانے پینے کے

عجیب وغریب مربوط نظام اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کے کرشمے ہیں، اور اس کی حکمت بالغہ کے نمایاں مظاہر ہیں، اور اُلوہیت وتوحید پر واضح دلائل بھی ہیں۔ اگر ان چیزوں پر غور وفکر کی توفیق میسر ہو تو آدمی بغیر تعلیم اور بغیر کسی تبلیغ وعظ کے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید پر بآسانی رسائی حاصل کرسکتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں اشاد ہے: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾[آل عمران:۱۹۰] (آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، اور دن رات کے اختلاف اور تبدیلی میں عقلمندوں کے لئے سامان عبرت اور قدرت الٰہی کے واضح دلائل ہیں)۔

اگر کوئی غور کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور توحید کو بآسانی سمجھ جائے گا، صرف یہ نہیں کائنات کی ہر چیز بآنگ دہل اعلان کررہی ہے کہ میرا خالق ومالک صرف وہ واحد لاشریک ذات ہے جس نے مجھے ایک مخصوص کیفیت وانداز پر پیدا فرمایا ہے۔ توت کے پتے کو اگر کوئی جانور کھائے تو گوبر پیدا ہوگا، اگر اسے کیڑوں نے کھایا تو ریشم خالص پیدا ہوگا، یہ کس کی صناعی اور کاریگری ہے؟ یقیناً رب العٰلمین جل شانہ کی۔ ﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [الذاریات:۲۱] (اور تمہاری اپنی جانوں میں، کیا تم دیکھتے نہیں؟)۔

کھربوں انسانوں کی پیدائش ایک ہی مادہ منویہ سے ہے، جس سے ایسی ایک سوبیس مختلف چیزوں کی پیدائش کون کرتا ہے جو سب کی سب انسانی بدن میں موجود ہیں، مثلاً رگیں، ہڈیاں، مغز، گوشت، پوست، خون، بال، چاندی، سونا، لوہا، شکر، پانی، نمک، گندھک، فاسفورس، پیتل، المونیم۔ سائنسدانوں نے تحقیق کی ہے کہ ایک سوبیس مختلف چیزیں انسانی بدن میں موجود ہیں۔ پھر کھربوں انسانوں کی شکل وصورت اس انداز سے بنائی ہے کہ پوری انسانیت میں دو آدمیوں کی شکل وصورت ایک نہیں، اسی طرح انگلیوں کے پورے اور لکیریں بھی مختلف ہیں، اور آنکھوں کا بھی یہی حال ہے۔ یہ ہے حضرت حق سبحانہ کی قدرت اور کاریگری کی ایک ادنیٰ جھلک۔ "فَسُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهٖ وَدَبَّرَ الْاَشْیَاءَ بِحِكْمَتِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ"۔ پھر اسی کو فرمایا:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ ان تمام مشاہدات میں عبرت کا مقام ہے، مگر ان لوگوں کے لئے جو آنکھیں رکھتے ہیں، جن کے پاس سوچنے والا دل اور سننے والا کان اور دیکھنے والی آنکھیں ہیں، یہ لوگ اولوالالباب کہلاتے ہیں، جو ان تمام چیزوں کے خالق ومالک صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کو مانتے ہیں۔ آگے وحدانیت کی ایک اور دلیل جو کہ بدیہی بھی ہے اور ظاہر بھی، فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کو یعنی انسان جانور، چرند پرند، اور کیڑے مکوڑے، یہ سب دابہ کہلاتے ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے رینگتے ہیں۔ فرمایا: ان سب کی پیدائش پانی سے ہے، گویا سارے جانداروں کا منبع حیات پانی ہے۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [الأنبياء: ۳۰] (ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی)۔ اس مقام پر مفسرین نے یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی، اور جنات وشیاطین کی آگ سے تخلیق ہوئی ہے، اور فرشتوں کی تخلیق نور سے، اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی تخلیق پتھر سے ہوئی، تو کیسے کہا جا رہا ہے کہ ہر چیز کی تخلیق پانی سے ہے؟

مفسرین کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس سے نسل انسانی کی تخلیق جس کا بار بار قرآن مجید میں ذکر چلا آ رہا ہے کہ انسانی تخلیق مٹی اور پانی سے ہے جیسے ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِيْنٍ﴾ [السجدة: ۷] (انسان کو مٹی پیدا فرمایا)۔ ظاہر ہے کہ طین کیچڑ میں پانی کا اختلاط موجود ہے، نہ کہ خشک مٹی سے۔ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی کو پیدا فرمایا، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے: "كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ فَخَلَقَ الْخَلْقَ"۔ یعنی عرش اور پانی کے درمیان کچھ بھی حائل نہیں تھا، پھر آپ جل جلالہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق فرمائی۔ یعنی پانی میں سے بعض کو آگ بنا دیا جس سے جنات پیدا فرمائے، اور بعض کو مٹی بنا دیا، اس سے انسان کو پیدا فرمایا، اور بعض کو حصہ نور بنا دیا جس سے فرشتے پیدا فرمائے۔ اور جتنی مخلوق وجود میں آئی، ان کے وجود میں کسی نہ کسی طرح پانی کے جوہر کا وجود ہے، پس کسی چیز میں بالواسطہ کسی میں بلا واسطہ پانی کا تعلق رہا۔ [روح، معالم]

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ﴾ ان میں بعض جانور ایسے ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے پھرتے، رینگتے ہیں، جیسے سانپ، مچھلی اور بہت سے کیڑے مکوڑے بھی۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ﴾ اور ان میں سے بعض جاندار ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، جیسے انسان، مرغ، بطخ وغیرہ۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى أَرْبَعٍ﴾ اور ان میں بعض جانور وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں، جیسے اونٹ، گھوڑے، بیل، بکری وغیرہ۔ ﴿يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ خالق کل قادر مطلق جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۶ وَيَقُوْلُوْنَ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۸
وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۴۹ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ
اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰

ترجمہ: واقعی بات یہ ہے کہ ہم نے ایسی آیات نازل کی ہیں جو بیان کرنے والی ہیں، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے ۝۴۶ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور رسول پر ایمان لائے، اور ہم فرمانبردار ہیں، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق روگردانی کر لیتا ہے، اور یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں ۝۴۷ اور جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو ان میں ایک فریق اس وقت پہلو تہی کر لیتا ہے ۝۴۸ اور اگر ان کا کوئی حق ہو تو اس کی طرف فرمانبردار بنے ہوئے چلے آتے ہیں ۝۴۹ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے؟ یا انہیں شک ہے؟ یا انہیں اس بات کا خوف ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ظلم کریں گے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہی لوگ ظالم ہیں ۝۵۰

معارف ومنازل

یہاں آیت کریمہ (۴۶) میں ایک عام حکم ہے کہ ہم نے تمہاری ہدایت اور راہنمائی کے لئے کھلی اور واضح آیات اور نشانیاں نازل کی ہیں، جو حق اور حقیقت کی حقانیت اور باطل وکفر کی مضرتوں کو بیان کرتی ہیں۔ جو شخص ان واضح آیات کے باوجود عقل وفہم سے کام نہیں لیتا یا ہٹ دھرمی اور عناد پر ڈٹا رہتا ہے، وہ دلائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور گمراہی میں پڑا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر ہدایت دے دیتا ہے۔

اس کے بعد چار آیتوں میں منافقین کے خداع، خیانت اور ان کی دورخی اور مکروفریب کا بیان، اور ان کی مذمت ہے۔ آیت (۵۰) تک، پھر آیت (۵۱ و ۵۲) میں مؤمنین صادقین اور ان کی تسلیم وطاعت کا بیان ہے۔ اس کے بعد آیت (۵۳ و ۵۴) میں پھر دوبارہ منافقین کی خیانت وسرکشی کا بیان ہے۔ تو پہلی چار آیات میں منافقین کی خیانت وخداع کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا﴾ یہ منافق لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں، اور اطاعت اختیار کی ہے، حالانکہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔ سورۂ بقرہ کے شروع میں یہی مضمون گزرا۔

﴿وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ وہ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں ان کا عمل اس کے خلاف ہے، کیونکہ:

﴿ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ کہ اس دعویٰ کے بعد ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے، ظاہراً جو کچھ کہتے ہیں یعنی ایمان باللہ، بالرسول اور اطاعت ان تینوں دعوؤں کے باوجود ہدایت پر نہیں گمراہی پر جمے رہتے ہیں، کیونکہ وہ روگردانی کر رہے ہیں، اور ان کے قول و فعل میں تضاد ہے جو کہ ان کے کفر کی نشانی ہے۔ مزید ان کے کفر کا ثبوت یہ ہے:

﴿وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ جب ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے تو ان میں سے ایک گروہ اعراض کرنے والا ہوتا ہے، کیونکہ ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے ہر معاملے کا فیصلہ ان کی مرضی کے مطابق ہو۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بارگاہ رسالت میں ہر فیصلہ صحیح عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کے حکموں کے مطابق ہوگا، لہٰذا جب وہ کسی معاملہ میں اپنا موقف کمزور پاتے تو دربار رسالت میں جانے سے اعراض کرتے۔ ہاں! اگر وہ کبھی سمجھتے کہ کسی معاملہ میں ہمارا موقف مضبوط ہے تو بے ساختہ دوڑ لگاتے۔ اسی کو فرمایا:

﴿وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ﴾ اگر ان کو یقین ہو کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا تو آپ ﷺ کی طرف دوڑ لگاتے ہوئے آتے ہیں۔ اذعان کے معنی یقین کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ حق پرستی سے بہت دور ہیں، یہ صرف مفاد پرست اور خود غرض ہیں، یہ تھا زمانہ رسالت کے منافقوں کا حال۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے آج ہمارے زمانے کے نام نہاد مسلمانوں کا حال اس سے مختلف نہیں، آج مدعی، مدعی علیہ میں سے اگر کسی کو یقین ہو کہ شرعی فیصلہ میرے حق میں ہوگا تو زور لگاتا ہے کہ مفتی، قاضی، مولانا کے پاس جائیں گے، جب دوسرے فریق کو معلوم ہوتا ہے کہ شرعی فیصلہ میرے خلاف ہوگا تو مفتی کے پاس جانے سے اعراض کرتا ہے، اور زور لگاتا ہے کہ انگریزوں کی عدالت میں جانا ہے، روز روز یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ تفصیل سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آتا ہے کہ: ’’مَنْ دُعِیَ اِلٰی حَاکِمٍ فَلَمْ یُجِبْ فَھُوَ ظَالِمٌ‘‘۔ جس شخص کو کسی تنازعہ کے فیصلہ کے لئے مسلمان حاکم کے پاس بلایا جائے اور وہ وہاں آنے کے لئے تیار نہ ہو تو ایسا شخص ظالم ہے۔

قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ نفع ہو یا نقصان، ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر راضی ہوجاؤ، اور اس کی محبت واطاعت پر سب کچھ قربان کرلو، اور دل وجان سے ان کا حکم قبول کرو۔ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ [الأحزاب:۳۶] (اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کردیں تو نہ کسی مؤمن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے نہ کسی مؤمن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے)۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کردیں تو پھر کسی مؤمن مرد یا مؤمن عورت کو اس میں چون وچرا کا کوئی حق نہیں ہے، اسے فوراً تسلیم کرنا تم پر فرض ہے۔ اگر کسی طرح اس میں تمہارا نقصان ہوگا تو کوئی بات نہیں، اس میں تمہارے دین وایمان اور آخرت کے ہزاروں فوائد پوشیدہ ہیں۔ آگے پھر اللہ تعالیٰ نے خود غرض، مفاد پرست، منافق صفت لوگوں کا تجزیہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں پر کیوں راضی نہیں ہوتے؟ اس ضمن تین وجوہات کا ذکر فرمایا، وہ ہیں:

﴿اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ کیا ان کے دلوں میں نفاق اور بے دینی کی بیماری ہے؟ جس نے ان کے دلوں کو قبول حق سے روک رکھا ہے۔

﴿اَمِ ارْتَابُوْٓا﴾ یا انہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں شک وتردّد ہے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت، قرآن کے احکام اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں میں شک کرتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے:

﴿اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ یا ان کو اس بات کا خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر کوئی ظلم وزیادتی (حق تلفی) کریں گے؟ (العیاذ باللہ) انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [النساء:۴۰] (بیشک اللہ ذرا برابر ظلم نہیں کرتا)۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی زیادتی سے پاک اور بری ہیں۔ ہاں! البتہ یہ لوگ خود ظالم اور کافر ہیں جو اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں، تو فرمایا:

﴿بَلۡ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾ بلکہ یہی لوگ ظالم ہیں، یہاں تین قسم کے لوگوں کو ظالم کا لقب دیا گیا:
(۱) جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے۔ (۲) جو خدا اور رسول ﷺ اور حکم الٰہی میں شک کرتے ہیں۔ (۳) جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی طرف کسی زیادتی کا گمان کرتے ہیں۔ منافقین کے برعکس آنے والی دو آیتوں میں مؤمنین صادقین کا بیان ہے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَخۡشَ اللّٰہَ وَیَتَّقۡہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: جب مؤمنین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو ان کا کہنا یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں ﴿۵۱﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے، سو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں ﴿۵۲﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں منافقین مخادعین کا بیان تھا، اب مؤمنین مخلصین کا بیان ہے، جن کے دل اور زبان دونوں پاکیزہ ہیں، اور اطاعت وتقویٰ ان کا شعار ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّمَا کَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا﴾ مؤمنین کا قول بس یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی مقدمہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے ﴿لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ﴾ تاکہ رسول ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کردے تو ان کا قول یہی ہوتا ہے کہ ہم نے بغیر چون وچرا دل وجان سے آپ ﷺ کا ارشاد سنا، اور بغیر کسی حیلہ وحجت بسروچشم آپ ﷺ کی اطاعت منظور کی۔

تو سننے کے ساتھ بلاتوقف کسی حکم کو ماننا، اور یہ خیال نہ کرنا کہ اس میں میرا نقصان بھی شاید ہو، یہ مضبوط ایمان کی علامت اور تقویٰ کی نشانی ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ سچی محبت کا یہی مقام ومرتبہ ہے، اور حق وصداقت پر قربانی دینے کا یہی پیغام ہے۔

﴿وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ اور ایسے لوگ ہی آخرت میں فلاح پانے والے ہیں، جنہوں نے اپنی

خواہشات کو نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تابع کر دیا، اور دنیوی نفع ونقصان سے مستغنی ہو گئے۔اب اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ کے طور پر ابدی فوز وفلاح کے لئے چار شرائط کا بیان ہے، جو کہ ایک آیت میں بطرز جوامع الکلم دریا کو کوزے میں بند کرنے کی مثال ہے۔فرمایا:

﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ﴾ جو کوئی بصد خوشی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرتا رہے، اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے:

﴿فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ﴾ تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں، اس کامیابی کا مدار ان چار چیزوں پر ہے۔دراصل شریعت کے تمام احکام خواہ کسی بھی موضوع سے متعلق ہوں سب کے سب ان چار چیزوں میں داخل ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ﴾ تمام شرعی مسائل اطاعت الٰہی کے تابع ہیں۔

(۲)﴿وَرَسُوۡلَهٗ﴾ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت شریعت کی روح ہے۔

(۳)﴿وَيَخۡشَ اللّٰهَ﴾ خشیت الٰہی تمام امور شرعیہ کی جان ہے۔

(۴)﴿وَيَتَّقۡهِ﴾ حقیقی تقویٰ روح اسلامی کا منبع ومرکز ہے۔

اب آئندہ دو آیتوں میں پھر دوبارہ منافقین کے مکر وخیانت کا بیان ہے۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ اَمَرۡتَهُمۡ لَيَخۡرُجُنَّ ؕ قُلۡ لَّا تُقۡسِمُوۡا ۚ طَاعَةٌ مَّعۡرُوۡفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۵۳ قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۝۵۴

ترجمہ: اور انہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ قسم کھائی کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور نکل جائیں گے، آپ فرما دیجئے کہ قسم نہ کھاؤ، فرمانبرداری پہچانی ہوئی ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۝۵۳ آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی، سو اگر تم روگردانی کرو گے تو رسول کے ذمہ ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا، اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا، اور اگر تم نے ان کی فرمانبرداری کی تو

ہدایت پانے والے بن جاؤ گے، اور رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے ﴿۵۴﴾

معارف ومنازل

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ﴾ اور ان منافقین نے اپنی پوری کوشش سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں کہ وہ تو ایسے فرمانبردار ہیں کہ: ﴿لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ﴾ کہ البتہ اگر آپ ان کو ان کے گھروں سے نکلنے کا حکم دیں تو وہ بلا حیلہ و توقف اسی وقت اپنا مال ومتاع اور ہر قسم کا سامان چھوڑ کر گھروں سے نکل جائیں گے۔ منافقین اپنی وفاداری جتلانے کے لئے سرور عالم ﷺ سے کہتے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سب گھر بار چھوڑ کر نکلنے کے لئے اور آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں، بس آپ کے اشارے کی دیر ہے، ہم آپ کے ساتھ جانے پر بڑے خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ﴾ آپ فرما دیجئے اور ان منافقین سے کہہ دیجئے: بس تم قسمیں مت کھاؤ، دستور کے مطابق فرمانبرداری کرو، یہی تم سے مطلوب ہے، زبانی اطاعت سے کام نہیں چلتا۔ یا یہ معنی ہیں کہ ہمیں تمہاری اطاعت کا حال خوب معلوم ہے کہ تم مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ [التوبة: ۹۶] (تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے خوش رہو)۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ خبردار ہے اس چیز سے جو تم کرتے ہو، اسے تمہاری ہر چیز کا علم ہے، اور تمہاری جھوٹی قسموں کا بھی خوب علم ہے۔ اس لئے فرمایا کہ جھوٹی قسمیں مت کھاؤ، بلکہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ﴾ اگر تم اس اطاعت سے روگردانی کرو تو رسول ﷺ کا ذمہ تو صرف اس قدر ہے جس قدر اس پر بوجھ رکھا گیا، یعنی تبلیغ احکام خداوندی، اس کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچا دے، پھر ہدایت دینا اور منزل مقصود تک پہنچانا یہ اس کی ذمہ داری نہیں، اور نہ ہی اس کے اختیار میں ہے۔ اور تمہاری ذمہ داری وہ ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور قبول احکام، دل وجان سے توحید ورسالت، قرآن وآخرت کی حقانیت کا اقرار اور عمل بالارکان، پھر ان احکام کی

تبلیغ۔بس اگر روگردانی کروگے تواس کا وبال تم پر ہوگا۔ہاں!

﴿وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا﴾ اگرتم اطاعت کروگے اور حکم مانو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور ابدی نجات حاصل کروگے، اور شقاوت سے نکل کر ہدایت وسعادت حاصل کروگے۔ ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ﴾ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ توصرف کھول کر پہنچادینا ہے، باقی سارے کام تمہارے ذمے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ
الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ
اَمۡنًا ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡـًٔـا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ
اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵٦﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۚ وَمَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: اور تم میں سے جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں ضرور ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے، اور اس نے ان کے لئے جس دین کو پسند فرمایا ہے اسے ان کے لئے قوت دے گا، ان کے خوف کے بعد ضرور ضرور امن سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کرتے ہیں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھراتے، اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو یہی لوگ نافرماں ہیں ﴿۵۵﴾ اور نماز کو قائم کرو، اور زکواۃ ادا کرو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۵٦﴾ اے مخاطب! ان کے بارے میں ہرگز یہ خیال نہ کر کہ روئے زمین میں یہ لوگ عاجز کرنے والے ہیں، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور البتہ وہ بری جگہ ہے ﴿۵۷﴾

معارف ومنازل

ان آیات کے شان نزول کے متعلق مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ امام قرطبیؒ اور امام بغویؒ نے حضرت ابوالعالیہؒ تابعی سے نقل کیا ہے کہ سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی اور اعلان نبوت کے بعد مکی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مسلسل خوف وپریشانی میں رہے، کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی اذیتوں

میں مبتلا و پریشان رکھا، پھر ہجرت مدینہ کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا تو یہاں بھی دشمنوں نے متواتر اپنے حملوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشان کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان کے حملوں سے خطرہ محسوس کرتے رہے، خاص کر جنگ اُحد اور غزوۂ خندق کا موقع آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت اور تکلیف کا باعث بنا، ان حالات میں کسی صحابی نے یا بہت سے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! کبھی ہم پر ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر امن وسکون کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھ سکیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ [قرطبي، معالم، البحر المحيط]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کا وعدہ ہے جو اس نے امت محمدیہ سے ان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی تورات وانجیل میں فرمایا تھا۔ [بحر محیط]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا کہ: (۱) آپ کی امت کو زمین کے خلفاء اور حکمران بنایا جائے گا۔ (۲) اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کیا جائے گا۔ (۳) اور مسلمانوں کو اتنی قوت وشوکت دی جائے گی کہ ان کو کسی طرح دشمنوں کا کوئی خوف نہ رہے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح اپنا یہ وعدہ پورا فرما دیا کہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں مکہ مکرمہ، خیبر، بحرین اور پورا جزیرۃ العرب اور پورا یمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ذریعہ فتح ہوا، اور ہجر کے مجوسیوں سے اور ملک شام کے بعض اطراف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جزیہ وصول فرمایا، اور شاہ روم ہرقل نے اور شاہ مصر مقوقس نے اور شاہان عمان اور بادشاہ حبشہ نجاشی وغیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایا وتحفے بھیجے، پھر شاہ نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، اس اثنا میں جتنے فتنے پیدا ہو گئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کیا، اور جھوٹے مدعیان نبوت کو جہنم رسید کیا، اور بلاد فارس اور بلاد شام اور مصر کی طرف اسلامی لشکر روانہ کئے، دمشق اور بُصریٰ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوئے، اور کچھ دوسرے علاقے بھی فتح ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا جب وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اپنے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو، انہوں نے نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو ایسا سنبھالا اور چلایا کہ آسمان اور اس میں رہنے والے فرشتوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ایسا نظام

کبھی نہیں دیکھا تھا، اس نظام نے اسلام اور صاحب اسلام ﷺ کے عالمگیر اور بابرکت قوانین الٰہی سے پورے عالم کو روزِ روشن کی طرح منور فرمایا۔ یہاں تک کہ ملت کفر کے شہسوار بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر مزید دس سال اس خلیفہ عادل کی زندگی وفا کرتی اور باقی رہتی تو پورے جہاں میں سے کفر و شرک کا نام و نشان بھی مٹ جاتا۔

ان کے زمانے میں بڑی فتوحات ہوئیں، ایک ہزار شہر فتح ہوئے، پورا ملک شام فتح ہو گیا، اور پورا ملک مصر و اسکندریہ فتح ہوئے، عراق اور ملک فارس کا بیشتر حصہ فتح ہوا، ہزاروں سالوں سے قائم سلطنتیں فارس و روم کے حکمرانوں کا خاتمہ ہو گیا، قیصر و کسریٰ کی قیصری اور کسروی کا خاتمہ ہوا، مسلمانوں نے وہ کارنامے اور عظیم بہادری و جرأت کا مظاہرہ کیا جس کی نظیر و مثال ملنی مشکل ہے۔ اس کے بعد خلافت عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق و مغارب تک وسیع ہوا، پورا فارس، خراسان، کابل اور کاشغر، چین تک فتوحات ہوئیں، اور سرور عالم ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی کہ مجھے زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں، اور میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں تک پہنچ جائے گی جو مجھے دکھائے گئے، اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ وعدہ خلافت عثمانی ہی کے دور میں پورا فرمایا۔

دراصل حق تو یہ ہے کہ مجاہدین کی ان جانبازیوں میں جان ڈالنے والی چیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن اور تلاوت قرآن کی برکت تھی، آپ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید سے کچھ ایسا شغف و عشق تھا جو بیان سے باہر ہے۔ قرآن کے جمع کرنے اور اس کے حفظ کرنے اور اس کی اشاعت کرنے اس کے تحفظ دینے میں جو نمایاں کارنامے خلیفہ ثالث سے نمایاں ہوئے، وہ یقیناً عدیم المثال ہیں۔ [مختصر ابن کثیر]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور عالم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا کام چلتا رہے گا جب تک بارہ خلیفے رہیں گے۔ ابن کثیرؒ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس امت میں سے ہونے کی خبر دے رہی ہے، جس کا وقوع ضروری ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل ہی ہوں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ انہیں میں سے چار خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے ہو چکے ہیں، ان کو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ پھر وقفہ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، ان کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تا قیامت رہیں گے، آخری خلیفہ حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے جو کہ دنیا کو علیٰ منہاج النبوۃ عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی، اس کی مراد خلافت راشدہ ہے، جو بالکل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر قائم رہی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔ روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں، یہ ان کا اپنا اختراع اور منگھڑت عقیدہ ہے، کیونکہ یہ بارہ امام وہ ہیں سوائے دو کے، باقی دس کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان بارہ خلفاء کے لئے ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں، جیسے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور پھر عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اگر چہ خلیفہ راشد تھے، مگر صحابی نہیں تھے، تو لازماً ان کا درجہ خلفاء اربعہ کے برابر نہیں۔ مصر وافریقہ کے کچھ علماء خاص کر علامہ طنطاوی جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے فرمانروا محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی انہی بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے، اور بعضوں نے ناصر الدین شمس الدین التمش کو بھی اسی فہرست میں شمار کیا ہے۔ واللہ اعلم

خلافت وملوکیت کا فرق:

خلافت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، جبکہ ملوکیت وبال جان اور اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے، خلافت میں مکمل اتباع سنت مراد ہے، اور حقیقی مقصد دین کی سربلندی ہے۔ شریعت حاکم بھی ہے اور متبوع بھی، اور دنیا محکوم بھی ہے اور تابع بھی، تو ظاہر ہے کہ یہ رحمت ربانی ہے، جبکہ ملوکیت میں دنیا حاکم ہے اور شریعت محکوم اور دنیا متبوع ہے اور دین اس کا تابع ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ عذاب الٰہی کا پورا نمونہ وبدل ہے۔ پس خلافت کا لفظی اطلاق اموی خاندان، عباسی خاندان اور ترکی خلافت عثمانیہ اور دیگر خاندانوں کے اقتدار و بادشاہوں پر ہو چکا ہے، مگر یہ اطلاق حقیقی اور شرعی نہیں، کیونکہ وہاں دین متبوع اور حاکم نہیں رہا، بلکہ تابع اور محکوم رہا۔

آپ تسکین قلب کے لئے صرف (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ) کا مطالعہ کر کے خود فیصلہ فرمائیں، پھر دیگر ملوک و سلاطین کی بھی تاریخ پڑھ لیں۔ ہاں! وہ الگ بات ہے کہ بہت سے اچھے دیندار، منصف مزاج، غریب پرور، اور اسلام پسند بادشاہ اگر آپ کو معلوم ہوں گے تو آپ انہیں منصف وعادل اور خدا پرست ومتقی سب کچھ کہہ سکتے ہیں، مگر خلیفہ نہیں کہہ سکتے، خلیفہ کا مقام شریعت میں بہت ممتاز اور بلند ہوتا ہے۔ اس کا کردار، عمل اور طرز حکمرانی علیٰ منہاج النبوۃ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ قریب المرگ تھے، آپ کا سالہ ہشام بن عبدالملک عیادت کے لئے آیا،

دیکھا کہ امیر المؤمنین دنیا سے رخصت فرما رہے ہیں، اپنی بہن فاطمہ (امیر المؤمنین کی بیوی) سے کہا کہ امیر المؤمنین کے پہنے ہوئے کپڑے نہایت بوسیدہ اور اور میلے ہیں، انہیں جلدی تبدیل کرلیں۔ حضرت فاطمہؒ نے اپنے بھائی سے کہا کہ کپڑوں کا یہی ایک جوڑا ہے دوسرا نہیں، میں کیا تبدیل کروں؟ بس اسی کے ساتھ روتے ہوئے، کلمہ شریف کا ورد کرتے ہوئے پہلی صدی ہجری کا مجدّد، امیر المؤمنین، خلیفہ راشد، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے خالق حقیقی سے جاملے۔

یہ ہے خلافت اور یہ ہیں خلیفۃ اللہ۔ اب ملوکیت کا واقعہ بھی سنو! اس عظیم مرد مجاہد کا جانشین یہی ہشام بن عبدالملک اموی کو لوگوں نے خلیفہ مقرر کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، اور وہ لوگوں کا امام بنا۔ دورانِ حکمرانی واقتدار جو کچھ اس نے کیا اس کی داستان لمبی ہے۔ صرف ایک واقعہ عبرت کے لئے لکھا جاتا ہے کہ ایامِ حج میں ہشام بن عبدالملک دارالحکومت دمشق سے حج کے لئے روانہ ہوئے تو چھ سو اونٹوں پر صرف بادشاہ کا ذاتی سامان، کپڑے، لباس وغیرہ لدے ہوئے تھے، اور اس کے کپڑے ایک لاکھ بیس ہزار جوڑے تھے، جو سب کے سب خالص ریشم کے تھے۔ یہ ہے ملوکیت کی ایک جھلک، اور لوگ تو دونوں کو خلیفہ کہتے تھے۔ آپ خلافت کے ایک بوسیدہ عام جوڑے پر ملوکیت کے سوالاکھ ریشمی کپڑوں کا موازنہ کر کے خود فیصلہ کریں۔ [تاریخ اسلام ہزار سالہ۔ تألیف رئیس المؤرخین حضرت مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ]۔

وائے ناکامی متاع کاروان جاتا رہا☆ کاروان کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

یہ ہے وہ انحطاط اور تباہی جس سے نااہل حکمرانوں نے امت مسلمہ کو آج تک ایک ایسے گہرے اور عمیق پستی اور گڑھے میں ڈال کر کتاب وسنت کی قیمتی اور زرین تعلیمات سے بیگانہ کر کے یہود ونصاریٰ کا غلام بنایا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اللہ تعالیٰ شانہ نے وعدہ کیا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے تم میں سے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیئے:

﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ کہ وہ انہیں ضرور ضرور زمین میں خلافت عطا کرے گا۔

﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جس طرح اس نے خلافت عطا کی پہلے لوگوں کو۔ امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موعودہ خلافت کے مصداق چاروں خلفائے راشدین ہیں جو کہ اس آیت کریمہ کے نزول

کے وقت ایمان کی دولت سے مشرف ہو چکے تھے۔ جہاں تک پہلے لوگوں کو خلافت عطا کرنے کا سوال ہے تو اس سے بنی اسرائیل کے لوگ مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قوم عمالقہ سے جہاد کا حکم دیا تھا، چنانچہ بنی اسرائیل نے طالوت کی قیادت میں جہاد کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے طالوت کے ساتھ مل کر جالوت ظالم کو قتل کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خلافت پر فائز کیا، پھر یہ خلافت حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ [أحكام القرآن]

﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ﴾ اور وہ ضرور جمادے گا، پختہ و مضبوط کردے گا، ان کے لئے ان کے دین کو جو اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے، یہ وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پورا کردیا۔

﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ شانہ ایمان والوں کے خوف کو امن میں ضرور ضرور بدل دے گا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں پر ایسا پر امن دور بھی آئے گا کہ ایک عورت صنعاء سے حضرت موت تک اکیلی سفر کرے گی مگر سوائے خدا کے خوف کے اسے کوئی خوف نہیں ہوگا۔ حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو پورا ہوتے دیکھا، زیورات سے آراستہ تن تنہا عورت اونٹ پر سفر کر رہی تھی، مگر کوئی چور، ڈاکو، دشمن یا بد قماش تعرض کرنے والا نہ تھا۔ [کبیر]

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے تین وعدے فرمائے: اول خلافت ارضی، دوسرے دین کا استحکام، تیسرے امن وامان، مگر ساتھ یہ شرط بھی عائد کردی کہ:

﴿يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا﴾ لوگ صرف میری ہی عبادت کریں گے، اور میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں بنائیں گے، جب تک مسلمان اس شرط پر قائم رہے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ نے تینوں وعدے پورے کیے۔ پھر جوں جوں، رفتہ رفتہ اس شرط کی خلاف ورزی ہوتی گئی تو اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات بھی اٹھتے گئے، پھر یہ خلافت ارضی رہی نہ دین کا استحکام باقی رہا، اور نہ ہی امن وامان قائم رہا۔ آج پوری دنیا میں ہر خطہ اور ہر محاذ پر سوائے ذلت وخواری اور تباہی کے مسلمانوں کے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ اسی کو شاعر مشرق نے ظاہر کیا: ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر ☆ تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

(اقبالؒ)

﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ جس کسی نے اس کے بعد کفران نعمت اور ناشکری کی

پس یہی لوگ نافرمان ہیں۔مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کے اولین نا قدردان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کرنے والے لوگ تھے، یہ کفران نعمت کا نتیجہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا، ان کا آپس میں وہ قتال شروع ہوا جو شاید قیامت تک بند نہ ہوگا۔

دراصل اس سازش کے بانی مبانی یہودی ہی تھے، جو خود پیچھے رہتے تھے، دوسرے ناعاقبت اندیش لوگوں کو آگے کئے ہوئے تھے، وہ بقول حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دو تین ہزار افراد تھے، کچھ مصری، کچھ بصری اور کچھ عراقی تھے، یہ سارے منافقین اور یہودیوں کے گماشتے تھے۔آگے اللہ تعالیٰ نے خلاصے کے طور پر فلاح وکامیابی کے چار اصول بیان فرمائے ہیں:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اس کی فرمانبرداری پر پوری طرح کاربند رہو۔نماز بدنی عبادت ہے، زکوٰۃ مالی عبادت ہے، اور دین کا سارا دارومدار اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری پر ہے۔جو ان چاروں اصول پر عمل پیرا ہوگا وہی کامیابی اور فلاح پائے گا۔

﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے، ظاہر ہے کہ رحمت الٰہی انہی اصولوں کا نتیجہ ہے۔

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ آپ ان کافروں کے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ وہ زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے پروگراموں کو ناکام بنادیں گے، یہ ان کا وقتی اور عارضی غلبہ محض استدراج ہے، جوں ہی یہ استدراجی مہلت ختم ہوجائے گی تو یہ لوگ نہ صرف دنیا میں مغلوب ہوجائیں گے، بلکہ جب میدان محشر میں حاضر ہوجائیں گے، تو:

﴿وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ﴾ تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔﴿وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ خوشحال کافر امریکی ہو، یا برطانوی ہو، یا جرمنی، یا ہندی اور فرانسیسی، یا چائنی ہو، یا روسی، یہ سب استدراج میں ہیں، ان کی ترقی اور خوشحالی دیکھ کر رشک نہیں کرنا چاہئے۔چند روز کی بات ہے، آخر کار یہ جہنم کے کندۂ ناتراش ہی بنیں گے، اور ابدی عذاب میں خوار وذلیل ہوجائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جو تمہارے مملوک ہیں، اور تم میں سے وہ لڑکے جو بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں اجازت لیا کریں، نماز فجر سے پہلے اور جس وقت تم دوپہر میں اپنے کپڑے اتار کے رکھتے ہو، اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں، ان اوقات کے علاوہ تم پر اور ان پر کوئی گناہ نہیں، وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے ہیں، کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے﴿۵۸﴾ اور تمہارے لڑکے جب حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اجازت لیں، جیسے ان لوگوں نے اجازت لی جو ان سے پہلے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے﴿۵۹﴾

معارف ومنازل

سورۂ نور کی آیت (۲۷، ۲۸، ۲۹) میں مسئلہ استیذان بیان ہوا کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں، اب پھر ان احکام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان آیات میں خدمتگاروں اور نابالغ بچوں کو اجازت لے کر گھروں میں داخل ہونے کا حکم ہے، اور شروع سورت سے آیت (۲۷، ۲۸، ۲۹) میں جو اجازت لینے کے احکام مذکور تھے، وہ غیر محرم اجنبیوں کے متعلق تھے، جن سے مکمل پردہ کرنا فرض تھا۔ اب یہ آیتیں اسی گزشتہ حکم استیذان کا تمہ اور تکملہ ہیں کہ جو لونڈی، غلام اور نابالغ بچے ہر وقت گھر میں رہتے ہیں، تین اوقات میں ان کو بھی تمہارے کمرے میں اجازت لے کر آنا چاہئے۔ یہ تینوں اوقات خلوت واستراحت کے ہیں، بسا اوقات ان اوقات میں سوتے یا لیٹتے وقت ستر کھل جاتا ہے، لہٰذا ان اوقات میں:

(۱) صبح کی نماز سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت (۳) نماز عشاء کے بعد حتی صلوٰۃ فجر ان تینوں اوقات خلوت

میں اجازت لینا ضروری ہے تا کہ کسی کی عفت وعصمت کی پردہ دری نہ ہو۔فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ اے ایمان والو! چاہئے کہ تمہارے غلام تم سے اجازت لے کر تمہارے پاس آجائیں تا کہ تمہاری خلوت واستراحت میں خلل نہ ہو۔

﴿وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ﴾ وہ بچے بھی اجازت لے کر آئیں جو ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض محدّثین اور بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ چار سال کے بچوں کو بھی سکھادو، اور ان کی تربیت کرو کہ اگر تمہارے اپنے والدین علیحدہ کمرے میں ہوں تو بغیر اجازت کے وہاں نہ جاؤ۔

﴿ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ تین مرتبہ جو یہ ہیں: ﴿مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ﴾ نماز فجر سے پہلے بغیر اجازت واطلاع نہ جاؤ۔ دوسرا وقت یہ ہے: ﴿وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ﴾ اور جب تم دوپہر کے وقت استراحت کے لئے اپنے کپڑے اتار دیتے ہو، خصوصاً گرمی کے ایام میں۔اور تیسرا ممنوعہ وقت یہ ہے: ﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ﴾ نماز عشاء کے بعد بھی بغیر اجازت کے نہ جاؤ تا کہ کسی کی پردہ دری نہ ہو۔

﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ﴾ یہ تین وقت تمہارے بدن کھلنے کے ہیں، ان اوقات میں اکثر وبیشتر لوگ بے تکلف ہوتے ہیں، اور بے پردگی کا امکان بھی ہے، لہٰذا پرہیز کرو۔البتہ:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ﴾ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کچھ گناہ ہے، اور نہ ان آنے والوں پر جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا، یعنی لونڈی، غلام اور چھوٹے بچے۔فرمایا: اجازت کی وجہ یہ ہے:

﴿طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ کہ تم میں سے بعض تم پر چکر لگانے والے ہیں، ان کو کام کاج کے لئے بار بار ہر وقت آنا جانا ہوتا ہے۔ پھر بار بار کی اجازت میں مشقت ہے، لہٰذا ان تین اوقات کے علاوہ انہیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

سبحان اللہ! شریعت نے ہر مشقت کو معاف فرمایا۔ بلی کے پس خوردہ یعنی جھوٹے پر اسی علّت طواف کی وجہ سے حرمت کا حکم نہیں لگا، کیونکہ بلی رات دن لوگوں کے گھروں میں چکر لگاتی ہے، بلکہ کراہت کا حکم ہوا۔ بہر حال مسئلہ یہی ہے کہ برہنہ حالت میں کسی محرم کو دیکھنا بھی روا نہیں، حالانکہ محرم سے تو پردہ نہیں ہوتا، محرم کو صرف چہرہ، سر، گردن بازو، پنڈلی وغیرہ دیکھنے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ جسم کے دیگر حصوں کو وہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ماں، بیٹی، یا بہن ہو سب کے لئے یہی مسئلہ ہے، جسم کے پردے والے حصے کو نہیں دیکھ سکتا۔ ادھر مرد کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ ناف

سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ پردے والا حصہ ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تمہیں مسائل کا پورا پورا علم حاصل ہو۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ﴾ جب تمہارے بچے بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں۔ ﴿فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ تو چاہئے کہ وہ بھی اجازت طلب کریں جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اجازت لے کر آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لڑکا جب تک نابالغ ہے تو تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بغیر اجازت کے اندر آسکتا ہے، اور جب حد بلوغ کو پہنچ گیا تو پھر اس کا حکم اُنہی مردوں جیسا ہے جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں، اور ان کا حکم وہ ہے جو آیت کریمہ میں بیان ہوا۔

﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾ اس کے بعد پھر گزشتہ نصیحتوں کا بیان ہے۔ فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے اپنی آیتیں اور احکام تاکہ تمہیں صحیح علم حاصل ہو، اور اللہ تعالیٰ جاننے، والا حکمت والا ہے، وہ اپنی حکمت کے تحت تمہیں احکام کی راہنمائی کرتا ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ
غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ ۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰

ترجمہ: اور جو عورتیں بیٹھ چکی ہیں جنہیں نکاح کرنے کی امید نہیں ہے تو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں، اور یہ بات کہ پرہیز کریں ان کے لئے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے ۝۶۰

معارف ومنازل

﴿اَلْقَوَاعِدُ﴾ قاعدہ کی جمع ہے، اس سے بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے گھر میں بیٹھ چکی ہیں، نہ نکاح کے قابل ہیں اور نہ انہیں نکاح کی رغبت ہے، نہ کسی مرد کو ان سے نکاح کا خیال ہے۔ ان عورتوں کے

بارے میں فرمایا کہ ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جن سے چہرہ چھپا رہتا ہے، چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیں، یعنی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھول کر آ جائیں، بشرطیکہ مواقع زینت کا اظہار نہ کریں۔

مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم جوان عورتوں کا سا نہیں ہے، اگر چہرہ اور ہتھیلیاں غیر محرم کے سامنے کھول دیں تو اس میں گناہ نہیں ہے۔ البتہ جسم کے دوسرے حصوں کو نہ کھولیں، اور یہ جوان کو چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت دی گئی ہے یہ جائز ہونے کی حد تک ہے، بہتر ان کے لئے بھی یہی ہے کہ اچھی طرح احتیاط کریں، اور غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھولنے سے بھی احتراز کریں۔ جب بوڑھی عورتوں کو بھی اجازت دینے کے باوجود یہ فرمایا کہ ان کو بھی احتیاط کرنا بہتر ہے کہ چہرہ کھول کر غیر محرموں کے سامنے نہ آئیں، تو اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جوان عورتوں کو غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھول کر آنا کیسے جائز ہوگا؟ اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡمَرِيۡضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَا مَلَكۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ‌ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا‌ؕ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُيُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً‌ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ۝۶۱

ترجمہ: نہ تو نابینا آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے، اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے، اور نہ مریض کے لئے کوئی مضائقہ ہے، اور نہ خود تمہارے لئے کوئی مضائقہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ، یا الگ الگ، سو تم جب گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، دعا مانگنے کے طور پر جو مبارک ہے، پاکیزہ ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہیں اپنے احکام

بتاتا ہے پوری وضاحت کے ساتھ تاکہ تم سمجھ لو﴿۶۱﴾

معارف ومنازل

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے مختلف اقوال لکھے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ لنگڑے، نابینا اور بیمار لوگ تندرست آدمیوں کے ساتھ کھانے سے یہ سمجھتے ہوئے پرہیز کرتے تھے کہ لوگ ہم سے گھن کرتے ہیں، اور یا یہ کہ لوگ ہم سے نفرت کرتے ہیں، یا یہ کہ کوئی شخص یوں سمجھ لے کہ نابینا زیادہ کھا گیا، یا یہ کہ لنگڑے نے تو دو آدمیوں کی جگہ گھیر لی۔ اس پر یہ آیت اُتری اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے یہاں کھانے کی اجازت ہے۔

بہرحال! سبب نزول کچھ بھی ہو، اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ حکم نازل فرمایا: ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرة:۱۸۸] (آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ)، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ حق وصداقت اور تقویٰ و دیانت کے مانجھے ہوئے پیکر تھے۔ انہوں نے احتیاط کی بناء پر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کا ان کے گھروں میں کھانا کھانا بھی چھوڑ دیا، اور خیال کیا کہ بلاضرورت کسی کے گھر کا کھانا جائز نہیں، حتی کہ اندھوں، لنگڑوں اور بیماروں نے بھی اپنے اقارب واعزاء کے گھر جانے میں اور ان کے ساتھ کھانے میں تنگی محسوس کی، اور خیال کیا کہ شاید ہماری معذوری اور ہماری بیماری دوسروں کے لئے باعث کلفت اور باعث گرانی ہو، اس لئے یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں تم ایک جگہ جمع ہو کر، مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔ انصار کے کچھ لوگ اکٹھے کھانا کھانے کو پسند کرتے تھے، اور اکیلا کھانا نہیں کھاتے تھے، جبکہ دوسرے لوگ اکیلے کھانے کو پسند کرتے تھے جیسا کہ ہمارے زمانے میں اکثر لوگوں کا طریقہ ہے اور یہود ونصاریٰ بھی اجتماعی کھانے کو عیب سمجھتے ہیں۔ برصغیر کے ہندوؤں کا بھی یہی رواج ہے، جبکہ افغانستان میں اجتماعی کھانا مروّج ہے۔ فرمایا: دونوں طریقے جائز ہیں، البتہ یہ بات مسلم ہے کہ اجتماعی کھانے میں برکت بھی ہے، اور اتباع سنت بھی ہے۔

﴿فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ پھر جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو تو گھر والوں پر سلام کیا کرو، دعاء کے طور پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، بہت خیر و برکت والی ہے، اور پاکیزہ بھی جس سے سننے والے خوش ہوتے ہیں، اور ہر قسم کی رنجشیں اور کدورتیں دور ہو جاتی ہیں، اور یہ موجب خیر و برکت بھی ہے، اور باعث مسرت بھی ہے، اور اس سے قدرتی طور پر عجز و انکساری پیدا ہوتی ہے، اور غرور کا خاتمہ بھی ہوتا ہے، اور اس کے بڑے فوائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس طرح احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کے حکموں کو سمجھو، اور ان پر عمل کر کے نجات اور فلاح پاؤ۔

.......❀......❀......❀......

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی ایسے کام کے لئے جمع ہوتے ہیں جس کے لئے جمع کئے گئے ہوں تو اس وقت تک نہیں جاتے جب تک آپ سے اجازت نہ لیں، بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، سو جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جسے چاہیں اجازت دیدیں، اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیجئے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے﴿۶۲﴾ تم اپنے درمیان رسول اللہ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو، بیشک اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں، سو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی مصیبت آپڑے، یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے﴿۶۳﴾

معارف ومنازل

پہلے عمومی مجلسوں اور استیذان کے مسائل و آداب کا بیان ہوا۔ اب ان آیات میں خاص مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے احکام وآداب کا بیان ہے کہ مجلس نبوی سے جاتے وقت استیذان اور اجازت لینا بہت ضروری ہے، اور آپ ﷺ کے بلانے پر حاضری بھی واجب ہے، اور آپ ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت لئے اٹھ کر چلے جانا یا آپ ﷺ کے بلانے پر حاضر نہ ہونا، یہ منافقین کا شیوہ اور ناروا خصلت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ادب اور احترام ایمان کا جزء ہے، پس جو لوگ اس کا پاس نہیں رکھتے وہ اپنے ایمان کی اصلاح کریں۔ اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بلانے پر یعنی موذن کی اذان پر بغیر عذر لبیک نہیں کہتے، یعنی مسجد میں حاضری نہیں دیتے وہ بھی اپنی خیر منائیں اور سرکشی سے باز آئیں۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی محنت سے صبح سویرے حاضر ہو کر کھدائی کا کام شروع کرتے تھے، جب انہیں کسی ضروری کام پر جانا ہوتا تو دربار رسالت سے اجازت لے کر جاتے تھے، جب وہ کام انجام پاتا تو فوراً واپس حاضر ہو جاتے اور کام شروع کرتے، جبکہ منافقین ایسے نہیں تھے۔ اول تو وہ کام پر دیر سے آتے تھے، اور جب آتے تھے تو تھوڑا بہت کام کر دیتے تھے با دل نخواستہ، اور پھر وہاں سے بھاگ جانے کے لئے موقع تلاش کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے علم اور اجازت کے بغیر کسی جانے والے کی آڑ لے کر کھسک جاتے اور چپکے سے بھاگ جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ بخوشی سعادت سمجھ کر یہ کام انجام دیتے تھے، صبح سویرے حاضر ہو کر بڑی خوشی سے کام شروع کرتے تھے، اس درمیان میں اگر کوئی ضروری کام پیش آتا تو اجازت لے کر جاتے، پھر جب ضرورت پوری ہو جاتی تو وہ واپس آجاتے تھے۔ ان آیات میں مسلمانوں کی وفاداری اور ادب وتوصیف وتعریف کا، اور منافقین کی بے وفائی اور نفاق کا بیان ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ﴾ یہ واقعی بات ہے کہ کامل ایماندار تو وہی لوگ ہیں جو صدق سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب آپ ﷺ کے ساتھ ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے یعنی جس میں اجتماع کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً نماز جمعہ، نماز عید، یا خندق کی کھدائی، یا اجتماعی مشورہ یا جہادی اجتماع، وغیرہ اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ لوگ جب تک آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لیں اس وقت تک آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے، یہ مخلص مؤمنین کا طرز عمل ہوتا تھا۔

ابھی بھی مسلمانوں کو یہی حکم ہے عمومی اجتماعات دینیہ میں اگر کہیں جانا ہو تو صدر مجلس، استاذ، مرشد اور امیر کی

اجازت کے بغیر جانا خلاف ادب اور نامناسب ہوگا۔ یاد رکھیں، اور انہی اصولوں پر کار بند رہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بیشک جو لوگ اپنی ضروریات میں جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں، جو بغیر اجازت کے آپ کی مجلس سے اٹھنا پسند نہیں کرتے ہیں۔ پس جب یہ اہل ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دیدیں، یہ کسی کو اجازت دیدینا اور کسی کو نہ دینا آپ کا اختیار ہے، اور اجازت دینے کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت بھی کیجئے تا کہ ان کی تقصیر اور آپ کی مجلس کے فیوض و برکات سے تھوڑی دیر کے لئے محرومی کا سد باب ہو سکے۔ بیشک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگزاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب کی تعلیم دیتا ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ تم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ایسا مت خیال کرو جیسے تم میں سے بعض لوگ بعض کو بلاتے ہیں، چاہے جواب دیتے ہو، چاہے جواب نہ دیتے ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر تمہیں حاضر ہونا فرض ہے، جس میں کسی طرح کی غیر حاضری حرام ہے، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلائیں تو سارے کام چھوڑ کر لبیک کہتے ہوئے حاضر خدمت ہو جاؤ۔

بعض علماء وفقہاء نے فرمایا: اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں آواز دے کر بلائیں اور تم نماز میں ہو تو نماز قطع کر کے دوڑو اور حاضر خدمت ہو جاؤ۔ سورۂ انفال میں ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ﴾ [الأنفال: ۲۴] (اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر بلائیں، یا اشارہ کریں، یا کسی کام پر اس کا عندیہ معلوم ہو تو تمہیں اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کاش اگر قرآن کریم کی اسی ایک آیت پر ہمارا عمل ہوتا تو آج دنیا کا یہ رنگ نہ ہوتا جسے ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

اس آیت کے بارے میں علماء کرام نے یہ فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلسوں میں اس طرح نہ پکارا کرو، جس طرح تم آپس میں بعض بعض کو نام لے کر پکارتے ہو۔ یعنی نام لے کر پکارنے

کو بے ادبی تصور کرتے ہوئے صرف القاب عالیہ پر اکتفاء کرو، یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ کہہ کر پکارو۔ ربّ العزت نے پورے قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام سے نہیں پکارا، بلکہ: ﴿یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ﴾ ﴿یَاۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ ﴿یَاۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ ﴿یَاۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ کہہ کر خطاب فرمایا، جبکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو ﴿یَاۤاٰدَمُ﴾ ﴿یَانُوْحُ﴾ ﴿یَاۤاِبْرٰهِیْمُ﴾ ﴿یَامُوْسٰی﴾ کہہ کر خطاب فرمایا۔ تفصیل سورۂ حجرات میں دیکھیں۔

﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں، چھپکے چھپکے کسی نکلنے والے کی آڑ لے کر جاتے ہیں۔ جب مسلمانوں میں سے کوئی شخص باہر جانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیتا تو منافق یہ کرتے تھے کہ اس مسلمان کی بغل کے پاس کھڑے ہو کر اس کو آڑ بنا کر اس کے ساتھ نکل جاتے تھے تاکہ ہمیں کوئی نہ دیکھے۔

﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ کہیں دنیا ہی میں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے، یا آخرت میں ان کو دکھ کی مار نہ پہنچے۔ یہاں مانعۃ الخلو کی بات ہے، ورنہ یہ دونوں عذاب جمع ہو سکتے ہیں جیسا کہ گزشتہ نافرمان قوموں کا حال ہے کہ دنیوی عذاب بھی ان پر آیا، اور اخروی تو ہر حال میں ان پر آنے والا ہے۔

❁ ❁ ❁

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ
یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: خبردار! بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بلاشبہ وہ جانتا ہے کہ تم کس حال پر ہو، اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے وہ اس دن کو بھی جانتا ہے، پھر وہ انہیں بتلا دے گا جو عمل انہوں نے کئے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۶۴﴾

معارف ومنازل

یہ سورۂ نور کی آخری آیت ہے۔ فرمایا: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور مملوک ہے، اور حمد و تسبیح خواں ہے۔ اسے اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے، تمہاری سعادت وفلاح جو کہ اسی کے ہاتھ

میں ہے، وہ تمہیں اس شرط کے ساتھ نصیب ہوگی کہ بغیر چون وچرا اس کی فرمانبرداری کرو، اور نافرمانی سے بچو، وہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ قیامت کے دن جب تم اس کے حضور حاضر ہوگے تو ذرہ ذرہ کا تمہیں بتادے گا، اور اسی کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا، جو فرمانبردار تھے وہ ابدی راحتوں میں رہیں گے، اور نافرمانوں کا انجام نہایت برا ہوگا۔

سورۂ نور کی تفسیر اختتام کو پہنچی۔ ۳۰ شعبان ۱۴۳۶ھ

الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی حبیب اللہ

سُورَةُ الفُرقان

مكيۃٌ آیاتها ۷۷ رکوعاتها ٦

سورۂ فرقان مکی ہے، اس میں ستتر (۷۷) آیتیں، اور چھ (٦) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام ''سورۃ الفرقان'' ہے جو اس سورت کی پہلی آیت میں ''الفرقان'' کا لفظ ہے یہ نام اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں (۲۵) ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں (۴۲) ویں نمبر پر ہے، اس کا نزول سورۂ یٰس کے بعد ہے۔

نزول:

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس میں تین آیتیں مدنی ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ سے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ تک، باقی سورت مکی ہے۔ اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، اس میں کچھ آیات مکی ہیں۔ ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ [قرطبی]

تعداد آیات وکلمات:

اس سورت میں (٦) رکوع، (۷۷) آیات ہیں، اور یہ (۹۰٦) کلمات اور (۳۹۱۹) حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱) گزشتہ سورت کی طرح یہ سورت بھی بنیادی چیزوں، توحید خداوندی، حقانیتِ رسالت، حقانیتِ کتب

سماویہ، اثباتِ قیامت اور جزائے اعمال کے مضامین پر مشتمل ہے۔(۲) دونوں سورتوں کے شروع میں صداقتِ قرآن کا بیان ہے۔(۳) دونوں سورتوں میں اہل ایمان کے اوصاف کا بیان ہے۔(۴) دونوں سورتوں میں جزائے اعمال کا یکساں تذکرہ و بیان ہے۔

مختصر موضوع:

کفار و مشرکین مکہ توحید، رسالت، قرآن حکیم اور قیامت کے بارے میں جن شکوک وشبہات میں مبتلا تھے ان سب کے جوابات مکمل و مدلّل بیان ہوں گے۔ نیز اسلام اور مسلمانوں کی خوبیوں پر مفصل کلام اور دعوتِ حق کا عمومی تذکرہ ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ
شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ
وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

ترجمہ: وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو جائے ① اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اور اس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا، اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ٹھیک انداز مقرر فرمایا ② اور لوگوں نے اس کے علاوہ معبود بنالئے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، اور حال یہ ہے کہ وہ پیدا کئے جاتے ہیں، اور وہ اپنی جانوں کے لئے کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہیں، اور نہ وہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں، اور نہ حیات کا اور نہ کسی کو زندہ کر کے اٹھانے کا ③

معارف ومنازل

﴿تَبٰرَكَ﴾ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، غیر اللہ پر اس کا ہرگز اطلاق جائز نہیں۔ اس کے معنی ہیں: بہت برکت والے، بہت عظمت والے، بہت قدرت والے، بہت بلند وبالا حکمت والے۔ پورے قرآن میں نو (۹)

مقامات پر مذکور ہے، اور یہ ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے مخصوص و متعین ہے، پھر فعل ہونے کے باوجود اس سے دیگر مشتقات مضارع، اسم فاعل، وغیرہ نہیں بنتے۔ مزید تفصیل سورۂ ملک میں دیکھیں۔

﴿الْفُرْقَانَ﴾ بہت بڑا بابرکت کلمہ ہے، قرآن حکیم میں چھ (٦) مقامات پر ایک ہی معنی میں (حق وباطل میں فرق کرنے والا) تین چیزوں کے لئے مستعمل ہے۔ تورات وانجیل کے لئے، غزوۂ بدر کے لئے، اور قرآن حکیم کے لئے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو محض حق وباطل اور حرام وحلال کی تخصیص نہیں، بلکہ اس جہانِ رنگ وبو کی لاکھوں چیزوں میں فرق وامتیاز کا سہارا صرف قرآن کریم ہی ہے، جس نے تمام مضرتوں اور منفعتوں کے مخفی حقائق وصفات اور خواص سے پردہ اٹھایا ہے، تو فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ﴾ نہایت بابرکت وبزرگ ہے وہ ذات پاک جس نے بتدریج نازل فرمایا حق وباطل میں فرق کرنے والے قرآن کریم کو اپنے کامل واکمل بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

﴿لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ تا کہ سارے جہاں والوں کے لئے نذیر ہو، یعنی لوگوں کو غفلت وگمراہی او کفر وشرک اور دیگر معاصی کے بُرے انجام سے ڈرانے والا ہو۔ اس سے مراد ''فرقان'' بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ صفت فرقان اور صاحب فرقان دونوں پر منطبق ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ سارے جہاں والوں کے لئے نذیر ہو، تو یہ واضح اور حقیقت ہے کہ قرآن کریم کی دعوت اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کسی ایک ملک کے لئے نہیں، بلکہ پوری دنیا کے لئے ہے۔ اپنے ہی زمانے کے لئے نہیں، بلکہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے، اور اپنی قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے ہے، صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ جنات کے لئے بھی ہے۔

یہ مضمون متعدد مقامات پر قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا: ﴿وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ [الأنعام:١٩] (اور مجھ پر یہ قرآن وحی کے طور پر اس لیے نازل کیا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعے میں تمہیں ڈراؤں، اور ان سب کو بھی جنہیں یہ قرآن پہنچے)۔

اور سورۂ اعراف میں فرمایا: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ [الأعراف:١٥٨] (کہہ دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں)۔

اور سورۂ سباء میں ارشاد ہے: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾ [سبأ:٢٨] (اور ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لیے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری سنانے والا، اور ڈرانے والا)۔

اور سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧] (اور ہم نے آپ نہیں بھیجا مگر مخلوقات کے لیے رحمت بنا کر)۔ اور اسی مضمون کو پوری وضاحت کے ساتھ بے شمار احادیث میں بیان کیا گیا ہے، اور ختم نبوت بھی اسی جامع رسالت ونبوت کا حصہ اور اس کی شاخ ہے، پس جس طرح بعثت عامہ کا منکر کافر شمار ہوگا، اسی طرح ختم نبوت کا منکر بھی بالاتفاق کافر ہی شمار ہوگا۔ فرمایا:

﴿الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ يَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ شَرِيۡكٌ فِى الۡمُلۡكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِيۡرًا﴾ وہ ذات عالی صفات جس کے لئے ملک وبادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور اس نے اپنے لئے کوئی اولاد تجویز نہیں کی، اور نہ ہی اس کو ایسی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور وہ واحد ویگانہ ہے، ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا، اور اس کی ساخت، شکل وصورت، قدوقامت کا ایک خاص انداز بنایا، اور اس کے آثار وخواص بھی پیدا فرمائے، ایسے طرز پر کہ اس سے مزید کوئی طرز وانداز ممکن نہ ہو۔ اس نے کائنات کی ہر مخلوق میں خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی ہو، کیا مجال کہ کوئی چیز اپنے اندازے سے کم یا زیادہ ہو، چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ریت کے ذروں سے لے کر پہاڑوں تک، ہر چیز اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہے کہ بنانے والے نے ہر چیز کو پورے سلیقہ کے ساتھ پورے اندازے سے بنایا ہے کہ رہتی دنیا تک اس میں کسی تبدیلی اور کسی ترمیم کی ضرورت نہ ہو۔

انسان اپنی حقیقت میں پہلے غور کرے، اگر جانوروں کی طرح ہوتا یا جانور بھی شکل وصورت میں اس جیسے ہوتے تو کیا ہوتا، یا اس کی آنکھیں سامنے کی بجائے سر پر پیچھے سے ہوتیں، پھر آنکھوں پر پپوٹوں کا غلاف نہ ہوتا، یا اس پر پلکیں نہ ہوتیں، تو کیا اس نازک ترین چیز کی حفاظت ہوتی؟ علیٰ ہذا القیاس دوسرے اعضاء کو بھی اس پر قیاس کرلو، اور باقی مخلوقات کا بھی یہی حال ہے۔ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ﴾ [المؤمنون: ١٤] (برکت والا ہے اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)۔ غرضیکہ سارا نظام عالم اس دانائی اور کمال مہارت وپختگی سے ترتیب دیا گیا ہے کہ ہر چیز کی وضع وقطع اور محل ومکان ایسی عمدگی سے مقرر کیا گیا ہے کہ اگر اس میں بال برابر بھی ردوبدل کیا جائے تو ہر چیز پاش پاش ہو کر اپنے فوائد کھو بیٹھے۔

خود سوچو! جس کی سلطانی کا یہ عالم ہے کہ ساری بلندیاں اور پستیاں اس کے سامنے جھکے ہوئے سربسجود ہیں، جو ہر چیز کا خالق ومالک معبود ومسجود ہے، جس کے علم وحکمت کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے، تم خوب سوچو! اور انصاف

کرو کہ ایسے پروردگار عالم کو کسی بیٹے کی یا کسی شریک ومعاون کی ضرورت ہے؟ یا اس کا کوئی وزیر ومشیر ہوسکتا ہے؟ تم کتنے غافل اور ناداں ہو کہ واضح حقائق کے سمجھنے سے بھی عاجز ہو۔

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا﴾ یہ لوگ کتنے جاہل وناداں ہیں کہ خالق کائنات کو چھوڑ کر جو آسمان اور زمین کا خالق ومالک ہے (ایک حد تک وہ بھی اسے خالق ومالک مانتے اور اقرار بھی کرتے ہیں) لیکن اس کے باوجود انہوں نے بہت سے معبود بنالئے، ان کے یہ معبود کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کرتے، وہ تو خود ہی اللہ تعالیٰ سبحانہ کی مخلوق ہیں، اور وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، ان کی عاجزی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی جانوں کے لئے کسی بھی ضرر اور نفع کے مالک اور مختار نہیں ہیں، اور نہ اپنی ذات سے کسی ضرر کو دفع کرسکتے ہیں، اور نہ اپنی جانوں کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں، اور وہ موت وحیات کے مالک بھی نہیں، نہ زندوں کو موت دے سکتے ہیں اور نہ مردوں کو زندہ کرسکتے ہیں۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا اس وقت ان کو بھی اللہ تعالیٰ شانہ ہی زندہ فرمائے گا۔ یہ باطل معبود خود کو بھی زندہ نہیں کرسکتے ہیں۔ یہ سینکڑوں کی تعداد میں قطار در قطار رکھے ہوئے تھے، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے کلہاڑے سے سب کو ریزہ ریزہ کرکے رکھ دیا تھا، یہ ٹس سے مس بھی نہیں ہوئے، اور اپنا دفاع بھی نہ کرسکے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا
وَّزُوْرًا ④ وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ⑤ قُلْ اَنْزَلَهُ
الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ⑥ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا
الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ⑦
اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا
مَّسْحُوْرًا ⑧ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ⑨

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے صرف جھوٹ ہے جسے اپنے پاس سے بنالیا ہے، اور دوسرے لوگوں نے اس بارے میں اس کی مدد کی ہے، سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کو لے کر آئے ④ اور

ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو منقول ہوتی چلی آئی ہیں، جن کو اس نے لکھوایا ہے، سو وہی صبح و شام اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ۵ آپ فرما دیجئے کہ اس کو اس ذات پاک نے نازل فرمایا ہے جو چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے آسمانوں میں یا زمین میں، بلاشبہ وہ بخشنے والا مہربان ہے ۶ اور ان لوگوں نے کہا: اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا ہے، اس پر کیوں نازل نہیں ہوا ایک فرشتہ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا ۷ یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتا، اور ظالموں نے کہا کہ تم ایسے ہی آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے ۸ آپ دیکھ لیجئے! انہوں نے آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کی ہیں، سو وہ گمراہ ہو گئے، پھر وہ کوئی راہ نہیں پائیں گے ۹

معارف ومنازل

یہ مضمون پہلے کئی مرتبہ گزر چکا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت (۴۵) سے (۴۸) تک، پھر اسی سورت کی آیت (۸۸) سے (۹۲) تک کا مطالعہ کریں۔

کفار مکہ انکار توحید کے ساتھ سرور عالم ﷺ کی نبوت اور قرآن کریم کا بھی شد و مد سے انکار کیا کرتے تھے، کبھی وہ یہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ جادوگر ہیں، کبھی کہتے تھے کہ نہیں اس پر کسی نے جادو کیا ہے، کبھی کہتے تھے کہ خود کلام گھڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے، کبھی کہتے تھے کہ بہت سے لوگ اس کلام بنانے میں اس کی مدد کرتے ہیں، کبھی کہتے تھے کہ وہ مجنون ہے، کبھی کہتے تھے کہ شاعر ہیں، کبھی کہتے تھے کہ یہ قرآن پرانے لوگوں کے قصے کہانی اور واقعات ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کلام نہیں۔

غرضیکہ کوئی بات بن نہیں آتی، کہیں قدم نہیں جمتے، واہیات بکتے اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ صدق و حقانیت سے کوسوں دور صحیح راستہ گم کر کے بھٹکتے پھرتے تھے، اور بہتان تراشیوں میں لگے رہتے، اور یہ کہتے رہتے کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ اسے خود انہوں نے تصنیف کی ہے۔ پھر انہیں یہ خیال آتا کہ یہ شخص چالیس سال سے ہمارے معاشرے میں رہا، خالص امی ہے، اس نے کسی دانشور، یا شاعر، یا تعلیم یافتہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ نہیں کیا، آج تک کسی سے نہ پڑھا، نہ کچھ سیکھا، تو ایسی عظیم کتاب کا مصنف کیسے ہو سکتا ہے؟ جس کی ہر سطر سے اسرار و معارف کے دریا بہہ رہے ہیں، اور فصاحت و بلاغت میں اس کا یہ حال ہے کہ دنیا کے نامور فلاسفر مصنف اور

شاعر اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ چنانچہ دبی زبان میں کہنے لگے کہ وہ تنہا اس کتاب کے مصنف نہیں ہیں۔

﴿وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ﴾ بلکہ چند دیگر پڑھے لکھے لوگ اس کام میں اس کے معاون و مددگار ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ بتاؤ وہ نابغہ روزگار کون ہیں؟ تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی بنیاد پر کہنے لگے کہ فلاں فلاں ہیں۔ غلط گو اور جھوٹے لوگوں کی طرح کبھی کسی کا نام لیتے ہیں اور کبھی کسی کا، کہیں قدم نہیں جمتے، کبھی عبید بن الحصر حبشی کاہن کا نام لیتے ہیں، اور کبھی یسار، عداس، ابوفکیہہ اور جبر کا نام لیتے ہیں، جو انہی کفار و مشرکین معاندین کے آزاد کردہ عجمی غلام تھے۔

یہ بیچارے زندگی بھر ان بے رحم، درندہ صفت آقاؤں کے غلام تھے، یہ لوگ عجمی تھے، عربی زبان بولنے پر قادر ہی نہ تھے، اور جن کے احوال و اطوار یا گفتگو کی کبھی غیر معمولی قابلیت اور ذہانت کی بو کسی کو نہیں آئی، وہ اس کتاب کے (جو انسانی دسترس سے باہر ہے) کے مصنف کیسے بن گئے؟ جس کتاب کی فصاحت و بلاغت، جس کے حسن بیان اور زور استدلال نے پورے عرب کے ادیبوں، دانشوروں، شہسواروں اور شاعروں کی نیند حرام کر دی، اور ان کے چھکے چھڑا دیئے، اور بار بار چیلنج دینے کے باوجود انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ سارے عرب کے تمام فصحاء، بلغاء، ادباء، اور شعراء اپنی ساری قوتوں کو بروئے کار لا کر اس جیسی ایک کتاب یا کم از کم ایک چھوٹی سی سورت پیش کر سکتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام شور و شر اور بے سروپا الزامات اور بہتانوں کا مختصر سا جواب دے کر بات ختم کر دی کہ یہ ظالم ہیں اور سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔

﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ اور یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو پرانے لوگوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔ یہ ایرانی بادشاہوں رستم و اسفندیار کے قصے کہانیاں ہیں، اگر میں چاہوں تو اس سے عمدہ کتاب بنا سکتا ہوں۔ یہ نضر بن حارث نے کہا تھا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ لکھوائی ہے، پس صبح و شام ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، خود امی ہے، لکھنے پڑھنے پر قادر نہیں، قریش کے آزاد کردہ عجمی غلاموں، جبر، عداس، یسار وغیرہ سے لکھواتا ہے، پھر خدا کی طرف منسوب کرتا ہے، اور صبح و شام اس کو پڑھ کر یاد کرتا ہے۔

سبحان اللہ! آج پورے مستشرقین علماء یورپ کا یہی عقیدہ ہے، جنہوں نے اس پر اربوں روپیہ خرچ کر کے اس نظریہ کی اشاعت کی ہے، اور لاکھوں کتابیں اس پر تصنیف کی ہیں، مگر قرآنی چیلنج کو قبول کرتے ہوئے میدان میں آنے کی جرأت نہیں کرتے، صرف دور سے تیر پھینکنے میں مصروف ہیں جو بزدلی اور ملامتی کی نشانی ہے۔ حضرت علامہ

شکیب ارسلان رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں بار بار چیلنج کیا مگر وہ میدان میں نہیں آئے۔

﴿قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آپ ان کے دعویٰ کی تردید میں کہہ دیجئے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے، اس کو اس خدا نے نازل کیا ہے جو آسمانوں کی اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے، اور یہی اس کتاب کی نشانی ہے جو امور غیبیہ مخفیہ سے خبر دینے والی ہے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ بلا شبہ وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے، اگر یہ کہنے والے ایمان لائیں گے تو ان کی مغفرت ہو سکتی ہے، اور مہربان ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ تم مستحق عذاب ہو مگر اس نے تم کو عذاب نہیں دیا۔

﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا﴾ ان کافروں نے کہا یہ کیسا رسول ہے کہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ امام بغویؒ نے لکھا ہے کہ کافر کہتے تھے: تم فرشتہ نہیں ہو، فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو، اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو، بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتے پھرتے اور تم گھومتے پھرتے ہو، تم ہر چیز میں ہماری طرح ہو، کم از کم نبی و رسول کے لئے ضروری ہے کہ عام انسانوں سے ممتاز ہو، جبکہ تمہارے اندر یہ صفت نہیں۔ وہ کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ نہ خود فرشتہ ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہے جو اس کی مدد کرے، اور اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈرائے اور ہمیں پتہ چلے کہ فرشتہ نے اس کی تصدیق کر لی اور خدا کی نمائندگی بھی ہو گئی۔

﴿اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا﴾ یا آسمان سے اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا، جس سے اس کی ایک اعلیٰ امتیازی شان ہوتی، یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے کھاتا اور خوش حال ہوتا، اور روزی کے معاملے میں خود کفیل ہوتا۔

﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ اور کافروں نے کہا کہ تم جادو زدہ آدمی کا اتباع کر رہے ہو، جادو کی وجہ سے وہ جنون میں (العیاذ باللہ) مبتلا ہے، ہم کیوں اور کیسے ایسے شخص کی پیروی کریں؟

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا﴾ آپ دیکھئے، اندازہ لگائیے کہ یہ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں۔ پس دیکھو! یہ کس طرح گمراہ ہو گئے، اب انہیں ہدایت کا راستہ کیسے دستیاب ہوگا جب وہ اسے چاہتے اور مانگتے نہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩
بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ⑪ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا
لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ⑫ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ
ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ
لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ⑮ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯

ترجمہ: بابرکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو آپ کے لئے اس سے بہتر نعمتیں عطا فرمادے، یعنی ایسے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں، اور آپ کے لئے محل بنادے ⑩ بلکہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا، اور جو شخص قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے دھکتی ہوئی آگ تیار کررکھی ہے ⑪ جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غضبناک اور جوش وخروش والی آوازسنیں گے ⑫ اور جب وہ اس میں ایسی حالت میں ڈالے جائیں گے کہ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے، تو وہاں ہلاکت کو پکاریں گے ⑬ آج ایک ہلاکت کو مت پکارو، اور بہت سی ہلاکتوں کو پکارو ⑭ آپ فرمادیجئے کہ یہ بہتر ہے یا ہمیشہ کی رہنے والی جنت بہتر ہے جس کا متقیوں کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے، یہ جنت ان کے لئے بطور بدلہ عطا کی جائے گی، اور ان کا ٹھکانا ہوگی ⑮ اور ان کے لئے اس میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ آپ کے ربّ کا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، جس کی درخواست کرنی چاہیے ⑯

معارف ومنازل

منکرین توحید ورسالت بغض وعناد کے بل بوتے پر کہتے تھے کہ یہ شخص جو مدّعی نبوت ہے اس میں پانچ صفتیں ایسی ہیں جو کہ نبوت کی منافی ہیں: ایک یہ کہ ہماری طرح کا بشر ہے، اور ہماری طرح کھانا کھاتا ہے، دوئم یہ کہ یہ شخص ہماری طرح کسب معاش کے لئے بازاروں میں چلتا ہے۔ سوئم یہ کہ جب خود فرشتہ نہیں تو اس کی تصدیق اور مدد کے لئے کوئی فرشتہ ہمراہ نہیں جو اس کی مخالفت سے لوگوں کو ڈرائے۔ چہارم یہ کہ اس کے پاس کوئی آسمانی ہیرے جواہرات کا خزانہ نہیں اترتا جس سے اس کے اور اس پر ایمان لانے والوں کا گزارہ چلتا، اور ان کے فقر کا علاج ہوجاتا۔ پنجم یہ کہ اس کے پاس کوئی بڑا معیاری باغ بھی نہیں جس سے اس کی زندگی سدھر جائے، اور فقر وفاقہ ختم

ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے ان خیالات مہملہ کو مسترد فرما کر ارشاد فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا﴾ بڑی ہی برکت والا ہے وہ خداوند قدوس جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور آپ پر یہ عظیم کتاب نازل کی ہے، وہ اگر چاہے تو دنیا میں آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کرے جس کی کفار آپ سے فرمائش کرتے ہیں، یعنی ابھی دنیا میں آپ کو ایسے باغات دیدے جن کے درختوں کے نیچے ہمہ وقت نہریں جاری ہوں، اور دنیا ہی میں آپ کو ایسے عالیشان محل دیدے جس دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوں، جسے ابتداء آفرینش سے آج تک اور تا قیامت کسی بادشاہ نے حاصل نہ کیا ہو۔

کفار نے جن چیزوں کا مطالبہ کیا وہ چیزیں تمہارے پروردگار جل شانہ کے نزدیک نہایت حقیر ہیں، اور آپ کی شان عالی کے لئے بھی مناسب نہیں، کیونکہ جس ذات عالی کے ہاتھوں میں آٹھوں جنتوں کی کنجیاں ہوں اسے دنیاوی محلات وقصور کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ یہ پورا عالم جس کے طفیل پیدا ہو وہ ہر چیز سے مستغنی ہی ہوگا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے میرے پروردگار نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادوں، میں نے عرض کیا: پروردگار! بس یہ نہیں چاہتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر لوں اور ایک دن بھوکا رہوں، جب بھوکا رہوں تو تیری طرف رجوع کروں، اور تجھے یاد کروں، الحاح وزاری کروں، اور جب پیٹ بھروں تو تیری تعریف کروں اور تیرا شکر ادا کروں۔ [أحمد، و الترمذي]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے، ایک فرشتہ جس کی کمر کعبہ شریف کے برابر تھی، میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ کا ربّ عزّ وجل آپ کو سلام کہتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی اور بندہ رہیں (فقیر رہیں) اور اگر چاہیں تو نبی اور بادشاہ رہیں۔ جبرئیل امین علیہ السلام پہلے سے میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا، (مشورہ لیتے ہوئے) تو جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ تواضع کرو (فقر اختیار کرو)، تو میں نے کہا کہ میں نبی اور بندہ (فقیر) رہنا چاہتا ہوں۔ [مظهري، شيخ زاده]

بعض روایات میں ہے کہ یہ فرشتہ حضرت اسرافیل علیہ السلام تھے، اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن میں آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی ہے، اور فقیری پر فخر کرتے ہوئے دعا کی ہے: ”اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ“۔ اے میرے ربّ! مجھے زندہ رکھ مسکینی کے ساتھ، اور مسکینی پر مجھے موت دیں، اور قیامت کے روز مسکینوں کی جماعت میں اٹھائیں۔ [مشکوۃ]

دنیا میں جتنے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ان سب کا فقر اختیاری تھا، فقر میں جو نورانیت وفوائد ہیں وہ حساب سے باہر ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے علماء وخواص سب نے فقر کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ پھر فرمایا کہ کفار کے اعتراضات کا منشا یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان درویشی وفقیری ان کے ہدایت وایمان میں رکاوٹ ہے بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ:

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا﴾ درحقیقت انہوں نے قیامت کی تکذیب کی ہے، اور یہ واضح ہے کہ جو شخص قیامت کو نہیں مانتا وہ ہر خیر سے محروم رہے گا، اور جانوروں کی طرح بے حس وبے شعور رہے گا، اور مادر پدر آزاد ہو کر تمام خوبیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، اور جنہوں نے قیامت کو جھٹلایا تو ایسے لوگوں کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، قیامت کے روز یہی ان کا ٹھکانہ ہوگا۔

﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ جب دوزخ ان کو دور سے دیکھے گی: ﴿سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا﴾ تو وہ لوگ جہنم سے جوش وخروش اور غضبناک آواز کو سنیں گے، وہ اتنی سخت اور دل ہلانے والی چیخ ہوگی کہ دور ہی سے ناقابل برداشت ہوگی۔ دوزخ کا جوش اور غیظ وغضب مثالی ہوگا۔ حضرت ابووائل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ایک بزرگ صحابی ربیع رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، راستے میں لوہار کی دکان آئی جہاں لوہا آگ میں تپایا جا رہا تھا، اب بھٹی کو دیکھ کر ربیع رضی اللہ عنہ کی حالت خراب ہوگئی، عذاب الٰہی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا، اور قریب تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ پھر آگے نہر کے کنارے پر ایک آتشین بھٹی کو جوش مارتے ہوئے دیکھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ آیت نکلی: ﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا﴾ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے پلٹ کر دیکھا تو حضرت ربیع رضی اللہ عنہ پر بے ہوشی طاری ہو چکی تھی، وہ اس خیال میں مستغرق ہوگئے کہ جب دنیا کی اس بھٹی کا اس قدر جوش وخروش ہے تو جہنم کا جوش وخروش کس قدر تند وتیز اور ہولناک ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دو پہر تک حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے رہے، ان کو ہوش میں لانے کی ترکیب

وچارہ کرتے رہے، مگر وہ ہوش میں نہ آئے، اور اسی بیہوشی میں وفات پاگئے۔[تفسیر مواہب الرحمن]

﴿وَإِذَآ أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا﴾ جب دوزخی دوزخ میں کسی تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو اس وقت ہلاکت کو پکاریں گے اور کہیں گے: ہائے ہماری ہلاکت وتباہی! مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ابلیس کو دوزخ کی آگ کا لباس پہنایا جائے گا، وہ اس لباس کو اپنے سر پر اٹھا کر چیخ وپکار کرے گا، اور ہائے ہلاکت ہائے ہلاکت کہتا ہوا دوڑے گا، اس کے ساتھ اس کے ماننے والے بھی ہلاکت وتباہی کو پکاریں گے، پھر ادھر سے جواب آئے گا:

﴿لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا وَّادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا﴾ آج صرف ایک ہلاکت کو مت پکارو، بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو، آج تمہیں ہر گناہ اور بدعملی کی علیحدہ علیحدہ سزا ملے گی، اور ہر سزا کی نوعیت الگ ہوگی، لہٰذا تمہاری ہلاکتیں بے شمار ہوں گی، کسی ایک پر واویلا نہ کرو۔ اور دوزخ میں تنگ جگہ میں ڈالنے کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ دوزخیوں کو کسی تنگ وتاریک مقام پر اس طرح ٹھونس دیا جائے گا جس طرح کسی پتھر میں قوت وسختی کے ساتھ کیل ٹھونک دی جائے۔ پھر محشر کی میدان کی تنگی اور بے پناہ پریشانی اس کے علاوہ ہیں۔

﴿قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ﴾ کیا یہ بات بہتر ہے کہ جہنم کی تنگ و تاریک جگہوں میں زنجیروں میں جکڑ کر مجرموں کو ڈال دیا جائے؟ یا ہمیشہ کا باغ بہتر ہے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے؟ پس کفار ومشرکین کتنے ناعاقبت اندیش اور بدقسمت ثابت ہوئے کہ بجائے جنتوں کے جہنم کا انتخاب کیا، اور مؤمنین کتنے خوش قسمت نکلے جنہوں نے اپنے لئے جنت کا انتخاب کیا۔

﴿كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيرًا﴾ یہی جنت ان کے نیک اعمال اور خوبیوں کا اچھا بدلہ ہے، اور ہمیشہ رہنے اور لوٹ کر جانے کا ٹھکانہ بھی ہے۔ فرمایا: ﴿لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُونَ خٰلِدِينَ﴾ وہاں ان کے لئے ہر وہ چیز ہوگی جسے وہ حضرات چاہیں گے، وہاں من مانی مرادیں پائیں گے، ہر ادنیٰ جنتی کو وہی کچھ بہتر ملے گا جو دنیا کے ہفت اقلیم کے بادشاہ کے تصور میں بھی نہ ہو۔ پھر لطف یہ ہے کہ نعمتیں، یہ فرحتیں اور یہ نزاکتیں عارضی نہیں، بلکہ دائمی وابدی ہیں۔ ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا﴾ حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے فرضل وکرم کے ساتھ یہ وعدہ اپنے ذمے لے رکھا ہے جو کہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس متقین کو چاہئے کہ اپنے اعمال کے ذریعہ اور دعاؤں، التجاؤں کے ذریعہ اپنے کریم و رحیم ربّ عزّ وجل سے جنت الخلد کا ہمیشہ سوال کیا کریں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ
ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ
مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ
فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا
قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ
لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع فرمائے گا، اور ان کو بھی جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، اور ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود ہی گمراہ ہوگئے؟ ﴿۱۷﴾ وہ کہیں گے کہ آپ کی ذات پاک ہے، ہمارے لئے یہ درست نہیں ہے کہ ہم آپ کے علاوہ دوسروں کو اولیاء بنالیں، لیکن بات یہ ہے کہ آپ نے ان کے باپ دادوں کو نعمتیں دیدیں یہاں تک کہ وہ ذکر کو بھول گئے، اور وہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے ﴿۱۸﴾ سو انہوں نے تمہاری بات کو جھٹلا دیا، سو تم کسی بھی طرح عذاب دفع نہیں کرسکتے، اور نہ کسی طرح کی مدد پا سکتے ہو، اور تم میں سے جو شخص ظلم کرے گا ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے ﴿۱۹﴾ اور بات یہی ہے کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہم نے بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے، اور بازاروں میں چلتے تھے، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے امتحان بنایا ہے، کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا ربّ دیکھنے والا ہے ﴿۲۰﴾

معارف ومنازل

قیامت کے روز مشرکین بھی مبعوث ہوں گے اور ان کے معبود بھی موجود ہوں گے جن کی وہ عبادت کرتے تھے، یہ معبود فرشتے بھی ہوں گے جن کی عبادت مشرکین نے کی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام بھی ہوں گے جن کی عبادت نصاریٰ اور یہود نے کی۔ اسی طرح اصنام واوثان بھی ہوں گے جن کی عبادت دنیا کی مختلف قوموں نے کی۔ ان معبودوں سے اللہ تعالیٰ شانہ کا سوال ہوگا کہ یہ میرے بندے جنہوں نے شرک کیا اور تمہاری عبادت کی، کیا تم نے انہیں گمراہ کیا اور اپنی عبادت وشرک کی دعوت دی یا یہ خود گمراہ ہوئے؟

پس وہ جواب میں کہیں گے کہ اے اللہ تعالیٰ! آپ کی ذات پاک ہے، ہمارے لئے لائق نہیں کہ ہم آپ کو

چھوڑ کر دوسروں کو ولی بنائیں، ہم ان مشرکین سے دوستی رکھنے والے اور تعلق جوڑنے والے نہیں تھے، ہم ان سے بیزار تھے، انہوں نے خود گمراہی اختیار کی ہے، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں، اور ان کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو بکثرت مال و دولت عطا فرمایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عیش و عشرت اور شہوتوں میں غرق ہو گئے، اور کبر و غرور و سرکشی میں مست ہو گئے، اور آپ کی یاد اور حق کو بھول گئے، اور ہدایت کے دشمن اور بدخواہ بن گئے، اور نتیجے میں تباہی و بربادی حاصل کر گئے اور ہلاک ہو گئے۔ فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے باطل معبودوں کو بھی اٹھائے گا۔ اس روز عابد و معبود جمع ہو کر آمنے سامنے ہوں گے، پس اللہ تعالیٰ ان سب معبودوں سے سوال کریں گے، خواہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام ہوں یا فرشتے یا اولیاء و مشائخ، یا جنات و سادات، اور پیر صاحبان، جن کی درباروں اور چوکھٹوں پر بے دھڑک سجدے ہوتے تھے۔

﴿فَيَقُوْلُ ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ﴾ کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا اور انہیں اپنے پاؤں پر سجدہ کرایا، اور انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا یا یہ لوگ خود اپنے طور پر گمراہ ہو گئے تھے، اور شرک میں مبتلا ہو گئے تھے؟ یہ سوال اس لئے ہوگا تا کہ اتمام حجت بھی ہو، اور میدان محشر میں پورے حقائق سب کے سامنے ظاہر ہوں، ورنہ ہر ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ سبحانہ کے پاس ہے، اسے کیا ضرورت کہ کسی سے کوئی سوال کرے۔ پس ان کے معبودوں کا جواب یہ ہوگا:

﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ اے ہمارے پروردگار! تو ہر شرک و شریک سے پاک ہے، کیا مجال کہ ہم آپ کو چھوڑ کر آپ کے سوا کسی کو دوست بنائیں؟ ہم نے کبھی ان کو اپنی عبادت کی دعوت نہ دی، اور نہ کسی کے ساتھ اس سلسلے میں کوئی ساز باز کیا، یہ لوگ خود گمراہ ہو گئے تھے، آپ کو بھول چکے تھے، اور آپ کی توحید کی طرف بلانے والوں کی تکذیب کر رہے تھے، ان کو شیطان نے جو پٹی پڑھائی انہوں نے اس پر عمل کیا اور مشرک بنے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ:

﴿وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا﴾ کہ تو نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو دنیا میں بڑا نوازا، بے تحاشا مال و دولت عطا فرمایا، جس کے نشے میں وہ مست ہو گئے، شہوتوں اور خواہشوں کے غلام بن گئے، آپ کو اور آپ کی توحید اور حکموں کو بھول گئے، جس کے نتیجے میں ہلاکت کے گڑھے میں

گر کر تباہ ہو گئے۔

﴿قَوْمًا بُوْرًا﴾ بُوْرًا ہلاکت کے معانی میں ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا﴾[الفتح:۱۲] (اور یہی بات تمہارے دلوں کو اچھی معلوم ہوتی تھی، اور تم نے برے برے گمان کیے تھے، اور تم ایسے لوگ بن گئے تھے جنہیں برباد ہونا تھا)۔﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾[ابراهيم:۲۸] (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں لا اتارا)۔فرمایا:

﴿فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ﴾ تمہارے معبودوں نے تمہاری بات کو اور تمہاری عبادت کو جھٹلایا ہے اور مسترد کیا ہے، یا یہ کہ تم کہتے تھے کہ روز قیامت یہ ہماری شفاعت کریں گے اور سفارش کر کے ہمیں چھڑائیں گے، تو آج انہوں نے تمہیں جھٹلا دیا، اور صاف کہہ دیا کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز نہیں مانتے، پھر دوسروں کو کیسے کہہ سکتے تھے کہ تم ہمیں کارساز تسلیم کرو۔

﴿فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا﴾ آج حالت یہ ہے کہ تم اتنی بھی طاقت نہیں رکھتے کہ اپنے آپ سے کسی تکلیف کو ہٹا سکو، یا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا دفاع کر سکو، نہ کسی کی یا اپنی مدد کر سکو، یا کسی سے مدد حاصل کر سکو۔ جس طرح شیطان خدا تعالیٰ کی عنایتوں سے محروم و مایوس ہے، آج تمہارا بھی اسی طرح کا حال ہوگا۔

﴿وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا﴾ تم میں سے کوئی ظلم کرے گا شرک کا ارتکاب کرے گا ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے، کیونکہ: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان:۱۳] (بیشک شرک کرنا بڑا ظلم ہے) کیونکہ گناہ جتنا بڑا ہوگا اسی قدر اس کی سزا بھی بڑی ہوگی، اور شرک کے علاوہ ہر گناہ کی مغفرت ہو سکتی ہے مگر شرک کی نہیں ہوگی۔اب معترضین کے اعتراضوں کے جوابات:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا﴾ آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول ایسے نہیں بھیجے، مگر وہ انسان تھے، کھانا کھاتے تھے اور اپنے حوائج و معاملات کے لئے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے ، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے ذریعہ امتحان و آزمائش بنایا ہے کہ کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور تیرا ربّ ہر حال میں دیکھ رہا ہے، ہر ہر ذرہ کو دیکھتا بھی ہے، اور جانتا بھی ہے۔

انبیاء ورسل علیہم السلام جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو یا کہ صرف آٹھ ہزار، یہ سارے انسان اور بشر تھے، جنات میں سے کوئی نبی نہیں آیا، اسی طرح انسانوں اور جنات کی ہدایت کے لئے نبی فرشتہ نہیں آیا۔ پس سارے انبیاء کرام علیہم السلام جب بشر ہی تھے تو بشریت کے خواص اور تقاضے اور لوازمات سارے ان کے اندر موجود تھے، سوائے خطاء، گناہ اور بے رحمی، غفلت وغیرہ کے، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام ساری غلطیوں اور گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ البتہ کھانا، پینا، خوشی، غمی، بیماری، نکاح، بیوی بچے، لین دین، سونا جاگنا، اور جوانی بڑھاپا، وغیرہ جتنے جائز انسانی لوازمات ہیں وہ سب ان میں موجود ہیں، یہاں تک کہ لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید بھی کیا، اور ان پر ظالموں نے جادو بھی کیا، معرکوں میں زخمی بھی ہوئے، دانت بھی شہید ہوئے۔

یہ جو فرمایا کہ تمہارے بعض کو بعض کے لئے امتحان وآزمائش بنایا، یہ اس لئے کہ اول تو ہر شخص کی زندگی آزمائش ہے، اور ہر آدمی اپنی زندگی کے بارے میں آزمائش میں ہے، پھر مسلمان کافر کے لئے اور کافر مسلمان کے لئے، فقیر غنی کے لئے اور مالدار فقیر کے لئے، حتیٰ کہ ہر شخص اپنے اہل وعیال کے لئے اور بیوی بچے ان کے لئے، شاگرد استاد کے لئے، ہمسایہ اپنے ہمسایہ کے لئے، سب حقوق کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کے بارے میں آزمائش میں ہیں، کہ کون کیا کرے گا کون حق ادا کرتا ہے کون نہیں کرتا۔ تو انسان کی پوری زندگی امتحان وآزمائش میں ہے، کچھ اپنے بارے میں کچھ دوسروں کے بارے میں، خواہ حقوق اللہ ہوں، خواہ حقوق العباد ہوں۔

﴿الجزء التاسع عشر﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ
وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے؟ یا یہ کیوں نہ ہوا کہ ہم اپنے ربّ کو دیکھ لیتے، بلاشبہ انہوں نے اپنے نفسوں کو بڑا سمجھا، اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی ﴿۲۱﴾ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرمین کے لئے کوئی بشارت کی چیز نہیں ہوگی، اور وہ کہیں گے: ہٹاؤ اور بچاؤ ﴿۲۲﴾ اور انہوں نے جو بھی عمل کئے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر فضاء میں نظر آنے والے مٹی کے ذرات بنا دیں گے (گرد وغبار بنا کر) ﴿۲۳﴾ اس دن جنت والے بہتر ہوں گے ٹھہرنے کی جگہ کے اعتبار سے، اور آرام کرنے کی جگہ کے اعتبار سے ﴿۲۴﴾

معارف ومنازل

منکرین نبوت کا ایک احمقانہ شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نازل نہ کئے؟ جو ہمارے سامنے آکر آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی شہادت دیتے کہ آپ ﷺ واقعی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں، یا اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) ہمارے سامنے آئے اور ہمیں سمجھائے کہ یہ شخص میرا رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے اس غیر سنجیدہ جاہلانہ اور احمقانہ وگستاخانہ شبہ اور سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ بڑے سرکش اور متکبر ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس مرتبہ کے سمجھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ شانہ ان کے پاس آئے، اور (معاذ اللہ) ان سے یہ سفارش کرے کہ تم لوگ میرے نبی پر ایمان لاؤ، یہ ان کی حیثیت سے کہیں زیادہ گستاخی ہے۔

اسی طرح کا بنی اسرائیل کے گمراہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بھی مطالبہ کیا تھا، اور ان احمقوں کا یہ کہنا کہ ہمارے پاس فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ وہ یہ نہیں جانتے کہ فرشتہ کسی کی خوش آمدی اور سلام کے لئے نہیں آتے، وہ جب آتے ہیں تو

عذاب لے کر آتے ہیں، تو ان کے آنے کے ساتھ تمہارے غرور کا نشہ ان شاء اللہ تمہارے دماغ سے اتر جائے گا۔ تو فرمایا:

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ہمارے سامنے پیش ہونے کی امید نہیں رکھتے یعنی قیامت، حیات بعد الموت اور حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے قائل نہیں، اسی کے ساتھ وہ توحید ورسالت کے بھی منکر ہیں۔ ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟ یا ہم خود اپنی آنکھوں سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں، اور اس سے ہمکلام ہوں۔ گویا کفار نے ایمان لانے کے لئے اتنی بڑی گستاخی اور جسارت کی کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو اپنے سامنے لاکھڑا کرنے کی شرط عائد کردی۔ تو فرمایا:

﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا﴾ انہوں نے یہ شرط عائد کر کے اپنے دل میں کس قدر تکبر کیا، اور اپنے آپ کو کتنا بڑا اور عظیم سمجھا، اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کا ارتکاب کیا، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کا اپنے آپ کو اہل سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تمہیں فرشتوں سے ملاقات کا شوق ہے تو ہم تمہارے اس شوق کو ضرور پورا کریں گے، وہ یہ:

﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ جس دن یہ فرشتوں کو سامنے دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لئے خوشخبری کا کوئی موقع نہیں ہوگا۔ یہ فرشتے موت کے وقت، پھر برزخ میں، پھر محشر کے ہولناک اوقات میں خوب ان کی خبر لیں گے، اور انہیں زنجیروں میں جکڑ کر: ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ﴾ [محمد: ۲۷] (فرشتے ان کے چہروں پر اور پشتوں پر ماریں گے) اور انہیں جہنم رسید کریں گے۔ اس وقت وہ:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ کہتے ہوں گے کہ کاش ہمارے اور اس خوفناک منظر کے درمیان کوئی پردہ ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے یہ معنی منقول ہیں: حَرَاماً مُحَرماً۔ اور مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جب یہ لوگ فرشتوں کو عذاب کے ساتھ دیکھیں گے، اور ان سے معافی کا مطالبہ کر کے جنت میں لے جانے کی درخواست کریں گے یا تمنا ظاہر کریں گے، تو فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے: ﴿حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ یعنی معافی اور جنت کافروں پر ممنوع اور حرام ہے۔ [مظهري]

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ روشندان سے جب دھوپ اندر آرہی ہو، اس میں جو باریک باریک ذرات نظر آتے ہیں ان کو ''هَبَآء'' کہا جاتا ہے۔ اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے

کئے ہوئے نیک اعمال کی طرف تو ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ہم انہیں بکھرے ہوئے ذرات کی مانند گردوغبار کی طرح نابود کریں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ [ابراھیم:۱۸] (جن لوگوں نے اپنے ربّ کے ساتھ کفر اختیار کیا، ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جسے آندھی طوفان والے دن میں ہوا تیزی سے اڑا لے جائے)۔

جن کے اعمال کے ساتھ توحید وایمان کا وجود نہ ہوگا تو ان کے اچھے اعمال ذرات اور راکھ کی طرح پراگندہ ہوں گے۔ جب قیامت کے روز لاکھوں مؤمنوں کے اعمال صالحہ جو پہاڑوں کے برابر ہوں گے، ریاکاری، اور حرام خوری کی وجہ سے وہ بھی ضائع ہوں گے تو کافروں کے اعمال بطریق اولیٰ۔ البتہ کفار کے نیک اعمال کا بدلہ انہیں ضرور دنیا میں مال، صحت اور خوشحالی کی صورت میں ملے گا۔

﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ اس روز اہل جنت ٹھکانے کے اعتبار سے بھی بہتر خوشحال ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کے مقابلے میں جنتی حضرات بڑے خوشحال ہوں گے ان کا ذرہ ذرہ عمل صالح بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو، پہاڑوں کے برابر ہوگا، کھجور کا نصف جتنا عمل پہاڑ کے برابر ہوگا۔ [عمدة القاري: ج:۷] مستقر رہنے کی عمدہ جگہ اور مقیل کے معنی ہیں: قیلولہ، اور دوپہر کو سونا اور آرام واستراحت کرنا۔ جنت میں چونکہ نیند نہیں، تو مراد آرام ہی ہے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ تَنْزِيْلًا ۝٢٥ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذِ ِۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ
يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝٢٦ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ
سَبِيْلًا ۝٢٧ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝٢٨ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاۗءَنِيْ ۭ وَكَانَ
الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝٢٩ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝٣٠
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝٣١

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا، اور بکثرت فرشتے نازل کئے جائیں گے ﴿۲۵﴾ آج ملک رحمن عزّوجل ہی کے لئے ہے، اور دن کافروں پر سخت ہوگا ﴿۲۶﴾ اور اس دن کو یاد کرو جس دن ظالم اپنے

ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا، اور یوں کہے گا: کاش میں رسول کے ساتھ راستہ بنالیتا۞ ہائے میری بربادی کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۞ البتہ اس نے مجھے اس کے بعد ذکر سے ہٹادیا، جبکہ میرے پاس ذکر آگیا تھا، اور شیطان انسان کو بے یارومددگار چھوڑنے والا ہے۞ اور رسول کا کہنا ہوگا کہ اے ربّ! میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کررکھا تھا۞ اور اسی طرح ہم نے مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے ہیں، اور ہدایت دینے اور مدد کرنے کو آپ کا ربّ کافی ہے۞

معارف ومنازل

﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا﴾ معنی یہ ہے کہ آسمان شق ہوکر اس میں سے ایک رقیق سفید بادل نمودار ہوگا، اس بادل میں ربّ العزّت سبحانہ کی ایک خاص تجلی ہوگی، اس بادل کے اردگرد فرشتے ہوں گے، یہ حساب وکتاب شروع ہونے کا وقت ہوگا، اور اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا۔ یہ وہ پھٹنا نہیں ہوگا جو پہلی مرتبہ نفخہ صوراول کے وقت آسمان وزمین کو فنا کرنے کے لئے ہوگا، کیونکہ یہ نزول غمام جس کا ذکر آیت کریمہ میں ہے نفخہ ثانیہ کے بعد ہے، جبکہ زمین وآسمان دوبارہ درست ہوچکے ہوں گے۔ [بیان القران]

ان نازل شدہ فرشتوں کے ہاتھوں میں لوگوں کے نامہ اعمال ہوں گے، اور حساب وکتاب کا مرحلہ ہوگا۔ سورۂ بقرہ میں اسی غمام اور ملائکہ کے نزول کا بیان اس طرح ہے: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ﴾[البقرة: ۲۱۰] (کفار اس کے سوا کس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ خود بادل کے سائبانوں میں ان کے سامنے آموجود ہو، اور فرشتے بھی، اور سارا معاملہ ابھی چکادیا جائے؟) (تفصیل وہاں دیکھیں)۔

غمام کے معنی سفید بادل کے ہیں۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غمام سے نور عظیم کا سائبان مراد ہے، جس سے آنکھیں چکاچوند ہوجائیں گی۔ اور غالباً اسی نورانی بادل کو ابورزین کی حدیث میں ''عماء'' سے، اور سنن نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے ''غیابۃ'' سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ شب معراج میں سدرۃ المنتہٰی سے اوپر ایک بادل میں تشریف لے گئے۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے آیت کریمہ کو پڑھا اور پھر فرمایا: جب قیامت کے دن تمام انس وجن اور تمام طیور وحیوش میدان محشر میں جمع ہوجائیں گے، تو اول آسمان دنیا شق ہوگا اور فرشتے نازل ہوں گے، پھر بقیہ ساتوں آسمان باری باری شق ہوجائیں گے، اور فرشتے نازل ہو کر تمام خلائق کا احاطہ کرلیں گے، بعد ازاں ابر کے سائبانوں میں حق تعالیٰ کا نزول اجلال ہوگا تاکہ بندوں کے اعمال کا حساب وکتاب ہو، اور جزاء وسزا کا فیصلہ ہو۔ [ابن کثیر]

﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾ اس دن سلطنت و بادشاہت رحمن جل شانہ کی ہوگی، صرف اسی مالک یوم الدین کا حکم چلے گا، مجازی بادشاہ سارے ختم ہوجائیں گے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [غافر: ١٦] (کس کی بادشاہی ہے آج؟ صرف اللہ کی جو واحد اور قہار ہے)۔ سرور عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک ہاتھ میں آسمان اور ایک ہاتھ میں زمین کو لے کر فرمائے گا: "أنا الملک أنا الديان أين ملوک الأرض وأين الجبارون؟"۔ میں ہوں بادشاہ، میں ہوں فرمانروا، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں وہ جبار؟ کہاں ہیں وہ متکبر لوگ؟ [مسند أحمد، بخاري، مسلم، أبو داؤد]

یہاں لفظ رحمن میں مسلمانوں کے لئے پیغام رحمت ہے، وہاں لفظ قہار میں کفار کے لئے پیغام قہر ہے۔ اسی کو فرمایا کہ یہ دن کافروں پر سخت اور بھاری ہوگا، مؤمنوں کے لئے اتنا سہل ہوگا جیسے چار رکعت نماز کی ادائیگی۔ اسی کے متعلق فرمایا: ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ﴾ [الأنبياء: ١٠٣] (یعنی قیامت کی ہولناک گھبراہٹ بھی ان کو پریشان اور غمگین نہیں کرے گی) وہ بڑے سکون واطمینان میں رہیں گے۔

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ﴾ اور جس دن ظالم ونافرمان اور مشرک اپنے ہاتھوں کو منہ میں ڈال کر کاٹے گا، شدت غم سے انگلیوں کو چبا کر ہائے افسوس ہائے میری تباہی کا واویلا کرے گا، اور حسرتوں میں بے خود ہو کر کہے گا: کاش میں دنیا میں رسول کے ساتھ راستہ بنالیتا، اس کے دین کو قبول کرکے صراط مستقیم اپنالیتا۔ آیت کریمہ کا حکم عام ہے اربوں کی تعداد میں حسرت کرنے والے قیامت کے روز منہ میں مٹی ڈال کر یہی کہتے ہوں گے۔

آیت کا نزول ایک شخص کے متعلق ہے، مگر حکم عام ہے۔ عقبہ بن ابی معیط لعنتی جس نے سرور عالم ﷺ کی پیٹھ مبارک پر بحالت سجدہ اونٹ کی گند سے بھری ہوئی اوجھڑی رکھی تھی، یہ شخص آپ ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا، اگلی

آیت میں اس کی دشمنی کا ذکر ہے۔ یہ شخص کسی وقت اسلام کی طرف مائل ہو چکا تھا، مگر اس کا دوست ابی بن خلف نے اسے نہیں چھوڑا اور اسلام کا زوردار دشمن بنا کر چھوڑ دیا، بعد میں غزوۂ بدر کے میدان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے امیہ بن خلف قتل ہوا، تو اس کے بھائی اسی ابی بن خلف نے قسم کھائی کہ اپنے بھائی کے بدلے میں یہ کروں گا وہ کروں گا، غزوۂ بدر کے ایک سال بعد غزوۂ احد کے موقع پر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر براہ راست حملہ آور ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے نیزہ کی نوک اس کو ماری، وہ پورے میدان میں بے خودی کے ساتھ چیختا چلاتا رہا، لوگ جمع ہو گئے اسے ملامت کرنے لگے، تم نامرد ہو معمولی خراش سے آسمان سر پر اٹھا کر چیختے چلاتے ہو، یہ کوئی بڑا زخم نہیں جس سے تمہاری موت واقع ہو، یہ معمولی خراش ہے، ٹھیک ہو جائے گی۔

وہ کہنے لگا: یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ کا مارا ہوا زخم ہے، یہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا، اگر مجھے سو تلواریں ماری جائیں تو شاید ان سے ٹھیک ہو جاؤں مگر یہ ہرگز مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا، اس معمولی خراش میں جو جلن و سوزش ہے، شاید اسے اونٹ بھی برداشت نہ کر سکے، پھر فوراً اسی میدان میں جہنم رسید ہو کر مر گیا۔

رہا عقبہ بن ابی معیط جنگ بدر کے قیدیوں میں تھا، سارا وقت روتا اور شور کرتا اور اپنے مرے ہوئے ساتھیوں کو یاد کرتا تھا، اور کہتا تھا: میں ان کے بعد دنیا میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی بدزبانی سے تنگ آگئے اور اسے تہہ تیغ کر کے جہنم پہنچا دیا۔

﴿يَوَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا﴾ ہائے میری ہلاکت اور بربادی، کاش میں دنیا میں فلاں شخص کو یعنی ابی بن خلف یا عمومی معنی کے لحاظ سے کوئی بھی کافر، مشرک یا فاسق و فاجر، بے دین شخص کو دوست نہ بناتا۔

﴿لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي﴾ بیشک اسی دوست نے مجھ کو قرآن سے نصیحت اور ہدایت سے گمراہ کیا اور بہکا کر دور کر دیا، جبکہ وہ نصیحت اور ہدایت میرے پاس آچکی تھی، اگر یہ دوست نہ ہوتا اور اس کی شرارت نہ ہوتی تو میں اس ہدایت اور نصیحت کو قبول کر چکا ہوتا۔ دوسری طرف یہ:

﴿وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا﴾ اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا، دھوکہ دینے والا ہے، اس کو گناہوں کا سبز باغ دکھا کر نیکیوں سے دور رکھ کر ایک ایسے گمنام گڑھے میں پھینک دے گا جہاں سے نکلنا مشکل ہو۔ آگے عام شیطانی اعمال کی مذمت ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ اور سرور عالم محمد رسول اللہ

ﷺ اس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ کہیں گے اور برحق سچ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو متروک یعنی چھوڑا ہوا بنا دیا، اس قرآن کی طرف توجہ نہ کی، اس قرآن پر عمل نہیں کیا، اس کو دستور العمل نہیں بنایا، اس کو آئینی حیثیت نہیں دی، اس کو یاد نہیں کیا، اس کی قراءت اور تعلیم کو جہالت قرار دیا، اس کے پڑھنے والوں کو اپنے معاشرے پر بوجھ سمجھا، اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا، اور اس کو ایک مہمل کتاب قرار دے کر اس کے محافظوں کو دہشت گرد قرار دیدیا۔

اے مسلمانو! غور کرو:

عدالت اللہ تعالیٰ کی ہے، ایف آئی آر درج کرانے والا سرور عالم ﷺ کی ذات گرامی ہے، ایف آئی آر میں کافروں کا نام نہیں، اور یہ ان کے خلاف بھی نہیں، اس میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، چائنا، ہندوستان کا نام نہیں، اس میں فرما رہے ہیں: ﴿إِنَّ قَوْمِي﴾ اے میرے پروردگار! میری قوم نے قرآن سے پہلو تہی کر کے اسے پس پشت ڈال دیا، اور اسے ناقابل عمل فرسودہ نظام قرار دے کر پورے معاشرے سے رخصت کرا دیا۔

آج پوری دنیا میں ساٹھ کے قریب مسلمان ممالک ہیں ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ اقتدار والوں تک سب اسلام کے دعویدار ہیں، مگر قرآن وسنت کے نظام سے سارے ہاتھ خالی اور محروم ہیں، یہاں تک کہ قرآنی نظام کو اپنی ترقی میں رکاوٹ سمجھتے ہیں، اور قرآنی نظام سے یک لخت نفرت کرتے ہیں۔ کسی اسلامی ملک کے سربراہ میں یہ جرأت نہیں کہ اپنے ملک میں قرآنی نظام کو بطور آئین نافذ کردے۔ بالفرض اگر کوئی اس نظام کا محض تذکرہ کرے تو بڑے بڑے لوگ اس کو انتہاء پسند یا دہشت گرد کہہ کر اس کی مخالفت کریں گے۔

اقوام عالم کا یہ حال ہے کہ ان کی پوری قوت اسلامی نظام کے مٹانے میں صرف ہو رہی ہے، اور ان کی اس ناروا جد وجہد میں مسلمان حکمران ان کے شریک اور ہم رکاب ومعاون ہیں۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [المائدة:۴۴] (اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ لوگ کافر ہیں) ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [المائدة:۴۵] (وہ لوگ ظلم ہیں) ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [المائدة:۴۷] (وہ لوگ فاسق ہیں) کا اگر ترانہ سنتے ہیں تو چیخ بپا ہو کر پورے اسلامی نظام کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اور گزشتہ ہلاک شدہ اقوام نے اپنے اپنے پیغمبروں علیہم السلام کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا تھا، آج کے مسلمان حکمران، اور سرمایہ دار طبقہ وہی سلوک علماء امت ومشائخ ملت کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں۔ آج سارا جہاں غالباً

آزادی کے سائے میں جی رہا ہے، صرف ایک ہی اسلام اور اسلام پر پابندی سے چلنے والا مٹھی بھر دیندار طبقہ جو اپنے اصحاب اقتدار اور حکمرانوں کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے غیروں کا غلام بنا ہوا ہے، اس عالمگیر اور عظیم فتنہ کے سامنے امت کے غیور چند خدا پرست علماء، وصلحاء، مبلغین، اسلامی دانشور، ودیندار لوگ بے بس اور مجبور ہیں، وہ اسی انتظار میں ہیں کہ اس عظیم بین الاقوامی مہلک فتنوں کے مٹانے اور ختم کرنے کے لئے شاید ربّ العزت ایک عظیم مصلح اور عظیم مجدّد کا راستہ ہموار کرلے۔ وہ ہیں حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی مہدی آخر الزمان، جن کی تشریف آوری کا سب کو انتظار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ صبر کا پیمانہ جو ٹوٹنے والا ہے اسی مجدّد کبیر کے ہاتھ سے اس کی پیوندکاری ہو۔ واللہ المستعان

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کرکے گھر میں معلق کردیا، نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی، اور نہ اس کے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا، اب آپ میرے اور اس کے معاملے میں فیصلہ فرمائیں۔ [ثعلبی، قرطبی] پس فیصلہ قرآن کے حق میں ہوگا۔

کوئی سرکاری مولانا، کوئی سرکاری مراعات یافتہ حضرت، کوئی یورپی تہذیب کا دلدادہ، کوئی انگریزی پادری، کوئی پروفیسر صاحب، کوئی قادیانی، پرویزی، چکڑالوی، کوئی نام نہاد یورپی تعلیم یافتہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ ﴿قَوْمِي﴾ کے لفظ کا مخاطب اور اس کا مصداق تو قریش مکہ کے لوگ ہیں، ہم اور دوسرے لوگ اس سے تو مستثنیٰ ہیں، اور اس مخصوص شکایت نبوی کے مصداق نہیں ہیں۔ ماشاء اللہ یہ بہت اچھی خانہ زادہ توجیہ ہے، آپ بدعملی کا سارا ملبہ دوسروں کی گردن پر رکھ چھوڑو، اور خود اس بوجھ سے آزادی حاصل کرو، یہی تو آپ کی کم فہمی اور بے علمی ونادانی کا ثبوت ہی ہوگا۔

وہ فریب خوردہ شاہین جو پلا ہو کرگسوں میں ☆ اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ ورسم شاہبازی

قرآن کریم اپنے الفاظ، نظم، معانی، مطالب، قراءت، تجوید، بیان اور مضامین وغیرہ سب میں معجزہ ہے۔ اور وہ جس انداز سے بیان کرتا ہے اس کا سیاق وسباق اور طرز بیان اتنا اونچا اور ہمہ گیر اور جامع ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات پر عبور حاصل کرنا طوق بشر سے نہایت بلند وبالا ہے۔ اگر وہ چند اوراق میں لکھا ہوا کسی کے پاس ہے، یا مسجد کی زینت بنا ہوا ہے تو دوسری جہت میں وہ عرش معلیٰ سے نور وروشنی اور ہدایات لے کر پورے عالم کی راہنمائی کررہا

ہے۔وہ جس طرح ایک مکی، قریشی، عرب کو خطاب کرتا ہے اس کا یہ خطاب ایسا جامع ہوتا ہے کہ قیامت تک آنے والی پوری انسانیت پر مشتمل ہوتا ہے، وہ نہ حجازی ہے، نہ مشرقی، اور نہ مغربی، نہ جنوبی، اور نہ شمالی، نہ سرخ اقوام کے لئے ہے، نہ خاص کالے لوگوں کے لئے، وہ اپنے نازل کرنے والی ذات کی طرح لامکان بھی ہے اور لازمان بھی، وہ پورے عالم کے لئے ہے، اور اس کے مخاطب پوری نسل انسانی ہے، وہ اگر نماز کا حکم دیتا ہے یا روزہ، وزکوٰۃ، وحج کا تو وہ قیامت تک آنے والی نسلِ آدم کے لئے عام ہوتا ہے۔جس میں زمانہ، قوم، رنگ ونسل اور وطن کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی، اس کی کسی آیت کا نزول اگر خاص مقصد یا کسی کام کے لئے ہوتا ہے تو یہ نزول کا سبب کہلاتا ہے، اور حکم اس کا ساری انسانیت کے لئے عام ہوتا ہے، کیونکہ وہ جس عظیم ہستی پر نازل ہوا ہے اس کی نبوت احمر واسود، وابیض سب کے لئے ہے، اور آپ ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے، قیامت تک آنے والے سارے لوگوں کے لئے خواہ یہ اُمت اجابت ہو، یا اُمت دعوت۔

پس جس طرح رسول اکرم ﷺ امت دعوت کے خلاف گواہی دیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم یعنی امت دعوت نے اس قرآن کو بالکل نظرانداز کیا تھا، لہٰذا انہیں مجرم قرار دیا جائے ا، ور سخت سے سخت عذاب دیا جائے۔قرآن حکیم کے الفاظ کے عموم سے اُمت اجابت بھی اس میں شامل ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ ان کے خلاف بھی گواہی دیں گے، کیونکہ یہ لوگ جیسے آج ہر اعتبار سے عیاں ہیں کہ زندگی کے تمام شعبے، تجارت، زراعت، سیاست، معیشت، معاشرت اور حکومت میں نہ صرف قرآن کریم کے خلاف چلتے ہیں، بلکہ قرآن کے احکام کا کھلم کھلا مذاق بھی اڑاتے ہیں، اور پوری اسلامی شریعت کا انکار کرتے ہیں، اور صاف کہتے ہیں: ''ملاؤں کی شریعت''۔

عصری تعلیم گاہوں میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو جہالت کی تعلیم کا نام دے کر انہیں مسترد کرتے ہیں، اور قرآن کریم کے نظام پر کافروں کے نظام کو ترجیح دیتے ہیں، اور مزید یہ کہ انہیں یہاں تک جرأت ہوئی کہ شرعی حدود و قصاص کے احکام کو ظالمانہ قرار بھی دیتے ہیں۔یہ لوگ رسمی طور اور ظاہری طور پر اسلام کا تو دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اپنے اقوال، افعال، کردار، اخلاق واطوار کے اعتبار سے اسلام سے خارج ہیں، انہیں اسلام کے ساتھ کوئی دور کا رشتہ اور واسطہ نہیں ہے۔

کیا کسی بورڈ پر ''ببر شیر'' لکھ کر کسی بلی کے گلے میں لٹکایا جائے اور اس کو پڑھ کر فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ ببر شیر ہے؟ ہرگز نہیں، تو اگر سو فیصد کسی کا عمل قرآنی تعلیمات کے خلاف ہو وہ کیسے مسلمان اور قرآن والا ہوسکتا ہے،؟ غلط فہمی

کہو یا ضد وہٹ دھرمی، ڈھیٹھ اور جہالت، کہ جو شخص اسلامی تعلیمات کا منکر ہو پھر بھی مسلمان ہو، اگر کوئی عیسائیوں، یہودیوں، سکھوں، شیعوں، قادیانیوں اور دنیا کے دیگر مذاہب والوں میں جا کر شامل ہو جائے، نام لکھوائے، مگر زندگی بھر نہ سہی ایک سال ان کے مذہبی رسومات کا مذاق اڑائے، پھر دیکھیں کہ اس کے خلاف کیا کچھ نہ ہوگا۔ سارے مل کر اس سے قطع تعلق ہی کریں گے، اور اس کو کھلم کھلا مذہب سے خارج کر دیں گے، اور پوری جماعت میں اعلان کریں گے کہ آئندہ فلاں شخص سے ہمارا کوئی مذہبی تعلق نہ ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا: الفاظ کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو قرآن مجید کو پڑھتے ہی نہیں۔

بہر حال! قرآن مجید جس مقصد کے لئے آیا ہے اس سے اس مقصد کی تحصیل اشد ضروری ہے، اس کو پڑھو، اس کی تلاوت کرو، اس کے معانی ومطالب پر عمل کرو، اس کو اپنی زندگی میں شامل کرلو، اور اس کا پورا پورا حق ادا کرلو۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور اسی طرح ہم نے مجرم وبدکار لوگوں میں سے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے ہیں۔ قاعدہ کلیہ بیان ہو رہا ہے کہ جو کوئی حق کا داعی ہوگا تو اس کی مخالفت ضرور ہو جائے گی، اور شیطان کے چیلے ہر محاذ پر اس کی مخالفت پر اتریں گے۔ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی دینی کام کرلے اور اس کے مخالفین نہ ہوں، یہ سلسلہ روز اول سے شروع ہے اور قیامت تک چلے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہی ہے۔

﴿وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا﴾ ہدایت دینے اور مدد کرنے میں آپ کا ربّ کافی ہے۔ ہدایت ونصرت سب کا مختار ومالک اسی کی ذات ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہ کر دیا گیا؟ ہم نے اسی طرح نازل

کیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو قوی رکھیں، اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے ﴿۳۲﴾ اور یہ لوگ آپ کے سامنے کیسا ہی عجیب سوال کریں ہم ضرور اس کا ٹھیک جواب خوب وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عطا کر دیں گے ﴿۳۳﴾ جو لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں ﴿۳۴﴾

معارف منازل

یہود نے مشرکین مکہ کو پٹی پڑھائی کہ ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول، اسی طرح انجیل اور زبور کا نزول ایک ہی مرتبہ ہوا ہے، پتہ نہیں کہ اس قرآن کے نزول میں ایسا کیوں نہیں ہوا؟ بہرحال! مقصد ان کا شک وشبہ پیدا کرنا تھا، اس کو لے کر جہلاء مکہ نے فوراً اعتراض کیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ہے، اور یہ کتاب قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، یہ ذکر ونصیحت اور ہدایت کی کتاب ہے، تو ہمیں سمجھاؤ کہ اس کا نزول اصلی پرانی آسمانی کتابوں سے کیوں مختلف ہے؟

اگر یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہوتی تو اس کا نزول پرانی کتابوں سے مختلف نہ ہوتا، اور یہ بھی انہی کی طرح ایک ہی مرتبہ نازل ہوتی، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی خدا تعالیٰ کی کتابوں کا نزول مختلف ہو؟ ان لوگوں کا یہ اعتراض بھی سابقہ اعتراضوں کی طرح ان کی حماقت پر مبنی ہے، جب یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور یہ واضح ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار ہے، وہ کسی عاجز انسان یا کسی قوم کے خیالات کا تابع نہیں، بلکہ لوگوں کو اس کے احکام کے اتباع کا حکم ہے، وہ جس طرح چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت احکام جاری فرمائے گا، اور کتابیں نازل فرمائے گا۔

پھر قرآن مجید کے تدریجی نزول میں جو فوائد واسرار ہیں وہ ایک مرتبہ کے نزول میں نہیں۔ تورات وانجیل کا نزول صرف ایک قوم کے لئے ہے، جبکہ قرآن مجید کا نزول پورے جہاں کے لئے ہے، قیامت تک۔ اس کے علاوہ قرآن مجید ساری آسمانی کتابوں کی شرح اور تفصیل ہے جو کہ اس میں ساری کتابوں کے احکام ومسائل کا بیان ہے۔ یہی وجہ ہے اس کو امت کے سارے افراد بلاتفریق یاد کر سکتے ہیں، جبکہ تورات وانجیل کا شرطیہ طور پر روئے زمین میں کوئی ایک حافظ بھی نہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کی تفاسیر اور حواشی اس وقت عالم اسلام میں تین لاکھ سے زائد ہیں، جبکہ توریت شریف

اور انجیل شریف کی ایک شرح بھی دنیا میں موجود نہیں۔ پھر قرآن کریم سے ائمہ مجتہدین اور علماء ربانیین نے فقہی مسائل واحکام استنباط کئے، وہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں، صرف ایک فقہ حنفی کے مسائل اور جزئیات تقریباً بقول علامہ عینی بارہ لاکھ چالیس ہزار ہیں، یہ سات سو ہجری تک اعداد وشمار ہے، جبکہ آج تیرہ لاکھ سے شاید زیادہ ہوں۔

یہ سب کچھ قرآن حکیم کے موتی جواہرت ہیں، کیوں نہیں، یہ وہ برحق صحیفہ رحمت ہے جس کے حقیقی اور برحق وارث کا قبر میں دنیا کے بادشاہوں سے بہتر استقبال ہوگا۔ جب کوئی شخص خواہ کوئی بھی ہو اس عظیم بابرکت کتاب کا حفظ شروع کرے گا اور حفظ مکمل کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہوجائے گا تو اس کی قبر مدرسہ بنے گی، وہاں آسمان سے بحیثیت معلّم فرشتہ کا نزول ہوگا جو اس حافظ قرآن کا بقیہ حفظ مکمل کرائے گا۔ [طبرانی] یہ حدیث بہشتی زیور کے حاشیہ میں تھی، تخریج شدہ ہے۔

یہ ہے وہ کتاب عظیم الشان جسے دنیا داروں نے چھوڑ کر اپنے لئے بدنصیبی کے سوا کچھ بھی نہیں کمایا، اگر اس کے قُرّاء وحُفّاظ اور پڑھنے پڑھانے والوں کا معاشرہ میں کوئی مقام نہیں، تو کوئی پریشانی کی بات نہیں، یہ دنیا دار جب اللہ تعالیٰ اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے احترام ومحبت سے خالی ہاتھ خالی دامن رہے تو کیا فرق پڑے گا، اگر وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث اور وارثوں کے احترام ومحبت سے بھی ہاتھ خالی اور دامن خالی رہے۔ تو فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ تدریجی نزول کی پانچویں حکمت یہ بیان ہو رہی ہے کہ تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی تقویت کا سبب بنے، اور اس کے حفظ کی آسانی بھی ہو، اور معارف واسرار کی سمجھ بھی آسان ہو، اور علم ومعرفت کا تدریجاً حصول آسان ہو، اور فرشتہ وحی سید الملائکہ حضرت جبریل علیہ السلام کے بار بار آنے سے یہ دھرتی انوار وسعادت اور برکتوں کا شرف حاصل کرے۔

حضرت علامہ قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ صرف وحی کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام چوبیس ہزار مرتبہ تشریف لائے، اس کے علاوہ اور بے شمار حکمتیں بھی ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ ہم نے ترتیل کے ساتھ اسے اتار کر اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے، اور وقفہ وقفہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی تقویت کے لئے اتارا ہے۔ چنانچہ پورا قرآن حکیم تیئس (۲۳) سال میں مکمل نازل ہوا۔

﴿وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ یہ لوگ کفار ومشرکین آپ پر اعتراض

کرنے کے لئے جو بھی عجیب بات پیش کریں گے اس کے مقابلے میں ہم ضرور حق لے آئیں گے، اور واضح طور پر حقیقی صحیح جواب نازل کر دیں گے، جس سے ان کا اعتراض باطل اور لغو ہو جائے گا، اور جو لوگ الٹی بات کرنے کے درپے اور عادی ہیں ان کا حشر بھی الٹا ہوگا۔ فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ ان کا انجام یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو چہروں کے بل الٹا گھسیٹ کر، جکڑ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور اس میں پھینک دیا جائے گا، وہ جگہ عذاب کے اعتبار سے بہت بری جگہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ چہروں کے بل کیسے اٹھائے جائیں گے اور چہروں کے اوپر کیسے چلیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ربّ تعالیٰ انہیں پاؤں پر چلائے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ انہیں چہروں کے بل پر چلائے، وہ ذات پاک ہے ہر چیز پر قادر ہے۔ [مظهري]

......❁......❁......❁......

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ
لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ
كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ
مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو وزیر بنایا ﴿۳۵﴾ پھر ہم نے دونوں کو حکم دیا کہ اس قوم کی طرف چلے جانا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر ہم نے اس قوم کو بالکل ہی ہلاک کر دیا ﴿۳۶﴾ اور ہم نے قوم نوح کو ہلاک کیا، جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا، ہم نے انہیں غرق کر دیا، اور ان کو لوگوں کے لئے عبرت بنا دیا، اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے ﴿۳۷﴾ اور ہم نے عاد اور ثمود کو اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہلاک کیا ﴿۳۸﴾ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے مثال بیان کیں، اور ہر ایک کو ہم نے پوری طرح ہلاک کیا ﴿۳۹﴾ بلاشبہ یہ لوگ اس بستی پر گزرے ہیں جس پر بری بارش برسائی گئی، کیا یہ اسے نہیں دیکھتے رہے، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ موت کے بعد اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے ﴿۴۰﴾

معارف ومنازل

شروع سورت سے آیت (۳۴) تک منکرین توحید ورسالت کے مختلف اعتراضات اوران کے جوابات ذکر ہوئے، آیت (۴۱) سے دوبارہ اسی مضمون کا بیان ہوگا۔اب درمیان میں بطور جملہ معترضہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی ہلاک شدہ اقوام کا مختصر تذکرہ ہورہا ہے، جس سے پہلا مقصد آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینی ہے، جیسے ارشاد ہے: ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ [ھود: ۱۲۰] (رسولوں کے وہ سارے واقعات ہم تمہیں سنارہے ہیں جن سے ہم تمہارے دل کو تقویت پہنچائیں)۔دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل مکہ اور مشرکین گزشتہ ہلاک شدہ نافرمان اقوام کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں، جس کا بیان متصل آنے والا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا﴾ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا کی۔سورۂ مائدہ میں تورات شریف کو نور اور ہدایت فرمایا۔اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی نصرت وتائید کی خاطر ان کی سفارش اور درخواست کے جواب میں ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا وزیر اور معاون بنایا۔ان کی اس درخواست کا تذکرہ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾﴾ [طٰہٰ] (اور میرے لیے میرے خاندان ہی کے ایک فرد کو مددگار مقرر کردیجئے۔یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں۔ان کے ذریعے میری طاقت مضبوط کردیجئے۔اوران کو میرا شریک کار بنادیجئے)۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی درخواست منظور فرماکر ہارون علیہ السلام کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا، پھر دونوں بھائیوں کو حکم ہوا کہ تم دونوں بھائی اس قوم کی طرف جاؤ جس نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کی بعثت قوم فرعون اور بنی اسرائیل دونوں قوموں کے لئے ہے۔چنانچہ وہ دونوں فرعون اور اس کی قوم کے پاس آئے اور آیات بینات لے کر آئے قوم فرعون نے تکذیب کی، اور تکذیب کے انجام میں بحر قلزم کی نذر ہوکر غرق ہوئے۔

﴿تَدْمِيرًا﴾ کے معنی ہیں: جڑ اور بنیاد سے ہلاک ہونا۔ستر لاکھ لشکر کے ساتھ ڈوب گئے۔[مظھری]

﴿وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ﴾ جب قوم نوح علیہ السلام نے رسولوں علیہم السلام کی تکذیب

کی تو موسلا دار طوفانی بارش کے ذریعہ ہم نے انہیں غرق کر کے ڈبو دیا۔ ﴿الرُّسُل﴾ جمع کا صیغہ ہے، اس لئے کہ ایک نبی کی تکذیب سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کے برابر ہے۔

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ اور ہم نے ان نافرمانوں کو باقی آنے والے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دیا، اور ظالموں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے جو قیامت میں ان کو تباہ کر رکھے گا۔ ﴿وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ﴾ اسی طرح ہم نے تباہ و برباد کیا قوم عاد کو اور قوم ثمود کو اور اصحاب الرس کنوئیں والوں کو۔ ان کنویں والوں کے کوائف قرآن مجید میں اور کسی صحیح و مستند حدیث میں نہیں ملتے کہ یہ کون تھے، کہاں تھے، ان کا پیغمبر کون ہے؟ قرآن مجید میں ان کا تذکرہ صرف دو جگہ ہے، وہ بھی صرف نام کے ساتھ، تفصیل کچھ بھی نہیں۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں دس اقوال نقل کئے ہیں، اور آخر میں ان پر عدم اعتماد کا اظہار بھی کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مفسرین نے بھی متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے اسی جگہ، سورۂ فرقان میں اور آئندہ سورۂ ق میں ان کا ذکر کیا ہے، اجمال کے ساتھ ''اصحاب الرس'' کہہ کر، اور جو قومیں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و استہزاء کی پاداش میں ہلاک ہو چکی ہیں، ان کی فہرست میں اصحاب الرس کا نام بھی ہے۔ مزید حالات و واقعات اور کوائف کا قرآن حکیم نے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ اسی طرح مستند روایت بھی کوئی نہیں، اور جو تاریخی واقعات ہیں وہ سب اسرائیلیات اور غیر معتمد ہیں۔ واللہ اعلم

﴿وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا﴾ اس کے درمیان ہم نے اور بھی بہت سی قوموں اور جماعتوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، اور ایمان قبول نہیں کیا۔ یہ اقوام کونسی ہیں اور ان کی تباہی کب اور کہاں، اور کس طرح ہوئی ہے؟ ان کو بھی قرآن حکیم نے بیان نہیں کیا۔ سورۂ مؤمن میں ارشاد ہے: ﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ [المؤمن: ۷۸] ()۔ اسی طرح کی آیت (۱۶۴) سورۂ نساء میں بھی ہے۔ پھر فرمایا:

﴿وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا﴾ اور سب کے لئے ہم نے مثالیں بیان کی ہیں، اور ایسے سب نافرمانوں کو ہم نے ملیامیٹ کر دیا اور پوری طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

﴿وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ﴾ اور یہ مکہ کے مشرکین ملک شام کے تجارتی

سفروں میں اس بستی پر سے گزرتے ہیں جس پر بُری بارش برسائی گئی، جن بارہ بستیوں پر پتھروں کی بارش برسا کر انہیں زیر وزبر کر کے تباہ کیا گیا یعنی قوم لوط کی بستیاں ''سدوم'' اور اس کے ساتھ ملی ہوئی بستیاں۔ مشرکین مکہ تجارتی سفروں میں جاتے ہوئے وہاں سے گزرتے ہیں تو انہیں ان کی تباہی کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس قسم کے عذابوں میں ان کا بھی ایسا حشر ہو، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ:

﴿اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا﴾ بلکہ یہ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور جی اٹھنے پر یقین نہیں کرتے ہیں، اگر وہ قیامت پر یقین کرنے والے ہوتے تو مسلسل کفر وسرکشی میں مبتلا نہ ہوتے۔ ان چند قوموں کی مختصر تباہی کے تذکرہ کے بعد سابق مضمون یعنی مشرکین کے مزید اعتراضات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہورہا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ: اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا ہی مذاق اڑاتے ہیں، کیا یہی شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ﴿۴۱﴾ اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے ہوئے نہ ہوتے، اور جس وقت یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے اس بات کو جان لیں گے کہ کون شخص راہ سے ہٹا ہوا تھا ﴿۴۲﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا، سو کیا آپ اس کے وکیل ہیں؟ ﴿۴۳﴾ آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح سے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں ﴿۴۴﴾

معارف ومنازل

منکرین نبوت اتنے جاہل اور احمق تھے کہ انسانی شرافت کا ان میں نام ونشان تک بھی نہ تھا، وہ سرور عالم ﷺ کو غایت درجہ حقیر سمجھتے تھے، اور آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے، برے القاب سے یاد کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر ہم اپنے دین اور معبودوں پر مضبوطی سے قائم نہ رہتے تو یہ شخص ہم کو کبھی کا گمراہ کر چکا ہوتا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ

نے ان کو جواب میں فرمایا کہ تمہیں عنقریب مرنے کے بعد معلوم ہوجائے کہ گمراہ کون تھا اور ہدایت پر کون تھا۔

﴿وَإِذَا رَاَوْكَ إِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ إِلَّا هُزُوًا﴾ یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کو سوائے مذاق اڑانے کے کچھ کام نہیں اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں، اور تیرے متعلق ناشائستہ باتیں کہتے ہیں، تیرا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ آپ کی دیانت وامانت، اور صداقت وسچائی سب ان کو معلوم ہے، اور آپ کا ماضی ان کے سامنے بے داغ ہے، مگر حسد وعناد نے انہیں اندھا بنایا ہوا ہے۔ پھر کہتے ہیں:

﴿اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا﴾ کیا یہی وہ شخص ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ ان کا یہ کہنا محض تعنت اور ضد کی وجہ سے تھا، درحقیقت باطن میں وہ جان چکے تھے کہ آپ ﷺ برحق رسول ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ [النمل: ۱۴] (ان کے دلوں کو ان کا یقین ہو چکا تھا، مگر انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کیا)۔

نمرود ہو، یا فرعون، یا ابوجہل درحقیقت وہ سب جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق ہیں، اور ہم باطل اور گمراہ ہیں، مگر خواہشات نے ان کے دلوں پر مہر لگوا کر انہیں گمراہ بنایا تھا۔ تو کیا آج ہمارے زمانے کے مشرکین، کفار، بدعتی اور دیگر بدچلن لوگ حق وباطل کی شناخت نہیں کرتے ہیں؟ آج آٹھ سال کا بچہ وہی کچھ جانتا ہے جو کسی وقت بڑے لوگ نہیں جانتے تھے۔

﴿اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا﴾ بیشک یہ شخص قریب تھا کہ اپنی دلفریب باتوں سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کی کشش سے ہم کو ہمارے معبودوں سے گمراہ کر دیتا۔ ﴿لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا﴾ اگر ہم ان معبودوں پر مضبوطی کے ساتھ نہ جمے رہتے۔ یہ بات وہ فخریہ طور پر کہتے رہتے، اور کفر پر اپنی استقامت کو سراہتے تھے۔ اسی کا جواب ارشاد ہوا: ﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ وہ زمانہ بہت دور نہیں نزدیک ہے کہ جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو جان لیں گے کہ بڑا گمراہ کون ہے، جب مریں گے اور عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو اپنی گمراہی کا انہیں یقین آجائے گا، اور جان لیں گے کہ ہمارا دین باطل تھا۔ اپنے دین کے بطلان کو علم کے طور پر ابھی بھی جانتے ہیں مگر مرنے کے بعد عین الیقین کا درجہ انہیں حاصل ہوجائے گا۔

﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا﴾ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے، دلیل اور حجت سے اسے کوئی تعلق نہیں، جدھر اس کو اس کے نفس

کی خواہش لے جاتی ہے اسی طرف دوڑنے لگتا ہے، آج ایک پتھر کی پوجا کرتا ہے کل دوسرا پتھر خوبصورت مل گیا تو وہاں جھک گیا، وہ ایک دروازے کا نہیں ہر دروازے پر جھکتا ہے۔فرمایا: آپ ایسے نفس پرست وہوا پرست کے ذمہ دار اور کفیل ہوسکتے ہیں کہ جدوجہد کے ذریعہ اسے راہ راست پر لے آئیں گے، ہرگز نہیں ہوسکتا ہے کہ ہوا پرست خدا پرست ہو۔

﴿اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ﴾ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر لوگ آپ کی بات سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں؟ ایسا نہیں۔آپ توحید ورسالت اور اثبات قیامت کے جتنے عقلی ونقلی زوردار دلائل بیان کریں گے یہ پتھروں کے پجاری جو پتھر بنے ہوئے ہیں نہ یہ آپ کی بات سنتے ہیں اور نہ ہی سمجھتے ہیں، کیونکہ گمراہ لوگ انسانیت کے دائرہ سے خارج ہوتے ہیں۔

﴿اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا﴾ بلکہ یہ لوگ چوپایوں، جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، جانور اپنے مالک کو پہچانتے ہیں، مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں، مالک کو دیکھ کر ہنہناتے ہیں، خوشی سے آواز نکالتے ہیں، دم ہلاتے ہیں، جانور دن بھر چرتے ہیں، رات کو سیدھا اپنے مالک کے گھر آجاتے ہیں، مجال نہیں کہ غلطی کریں اور جب مالک ان سے کام لیتا ہے تو سخت سے سخت مشقت کے کام پر کبھی انکار اور سستی نہیں کرتے ہیں، اگر آپ اونٹ سے مسلسل ہفتہ بھر کام لے لو تو کبھی انکار نہ کرے، نڈھال ہوکر گرتا جائے گا مگر انکار نہیں کرے گا یہی حال دوسرے جانوروں کا ہے۔حالانکہ جانوروں کا مالک ان کا خالق نہیں، محض مجازی مالک ہے۔اگر یہ لوگ اپنے خالق ومالک ربّ تعالیٰ کا حکم اتنا مانتے جتنا کہ جانور اپنے مالک کا مانتا ہے تو فوز وفلاح حاصل کرتے، اور ہر قسم کی شقاوتوں سے نکل کر ابدی سعادتوں کو پالیتے۔آگے ایسے ہوا پرستوں پر اتمام حجت کی خاطر آیت وحدانیت بیان فرماتے ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَيۡهِ
دَلِيۡلًا ۝۴۵ ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَيۡنَا قَبۡضًا يَّسِيۡرًا ۝۴۶ وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِبَاسًا وَّالنَّوۡمَ
سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا ۝۴۷ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ بُشۡرًۢا بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا ۝۴۸ لِّنُحۡیِۦَ بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا وَّنُسۡقِيَهٗ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّاَنَاسِىَّ

كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا
لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نے اپنے ربّ کی طرف نظر نہیں کی، کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا ہے، اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا رکھتا، پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا ﴿۴۵﴾ پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا ﴿۴۶﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو آرام کی چیز بنایا، اور دن کو پھیل جانے کا وقت بنایا ﴿۴۷﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیج دیں، اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا ﴿۴۸﴾ تاکہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین میں جان ڈال دیں، اور تاکہ یہ پانی ہم اپنی مخلوق میں سے چارپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلادیں ﴿۴۹﴾ اور ہم اسے ان کے درمیان تقسیم کرتے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، لیکن اکثر لوگ ناشکری کے بغیر نہیں رہتے ﴿۵۰﴾ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والے بھیج دیتے ﴿۵۱﴾ تو تم کافروں کا کہنا نہ مانو، اور ان سے اس قرآن کے حکم کے مطابق بڑے شدومد سے لڑو ﴿۵۲﴾

معارف ومنازل

قرآن کریم تمام جہاں والوں کے لئے چشمہ ہدایت ہے۔ وہ انسانوں کو بار بار بیدار کرتا ہے کہ عقل وفہم سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مطالعہ کرو، اور اس کی وحدانیت تک بآسانی رسائی حاصل کرلو۔ ان آیات کریمہ میں ایک نئے انداز پر سوچنے اور غور کرنے کی ترغیب ہے، جو سایہ شب روز تمہارے سامنے جلوہ افگن ہے، کبھی موٹا، کبھی پتلا، کبھی لمبا، کبھی چھوٹا، اور کبھی بڑھتا ہے، پھر گھٹتا ہے اور مکمل طور پر فنا ہو جاتا ہے، یہ ایک قدرتی کرشمہ ہے جو تمہیں دعوت دیتا ہے کہ جس طرح سایہ کا انقلاب وتبدیلی تمہارے سامنے ہے یہی تمہاری زندگی، بلکہ پورے جہاں کی تبدیلی اور فنا ہونے کا پیغام ہے۔

مفسرین حضرات نے اس کی دو تفسیریں بیان کی ہیں، وہ یہ ہیں!

پہلی تفسیر:

صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ ملتا ہے، اس ہموار سایہ میں نہ رات کی تاریکی شامل ہے، نہ سورج کی شعاعیں اور دھوپ، اگر اللہ تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہ سایہ ہمیشہ کے لئے قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت

وحکمت سے سورج کو نکالا، جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی، اور یہ ہمہ گیر سایہ ایک طرف بتدریج سمیٹ کر پردۂ خفا میں چلا گیا۔ اگر دھوپ نہ آتی تو ہم سایہ کو نہ سمجھتے اور نہ جان سکتے، کیونکہ ایک ضد کے آنے ہی سے دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ جس طرح سردی، گرمی اور رات اور دن ایک دوسرے سے سمجھے جاتے ہیں، اسی طرح تمام اضداد بھی۔ تو یہ قدرتی سایہ ایک درمیانی چیز ہے جو خالص روشنی اور خالص تاریکی کے درمیان بین بین کا ہے۔ اور یہ سایہ جو طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک رہتا ہے، یہ جنت کے سایہ کا ایک نمونہ ہے، جنت میں آفتاب کی دھوپ نہ ہوگی یہ سایہ ہوگا۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہی سایہ اسی طرح ٹھہرا رہتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا، یا طلوع ہوتا تو وہ قادر مطلق اسی سایہ کو بدستور قائم رکھتا، کیونکہ سورج اور سایہ اپنے وجود اور روانی وبقاء میں اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور قتادہ اور ابوالعالیہ اور ابو مالک اور مسروق اور مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی اور ضحاک اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم سے یہی مروی ہے کہ ظِل سے وہ سایہ مراد ہے جو طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔ یہی جمہور علماء کی تفسیر ہے۔ [ابن کثیر، تفسیر کبیر، معارف القرآن کاندھلوی]

دوسری تفسیر:

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ﴿كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ میں ظل سے اجسام کثیفہ کا وہ سایہ مراد ہے جو طلوع آفتاب کے بعد نمودار ہوتا ہے اور دیکھنے والے اسے واضح طور پر دیکھتے ہیں، جیسے پہاڑوں، مکانوں، درختوں، انسانوں، اور ہر چیز کا سایہ ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ﴾ [النحل: ۴۸] (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کے سائے جھکے رہتے ہیں)۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب آفتاب افق سے طلوع کرتا ہے تو کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ لمبا اور دراز پڑتا ہے، پھر جوں جوں سورج بلند ہوتا جاتا ہے تو اس کے مقابل مغرب کی جانب آہستہ آہستہ گھٹتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہرشیٔ کا سایہ اس کی جڑ میں لگ جاتا ہے، تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے سایہ کو اپنی طرف کھینچ لیا، پھر زوال کے بعد یہ سایہ سورج کے نیچے اترنے کے ساتھ دوسری طرف مشرق کی سمت میں بڑھتا رہتا ہے، جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو دھوپ غائب ہو جاتی ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے، اور ہر چیز کا سایہ دراز ہونے کے بعد فنا ہو جاتا ہے، گویا اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ کر غائب فرمایا۔

غرض یہ کہ سایہ اور دھوپ کا تغیر اور تبدل، نیز زیادتی اور کمی اور پھر فنا ہونا سب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ

سب مخلوق ہیں، اور حادث ہیں، اور ان کے تمام تغیرات قادرِ مطلق جل شانہ کے ہاتھ میں ہیں، اور یہ تمام کائنات کے وجود اور فنا ہونے کی علامات اور نمونے ہیں۔ اور آج کا سایہ جب فنا ہو کر کل دوبارہ جب پیدا ہوگا تو تمہارے فنا ہونے کے بعد کل بروزِ محشر اسی طرح تمہاری دوبارہ زندگی ہوگی، اور تمہیں یقین کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا اپنے ربّ کی طرف کہ تیرے پروردگار نے سائے کو کس طرح لمبا کیا؟ اسی طرح سایہ کا گھٹنا بھی تیرے رب کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا﴾ اور وہ چاہتا تو اس کو ایک جگہ ٹھہرا ہوا بنا دیتا، اور ہر چیز کا سایہ اسی ایک حالت پر رہتا، اس میں گھٹنے بڑھنے کا سلسلہ ہی نہ ہوتا، گویا سایہ کی کمی بیشی قدرت خداوندی کی دلیل ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا﴾ پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنا دیا، اسی سورج کی روشنی سے سائے بنتے بھی ہیں اور گھٹتے بڑھتے بھی ہیں، اور آگے پیچھے ہوتے بھی ہیں، اگر سورج نہ ہو جیسے رات کے وقت تو سایہ بھی نہ ہو۔ ﴿ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا﴾ پھر ہم اس کو اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں، آہستہ آہستہ سمیٹنا، یہ دوپہر کے وقت کا بیان ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کی جڑ سے آملتا ہے، اور اس کا گھٹنا موقوف ہو جاتا ہے، زوال کے وقت ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا وہی مطلب ہے جو سورۂ یٰسں کی آخر آیت کا مطلب ہے: ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [یٰس: ۸۳] (اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا)۔ جب چیزوں کا عارضی وجود ختم ہو جاتا ہے اور وہ فنا ہو جاتی ہیں تو گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ گئیں، یا لوٹائی گئیں، یعنی ختم ہو گئیں، فنا ہو گئیں۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا﴾ اللہ تعالیٰ نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا جو تمہارے لئے پردہ ہے، جیسے تمہیں لباس چھپاتا ہے، اسی طرح رات بھی تمہیں پوشیدہ رکھتی ہے۔ ﴿وَالنَّوْمَ سُبَاتًا﴾ نیند کو ہم نے راحت و آرام کی چیز بنائی، دن میں لوگ محنت کرتے ہیں تھک جاتے ہیں، جب رات کو آرام کر کے سو جاتے ہیں تو ساری تھکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں، گویا ایک ہشاش بشاش نئی زندگی انہیں حاصل ہو جاتی ہے، پھر اپنے کام کاج میں لگ جاتے ہیں، چنانچہ یہ پرکیف زندگی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

﴿وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا﴾ ''نشور'' کے معنی پھیل جانا، چنانچہ صبح لوگ جب نیند سے بیدار ہو جاتے ہیں تو بالکل تازہ دم ہوتے ہیں، تو رزق وروزی اور معاش کے لئے زمین میں، بازاروں میں، منڈیوں میں پھیل جاتے ہیں۔ سورۃ القصص میں ارشاد ہے: ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا

مِنۡ فَضۡلِهٖ ﴾[القصص: ۷۳] (اور اس کی رحمت میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم رات میں آرام کرو، اور دن میں اس کا فضل یعنی روزی تلاش کرو)۔

﴿وَهُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ بُشۡرًاۢ بَيۡنَ يَدَيۡ رَحۡمَتِهٖ﴾ یہ تیسری نعمت یعنی بارش کا تذکرہ فرمایا۔ اور بارش سے پہلے جو ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہوئی آتی ہیں، ان ہواؤں سے لوگوں کو بارش کے آنے کی خوشخبری بھی مل جاتی ہے، اور جن چیزوں کو بارش سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تا کہ بھیگ کر خراب نہ ہوں ان کے محفوظ کرنے کا وقت بھی مل جاتا ہے، اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے فوائد ہیں۔

یہاں بارش کے تین منافع بتائے: اول یہ کہ اس پانی سے طہارت اور پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ پانی ندیوں اور نہروں میں بھی آتا ہے، تالابوں میں جمع ہوتا ہے، پھر اس پانی سے وضو کرتے ہیں، خاص کر طہارت حکمیہ تو پانی کے بغیر کسی دوسری سیال چیز سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ دوئم یہ فرمایا کہ ہم پانی کے ذریعہ (بارش) مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں، خشک و بنجر زمین سرسبز ہو جاتی ہے، لہلہاتی ہے اور اس میں جان پڑتی ہے، سبزیاں، ترکاریاں، غلے، دال، چنے، میوے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ فرمایا کہ بارش کے پانی کو ہم اپنی مخلوق میں سے چوپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں یہ بارش والا پانی تمام مخلوقات کے لئے باعث حیات بھی ہے اور سبب بقاء و خوشحالی بھی ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِيۡۤ﴾ یہی مطلب ہے جو بیان ہوا۔ آگے فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ صَرَّفۡنٰهُ بَيۡنَهُمۡ لِيَذَّكَّرُوۡا﴾ اور ہم اس پانی کو ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں، لیکن اکثر لوگ ناشکری ہی کرتے ہیں۔ پانی کی تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ اس پانی کو حکمت اور مصلحت کے موافق مختلف مواقع میں پہنچاتے ہیں، کبھی کہیں بارش ہوتی ہے کبھی کہیں، کبھی تھوڑی، کبھی زیادہ، کہیں مہینوں کے بعد، کہیں ہفتہ بھر، کبھی روزانہ کبھی کہیں سال میں، کہیں کچھ عرصہ بعد، یہ پانی کا نظام ہے جو رزق و روزی کی طرح سب کے لئے یکساں برابر نہیں، مگر لوگ بجائے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے تکبر و غرور میں ہیں، اور بجائے شکرگزاری کے ناشکری میں زور لگا رہے ہیں۔

چار چیزوں نے انہیں حق و صداقت سے محروم رکھا: اول شیطان، دوئم کبر و غرور، سوئم کثرت مال، چہارم اتباع نفس۔ یہ چاروں چیز انسان کے لئے تباہ کن ہیں اور جہاں ان چاروں کا راج نہ ہو وہاں ہدایت اور صلاح و خیرات کا راج ہوگا۔

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے جس سے آپ کی ذمہ داری کم ہو جاتی، اور آپ کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ اس طرح پانی کی تقسیم کی طرح دعوت الیٰ اللہ تعالیٰ تقسیم ہو جاتی، اور ہر نبی اپنی بستی کا ذمہ دار ہو جاتا، اور اپنی بستی میں دعوت کا کام کرتا، اور آپ صرف اُمّ القُریٰ مکہ مکرمہ اور اس کے قرب و جوار کی چند بستیوں کے لئے مبعوث ہوتے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا، ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی بہت پہلے سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت و سرداری کے لئے اور منصب ختم نبوت کے لئے، نیز سارے جہاں کے لئے رحمت و عنایت بنانے کے لئے آپ کا انتخاب کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب بہت ہی بڑا اور اونچا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلاصہ کائنات اور شرف مخلوقات ہیں۔ اسی کو فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧] (اور ہم نے آپ کو مخلوقات رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)۔ اور اسی کو فرمایا: ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ [النساء: ١١٣] (اور آپ پر اللہ بہت بڑا فضل تھا)۔ جہاں جہاں تک تیرے ربّ کی خالقیت و مالکیت اور رازقیت اور اُلوہیت کا تعلق ہے، وہاں وہاں تک آپ کی نبوت و رحمت کی رسائی ہے۔ مرزا غالب نے کہا:

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گزاشتیم ☆ کان ذات پاک مرتبہ دان محمد ست

یہ اللہ تعالیٰ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل عظیم اور انعام جلیل اور لطف عمیم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے عالم کے لئے رہتی دنیا تک ہادی و مرشد اور راہنما بنا کر بھیجا۔ اب رات گزر گئی، جبکہ ہر گھر میں الگ الگ چراغ جلائے جاتے تھے، اب سورج کا طلوع ہو چکا ہے جس کے نور و روشنی سے سارا جہاں منور رہے گا۔ وہ سراج منیر اور بدر منیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی صفات ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نعمت جلیلہ منصب عظیم کا شکر ادا کریں، اور کفر و شرک کے ہر قسم کے ناپاک اثرات سے دنیا کو پاک کریں۔

﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ﴾ جب تک آپ مکہ مکرمہ میں ہو، اور آپ کی جماعت کمزور ہے تو قرآن کے ذریعہ جہاد کرو، تبلیغ و دعوت کے ذریعہ جہاد کبیر کیا کرو، پھر جب ہجرت کرو اور جماعت تیار کرو، اور فرضیت جہاد کا حکم و اجازت حاصل کر لو تو تلوار اور سیف کے ساتھ جہاد کبیر کو زندہ کرو اور پھیلاؤ۔ یہ ایک حکم ہے اس کا ظاہر یہاں تک ہے کہ بڑا جہاد کرو، مگر اس کا باطن پیشین گوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ و جانشین رضی اللہ عنہم جہاد کبیر کے ذریعہ پورے جہاں کو فتح کریں گے، اور اسلام کی وہ تعلیمات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے ان کو پورے عالم میں متعارف کرائیں گے۔

چنانچہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس کو پورا کر دیا۔ الحمد للہ

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۵۴﴾

ترجمہ: وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا جن میں یہ میٹھا ہے، پیاس بجھانے والا ہے اور یہ شور ہے، کڑوا ہے، ان کے درمیان میں ایک حجاب بنا دیا ﴿۵۳﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا فرمایا، پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنا دیا، اور تیرا پروردگار قدرت والا ہے ﴿۵۴﴾

معارف ومنازل

دلائل توحید اور مزید قدرت الٰہی اور حکمت بالغہ کی نیرنگیوں اور حیران کن کرشموں کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ پانی دو قسم کا ہے: میٹھا، خوشذائقہ، دوسرا تلخ ونمکین۔ لیکن ہر پانی اپنی اپنی جگہ پر اپنی صفت کے ساتھ قائم ہے، ان کو اپنے دائرے میں الگ الگ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رکاوٹیں اور غیر مرئی پردے قائم کر دیئے ہیں تاکہ یہ باہم مل کر خلط ملط نہ ہوں۔ یہ رکاوٹیں کبھی تو اتنی باریک اور لطیف وغیر محسوس ہوتی ہیں کہ انسان دیکھ کر حیران ہوجاتا ہے، بسااوقات دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ نلکا لگایا تو پانی میٹھا نکلا، پھر چند گز کے فاصلہ پر دوسرا نلکا لگایا گیا تو پانی کڑوا نکلا۔ یہ سب قدرت کے عجائبات اور عجیب وغریب کرشمے ہیں، اس سے بھی زیادہ حیران کن یہ بات ہے کہ سمندر میں جب مد ہوتا ہے تو سمندر کا آب شور دور تک خشکی کے دریاؤں، ندی نالوں میں داخل ہو جاتا ہے، اور خشکی کے کئی میلوں تک سمندر کا پانی پہنچ جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود دریاؤں کے میٹھے پانی کے ساتھ مختلط نہیں ہوتا، اور جب سمندر میں مد کے بعد جزر کی کیفیت نمودار ہوتی ہے تو وہی نکلا ہوا آب شور واپس ہو جاتا ہے اور ان دریاؤں کا میٹھا پانی حسب سابق رواں رہتا ہے، اور اس کے ذائقہ میں بھی کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

مصر کا دریائے نیل جب بحر روم میں جا گرتا ہے، تو کئی میلوں تک اس کا پانی سمندر میں جوں کا توں اپنے رنگ روپ میں چلا جاتا ہے اور نمایاں رہتا ہے نہ اس کی رنگت بدلتی ہے اور نہ اس کا ذائقہ تبدیل ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ کھارے کڑوے سمندر کے وسط میں پانی کے ایسے عجیب ذخیرے دریافت

ہوئے ہیں جن کا پانی بالکل میٹھا ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں: ”وتری المیاہ قطعا في وسط البحر المالح فیقولون ھذا ماء ثلج فیسقون منه من وسط البحر المالح“۔ [البحر المحیط]

دریائے شور سمندر کے وسط میں سے لوگ میٹھے پانی کو لے کر پیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ برف کا پانی ہے۔ اس کی تصدیق اس تحریر میں موجود ہے جو ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس (کاتب رومی) اپنی کتاب مرآۃ الممالک میں جو سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہاں آب شور کے نیچے آب شیرین کے چشمے ہیں، جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لئے پینے کا پانی حاصل کرتا رہا ہوں۔ موجودہ زمانے میں جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداءً وہ بھی خلیج فارس کے انہی چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی، بعد میں ظہران کے پاس کنوئیں کھودے گئے اور ان سے پانی لیا جانے لگا۔ بحرین کے قریب بھی سمندر کی تہہ میں آب شیرین کے چشمے ہیں جن سے لوگ کچھ مدت پہلے تک پینے کا پانی حاصل کرتے رہے ہیں۔ یہ تو ہے آیت کا ظاہری مضمون جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایک کرشمے سے اس کے اِلٰہ واحد اور ربّ قادر واحد ہونے پر استدلال کر رہا ہے۔

مگر آیت کریمہ کے باطنی رمز واشاروں سے ایک عجیب ولطیف اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ انسانی معاشرے کا سمندر خواہ کتنا ہی تلخ وشور ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہے اس کی تہہ سے ایک جماعت صالحہ کا چشمہ شیرین نکال سکتا ہے، اور سمندر کے آب تلخ کی موجیں خواہ کتنا ہی زور لگائیں وہ اس چشمہ شرین (حق وصداقت اسلام) کو ہڑپ کر جانے اور فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتیں، اور گمراہی کے سمندر کی تاریکیوں میں یہ ہدایت کے چراغ ضرور فروزاں رہیں گے، اور قیامت تک حق کے یہ علمبردار طائفہ منصورہ سے گمراہوں کو ہر محاذ پر ہدایت کے شیرین چشموں سے سیرابی حاصل ہوتی رہے گی۔

ایک دوسرا مشاہدہ:

اسی طرح بعض علماء کا مشاہدہ ہے کہ برصغیر میں ارکان سے چاٹگام تک دریا کی کیفیت یہ ہے کہ اس کی دونوں جانب بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں۔ ایک کا پانی سفید ہے، دوسرے کا بالکل سیاہ۔ سفید پانی ساکن رہتا ہے، اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور وہ میٹھا بھی ہے اور سیاہ پانی کڑوا ہے اس میں تلاطم بھی بپا رہتا ہے، اور طوفانی موجیں بھی اٹھتی رہتی ہیں۔ عجب یہ کہ دونوں کے درمیان میں ایک باریک دھاری چلی گئی جس نے ان کو

آپس میں جدا رکھا ہوا ہے اور مخلوط ہونے سے روکے رکھا ہے، مجال نہیں کہ ان کے درمیان کوئی گڈمڈ اور اختلاط ہو۔

اسی طرح باریسال میں بھی دو ندیاں بہہ رہی ہیں جو ایک ہی دریا سے نکل رہی ہیں۔ ایک کا پانی لذیذ میٹھا ہے، اور دوسرے کا تلخ کڑوا ہے۔ اسی طرح ڈابھیل سملک سے قریب ندیوں میں مدوجزر رہتا ہے۔ اکثر ثقہ لوگوں کا بیان ہے کہ سمندر کے پانی میں جب مد ہوتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھارا پانی بہت زور سے چڑھتا جاتا ہے، لیکن پھر بھی دونوں پانی (میٹھا اور کڑوا) مل نہیں پاتے ہیں۔ کھارا پانی اوپر رہتا ہے اور میٹھا پانی نیچے رہتا ہے اور جزر کے وقت کھارا پانی اوپر سے اتر جاتا ہے اور میٹھا پانی جوں کا توں رہتا ہے۔ یہ ہے قدرت کا عجیب وغریب قدرتی کرشمہ۔

مسئلہ کا آسان رخ:

قدرت کی کرشمہ سازیاں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر روز روشن کی طرف دلیل اور شاہد ہیں، اتنی بکثرت ہیں کہ انہیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ پس اتنے دور جانا اور دریاؤں کی سیر کرنا پھر عجائبات تک رسائی حاصل کرنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں، لہٰذا اگر نزدیک سے ان عجائبات اور کرشموں کو معلوم کیا جائے، اور ہر شخص ان تک رسائی بھی حاصل کر سکے۔ تو وہ یہ ہے کہ جسے باری تعالیٰ نے نہایت سہل طریقہ پر سورۂ نحل میں بیان کیا ہے: ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ [النحل:٦٦] (تمہارے واسطے چوپایوں میں سوچنے کی جگہ ہے، ہم پلاتے ہیں تم کو ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ پاکیزہ، پینے والوں کے لیے خوشگوار)۔

یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ جانور جو گھاس چارہ وغیرہ کھاتے ہیں وہ ان کے پیٹ میں پہنچ کر تین چیزوں کی طرف مستحیل ہو جاتا ہے: اس کا ایک حصہ گوبر بنتا ہے، ایک حصہ خون، اور ایک حصہ دودھ بنتا ہے۔ حیوانات کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگا دی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تحلیل کر کے فضلہ (گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر عروق میں پہنچا کر پھیلا دیتی ہے جو ان کی حیات وبقاء کا سبب بنتا ہے، اور اسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے ان دونوں گندی چیزوں کے درمیان ایک تیسری پاکیزہ چیز دودھ تیار کرتی ہے جو دونوں گندی چیزوں کو کراس کر کے پستانوں کے راستہ باہر نکلتی ہے جس کا رنگ صاف شفاف، سفید براق، چمکدار ہوتا ہے، جس میں نہ خون کی آمیزش ہوتی ہے، نہ گوبر و پیشاب کی۔

اسی طرح اگلی متصل آیت میں انسانی تخلیق کا بیان ہے جس سے موجودہ مسئلہ کے مطلب سمجھنے میں بہت

آسانی حاصل ہوجاتی ہے۔انسان کی پیدائش پانی یعنی قطرہ منی سے ہوئی، یہ قطرہ منی جس کا رنگ سفید ہے یہ ان بے شمار مختلف رنگ کی غذاؤں کا عطر اور خلاصہ ہے۔ یہ ساری غذائیں سفید، سبز، سیاہ، پیلا اور دیگر مختلف رنگوں کی سب غذائیں معدے میں پہنچتی ہیں، ناکارہ حصہ گوبر بن کر خارج ہوجاتا ہے، کارآمد حصہ جگر میں پہنچ کر اس سے مختلف چیزیں اعضاء بند کے لئے ہر ایک کے موافق تیاری ہوتی ہیں، اور ہر ایک کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ انہی میں سے ایک مادہ تولید منی ہے جو بے شمار مختلف رنگت کی غذاؤں سے بنا اور سب کو کراس کر کے اپنے مستقر کو پہنچا، پھر وہاں سے نکل کر رحم مادر میں پہنچا، جس سے یہ حسن و جمال کا پیکر خوبصورت انسان اربوں کی تعداد میں، ہر ایک الگ شکل وصورت میں پیدا ہوا، جن میں ایک شکل وصورت میں دو آدمی آپ کو ہرگز نہیں ملیں گے۔

اب آپ کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ خوب سوچو کہ یہ صناعی اور یہ بے مثال کاریگری اور یہ بے نظیر، ہمہ گیر نظام کا خالق و مالک تدبیر کنندہ کون ہے؟ جو بے شمار قرنوں لاکھوں، ہزاروں برسوں اور پورے کرہ ارض کے مشرق ومغرب، جنوب وشمال، صحراؤں جنگلوں، شہروں میں جس طرح انسانوں میں اسی طرح جانوروں، حیوانوں میں، خشکی کی چار ہزار اور سمندر کی چھ ہزار مخلوقات میں یکساں برابر بلا تفریق جاری ہے، جو ہر قسم کے نقائص وفروگزاشت سے پاک ہے۔ آخر وہ کونسا مخفی ہاتھ ہے کہ پورے نظام اور حیران کن، محیر العقول نشیب وفراز سے پاک نظام کو یکساں چلا رہا ہے؟ مجال نہیں اس میں بال برابر کمی بیشی ہو، ان سارے حقائق اور سوالات کا ایک ہی حقیقی اور صحیح جواب ہے کہ یہ پورا نظام خالق برحق، مالک حقیقی کی ذات عالی صفات کے ہاتھ میں ہے، اور یہ سب اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے کرشمے ہیں۔ وہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ بھی ہے، اور عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بھی ہے۔

پس وہ آنکھیں اندھی ہوں جنہوں نے آپ کو نہیں دیکھا، وہ دل ودماغ ناکارہ ہوں جنہوں نے آپ کو نہیں پہچانا، وہ ہاتھ شل ہوں جو آپ کے لئے نہیں اٹھے، وہ پاؤں ٹوٹ جائیں جو آپ کی طرف نہ بڑھے، وہ زبان خشک اور فالج زدہ ہو جس نے آپ کی حمد وثنا نہیں کی، وہ کان بہرے ہوں جنہوں نے آپ کا پیغام نہ سنا، وہ پورا جسم اپنے اعضاء سمیت مفلوج ہو جس نے آپ کے حکم پر لبیک نہ کیا اور غافل رہا۔ آمین

اے ہمارے اور سارے جہاں کے رب! ہمیں اسلام پر استقامت عطا فرما، اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر کے ساتھ مغفرت فرما۔ اے پروردگار! جو لوگ تیری ذات عالی صفات سے ناشناس ہیں انہیں بصیرت عطا فرما، اور جو لوگ تیری قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے کرشموں سے ناواقف ہیں انہیں اپنی قدرت سے سمجھ عطا فرما، جو لوگ تیری

عبادت واتباع سے سرکش ہیں انہیں اپنے فضل وکرم سے عبادت گزاروں اور متبعین کی فہرست میں شامل فرما۔ آمین ثم آمین

﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا﴾ وہ (ذات پاک) وہ ہے جس نے پانی سے یعنی نطفہ سے انسان کو پیدا کیا۔ ﴿فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا﴾ پھر اس کو خاندان اور دامادی، سسرال وقرابت دار بنایا، یعنی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی قدرت اور کتنی بڑی ذرہ نوازی ہے کہ ایک ہی قسم کے نطفہ سے ہزاروں صفات پر مشتمل اور بے مثال کمالات پر مشتمل اور بے حساب شکل وصورت پر مشتمل، اور بے شمار قبائل وزبانوں پر اسی طرح ان گنت طرح طرح کے خاندانوں پر قسم قسم کے رشتوں اور قرابتوں پر انسان کی تخلیق فرمائی۔ ایک طرف نسبی رشتہ، دوسری طرف مصاہرت کا رشتہ بنایا۔ مصاہرت کا رشتہ نکاح کے ذریعہ بنتا ہے، اور یہ رشتہ کبھی نسبی رشتہ پر غالب آجاتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں رشتے ایک طرف سے قدرت کے کرشمے اور عنایات ہیں۔ دوسری طرف انسانی شرف کے اسباب ہیں اور انسانوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ آیت بہت بڑی جامع آیت ہے اس کی تفصیل گزر چکی۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَ
تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ کچھ انہیں نفع پہنچا سکیں اور نہ انہیں کچھ ضرر دے سکیں، اور کافر اپنے ربّ کا مخالف ہے ﴿۵۵﴾ اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ﴿۵۶﴾ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، ہاں! جو شخص یہ چاہے کہ اپنے ربّ کی طرف راستہ اختیار کرلے ﴿۵۷﴾ اور آپ اسی ذات پر بھروسہ کیجئے جو زندہ ہے، جسے موت نہیں آئے گی، اور اس کی تسبیح اور تحمید میں لگے رہئے، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونے کے لئے کافی ہے ﴿۵۸﴾ جس نے آسمانوں کو

اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہ بڑا مہربان ہے، سو اس کی شان کسی جاننے والے سے دریافت کرلو۵۹ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے؟ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو سجدہ کرنے کا تو ہم کو حکم دیتا ہے، اور ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے ۶۰

معارف ومنازل

جس طرح اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے پانی پیدا کئے: ایک شیرین، دوئم تلخ، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے انسان بنائے: ایک شیرین (مسلمان) دوئم تلخ (کافر)۔ پہلے تلخ کافروں کا تذکرہ ہوگا، پھر مسلمانوں کا تذکرہ سورت کے اختتام تک جاری رہے گا، تو فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بت اور دیگر ان کے باطل معبود اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بے جان گونگے، بہرے، اندھے پتھر ہیں۔ ﴿وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا﴾ دیکھو کافر آدمی کس طرح اپنے پیدا کرنے والے ربّ سے پشت پھیر کر شیطان کا مددگار بنا ہوا ہے، اور اپنے خالق کی مخالفت اور حکم عدولی پر ڈٹا ہوا ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر نیکوں کو بشارت دینے والا اور بُروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا۔ چاہئے تھا کہ لوگ آپ جیسے داعی برحق کی غیر مشروط طور پر اطاعت کرکے بشارتوں کا استحقاق حاصل کرلیتے، خصوصاً ایسے ماحول میں کہ آپ بغیر کسی معاوضہ کے ان کو راہ حق کی مفت تبلیغ کرتے ہیں، تو فرمایا: ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں اس دعوت ونصیحت پر تم سے کوئی اجرت ومعاوضہ نہیں مانگتا، میں تمہیں بلا معاوضہ خالص اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، پس جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راہ پکڑے، میں جو کچھ تمہیں بتا رہا ہوں اس میں سراسر تمہارا فائدہ ہے، اگر تم نہیں مانو گے تو میرا کوئی بھی نقصان نہ ہوگا، بلکہ نقصان تمہارا ہی ہوگا۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ﴾ اگر کوئی آپ کی بات نہ مانے اور آپ سے دشمنی کرے تو آپ اس زندہ خدا پر بھروسہ واعتماد کیجئے کہ جسے کبھی موت نہیں، پھر مجال نہیں کہ کسی دشمن سے آپ کو کوئی

گزند پہنچے۔ آپ ہمیشہ اپنے ربّ کی حفاظت اور تحفظ میں رہیں گے، اور اطمینان کے ساتھ اپنے ربّ جل شانہ کی تسبیح و تحمید میں لگے رہئے، جس سے آپکو اطمینان وسکون بدستور حاصل رہے گا، اور رضائے الٰہی بھی حاصل رہے گی۔ فرمایا: ﴿اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ﴾ [الرعد:۲۸] (آگاہ رہو کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے)۔ اس طرح آپ کی پریشانیاں بھی دور ہوجائیں گی، اور یہ بھی یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں سے پورا پورا خبردار ہے۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا: ﴿وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾ [ابراھیم: ۴۲] (تم اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل گمان نہ کرو ظالموں کے ظلم ومعاصی سے) اس کو اپنے بندوں کا اور ان کے اچھے اور برے اعمال کا پورا پورا علم ہے۔ اور اس کی شان تو یہ ہے کہ:

﴿الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ وہ پاک ذات ایسی ہے جس نے چھ دن کی مقدار میں آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کارخانہ ہستی کے پیدا کرنے والے کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو؟ سورۂ ملک میں فرمایا: ﴿اَلَا يَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ﴾ [الملک:۱۴] (آگاہ رہو اللہ جانتا ہے جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے، وہ باریک بین اور باخبر ہے)۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جس نے بنایا وہ نہ جانے؟ اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار۔

﴿ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ﴾ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا، جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ استویٰ علی العرش متشابہات میں سے ہے، انسانی عقل وفکر سے بعید اور بلند ہے۔ پوری تفصیل دیکھنی ہو تو سورۂ اعراف میں دیکھیں۔ ﴿اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا﴾ اور وہی عرش پر استویٰ کرنے والا رحمٰن جل شانہ ہے، پس اس کے متعلق کسی جاننے والے سے پوچھو، کیونکہ جاہل مشرک اسے کیا جانیں، اگر یہ جاننے والے ہوتے تو شرک نہ کرتے۔ آگے جاہلوں کی جہالت کا بیان ہے:

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا﴾ جب ان سے یہ کہا جائے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جاہل یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے؟ تو کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کے سجدہ کرنے کا تو ہم کو حکم دیتا ہے؟ تو رحمٰن کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ان کی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ مشرکین عرب جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات سے بےخبر اور انکاری تھے، وہاں ان کی صفات سے بھی نابلد اور منکر تھے۔ یہ مسئلہ سورۂ اسراء کے آخر میں تفصیلاً بیان ہوا۔ احناف کے نزدیک یہ ساتواں سجدہ ہے، اور اس کی بڑی فضیلت ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ: برکت والا ہے وہ قادر مطلق جل شانہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے، اور ان میں ایک چراغ بنایا، اور روشن کرنے والا چاند بنایا﴿۶۱﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے والا بنایا، اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے، یا شکر کرنا چاہے﴿۶۲﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں دلائل قدرت کا بیان تھا، اب پھر عجائبات قدرت میں سے بعض کا بیان ہے۔

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا﴾ بہت ہی بڑی برکت والا ہے وہ قادر مطلق عزّ شانہ جس نے اپنی حکمت وقدرت سے آسمان میں برج بنائے، اور رکھا آسمان میں ایک چراغ، یعنی آفتابِ عالمتاب، اور ایک روشن کرنے والا چاند۔ یہ دونوں آفتاب وچاند روشنی کے علاوہ دیگر ان گنت فوائد کے حامل ہیں، اگر صرف انہیں دو کا بنظر وفکر ملاحظہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ شانہ کی معرفت حاصل ہو جائے، بشرطیکہ دیکھنے والا عقل وفہم کا نابینا نہ ہو۔

حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری اور قتادہ اور ابو صالح رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے کہ بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں۔ برج کے اصل معنی ظہور کے ہیں، جیسے ارشاد ہوا: ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی﴾ [الأحزاب:۳۳] (اور بناؤ سنگھار ظاہر نہ کرو پہلی جاہلیت کے ظاہر کرنے کی طرح)۔ چونکہ بڑے بڑے ستارے ظاہر ہو رہے ہیں، اس لئے ان کو برج فرمایا۔ اسی نام پر ایک سورت کا نام سورۃ البروج ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمانی قلعے مراد ہیں جہاں فرشتے پہرے دیتے ہیں، جیسا کہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور محمد بن کعب قرظی اور ابراہیم نخعی اور حضرت اعمش (سلیمان بن مہران) رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے کہ یہ بروج پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ [ابن کثیر]

اور تیسرا قول یہ ہے کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ (۱۲) منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں، جن کے نام یہ ہیں: (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزاء (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس

(۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت۔ یہ اس لئے کہ آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہو گئیں، کہیں شیر کی، کہیں ترازو کی، کہیں مچھلی کی، کہیں بچھو کی، اور کہیں بیل کی، وغیرہ۔ اور سورج جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے، اس لئے برجوں کے نام چیزوں پر رکھے گئے۔ حکماء وفلاسفہ نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں، پھر ہر ایک کا نام اسی کے ساتھ رکھا جس کی شکل انہیں نظر آئی۔ واللہ اعلم

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے زمین سے لے کر آسمان تک اپنی مخلوق کے لئے ایک وسیع وعریض، بلند وبالا، عالیشان مکان بنایا، جس کو سورج، چاند اور طرح طرح کے ستاروں، کواکب ونجوم سے روشن اور مزین فرمایا، اور درمیان میں بے شمار نعمتیں پیدا کیں، اور رحمت وعنایت کے دسترخوان پر ہزاروں مخلوقات کے لئے لاکھوں کھانے، پینے، رہنے سہنے، اور پہننے بچھانے کی چیزیں مہیا فرمائیں۔ پس کتنے حرام نمک اور نا قدر شناس ہیں وہ اندھے بہرے گندے اور جانوروں سے بدتر لوگ جو اپنے محسن ومنعم حقیقی کے حضور سجدہ کرنے سے انکاری ہیں اور اونٹوں، گدھوں، گھوڑوں، بتوں پتھروں، قبروں اور درختوں اور مزاروں پر سجدہ ریز ہیں۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔

﴿وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ اور وہ قادر مطلق وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ ایک کے جانے کے بعد دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اگر کوئی رات کا وظیفہ دن کو پڑھ لیا تو مطلب پورا ہوا، اسی طرح برعکس بھی۔ یہ سب قدرت کی کارسازی اور کائناتی نظام کے مرتب شدہ کرشمے ہیں، اور انسانوں کے لئے سامان عبرت ونصیحت ہیں، وہ انسان یہ ہیں: ﴿لِّمَنْ اَرَادَ﴾ جو کہ نصیحت پکڑتے، عبرت سیکھتے ہیں، اور شکر گزاری کرتے ہیں، احسان فراموشی نہیں کرتے ہیں۔ یہاں تک عباد الشیطان کا تذکرہ نعمتوں کے ضمن میں بیان ہوا، اب آئندہ آخر سورت تک عباد الرحمن کے لقب پانے والے خوش قسمتوں کا بیان ہوگا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ

عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

ترجمہ: اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو عاجزی کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں، اور جب ان سے جہالت والے بات کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا سلام ہے ﴿٦٣﴾ اور وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ کے لئے اس طرح رات گزارتے ہیں سجدوں میں اور قیام میں مشغول رہتے ہیں ﴿٦٤﴾ اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھیے، بلاشبہ اس کا عذاب بالکل ہی تباہ کرنے والا ہے ﴿٦٥﴾ بیشک وہ برا ٹھکانہ ہے، اور بُرا مقام ہے ﴿٦٦﴾ اور جب وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں، اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے ﴿٦٧﴾

معاف ومنازل

پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات اور کمالات قدرت کا بیان ہوتا رہا، اور لوگوں کو ترغیب دلائی گئی کہ ان بزرگ ترین صفات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلو۔ اب ان لوگوں کی صفات کا بیان ہوگا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کی روشنی میں اس کی معرفت پائی، اور اس کے حکموں کی روشنی میں اپنی زندگی بنالی، اور شرف پایا۔ یا یوں کہو کہ پہلے ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ میں عباد الشیطان کا بیان ہوا، اور اب یہاں سے عباد الرحمن کا تذکرہ ہوگا۔ یا یہ کہ پہلے جہنمیوں کا، اور اب جنتیوں کا بیان ہوگا۔

ویسے تو تکوینی اور پیدائشی لحاظ سے مؤمن کافر، اچھے اور برے سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں، لیکن اگر تشریعی اور اختیاری اعمال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کسی بندے کی نسبت اپنی طرف کرلے تو یہ بہت ہی بڑا اعزاز و شرف ہوگا، جیسے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ [الاسراء:۱] (پاک ہے وہ ذات جو اپنا بندہ رات کو لے گئی)، یا یہ فرمایا: ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ [النجم:۱۰] (پس وحی بھیجی اپنے بندے کو جو کچھ وحی بھیجی) وغیرہ۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تیرہ عمدہ اور پسندیدہ صفات کا ذکر فرمایا، اور ان بابرکت صفات کے حاملین اور اپنانے والوں کو اپنی طرف نسبت کرکے انہیں عباد اللہ کے بجائے ''عباد الرحمن'' کا خصوصی لقب عطا فرمایا۔ یہ اتنا عظیم اور بڑا اعزاز وخدائی تمغہ ہے جس کا مقام بہت ہی اونچا ہے۔ لفظ رحمن کے ذکر کرنے سے اور اس کی نسبت

سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان صفات کے حاملین ہمیشہ رحمت الٰہی کے سایہ میں رہیں گے، اور ان صفات کی بخشش بھی اس کی رحمتوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں عباد الرحمن کی صفات کا بیان:

(۱) پہلی صفت عبدیت و بندگی اور اخلاص۔ (۲) دوسری صفت تواضع وانکساری و کسر نفسی۔ (۳) تیسری صفت جاہلوں اور نادانوں سے عدم تعرض۔ (۴) چوتھی صفت نماز تہجد کا التزام و پابندی۔ (۵) پانچویں صفت خوف آخرت اور عذاب جہنم سے استعاذہ۔ (٦) چھٹی صفت مال خرچ کرنے میں اعتدال اور تنگی واسراف سے اجتناب۔ (۷) ساتویں صفت التزام توحید کے ساتھ ہر طرح کے شرک سے بیزاری۔ (۸) آٹھویں صفت قتل نفس و کبائر سے اجتناب۔ (۹) نویں صفت زنا اور اس کے دواعی سے دوری۔ (۱۰) دسویں صفت جھوٹ اور جھوٹی گواہی کا ترک۔ (۱۱) گیارہویں صفت بیہودہ غیر شرعی مجالس اور اجتماعات سے کنارہ کشی۔ (۱۲) بارہویں صفت اللہ تعالیٰ کی آیات سے تذکیر و نصیحت قبول کرنا۔ (۱۳) تیرہویں صفت مخ العبادات یعنی دعاء کا التزام۔ فرمایا:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ اور رحمٰن عزّ شانہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر طمانیت ووقار کے ساتھ چلتے ہیں، یہ عباد الرحمٰن جو سرتا پا اطاعت شعار اور فرمانبردار ہیں، یہ ان کی دوسری صفت ہے کہ وہ کبر وغرور اور اکڑ کر چلنے کو عار اور گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں، وہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، اور بولنے میں انکساری وتواضع اور کسر نفسی کے خوگر ہیں، ان کی چال ڈھال سے تواضع ہی ٹپکتا ہے۔ حضرت لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی: ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⑱ وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑲﴾ [لقمان] (اور لوگوں کے سامنے اپنے گال مت پھلاؤ، اور زمین پر اتراتے ہوئے مت چلو۔ یقیناً اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ اور پنی چال میں اعتدال اختیار کرو۔ اور اپنی آواز آہستہ رکھو۔ بیشک سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے)۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تواضع انکساری کے ساتھ چلتے تھے اور چلتے وقت آگے کی طرف جھکے ہوئے ہوتے تھے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نشیبی ڈھلوان میں اتر رہے ہیں۔ [ترمذي، ابن كثير، قرطبي]

سینہ تان کر تکبر کی چال چلنا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں، اور ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں خوار اور ذلیل

ہوں گے، کیونکہ متکبرانہ چال قارون جیسے جہنمیوں کی چال ہے۔

عبادالرحمٰن کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ جب ان سے جاہل لوگ بات چیت کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں: سلام ہو۔ جاہل و بے دین لوگ اکثر طعن وتشنیع اور بے مروّتی سے پیش آتے ہیں، طنزیہ کلام بولتے ہیں، ان کی عادت ہی استہزاء ہے، تو عبادالرحمٰن ان کے ساتھ الجھتے نہیں، سخت اور درشت جواب دینے کے بجائے نرمی کے ساتھ گزر جاتے ہیں، اور سلامِ متارکت کہہ کر آگے گزر جاتے ہیں، وہ کبھی گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص روزے دار کے ساتھ بیہودہ بات کرے تو روزے دار کو چاہئے کہ وہ کہہ دے: بھائی! ''اِنِّیْ امْرُءٌ صَائِمٌ''۔ میں روزہ دار ہوں، تمہاری بیہودہ بات کا جواب بیہودگی سے نہیں دوں گا۔ [مشکوٰۃ]

عبادالرحمٰن کی چوتھی صفت: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں، ایسے لوگوں کی راتیں لہو ولعب، کھیل تماشے اور سونے اور غفلت میں نہیں گزرتی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ [الذاریات] (وہ رات کے وقت کم سوتے تھے۔ اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے)۔

پرانے لوگ ساری رات مجلسیں منعقد کرتے تھے، اور ساری رات تماشے، لہو ولعب، گپ شپ، قصہ گوئی، شعروشاعری میں لگے رہتے تھے۔ آج کل سینما، ٹیلویژن، آرٹ گیلری، کھیل وتماشا بینی کا بہت زیادہ رواج وعروج ہے، ساری رات اسی دھندے میں گزرتی ہے، صبح کی نماز کا بھی دھیان نہیں رہتا، رات کی نماز کا نام ونشان تک نہیں، فرض نمازوں تک کا جب احساس نہ ہو تو قیام اللیل کا کیا پوچھنا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ قبر کی روشنی کے لئے قیام اللیل کا اہتمام سب سے بڑا اچھا عمل ہے، قیام اللیل قبر کی روشنی کا عمدہ اور پسندیدہ عمل ہے۔ [تفسیر عزیزي]

عبادالرحمٰن کی پانچویں صفت یہ ہے کہ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کردے۔ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین وایمان رکھتا ہے اس کی سب سے بڑی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

فضل وکرم سے اسے جنت نصیب کرے اور جہنم کے عذاب سے اسے نجات دیدے۔ قرآن کریم نے اسی کو سراہتے ہوئے ان کی تعریف کی، جو وہ اللہ تعالیٰ سے یہی مانگتے ہیں: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرة: ۲۰۱] (اوران میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما، اور آخرت میں بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا)۔

یہ ہے عام مسلمانوں کا مطالبہ، تو عباد الرحمٰن جو کہ خواص ہیں ان کا یہ مطالبہ دوسروں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ انہیں قربِ الٰہی کا مقام حاصل ہے۔ ''غرام'' کے معنی ہیں: تاوان، یہ عذاب جہنم کی صفت ہے جو کہ چمٹ کر سب خوشیوں کو پامال کرنے والا ہے، آگے اسی غرام کی تشریح ہے۔

﴿اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ بیشک یہ دوزخ رہائش کی بہت بری جگہ ہے، اور بہت برا ٹھکانہ ہے، جس میں پڑنے والا تاوان اور خسارے سے دوچار ہوگا۔ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دوزخ میں پڑا ہوا ایک شخص (بڑا مجرم مسلمان) ایک ہزار سال تک ''يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ''۔ اے شفقت کرنے والے! اے احسان کرنے والے ربّ! پکارتا رہے گا، بالآخر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ جاؤ اس شخص کو پکڑ کر لے آؤ، فرشتے جا کر دیکھیں گے تو سب دوزخی اوندھے منہ پڑے ہوں گے، اور مطلوبہ شخص کی شناخت نہیں ہو سکے گی، واپس آ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے صورت حال بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ اس کو لے کر آؤ، فرشتے اس شخص کو پکڑ کر لے آئیں گے، جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! دوزخ کا ٹھکانہ کیسا ہے؟ وہ کہے گا: بہت ہی بُرا ہے، نہایت تکلیف دہ ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ واپس اسی میں چلے جاؤ، وہ دوزخی عرض کرے گا: اے میرے مولا کریم! تیری رحمت سے مجھے یہ امید تو نہ تھی کہ ایک دفعہ دوزخ سے نکالنے کے بعد پھر اسی میں داخل کردے گا، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور حکم ہوگا کہ اس کو دوزخ سے رہا کردو۔ [ابن کثیر]

عباد الرحمٰن کی چھٹی صفت یہ ہے کہ: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا﴾ اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں کہ جب صحیح مصرف میں مال خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں، نہ بخل وکنجوسی سے کام لیتے ہیں۔ اسراف دو طرح سے ہوتا ہے: ایک اسراف (بدترین) یہ ہے کہ انسان حرام، مکروہ، اور ناجائز مقامات پر مال خرچ کرے، جیسا کہ اکثر شادیوں، دعوتوں اور پارٹیوں پر بے تحاشا مال خرچ کیا جاتا ہے، مقصد فخر وغرور اور نام آوری

ہوتا ہے۔اسی طرح بڑے بڑے محل اور بنگلوں پر باطل رسوم، زیب وزینت، بہت بیش قیمت لباسوں پر اور کروڑوں کی لاگت سواری کی گاڑیوں پر بے تحاشا صرف کرتے ہیں۔ دوسرا اسراف یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے، ایک کام تھوڑے خرچہ سے بآسانی پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے مگر نمود ونمائش کی خاطر بے دریغ روپیہ خرچ کرنا اسراف ہے۔اللہ تعالیٰ کے نام پر لوگ مسجد بناتے ہیں، اس کی تزئین ونمائش پر نام نمود کی خاطر کروڑوں روپیہ صرف کرتے ہیں، ثواب تو کیا الٹا گناہ اور اسراف ہوگا۔قیامت کے دن یہ اسراف وبال جان بن جائے گا۔

﴿وَلَمْ يَقْتُرُوْا﴾ یہ مسئلہ کا دوسرا پہلو ہے کہ بخل اور کنجوسی نہیں کرتے ہیں۔جس طرح فضول خرچی ایک شیطانی عمل ہے اسی طرح بخل بھی شیطانی عمل ہے۔سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اَیُّ دَاءٍ اَدْوَءُ مِنَ الْبُخْلِ''۔ بخل سے بڑھ کر کونسی بیماری ہوسکتی ہے؟ اپنے بال بچوں کی جائز ضروریات پوری نہ کرنا بخل ہے، غرباء ومساکین کی حق تلفی کرنا بھی بخل ہے، اور عزیز واقارب سے روگردانی کرنا بھی بخل ہے، یہ سب حرام اور ممنوع ہیں۔پس فضول خرچی اور بخل کے درمیان بہترین راستہ اعتدال یعنی میانہ روی کا راستہ ہے جو کہ عباد الرحمٰن کی پسندیدہ صفت ہے۔ اسی لئے فرمایا:

﴿وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے بندے میانہ روی اور اعتدال اختیار کرتے ہیں۔اس سے معاملات بھی صحیح ہوتے ہیں، اور ہر قسم کی ذلّت وخواری سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ان شاء اللہ

❁ ❁ ❁

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ
وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ
تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ
مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ
الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ

مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝٧٧

ترجمہ: اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ہیں، اور کسی جان کو قتل نہیں کرتے ہیں جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور وہ زنا نہیں کرتے ہیں، اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا ۝٦٨ اس کے لئے قیامت کے دن عذاب بڑھتا چلا جائے گا، اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا ۝٦٩ سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے، سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے، مہربان ہے ۝٧٠ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے سو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع ہوتا ہے ۝٧١ اور وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے، اور جب بیہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں ۝٧٢ اور وہ لوگ ہیں جب انہیں ان کے ربّ کی آیات کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے ۝٧٣ اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہم کو متقیوں کا امام بنا دیجئے ۝٧٤ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ثابت قدم رہنے کی وجہ سے بالا خانے ملیں گے، اور اس میں ان کو بقاء کی دعا اور سلام ملیں گے ۝٧٥ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ ٹھہرنے کی اچھی جگہ ہے، اور اچھا مقام ہے ۝٧٦ آپ فرما دیجئے کہ: میرا ربّ پرواہ نہ کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہوتا، سو تم نے جھٹلایا، سو عنقریب وبال ہو کر رہے گا ۝٧٧

معارف ومنازل

عباد الرحمٰن کی ساتویں صفت یہ بیان فرمائی: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہیں پکارتے، وہ پکے اور حقیقی موحد ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک اور برابر نہیں سمجھتے، وہ شرک سے اتنے متنفر اور بیزار ہیں کہ اس کے نام پر لعنت بھیجتے ہیں، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ تمام گناہوں میں سب سے بڑا بھاری گناہ کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے، حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد کونسا گناہ؟ فرمایا: تو اپنے بچے کو اس وجہ سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو جائے گا، پس تو اس کی پرورش اور رزق وروزی کی وجہ سے اسے مار ڈال کر

ہلاک کرے گا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے۔ [متفق علیہ]

سرفہرست تمام گناہوں سے بھاری کہ جس کی بغیر توبہ کے کسی طرح بخشش نہ ہو وہ شرک ہی ہے۔

﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ وہ کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے، یہ عبادالرحمٰن کی آٹھویں صفت ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صرف تین صورتوں میں قتل کرنا جائز ہے: ایک ایسا قتل جو قتل کے بدلے میں قصاص کے طور پر ہو۔ دوسرا قتل شادی شدہ زنا کار کا جسے سنگسار کردیا جائے۔ تیسرا مرتد کا قتل جو دین اسلام چھوڑ جائے، اور سمجھانے، ترغیب دینے، شکوک وشبہات دور کرنے کے باوجود واپس نہ آئے۔ ان تینوں کے علاوہ کوئی بھی قتل جائز نہیں۔

عبادالرحمٰن کی نویں صفت یہ ہے کہ: ﴿وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ وہ لوگ جو زنا و بدکاری نہیں کرتے۔ یہ بہت بُرا قبیح فعل ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بچائے۔ اگر نادانی اور بے علمی کی وجہ سے کبھی غلطی ہوئی ہے تو توبہ نصوح کرکے آئندہ زندگی پاکدامنی، تقویٰ اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ گزارے۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جب شرک توبہ کے ساتھ معاف ہوسکتا ہے تو دوسرے گناہ بھی معاف ہوسکتے ہیں۔ البتہ حقوق العباد کا مسئلہ ذرا سخت اور مشکل ہے۔

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا﴾ جو کوئی ایسے فعل کا ارتکاب کرے گا وہ گناہوں کی سزا کو پائے گا۔ آثام، اثم کی جمع ہے، جس کے معنی گناہ کے ہیں۔ گناہوں کے مختلف نام ہیں، مثلاً خطا، اس کی جمع ہے خطیئات اور خطایا، ذنب اس کی جمع ہے ذنوب، اثم اس کی جمع ہے آثام، سیئہ اس کی جمع ہے سیئات، معصیۃ اس کی جمع ہے معاصی۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آثام جہنم کے اندر ایک وادی ہے، پھر معنی یہ ہوگا کہ وہ جہنم کی وادی آثام کو پالے گا، وہاں تک پہنچ جائے گا۔

﴿يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا﴾ قیامت والے دن اس کے عذاب کو دگنا کردیا جائے گا، اور وہ اس میں ذلیل وخوار ہوکر رہے گا۔ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا، اور نیک عمل کیے، سو یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ اس استثناء سے معلوم ہوا کہ کافر اور مشرک توبہ کرکے ایمان لائے اس کی سابقہ تمام نافرمانیاں معاف فرمادی

جائیں گی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا شمار اسلام سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے شدید ترین دشمنوں اور بدخواہوں میں سے ہوتا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت سے نوازا تو مکہ مکرمہ سے چل کر مدینہ طیبہ آئے اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر بیعت کرنا چاہی، اور یہ شرط عائد کی کہ میرے تمام گناہوں کی مغفرت ہو جائے۔ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں؟ [رواہ مسلم]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مقام و مرتبہ اسلام کا ہے اس کے ساتھ کائنات کی کوئی بھی چیز ہمسری نہیں کر سکتی، پورے عالم کی تخلیق کا منشا ہی اسلام ہے، سارے انبیاء کرام علیہم السلام اسی اسلام کی خدمت کے لئے تو دنیا میں تشریف لائے، اور دین الٰہی کی خاطر بے شمار تکلیفوں سے انہیں واسطہ پڑا۔

یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دے گا اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں، جنہیں صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کر دو، اور بڑے گناہوں کو علیحدہ رکھو، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے گناہ اور ایسے ایسے کام کئے ہیں، وہ منکر نہ ہوگا اقرار کرے گا، اور اس بات سے ڈرتا ہوگا کہ میرے بڑے گناہ باقی ہیں، اگر وہ سامنے لائے گئے تو کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں اس کو ایک ایک نیکی دے دو (خوشی کی وجہ سے یہ سن کر اور جان کر کہ ہر گناہ پر ایک نیکی مل رہی ہے) یوں کہے گا: ابھی تو میرے کچھ گناہ باقی ہیں جن کو میں نہیں دیکھ رہا ہوں۔ (میرے وہ گناہ بھی پیش کئے جائیں اور ان کے بدلے بھی ایک ایک نیکی دی جائے) یہ بات بیان کرتے وقت رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ہنسی آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک داڑھیں نظر آ گئیں۔ [مشکوۃ، بحوالہ صحیح مسلم]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عباد الرحمٰن کی سیئات کو حسنات سے بدل دینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا، اور ہر ہر گناہ کے بدلہ ایک ایک نیکی کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ گناہوں کو نیکیاں بنا دیا جائے گا، کیونکہ گناہ کبھی بھی نیکی نہیں بن سکتا۔

اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ گزشتہ معاصی توبہ کے ذریعہ ختم کر دئے جائیں گے، اور

ان کی جگہ بعد میں آنے والی طاعات لکھ دی جائیں گی، بہت سے سلف نے اسی کو راجح بتایا، مگر روایت مذکورہ اول معنی کے لئے مؤید ہے۔

﴿وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوۡبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾ اور جو شخص توبہ کرتا ہے، اور نیک کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے، اور اخلاص سے توبہ کرتا ہے، اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرتا ہے، اور نیکی پر رہنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو ایسے لوگ بھی عباد الرحمٰن کی جماعت کا رکن بن سکتے ہیں۔ تو چاہئے کہ ہر مسلمان اس پر عمل کرے۔

عباد الرحمٰن کی دسویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے۔ یا یوں کہو کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اور اس کا شمار سات تباہ کن گناہوں کی فہرست میں ہے۔ بعض روایات میں اسے اکبر الکبائر میں شمار کیا ہے۔ [بخاري]

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن نماز فجر سے فارغ ہو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الحج کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ۝٣٠ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ﴾ [الحج] (سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے اجتناب کرو، اور جھوٹی بات سے بھی بچو، اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہو جاؤ، اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو)۔ [أبو داؤد]

عباد الرحمٰن کی گیارہویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا كِرَامًا﴾ اور جب بیہودہ کاموں کے پاس گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ یعنی غیر شرعی برائیوں کی مجلسوں میں شرکت کرنا تو درکنار، اگر ایسی مجلسوں پر اتفاق سے ان کا گزر ہو جائے تو خاموشی کے ساتھ ولا حول ولا قوۃ پڑھتے ہوئے، استغفار کرتے ہوئے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے، بلکہ چہروں پر چادریں ڈال کر گزر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کا وطیرہ اور پاکیزہ عمل ہمیشہ یہی رہا کہ ناجائز و بیہودہ کاموں کو دیکھ کر آنکھیں بند کرتے ہوئے جلدی سے گزر جاؤ، اگر وہاں موجود لوگوں میں سے کوئی چھیڑ دے اور کچھ نامناسب رویہ اختیار کرے تو ﴿سَلٰمًا﴾ کہتے ہوئے گزر جاؤ، اور یوں فرض کر لو کہ مجھے کچھ کہا ہی نہیں۔

عبادالرحمٰن کی بارہویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:﴿وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا﴾ یعنی ان بندوں کی شان یہ ہے کہ جب انہیں ان کے ربّ کی آیات کے ذریعہ نصیحت اور تذکیر کی جاتی ہے، اورانہیں ان آیات پرعمل کرنے کی ترغیب دیجاتی ہے توسرتاپا 'سمعنا وأطعنا' کہتے ہوئے بات غور سے سنتے ہیں، پھراس پرعمل کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، اور آگے جاکران کی تبلیغ بھی کرتے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سن کراندھے اور بہرے نہیں ہوتے، بلکہ بینائی اوسننے کے ساتھ اچھی طرح عمل پرتیار ہوتے ہیں۔ دراصل اسی صفت نے مسلمانوں کوتمام اقوام عالم سے ممتاز کیا، اوراسی صفت کے فقدان اور نہ ہونے نے یہود ونصاریٰ کوضالین اور مغضوب بنادیا، جنہوں نے ہرمحاذ پراپنے پیغمبروں علیہم السلام سے 'سمعنا وعصینا' کہا، اور پیغمبروں علیہم السلام کی تذکیر وموعظت کا مذاق اڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا: اے داؤد! آخرزمانے میں میرے ایسے بندے آئیں گے جو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کوغور سے سنیں گے، اور ان پردل وجان اور مال واولاد قربان کریں گے، وہ لوگ میرے پسندیدہ لوگ ہوں گے۔

عبادالرحمٰن کی تیرہویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:﴿وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴾ اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! بخش دے ہمیں، ہماری بیویوں اوراولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری بیوی بچوں، پوری نسل اور گھرانے کے لوگ ہدایت وتقویٰ پر ہوں، عقیدہ وعمل دونوں کے اعتبار سے صحیح ہوں، اور فرمانبردار ونیک ہوں، جن کے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی اور دلوں میں سرور وخوشی کی کیفیت ہو۔ نیک بیوی اور فرمانبرداراولاد کا شماراللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں ہے، اسی دعا کے آخری حصہ میں فرمایا کہ: اے پروردگار! ہمیں ایساہدایت یافتہ علم وعمل کا علمبرادبنادے کہ ہم نیک لوگوں کے امام وراہنما بن جائیں کہ آئندہ آنے والے لوگ ہمارے نقش قدم پر چلنے والے، ہدایت پانے والے بن جائیں۔ جس طرح آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام بنادیا، اورآنے والوں کوان کے نقش قدم پرچلایا۔

﴿اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا﴾ یہی لوگ ہیں جنہیں جنت کے اونچے بالاخانے دیئے جائیں گے، اس وجہ سے کہ انہوں نے صبرکیا۔ **الصبر علی الطاعات، الصبر علی المصائب** اور **الصبر عن المعصیات** تینوں مراد ہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جنت والوں کے عجیب وغریب بالاخانے ہوں گے

کہ اندر کا منظر باہر سے نظر آئے گا، اور باہر کا اندر سے یہ بلند و بالا اور صاف وشفاف ہوں گے۔ [در منثور]

﴿وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا﴾ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کو جنت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور فرشتوں کی طرف سے اور جنتیوں کی طرف سے مبارکبادی اور خوشی کے تحفے ملیں گے، چاروں طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کا پیغام انہیں ملتا رہے گا۔ سورہ یٰس میں فرمایا: ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ [یس: ۵۸] (رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا)۔

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ جنت کے بالا خانوں میں شاداں وفرحاں رہیں گے، یہ ان کے لئے بہترین پسندیدہ قرارگاہ ہوگی۔ جنت میں ایک بالشت جگہ پوری دنیا سے قیمتی ہوگی، جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو یہ اعلان سنیں گے: اے اہل جنت! اب تم ہمیشہ کے لئے تندرست رہو گے، بیمار نہیں ہوں گے، تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی موت نہیں آئے گی، تم ہمیشہ جوان رہو گے تم پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، تم ہمیشہ خوشحال رہو گے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی، نہ تمہارے کپڑے میلے ہوں گے نہ تمہارے جسم اور نہ ہی تمہارے مکان۔ [مسلم]

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ﴾ آپ کہہ دیجئے: میرے ربّ کو کچھ پروا نہیں اگر تم اس کو نہیں پکارو گے یعنی تم ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہو، وہ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ کسی چیز کا اور کسی عبادت کا محتاج نہیں، اگر تم اس کی اطاعت اور عبادت نہیں کرو گے تو اس کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آئے گا، وہ تمہاری عبادت سے لاپرواہ ہے۔ بعض حضرات نے اس کا معنی یوں کیا کہ اگر میرے پروردگار کو تمہارا پکارنا نہ ہوتا تو وہ تمہاری کچھ پروا نہ کرتا، چونکہ مصیبت کے وقت جب اس کو تم پکارتے ہو تو تمہاری مدد نہ کرتا، تو تمہاری یہی پکار تمہاری مہلت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور بعض نے یہ ترجمہ کیا: ''اگر تمہیں ایمان کی طرف دعوت دینا مقصود نہ ہوتا تو میرا ربّ تمہاری کچھ پروا نہ کرتا''۔

﴿فَقَدْ كَذَّبْتُمْ﴾ پس تم نے سب کچھ جھٹلا دیا ہے، اور اپنے لئے اپنے ہاتھوں کے کردار سے ہلاکت اور تباہی کا خود انتظام کیا ہے۔ وہ یہ: ﴿فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا﴾ عنقریب تمہاری گرفت ہوگی، جہاد میں مارے جاؤ گے، عذاب جہنم میں ہمیشہ کے لئے گرفتار ہو جاؤ گے، اور ابدی خوار و ذلیل ہو جاؤ گے۔ ''لزام'' کے معنی ہیں: ''تباہی، وبال، گرفت'' وغیرہ۔

۲ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

سُورَةُ الشُّعَرآءِ

مكية آياتها ۲۲۷ رکوعاتها ۱۱

سورۂ شعراء مکی ہے، اس میں دوسوستائیس (۲۲۷) آیتیں، اور گیارہ (۱۱) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الشعراء ہے جو اس کی آیت (۲۲۴) میں ''الشعراء'' کے لفظ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں (۲۶) ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں (۴۷) ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، اس کا نزول سورۃ الواقعہ کے بعد ہے، مگر اس کی آخری چار آیات (۲۲۴) سے (۲۲۷) تک مدنی ہیں۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں (۱۱) رکوع، (۲۲۷) آیات، اور (۱۳۴۷) کلمات، اور (۵۶۸۹) حروف ہیں۔

ربط ومناسبت:

(۱) گزشتہ سورت کے آغاز کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن مجید سے ہوا ہے۔ (۲) دونوں کے آخر میں منکرین توحید ورسالت اور قیامت کا بیان ہے۔ (۳) دونوں سورتوں میں تذکیراتِ ثلاثہ کا بیان ہے۔ (۴) آنحضرت سرور عالم ﷺ کی تسلی دونوں سورتوں میں ہے۔ (۵) منکرین توحید ورسالت اور منکرین قیامت کے

لئے سخت وعید، اور مؤمنین کے لئے وعدہ و بشارت دونوں سورتوں میں یکساں ہے۔

مختصر موضوع:

اس سورت میں تمام تر انبیاء علیہم السلام اور ان کی نافرمان قوموں کا تذکرہ ہے، اور جس طرح سورۂ ہود میں ان کے واقعات کے بیان کے ساتھ ان کی ہلاکت وتباہی کا بیان ہے، اسی طرح اس سورت میں بھی اسی چیز کا تفصیلاً بیان ہے۔ اسی کے ساتھ فرائضِ نبوت کا بھی بیان ہے، اور مسلمانوں کے نیک انجام کا اور کفار و مشرکین کے بُرے انجام کا بھی تذکرہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

طٰسٓمّٓ ① تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ③ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُهُمۡ لَهَا خٰضِعِيۡنَ ④ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهُ مُعۡرِضِيۡنَ ⑤ فَقَدۡ كَذَّبُوۡا فَسَيَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ⑥ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الۡاَرۡضِ كَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ ⑦ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ⑨

ترجمہ: طٰسٓمّٓ ① یہ کتاب مبین کی آیات ہیں ② کیا ایسا ہونے کو ہے کہ آپ اپنی جان کو اس وجہ سے ہلاک کردیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ ③ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کردیں، پھر ان کی گردنیں اس نشانی کی وجہ سے جھک جائیں ④ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو بھی کوئی نصیحت آجاتی ہے تو اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں ⑤ سو انہوں نے جھٹلا دیا، سو آجائیں گی ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے ⑥ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا اس میں ہم نے کتنی قسم کی اچھی اچھی بوٹیاں اگائی ہیں؟ ⑦ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ⑧ اور بلاشبہ آپ کا ربّ زبردست رحمت والا ہے ⑨

☆☆☆

معارف ومسائل

حروف مقطعات کی تفصیل گزر چکی ہے۔﴿طٰسٓمّٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ﴾ یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں جو آپ کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں۔

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کردیں اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔تو فرمایا کہ کیا ان کے بارے میں آپ اپنی جان کو تلف کریں گے؟ جب یہ خود دیدہ دانستہ طور پر اپنی جانوں کے دشمن ہیں، اور اپنے اوپر رحم نہیں کر رہے، ایمان نہیں لا رہے ہیں، تو ان بدبختوں کے ساتھ اتنی دلسوزی وشفقت کی ہرگز ضرورت نہیں۔﴿وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ﴾ [البقرۃ:۱۱۹] (یعنی قیامت کے دن اہل جہنم کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا جائے گا) بلکہ خود ان سے پوچھا جائے گا۔﴿مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ﴾ [المدثر:۴۲] (کیا چیز نے تمہیں جہنم تک لے آئی؟)۔

﴿اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ﴾ اگر ہم چاہیں تو آسمان کی طرف سے ایسی نشانی اتاریں جس کے سامنے ان کی گردنیں دب کر رہ جائیں اور وہ مجبور ہو جائیں، اور ان کی ساری سرکشی ختم ہو جائے لیکن:﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾[البقرۃ:۲۵۶] (دین میں کوئی زور زبردستی نہیں) کے تحت یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، اور اسلام وکفر دونوں اختیاری ہیں۔

﴿وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس رحمٰن جل شانہ کی طرف سے کوئی نئی چیز، مگر یہ لوگ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ پس عنقریب ان کے سامنے اس چیز کی خبر آجائے گی جس کے ساتھ یہ استہزا کیا کرتے تھے۔ہوسکتا ہے ان پر دنیا میں کوئی عذاب آجائے جس سے ان کی تباہی مقدر ہو، یا مراد آخرت کا عذاب ہے جس کو دیکھ کر وہ اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ کر اپنی ہلاکت پر افسوس کرتے ہوں، یا مراد دونوں قسم کے عذاب ہوں جیسے جنگ بدر کے موقع پر ان پر تباہی اور قیامت کا عذاب بہر حال ان کے لئے مقرر ہے۔

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ﴾ کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنی قسم کے عمدہ ودلکش درخت، پھل، پھول، گھاس وغیرہ بے شمار چیزیں اُگائی ہیں؟ اور یہ لوگ بار بار آپ سے نشانیاں طلب کرتے ہیں، کیا یہ مردہ زمین ہمارے حکم سے زندہ ہوکر طرح طرح کے

درختوں، پھولوں، سبزیوں سے لہلہاتی ان کے سامنے ہے، تو کیا اس سے بھی بڑا معجزہ ان کو چاہیے؟ دراصل انہیں ایمان لانا گراں اور مشکل معلوم ہوتا ہے، محض آپ کو پریشان کرنا ان کا مقصد ہے، اور کچھ نہیں۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ بیشک یہ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں نشانی اور علامت ہے، (توحید اور حیات بعد الموت پر) مگر حال یہ ہے کہ مشرکین کی اکثریت ایمان قبول کرنے پر تیار نہیں ہے۔ آج کی دنیا بھی اسی خرمستی میں اللہ تعالیٰ کی آیات سے بے خبر اور بے بہرہ ہے، اکثریت کفروشرک الحاد وزندقہ کا شکار ہے، قلیل حصہ اسلام اور ایمان پر قائم ہے۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ بیشک تیرا پروردگار عزیز وغالب ہے، اور بہت مہربان بھی ہے۔ یہ امہال المجرمین یعنی مجرموں کو مہلت دینا، انہیں جلدی ہلاک نہ کرنا، یہی اس کی مہربانی اور کرم کا تقاضہ ہے۔ اس کریم ورحیم نے کبھی بغیر مہلت وڈھیل دینے کے کسی قوم یا فرد کو ہلاک نہیں کیا، اور آئندہ بھی نہیں کرے گا۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۙ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ
اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ؕ﴿۱۲﴾ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ
عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۚ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِیَا
فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ
فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ۙ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ؕ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ
رَبِّیْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اور جب آپ کے ربّ نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم قوم یعنی قومِ فرعون کے پاس چلے جاؤ ﴿۱۰﴾ کیا یہ لوگ
ڈرتے نہیں ہیں؟ ﴿۱۱﴾ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے ربّ! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں ﴿۱۲﴾ اور
میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے، اور میری زبان نہیں چلتی، لہٰذا ہارون کو بھی پیغمبر بنا دیجئے ﴿۱۳﴾ اور مجھ پر ان لوگوں کا جرم ہے،
لہٰذا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر ڈالیں ﴿۱۴﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز ایسا نہیں ہوگا، سوتم دونوں ہماری

آیات لے کر جاؤ، بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں سننے والے ہیں⑮ سوتم فرعون کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ بلاشبہ ہم
ربّ العلمین کے پیغمبر ہیں⑯ یہ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے⑰ فرعون نے کہا: کیا ہم نے تجھے اپنے
پاس رکھ کر اس وقت نہیں پالا جب تو نومولود بچہ تھا؟ اور تو ہمارے اندر اپنی عمر کے برسہا برس رہا ہے⑱ اور تو نے وہ کام
کیا جو تو نے کیا، اور تو ناشکروں میں سے ہے⑲ موسیٰ نے جواب دیا: یہ فعل میں نے اس وقت کیا تھا جبکہ میں چوک
جانے والوں میں سے تھا⑳ تو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا جب مجھے تمہاری طرف سے ڈر لگا، سو میرے ربّ
نے مجھے دانشمندی عطا فرمائی، اور مجھے پیغمبروں میں شامل فرمایا㉑ اور وہ جو تو مجھ پر اپنا احسان جتلا رہا ہے سو اس کی وجہ
یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا㉒

معارف ومنازل

یہ قصہ اگرچہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے، لیکن یہاں ایک نئے عجیب انداز سے بیان ہو رہا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اے پیغمبر اعظم! آپ ان مستہزئین کی عبرت اور تہدید کے لئے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے جب تیرے ربّ نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا کہ اے موسیٰ! تم ظالم قوم کے پاس جاؤ جنہوں نے کفر وشرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور بنی اسرائیل کو صدیوں سے اس لئے غلام بنایا کہ وہ مؤمن تھے۔

﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ﴾ یہ ظالم فرعونی لوگ تھے، کیا یہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ لہٰذا تم ان کے پاس ضرور جاؤ، ﴿لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی﴾ [طه: ۴۴] (یعنی تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے)۔

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! یہ ظالم تو کیا ڈرتے، اے میرے ربّ! تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں، اور یہ کہیں کہ ہم ربّ العلمین کے قائل نہیں، تو اس کے رسول کو کیا مانیں، اور کہا کہ اے میرے ربّ! میں طبعی طور پر کمزور ہوں۔

﴿وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ﴾ میرا سینہ گھٹا جاتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ اچھی طرح میری

زبان بھی نہیں چلتی، کیونکہ میری زبان میں لکنت ہے، چونکہ پیدائشی طور پر ان کی زبان میں لکنت تھی، اور مزاج مقدس میں اعلیٰ درجہ کا جلال بھی تھا، فوراً غصہ آنے کی وجہ سے مزید زبان میں ثقل آجاتی، اور اچھی طرح خطابت اور قادر الکلامی کے ساتھ مافی الضمیر بیان کرنے پر قادر نہیں تھے۔

﴿فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ﴾ آپ بذریعہ جبریل علیہ السلام میرے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کے پاس نبوت و رسالت کا پیغام بھیج دیجئے، اور ان کو میرا وزیر و معاون مقرر فرمائیے۔ جیسے سورۃ القصص میں ارشاد ہے: ﴿وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴾ [القصص:۳۴] (یعنی میرا بھائی ہارون علیہ السلام زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے، میری زبان میں لکنت ہے، لہٰذا ان کو میرے ساتھ معاون کے طور پر بھیج دے جو میری تصدیق کرے کہ ہم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے)۔ اس کے علاوہ میرے خوف کی ایک وجہ یہ بھی ہے:

﴿وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ﴾ کہ فرعون والوں کا مجھ پر ایک شخص کے قتل کا دعویٰ ہے، میں نے ان کے ایک آدمی کو ادب کی خاطر ایک مُکّا مارا تھا جس سے وہ مرگیا تھا، تو وہ مجھے اپنے اس مقتول کے بدلہ قصاصاً قتل کریں گے۔ ایسی حالت میں ان کو پیغام رسالت دینا دشوار ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا: ﴿قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ﴾ فرمایا: یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ تم کو کوئی گزند پہنچائیں، مجال نہیں فرعون تم پر چڑھائی کرسکے اور تمہیں قتل کر ڈالے، پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ، اور ہماری نگرانی میں رہو، بیشک ہم اپنے لطف و عنایت اور حمایت و حفاظت کے ساتھ تمہارے ساتھ ہیں۔

سبحان اللہ! یہ کتنی بڑی تسلی اور دلجوئی ہے جس کا نتیجہ بہت واضح ہے کہ فرعون نے دھمکیاں دینے میں کوئی کمی نہیں کی، مگر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر ہاتھ اٹھانے سے عاجز رہا، حالانکہ اس کے پاس سب کچھ تھا، اور دونوں نہتے بے سروسامان تھے، ہرگز نہ گھبراؤ، بے خوف و خطر اس کے پاس چلے جاؤ۔

﴿فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں ربّ العٰلمین کے رسول اور پیغمبر ہیں، اس کا حکم لے کر تمہارے پاس آئے ہیں، تمہاری فلاح اسی میں ہے کہ پہلے ربّ العٰلمین پر ایمان لاؤ، اور ہماری رسالت کی تصدیق کرو، پھر:

﴿اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ اور بنی اسرائیل کو جو کہ ربّ العٰلمین کی ربوبیت اور اس کے

رسولوں کی رسالت پر ایمان لائے ہوئے ہیں، اور ان کے ایمان کی وجہ سے تم نے ان کو غلام بنایا ہوا ہے، اور ان کو اپنے ظلم وستم کا تختہ مشق بنایا ہوا ہے، اس ظلم سے باز آجاؤ، اور انہیں ہمارے ساتھ بھیج دو تاکہ وہ تمہاری غلامی سے نجات پائیں، اور اپنے آباء واجداد کے وطن فلسطین چلے جائیں۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ شانہ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس گئے تو ایک سال تک فرعون کے دربار میں ان کو رسائی نہ ہوئی، آخر ایک سال بعد فرعون تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بہت عرصے تک فرعون کی پرورش پائی تھی، جب فرعون نے انہیں دیکھا تو پہچان لیا اور بچشم حقارت ان کی طرف نظر کر کے یہ کہا:

﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کیا تو وہ نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں پالا؟ درانحالیکہ تو نومولود ایک بچہ تھا، اور تو نے اپنی عمر کے سالہا سال ہم میں گزارے ہیں، اور تو نے وہ کردار کیا جو تو نے کیا، یعنی احسان فراموشی کر کے ہمارے آدمی قبطی کو قتل کیا، اور تو ہماری نعمتوں کے ناشکری کرنے والوں میں سے ہے۔ اب تو ہمارے احسانات کو بھلا کر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگا ہے، اور چاہتا ہے کہ ہم تم پر ایمان لے آئیں، اور تیرے تابع وفرمانبردار بن جائیں۔

فرعون نے پہلے اپنا احسان جتلایا، پھر اپنے آدمی کے قتل کا تذکرہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلی بات کا جواب بعد میں دیا، اور دوسری بات یعنی قتل کا جواب پہلے دیا:

﴿قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ ہاں! میں نے وہ کام کیا تمہارا آدمی میرے ہاتھ کے مکے سے قتل ہوا، اور میں اس وقت غلطی کرنے والوں میں سے تھا، یعنی میں نے قبطی کو قصداً وارادۃً قتل نہیں کیا۔ تنبیہ وتأدیب کے ارادے سے اس کو مکا مارا، اور عام طور پر مکے مارنے سے کوئی مرتا بھی نہیں، یہ ایک معمولی تنبیہ ہے، اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ مکا مارنے سے آدمی مر سکتا ہے تو ایسا اقدام نہ کرتا، لہٰذا یہ قتل دانستہ اور جان بوجھ کر نہ ہوا، غیر ارادی طور پر ہوا جو کہ قابلِ مواخذہ نہیں، اور قابلِ ملامت بھی نہیں، لیکن اس کے باوجود جب میں تمہارے ظلم وستم سے خوفزدہ ہوا، تو:

﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾ تو تم میں سے بھاگ نکلا اور مدین کا رخ کیا، میرا یہ بھاگنا اس لئے تھا کہ تم لوگ جوش عداوت اور ظلم وستم کی بنیاد پر مجھے بنی اسرائیل کا فرد سمجھ کر قتل کر دیتے، اللہ تعالیٰ کا ایک انعام تو یہ ہوا

کہ مجھے تمہاری گرفت سے نجات دیدی۔ اور دوسرا انعام یہ ہوا کہ:

﴿فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ میرے ربّ نے مجھے علم وحکمت اور مخصوص فہم و فراست عطا کی، اور مجھے پیغمبروں میں سے بنایا، اور نبوت جیسی عظیم نعمت سے نوازا، اور اس نبوت کے ساتھ آیات و معجزات عطا فرما کر تیرے پاس بھیجا، اور میرے بھائی کو میرا وزیر بنا کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

اب فرعون کے پہلے سوال کا جواب سنیں، فرمایا: ﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ﴾ اور وہ پرورش اور تربیت جس کا تو نے (فرعون نے) ذکر کیا، اور اس کو ایک نعمت اور اپنا احسان شمار کیا، اور مجھ پر احسان جتلا دیا، وہ درحقیقت نعمت اور احسان نہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل یعنی میری قوم کو غلام بنایا، اور ان کی نرینہ اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دیا، تمہاری اس ظلم وستم کی پاداش میں ایک لاکھ کے قریب بچے ذبح ہوئے۔ اس خوف سے میری ماں نے مجھے تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجھ تک پہنچ گیا، اور تو نے مجھ کو (اپنی بیوی کے کہنے پر) بیٹا بنا کر پالا، اس طرح میں تیری پرورش میں رہا۔

تو اس پرورش کی اصل علّت تیرا ظلم وستم اور شقاوت وقساوت ہے، اگر تو بنی اسرائیل کے بچوں کے ذبح کرنے کا حکم نہ دیتا تو میری ماں مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں نہ ڈالتی، اور مجھے تیری پرورش کی ضرورت نہ رہتی۔ تمام بنی اسرائیل پر تیرا جبر اور قہر اور تیرا یہ بے مثال ظلم وستم میرے حق میں تیرے اس احسان کا سبب بنا۔ تو یہ کوئی احسان نہیں کہ جس کو جتلا رہا ہے، اس احسان کا سبب تیرا وہ بے مثال ظلم وستم ہے جو میری پیدائش سے بھی پہلے ہے، لہٰذا ایک فرد واحد کی پرورش پوری قوم کی عبدیت وغلامی کے جواز کی کیسے دلیل بن سکتی ہے؟ تو نے مجھے ظاہری طور پر چند روز پرورش میں رکھ کر احسان جتلانا شروع کیا، اور:

﴿أَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ کا مجھ پر ٹھپہ لگا دیا، اور تیرا حال یہ ہے کہ اپنے پیدا کرنے، روزی، عزّت، بادشاہت وسلطنت دینے والے ربّ العٰلمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے۔ اب میں تیرے اور سارے جہاں کے معبود حقیقی اور تیرے آباء واجداد کے خالق ومالک کا پیغام ہدایت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں، وہ تیری دائمی حیات اور دائمی خوشحالی، اور ہر طرح کی فوز وفلاح اور سعادتوں کا سامان ہے۔ اس وقت تو مردہ اور بے جان ہے، روحانی زندگی سے ایک گھونٹ پی لے تو زندہ ہو جائے گا، اور ابدی سعادت پائے گا۔ میں بچپن میں تیرے گھر میں رہا، اس احسان کا بدلہ دینے کے لئے آیا ہوں۔

در بہ لست و دشمن اندر خانہ بود☆ قصہ فرعون زین افسانہ بود

[رومی]

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ
مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ
رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ
جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ
ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: فرعون نے کہا: ربّ العلمین کون ہے؟﴿۲۳﴾ موسیٰ نے جواب دیا کہ ربّ العلمین وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے ان سب کا ربّ ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو﴿۲۴﴾ فرعون اپنے آس پاس بیٹھنے والوں سے کہنے لگا: کیا تم نہیں سنتے؟﴿۲۵﴾ موسیٰ نے کہا کہ وہ تمہارا ربّ ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی ربّ ہے﴿۲۶﴾ فرعون نے کہا: بلاشبہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: وہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا ربّ ہے اگر تم سمجھتے ہو﴿۲۸﴾ فرعون نے کہا: اگر تو نے میرے علاوہ کوئی معبود بنایا تو میں ضرور ضرور تجھے قیدیوں میں شامل کردوں گا﴿۲۹﴾ موسیٰ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح دلیل پیش کردوں؟﴿۳۰﴾ فرعون نے کہا کہ اگر تو سچوں میں سے ہے تو دلیل پیش کردے﴿۳۱﴾ اس پر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ اچانک واضح طور پر اژدھا بن گیا﴿۳۲﴾ اور اپنا ہاتھ نکالا سو وہ اچانک دیکھنے والوں کے لئے سفید روشن ہوگیا﴿۳۳﴾

معارف و منازل

فرعون اپنی اُلوہیت کا مدّعی اور خدا تعالیٰ کا منکر تھا، جب موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ وتعالیٰ کی اُلوہیت و ربّ العلمین ہونے کا اعلان کیا تو ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم تیری طرف بھیجے گئے ہیں، اللہ ربّ العلمین کے رسول ہیں، تو فرعون نے غرور اور طنزیہ طور پر کہا کہ تم کہتے ہو کہ ہم ربّ العلمین کے رسول ہیں، تمہارا رسول ہونا تو بعد کی بات ہے، پہلے تو

ربّ العلمین کا یعنی اپنے بھیجنے والے کا تعارف تو کرلو کہ وہ کیا ہے، اور کون ہے، اور کہاں ہے؟

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہا: بتلاؤ کہ ربّ العلمین کون ہے، کیا چیز ہے؟ پہلے اس کی اُلوہیت اور ربوبیت ثابت کرو، پھر اپنی نبوت اور رسالت کی بات کرو۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ﴾ وہ ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کا اوران کے درمیان تمام مخلوقات، اور تمام چیزوں کا مربی اور پرورش کرنے والا متصرف و مدبر ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقین کرلو کہ یہ بڑا جہاں خود پیدا نہیں ہوا، اور نہ کسی میں اتنی کوئی ہمت ہے کہ اس جہاں میں ایک ادنیٰ چیز (مچھر، مکھی وغیرہ) کی تخلیق کر سکے، اور اے فرعون! تُو تو ایک حقیر اور ذلیل ہستی ہے، تیرا ربّ ہونا مشاہدہ کے خلاف بھی ہے، اور عقلاً بھی محال اور ساقط ہے، تم تو کسی ادنیٰ کام پر قدرت نہیں رکھتے ہو، جب تک تمہارے لئے کوئی دوسرا شخص انجام نہ دے۔

فرعون نے ربّ العلمین کی ماہیت اور جنس کے بارے میں سوال کیا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کی صفات وکمالات اور مخصوص آثارِ قدرت سے جواب دیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات انسانی سوچ سے وراء الوریٰ ہے، اور اس کی معرفت کا واحد ذریعہ اس کی عظیم صفات اور آثارِ قدرت ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر استہزاء وتمسخر کے طور پر فرعون نے اپنے بیوقوف حاضرینِ مجلس سے کہا:

﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ﴾ کہنے لگا: سنتے ہو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ تعجب کی بات ہے کہ مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کو آسمانوں اور زمین کا ربّ بتا رہا ہے۔ فرعون نے اپنے بیوقوف عوام اور درباریوں کو بڑے عرصہ سے یہی سمجھایا تھا کہ کائنات کا ربّ میں ہی ہوں، جیسے قرآن کریم نے اس پر روشنی ڈالی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ [القصص: ۳۸] (اے لوگو! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور معبود ہو)۔ جب فرعون نے لوگوں کو مغالطہ دینے کے لئے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا جواب دیا جس میں فرعون کا مغالطہ نہ چل سکا، فرمایا: ﴿قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ کہ ربّ العلمین وہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی ربّ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ خطاب: ﴿اِنْ كُنْتُمْ، رَبُّكُمْ، اٰبَآءُكُمْ﴾ فرعون اور اس کے تمام درباریوں سے تھا، جن سے فرعون نے کہا تھا: ﴿اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ﴾۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں ان جھوٹے

ارباب کا قائل نہیں ہوں، جو آج ہیں اور کل نہ تھے، اور کل تھے مگر وہ آج نہیں ہیں۔ تمہارا یہ فرعون جو آج تمہارا ربّ بنا بیٹھا ہے، کل نہ تھا، اور کل تمہارے باپ دادا جن فرعونوں کو ربّ بنائے تھے وہ آج نہیں ہیں، میں صرف اس ربّ کی حاکمیت اور فرمانروائی مانتا ہوں جو آج بھی تمہارا اور اس فرعون کا ربّ ہے، اور اس سے پہلے جو تمہارے اور اس کے باپ دادا جو گزر چکے ہیں ان سب کا ربّ بھی تھا، جو ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، جو ربّ ہر چند سال کے بعد بدلتے رہتے ہیں وہ کسی صورت میں ربّ نہیں ہو سکتے۔

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب حکمت مآب سن کر گھبرا اٹھا اور لاجواب ہو کر کہنے لگا:

﴿قَالَ اِنَّ رَسُوۡلَکُمُ الَّذِیۡۤ اُرۡسِلَ اِلَیۡکُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ﴾ فرعون نے حاضرین سے کہا: تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ بلا شبہ دیوانہ اور باؤلا ہے، ان کی باتوں پر کان نہ دھرنا، اور رسول کے لئے تو ضروری ہے کہ سب لوگوں سے عقلمند اور ہوشیار ہو، اور یہ شخص تو بالکل مجنون اور بے عقل ہے کہ پورے جہاں کے لئے ایک ہی ربّ تجویز کرتا ہے، اور ہر چیز کو اس کی طرف نسبت کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر تیسرا جواب ارشاد فرمایا، وہ یہ ہے:

﴿قَالَ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَمَا بَیۡنَہُمَا اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ﴾ وہ ربّ مشرق کا اور مغرب کا اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا ربّ ہے، اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو، تم مجھے عقلمندی اور سنجیدگی کے باوجود پاگل قرار دے رہے ہو، لیکن آپ لوگ اگر عقلمند ہو تو خوب سوچو کہ یہ فرعون جو مدّعی ربوبیت بنا ہوا ہے، ایک کم اور محدود خطہ زمین صرف مصر کا بادشاہ بنا ہوا ہے، جس کا حکم شام و فلسطین اور مدین میں بھی نہیں چلتا، یہ کیسے ربّ ہو سکتا ہے؟ ربّ العٰلمین تو وہ ہے جس کا حکم پورے جہاں علویات و سفلیات پر چلتا ہے، اور سورج و چاند اس کے حکم سے مشرق سے طلوع کرتے ہیں، پھر مغرب میں غروب ہو جاتے ہیں، اور رات دن کا مہینوں اور سالوں کا سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ فرعون اپنے دعوائے ربوبیت میں سچا ہے تو طلوع کو غروب اور غروب کو طلوع کے ساتھ تبدیل کر دے، یا اس نظام میں ردوبدل کر کے دکھائے۔

میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں، یہ عقل کی باتیں ہیں، اور تم جو کچھ کہہ رہے یا سمجھ رہے ہو، وہ خالص جنون اور پاگل پن ہے کہ اپنے جیسے کمزور ناتواں شخص کو اُلوہیت کی کرسی پر بٹھا کر اسے ربّ مان رہے ہو، جبکہ سب سے بڑا پاگل وہ خود بنا ہوا ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے اپنے آپ کو ﴿رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی﴾ کہہ رہا ہے۔ اور یہ مشرق و مغرب

اور طلوع وغروب کا وہی مناظرہ ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے بڑے فرعون نمرود بن کنعان کے سامنے پیش کیا تھا، اور وہ لاجواب ہوگیا تھا۔ فرعون جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل اور حجت قاہرہ کے جواب سے مایوس ہوا، تو جان خلاصی کے لئے دھمکی اور تہدید پر اتر آیا اور کہا:

﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ اے موسیٰ! اگر تو نے میرے سوا کسی دوسرے کو معبود تسلیم کیا تو میں تجھے قید میں ڈالے ہوئے لوگوں میں سے بنادوں گا، یعنی تمہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈالوں گا۔ تم میرے مقابلہ میں بیشک اپنے ربّ کو بلاؤ، میں یہاں کا بجا طور پر معبود ہوں، تجھے ہر حال میں میرا حکم ماننا ہوگا، اور مجھے ربّ تسلیم کرنا ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام برحق نبی تھے، وہ کہاں اس قسم کی دھمکیوں سے مرعوب ہوتے، وہ اتمامِ حجت کی خاطر پیغام الٰہی کے ساتھ جو معجزہ لے کر آئے تھے، وہ جانتے تھے کہ فرعون کا دماغ مفلوج و ناکارہ ہے، وہ اُلوہیت کے گھمنڈ میں مخمور ہے، شاید معجزات کے اظہار و نشاندہی سے اس پر اور اس کے درباریوں پر اثر ہو جائے۔ تو کہنے لگے:

﴿قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ﴾ اگر میں تیرے پاس کوئی واضح چیز یا نشانی لے آؤں، تو کیا پھر بھی تم اپنے نظریہ پر قائم رہو گے اور نہ مانو گے، اور تم ضد وعناد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور میری صداقت کو تسلیم نہیں کرو گے؟ ﴿قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ فرعون نے کہا کہ اگر تم سچے ہو، تو ایسی کوئی نشانی لا کر پیش کرو تا کہ معلوم ہو کہ تم اپنے دعوے میں کس حد تک سچے ہو، تو:

﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ آپ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینک دی، پس اچانک وہ ایک خوفناک بڑا اژدھا بن گئی، جسے دیکھ کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے۔ مظہری نے لکھا ہے اس کا مثانہ کھل گیا اور پیشاب خارج ہو گیا، اسی طرح اس کے درباریوں کا بھی پیشاب خطا ہو گیا، اور دعوائے خدائی کی ساری قلعی کھل گئی۔ اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ بھی ظاہر کیا۔

﴿وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ جب اپنا ہاتھ بغل کے نیچے سے نکالا تو دیکھنے والوں کے لئے چمکدار اور روشن تھا، جس کی روشنی اور چمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی رہتی تھیں۔ جب فرعون اور اس کے درباریوں نے یہ معجزات دیکھے تو دم بخود ہو گئے اور کہنے لگے:

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا

تَأْمُرُوْنَ ۞ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۞ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۞
فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۞ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۞ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ
السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۞ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا
نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۞ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۞

ترجمہ: قوم کے سردار جو فرعون کے آس پاس موجود تھے ان سے فرعون نے کہا کہ بلاشبہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے ۞ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال دے، سو بتاؤ تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ۞ ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں اپنے کارندوں کو بھیج دو، جن کا یہ کام ہو کہ لوگوں کو جمع کریں ۞ تمہارے پاس جو بڑے جادوگر ماہر ہیں ان کو لے آئیں ۞ سو ایک مقررہ دن کے خاص وقت پر جادوگر جمع کئے گئے ۞ اور لوگوں سے کہا گیا، کیا تم جمع ہونے والے ہو؟ ۞ شاید ہم جادوگروں کی راہ کو قبول کرلیں، اگر وہ غالب ہوجائیں گے ۞ جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب ہوگئے تو کیا یقینی طور پر ہمیں کوئی بڑا انعام ملے گا؟ ۞ فرعون نے کہا: ہاں! اور اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں تم مقرب لوگوں میں داخل ہوجاؤ گے ۞

معارف ومنازل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال وجواب سے عاجز ہوکر اور دو بڑے حیران کن معجزے دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے فرعون کی عقل پر پردہ ڈالا، اور اسے ایک ایسے راستے پر ڈال دیا کہ جس سے اس کو نمایاں شکست ہوئی، اور وہ خوار و ذلیل بھی ہوا، اور آئندہ اس کی تباہی وغرقابی کا راستہ بھی ہموار ہوا۔ البتہ اپنی شرمساری اور خفت مٹانے کی خاطر اپنے درباریوں سے مشورہ طلب کیا کہ یہ شخص ہمیں اپنی چالاکی اور جادو کے زور سے ہماری سرزمین سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے، اور ہمارے ملک پر اپنا راج قائم کرنا چاہتا ہے، یہ اس کی شکست اور حواس باختگی کی انتہاء تھی، اور ان میں کوئی ایک کہنے والا سمجھ دار نہیں رہا جو یہ کہہ دے کہ سارا ملک ہمارا ہے، پوری فوج وحشم ہمارے ہاتھ میں ہے، سارے لوگ ہمارے حامی ہیں، ان دونوں نہتے بھائیوں کے پاس کچھ نہیں، تو یا انہیں ختم کردو یا دائمی قید میں ڈال دو، تم سے پوچھنے والا کوئی نہیں، بس قصہ ہی ختم۔

مگر ایسی جرأت کہاں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پیغمبروں کو وعدہ اور تسلی دی ہوئی تھی کہ اصل اقتدار تمہارے ربّ کا ہے، فرعون اور اس کی قوم تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی، تم بڑے اطمینان سے ہماری حفاظت میں رہو، یہ تمہارے ربّ کا کام ہے کہ تمہارے دلوں میں جرأت و ہمت ڈال دے، اور فرعونیوں کو شکست اور بزدلی اور انتشار کے راستے پر ڈال دے۔

کار زلف تست مشک افشانی ما عاشقان ☆ مصلحت را تہمت بر آہوئے چین بستہ اند

اس وقت مصر جادوگروں کا ملک تھا، تقریباً ایک لاکھ کے قریب جادوگر ملک میں موجود تھے، اور پورے اعزاز کے ساتھ رہتے تھے، چنانچہ یہی مشورہ طے ہوا کہ جادو کا مقابلہ جادو سے ہو، حکومتی کارندے پورے ملک میں پھیل گئے، اور سرکاری حکم پر جادوگروں کو جمع کرتے ہوئے لے آئے۔ ادھر فرعون نے (اپنی ناک کٹائی کے لئے) ایک بہت بڑے میدان میں سرکاری سطح پر عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ مصر اسی زمانے سے بلکہ اس سے بھی ایک ہزار سال قبل سے ترقی یافتہ اور متمدن ملک رہا تھا، اس کا اندازہ اہرام مصر کے عجیب اور محیر العقول تعمیر سے ہوتا ہے۔ دس مربع میل کے وسیع و عریض میدان پر شاہی جشن کا سماں ہے، بڑے کرّ و فر کے ساتھ چاروں طرف مختلف رنگوں میں خیمے لگے ہوئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ جشن آزادی کی تقریب ہے، لاکھوں کی تعداد میں فوجی، سپاہی، سرکاری اہلکار، تاجر، زمیندار، مرد عورتیں، بچے اور عوام الناس کا وہ تاریخی اجتماع ہے کہ پورے مصر میں ہزاروں سالوں سے ایسا دلکش، دل فریب، پروقار اجتماع شاید کسی نے دیکھا اور سنا ہو۔

ادھر سے ستر ہزار جادوگر زرد لباس میں ملبوس میدان میں پہنچے، ان کی رہائش گاہیں اور خیمے مخصوص رنگوں میں وسیع میدان کے ایک کونے میں تھے، آتے ہی وہ دربار شاہی میں باریاب ہوئے، فرعون کے سامنے سجدہ ریز ہو کر آداب شاہی بجا لائے، ان کے بڑے لاٹ جادوگر فرعون کے سامنے دست بستہ عرضی پیش کی کہ جیت ہر حال میں ہماری ہوگی، وہ دو نہتے بھائی ہمارے دھوم دھام میں ایسے بہہ جائیں گے جیسے بڑے سیلاب میں خس و خاشاک، لیکن ہمارا انعام کیا ہوگا؟ آج آپ کی خدائی اور پورے ملک کی عزّت بچانے کا مسئلہ ہے، چاہئے کہ اتنے بڑے کام انجام دینے کا انعام بھی بڑا ہو، تاکہ پوری کرکٹ ٹیم کی حوصلہ افزائی ہو۔

فرعون نے کھلاڑیوں کے لئے ملک کے سب سے بڑے اعزازی تمغہ دینے کا اعلان کر کے منظوری دی کہ اس ٹیم کے تمام افراد مقرّبین کی فہرست میں شامل رہیں گے، اور جب بھی چاہیں گے فرعون سے ملاقات بغیر کسی روک

ٹوک کے کر سکیں گے۔ ادھر جشن اپنے عروج پر ہے، لوگ ناچ رہے ہیں، شراب کی محفلیں، ناچ، کباب، خورد ونوش اور ہر قسم کی خوشیاں اپنے عروج پر ہیں، شاید ایسا منظر انسانوں نے بجائے خود آسمانی فرشتوں نے بھی اس سے پہلے نہیں دیکھا ہوگا، ادھر تو دھوم ودھام کا منظر ہے۔ دوسری طرف میدان کے بالکل آخری حصے میں ایک درخت کے نیچے فقیری لباس میں ملبوس جیسے گدڑی میں لعل ہو، چمکتے روشن، نورانی چہروں والے دو شخص سر بسجود ہیں، اور انتظار کر رہے ہیں کہ کب مقابلہ کا اعلان ہوگا تا کہ وہ بھی میدان میں اتریں۔ مزید تفصیل آئندہ آنے والی ہے۔

﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ﴾ فرعون اپنا بھرم رکھنے کے لئے اور اس خطرہ سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ درباری لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کریں، فوراً یہ چال چلائی اور ارد گرد کے درباریوں سے کہا کہ یہ شخص بڑا عالم جادوگر ہے، پھر آگے اپنے حواریوں کو ڈرا کر اپنے حق میں اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں انہیں ابھارا، اور بیدار کیا، تو کہا: ﴿یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ﴾ یہ شخص اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کرنا اور تمہارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، یہ شخص بنی اسرائیل کے لئے تمہارے ملک پر قبضہ کر کے انہیں ملک کا مالک بنانا چاہتا ہے، اور تمہیں ان کا غلام بنانے کا ارادہ رکھنا چاہتا ہے۔ فرعون کے اس کہنے سے وہاں کے لوگ طیش میں آگئے اور انہوں نے یہ مشورہ دیدیا:

﴿قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو مہلت دیدیں، اور ان کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی نہ کریں تا کہ بگاڑ پیدا نہ ہو۔ ﴿وَابْعَثْ فِی الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِیْنَ﴾ "حاشرین" کے معنی ہیں: اکٹھا کرنے والے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ مختلف مداین اور شہروں میں جادوگروں کو اکٹھا کرنے والے بھیج دیں، اور انہیں کہہ دیں کہ ملک میں جتنے ماہر ونامور جادوگر ہیں، مقررہ تاریخ کو سب کو یہاں حاضر کریں۔

﴿یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ﴾ تمہارے پاس بڑے بڑے علم والے جادوگر لے آئیں گے۔ سحّار مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت زیادہ عالم وجادوگر۔ ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ چنانچہ ایک معلوم دن کے مقررہ وعدے پر جادوگر اکٹھے کئے گئے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ [طہ:۵۹] (موسیٰ نے کہا: تم سے وہ دن طے ہے جس میں جشن منایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ دن چڑھے ہی لوگوں کو جمع کرلیا جائے)۔ وہ وعدے کا دن ان کی زیب وزینت اور جشن کا دن، لیکن اس مرتبہ اس کی شان کچھ اور تھی۔

﴿وَقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ﴾ اس مرتبہ لوگوں کو خصوصی طور پر شرکت کرنے کی دعوت دی گئی تھی کہ ضرور ضرور شرکت کریں، اور مقابلہ دیکھیں۔ ﴿لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ شاید کہ ہم ان بڑے بڑے جادوگروں کا اتباع کریں اگر وہ غالب آجائیں۔ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ہمارا دین وعقیدہ اور پورا نظام سلطنت تبدیل کردینا چاہتے ہیں۔ اگر ہمارے بڑے بڑے جادوگروں نے ان دونوں کو شکست دیدی تو پھر اپنے موجودہ دین ومذہب پر قائم رہتے ہوئے اپنے جادوگروں کی پیروی کرتے رہیں گے، اور ہمیں اپنا دین تبدیل نہیں کرنا پڑے گا۔

﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ جب وہ سارے کے سارے فرعون کے دربار میں اکٹھے ہوگئے تو اس سے کہنے لگے: کیا ہمارے لئے کچھ مزدوری بھی ہوگی، کوئی خصوصی انعام ہوگا اگر ہم موسیٰ پر غالب آگئے؟ وہ اپنے لئے عزّت واکرام اور پورے ملک میں شہرت وپذیرائی چاہتے تھے۔

دیکھیں! جادوگروں اور انبیاء علیہم السلام میں یہی بنیادی واضح فرق ہے، جادوگر دنیا کے مال ودولت اور عزّت وشہرت کے خواہشمند ہوتے ہیں، جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ اعلان ہوتا ہے کہ: ﴿وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعراء: ١٠٩] (میں اس تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، بیشک میرا اجر ربّ العٰلمین ہی پر ہے)۔ یہ اعلان تمام انبیاء علیہم السلام کا رہا ہے کہ میں تم لوگوں سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، کیونکہ میرا اجر تو ربّ العٰلمین کے پاس ہے۔ جب جادوگروں نے انعام واکرام طلب کیا تو فرعون نے انہیں یوں جواب دیا:

﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ تم میرے مقرّبوں میں سے ہوجاؤ گے، تم میری مجلس کے پروانے بنو گے، جب چاہو آجاؤ اور جب چاہو چلے جاؤ، تمہارے لئے میری مجلس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا۔

...... ❁ ...... ❁ ...... ❁ ......

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ
اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ
سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ

اٰذَنَ لَكُمۡ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيۡرُكُمُ الَّذِىۡ عَلَّمَكُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۚ لَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ
وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۴۹ قَالُوۡا لَا ضَيۡرَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ۵۰
اِنَّا نَطۡمَعُ اَنۡ يَّغۡفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنۡ كُنَّاۤ اَوَّلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۵۱

ترجمہ: موسیٰ نے کہا کہ تم ڈال دو جو کچھ ڈالنے والے ہو ۴۳ سو ان لوگوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں، اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر بولے کہ بلاشبہ ہم ہی غالب ہوں گے ۴۴ سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا سو اچانک وہ ان لوگوں کے بنائے ہوئے دھندے کو نگلنے لگا، پھر جادوگر سجدے میں ڈال دیے گئے ۴۶ کہنے لگے: ہم رب العٰلمین پر ایمان لائے ۴۷ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے ۴۸ فرعون نے کہا: کیا تم اس پر اس سے پہلے ایمان لے آئے کہ تمہیں میں اجازت دوں؟ بیشک بات یہ ہے کہ یہ تم سب کا بڑا ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، سو یہ ضروری بات ہے کہ عنقریب جان لو گے میں ضرور ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور پاؤں کو مخالف جانب سے کاٹ دوں گا، اور ضرور ضرور تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا ۴۹ انہوں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں، بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ۵۰ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو اس وجہ سے بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں ۵۱

معارف ومنازل

جب مقابلہ کا وقت آپہنچا تو دونوں صاحب عزم وہمت پیغمبر موسیٰ وہارون علیہما السلام میدان میں آگئے، ادھر فرعون اپنی پوری قوم کے ساتھ ستر ہزار جادوگروں سمیت آگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ سے پہلے جادوگروں کو کچھ نصیحت فرمائی، اور کہا: ﴿وَيۡلَكُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ [طٰہٰ: ۶۱] (تمہاری ہلاکت ہو تم لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ باندھو)۔ جادو جیسا غلط، حرام کام کر کے، اور پھر جادو سے حق کا مقابلہ کر کے اپنی عاقبت تباہ نہ کرو، اور اس برے عمل سے باز آجاؤ، اور حق وصداقت کو تسلیم کر لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس نصیحت سے جادوگروں کے دل ہل گئے (اس لئے کہ وہ تھوڑی دیر بعد قرب الٰہی تک پہنچنے والے تھے) مگر وہ فرعون کے خوف سے اقدام کرنے پر مجبور تھے۔

﴿قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰٓى اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے ان کا چیلنج قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو۔ ﴿فَاَلۡقَوۡا حِبَالَهُمۡ وَعِصِيَّهُمۡ وَقَالُوۡا بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّا لَنَحۡنُ

الْغٰلِبُوْنَ﴾ پس ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں، ایک میل کے برابر میدان میں وہ کرتب دکھائے جو قابل دید ہوا، اور پورا میدان پارہ کی طرح جگمگا اٹھا، اور برف کی طرح سفید ہوا، یہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن گئیں، اور میدان پر دوڑنے لگیں۔ یہ نہایت خطرناک منظر تھا جسے قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا: ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ [الأعراف:۱۱٦] (پھر جب انہوں نے ڈالا تو باندھ دیا لوگوں کی آنکھوں کو، اور ان کو ڈرا دیا، اور لائے بڑا جادو)۔

مطلب یہ ہے کہ پورے میدان پر ہزاروں مجمع پر جادوگر چھا گئے، اسی کو سحر عظیم فرمایا، اور اس عجیب و غریب کرتب کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے دل میں معمولی خوف پیدا ہوا کہ جب میری لاٹھی کی باری آئے گی تو سارے کرتب اور ٹوٹکے ٹوٹ جائیں گے، مگر لوگ جادو اور معجزہ میں فرق کرسکیں گے یا نہیں؟ تب اللہ تعالیٰ نے اسے وحی کے ذریعہ مطمئن کردیا، جس کا ثبوت جادوگروں کا ایمان بنا کہ انہوں نے حق و باطل میں فرق کر کے اپنے جادو سے تائب ہوگئے۔

﴿فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ پس موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی لاٹھی ڈال دی، جوں ہی زمین پر پڑی تو بہت بڑا اژدھا نظر آنے لگا، تو ایک لمحہ میں جادوگروں نے جو کچھ بنایا تھا ان سب کو ہوا میں کھینچ کر نگل گیا۔ ﴿يَاْفِكُوْنَ﴾ افک سے مشتق ہے، بمعنی جھوٹ اور بے بنیاد۔ جادوگروں کے تمام چھوٹے چھوٹے جھوٹ کے سانپوں کو نگل کر میدان صاف کردیا۔ یہ اتنا بڑا معجزہ تھا اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا تو پورے لاکھوں کے مجمع کو در و دیوار، درختوں اور خیموں سمیت نگل کر قصہ ہی ختم کردیتا۔ یہ دیکھ کر لوگ افراتفری کے عالم میں ہر طرف بھاگنے لگے، اور بہت سے لوگ پاؤں میں روندے گئے، فرعون کا پیشاب خطا ہوگیا۔ صاحب مظہری نے سورۂ اعراف کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مجموعی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب بھی نام سنتا تھا تو فرعون کا پیشاب خطا ہوجاتا، ساڑھے چار سو مرتبہ ایسا ہوا، مگر اس کے باوجود یہ بزدل خدائی کے دعویٰ سے نہیں شرمایا، یہ بڑے لوگ اکثر و بیشتر بزدل ہوتے ہیں۔ اِلَّا ماشاء اللہ۔

﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ پس یہ ماجرا دیکھ کر سب جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے: ہم ربّ العٰلمین پر ایمان لائے جو موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ربّ اور پروردگار ہے۔ جادوگر سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور فرمان ہے، یہ برحق معجزہ ہے جس کے مقابلے میں ہمارے جادو

کی کوئی حیثیت نہیں، اسی لئے وہ اپنے عمل سے تائب ہوکر حق وصداقت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، اور مزید کوئی دوسرا جادو لانے پر آمادہ نہیں ہوئے، اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام پر پختہ یقین کے ساتھ ایمان لائے۔ ان کا ایمان مثالی تھا، بہت سے لوگ سالوں تک چالیس پچاس برسوں تک بے مثال زہد وریاضت اور مسلسل محنتوں کے باوجود اس مقام کو حاصل نہ کر پائے جس طرح کہ ان خوش نصیبوں نے لمحوں میں یہ مقام (سیر إلی الله، وصول إلی الله) حاصل کیا، جس پر کروڑوں بار اگر رشک کرے پھر بھی کم ہے۔

اصحاب باطن نے ایک توجیہ بیان کی ہے کہ مقابلہ سے پہلے جادوگروں نے اپنا زرق وبرق لباس اتار کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل اتاری، اور ان کے فقیرانہ لباس پہن کر میدان میں آئے تاکہ ہم اور وہ ایک جیسے لباس میں ناظرین، تماشابینوں، کی نظروں میں معلوم ہوں، تو اللہ تعالیٰ عزّ شانہ کو جادوگروں کی یہ ادا پسند آئی، اور انہیں لمحوں میں وہ مقام عطا ہوا، جسے ہزاروں سالوں کی ریاضت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہے اتباع سنت کی نورانی برکت اور فیض۔ تو کیا ہے کوئی خوش قسمت جو اسے اپنائے؟

﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ فرعون نے کہا کہ کیا تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا؟ تم میری رعیت ہو، اور تمہاری زندگی میرے رحم وکرم پر ہے، تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے، تم نے میری نافرمانی کی، اب مجھے معلوم ہوا کہ تم اور وہ اندرونِ خانہ ساز باز کر کے ہمارے خلاف بلکہ پورے ملک کے خلاف محاذ تیار کر چکے ہو۔ دراصل موسیٰ تمہارا استاد اور بڑا ہے، اسی نے تمہیں جادو سکھایا ہے، یہ جو ہوا ہے تمہاری ملی بھگت سے ہوا ہے، اندرونی طور پر تم سب ایک اور متحد ہو، اب تمہیں پتہ چلے گا کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا، تم نے آپس میں ملاپ کر کے مجھے رسوائے جہاں بنایا، اور میری خدائی پر کاری ضرب لگا کر میری ناک کٹوائی، آج میں تمہارے ساتھ وہ برا سلوک کروں گا جسے دنیا والے ہمیشہ یاد رکھیں۔

﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دوں گا، اور پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ ﴿قَالُوْا لَا ضَیْرَ﴾ اوہ ایمان کے شہسوار یہ دھمکی سن کر کہنے لگے: کوئی بات نہیں، کیا حرج ہے، یہ کتنا اچھا ہوگا کہ ہم جیسے ناکارہ، گنہگار سرخروئی کے ساتھ اپنے ربّ کے پاس حاضر ہوں۔ ﴿اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ہم

کتنے خوش قسمت شمار ہوں گے کہ تمہارے ہاتھوں سے جام شہادت پی کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے۔ یہ بڑی سعادت ہوگی۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ☆ سر دوستاں سلامت گر تو خنجر آزمائی

سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ انہوں نے جو جواب فرعون کو دیا وہ یہ ہے جو کہ قابل رشک ہے: ﴿فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقۡضِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا﴾ [طٰہٰ: ۷۲] (سو تو کر گزر جو کچھ کرسکتا ہے، تو یہی کرے گا دنیا کی زندگی میں) تیرا عذاب دائمی نہیں، جب تو ہمارے ربّ کے پاس آئے گا تو تجھے ابدی عذاب بھگتنا پڑے گا، تم نے ہماری فانی زندگی ختم کردی جس کے بدلے تمہاری ابدی زندگی تباہ ہو کر داؤ پر لگ گئی۔

﴿اِنَّا نَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنۡ کُنَّاۤ اَوَّلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ ہمیں امید ہے ہمارا پروردگار ہماری گزشتہ غلطیوں کی مغفرت فرمادے گا، اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ پھر کیا ہوا؟ پوری تفصیل اگر دیکھنا ہو تو سورۃ الاعراف کا مطالعہ کرلیں۔

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾
اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَةٌ قَلِیۡلُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِنَّهُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا لَجَمِیۡعٌ حٰذِرُوۡنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ
جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۵۷﴾ وَّ کُنُوۡزٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿۵۸﴾ کَذٰلِکَ ؕ وَ اَوۡرَثۡنٰهَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: اور ہم نے وحی نازل کی موسیٰ کی طرف کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ، بیشک تمہارا پیچھا کیا جائے گا ﴿۵۲﴾ پھر بھیجا فرعون نے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والوں کو ﴿۵۳﴾ کہا فرعون نے: بیشک یہ بنی اسرائیل ایک جماعت ہے بہت تھوڑی ﴿۵۴﴾ اور بیشک یہ بہت غصہ دلاتے ہیں ﴿۵۵﴾ اور بیشک ہم ان سے خطرہ رکھتے ہیں، ہم سب مسلح ہیں ﴿۵۶﴾ پس نکالا ہم نے ان کو چشموں اور باغوں سے ﴿۵۷﴾ اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے ﴿۵۸﴾ اسی طرح، اور وارث بنایا ہم نے ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو ﴿۵۹﴾

معارف ومنازل

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب جادوگر ایمان لائے تو فرعون اور اس کے حواری اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ اس

واقعہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف چالیس سال تھی، جس میں سے تیس سال مصر میں رہے، اور دس سال مدین میں رہے۔ چالیس سال پورے ہونے پر کوہ طور پر شرف نبوت اور فضیلت ہم کلامی سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے مصر پہنچے یہاں تک کہ جادوگروں کا مسئلہ پیش آیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک مصر میں مقیم رہے، اور قوم فرعون کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہے، اور فرعون کو درسِ توحید دیتے رہے۔

اسی چالیس سالہ عرصہ میں قوم فرعون پر وہ مختلف عذاب نازل ہوتے رہے جن کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا، مثلاً طوفان، قحط سالی، جراد، قمل، ضفادع اور دم وغیرہ۔ فرعونیوں پر جب بھی کوئی مصیبت آتی تو وہ موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے، اور ساتھ ہی وعدہ کرتے کہ اگر یہ تکلیف دور ہوگئی تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، اور بنی اسرائیل کو آزاد کر کے آپ کے ساتھ فلسطین جانے کی اجازت بھی دیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ ان سے وہ تکلیف دور کر دیتا تو وہ اپنے عہد کو توڑ دیتے، اور بجائے ماننے اور ایمان لانے کے بنی اسرائیل پر مزید ظلم وستم جاری رکھتے، ان کو نماز پڑھنے بھی نہ دیتے۔ یہ واقعات سورۂ یونس میں مذکور ہیں۔

اس مقام پر ان درمیانی واقعات کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ جادوگروں کے واقعہ کے بعد بنی اسرائیل کے مصر سے خروج اور فرعونیوں کی تباہی اور ہلاکت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، حالانکہ ان دونوں واقعات کے درمیان چالیس سالہ عرصہ کا فاصلہ ہے۔ فرعون کی ہلاکت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر اسی (۸۰) سال تھی، پھر چالیس سال کا عرصہ میدانِ تیہ میں گزارنے کے بعد ایک سو بیس سال کی عمر شریف میں میدانِ تیہ میں آپ علیہ السلام کا وصال ہوا۔ اسی کے ساتھ اریحا بستی کے متصل کثیب احمر (سرخ ٹیلہ) کے پاس آپ علیہ السلام کا مزار شریف ہے۔

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ﴾ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ۔ اسریٰ رات کے سفر کو کہتے ہیں، جیسے واقعہ معراج میں بیان کیا گیا ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا﴾ [الاسراء: ۱] (پاک ہے وہ ذات جو اپنا بندہ رات کو لے گئی) چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ سفر رات کا رہا، وہ بہانہ یہ تھا کہ بہت قدیم زمانے سے بنی اسرائیل والے ہر سال شہر سے باہر چند دن کے لئے کھلے میدان میں سیر وسیاحت کرتے تھے، اور کوئی مذہبی تقریب بھی مناتے تھے، اس مرتبہ بھی جب وہ دن قریب آئے تو انہوں نے حسب سابق جشن منانے کی تیاری شروع کی۔

قرآن پاک سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ ان کی عورتوں نے تقریب کے موقع پر پہننے کے لئے قبطیوں کی عورتوں سے

زیورات مستعار لئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو سمجھا دیا تھا کہ دوران سفر استعمال کے لئے خوراک کا مختصر ذخیرہ بھی ہمراہ لے لیں، اور اپنے سفر کا راز بھی پوشیدہ رکھیں۔ ادھر کسی وبائی مرض کی وجہ سے قبطیوں کے گھروں میں کچھ نوجوانوں کی اموات بھی واقع ہوگئیں، جس کی وجہ سے وہ لوگ زیادہ تر اُدھر مصروف ہو گئے، ادھر بنی اسرائیل کو راتوں رات نکلنے کا حکم ملا کہ جلدی سے نکلو اور اس خطہ سے تیز رفتاری کے ساتھ نکلنے کی کوشش کرو۔ فرعونیوں نے یہی گمان کیا کہ ان لوگوں کا نکلنا اسی مقصد کے لئے ہے جس طرح وہ ہر سال چند روز کے لئے باہر میدان میں نکلا کرتے تھے، بنی اسرائیل والوں سے یہ کہا گیا تھا کہ تمہیں دوبارہ یہاں نہیں آنا ہے، اور فرعونی ضرور تمہارا تعاقب کریں گے، لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

﴿اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ تمہارا پیچھا کیا جائے گا، مگر گھبرانا نہیں، اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ بنی اسرائیل کے خروج کے تین دن بعد فرعونیوں کو خیال آیا کہ اس مرتبہ سارے کے سارے مرد و عورت، بچے میلے میں چلے گئے ہیں، اور ان کے گھروں میں کوئی اہم چیز نہیں رہی، صرف ناکارہ چند چیزیں پڑی ہیں، تمام گھروں کا یہی حال ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہماری غلامی سے تنگ آ گئے اور ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلے گئے۔ دوسری طرف وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ سارا کام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انجام دیا ہے، وہ اس بنیاد پر مزید طیش میں آ گئے۔ اس وقت بنی اسرائیلوں کی نفری اور تعداد عورتوں اور بچوں سمیت تقریباً چھ لاکھ پر مشتمل تھی۔

جب فرعونیوں نے ان کے مکانوں کی تلاشی لی تو کہنے لگے: کیا بات ہے کہ سارے لوگ میلے میں چلے گئے ہیں، اور ان کا ایک ناقص مرد بھی پیچھے نہیں رہا، آخر بات کیا ہے؟ انہیں اب یقین ہو گیا کہ یہ لوگ فرار ہو کر ہمارے ملک سے چلے گئے ہیں۔ چنانچہ فرعون نے اپنے حواریوں کے ساتھ میٹنگ کی، مشورہ ہوا اور طے پایا کہ یہ لوگ پانچ سو سال سے ہمارے غلام ہیں، اب ہم بہر صورت ان کا تعاقب کر کے انہیں واپس لائیں گے، انہیں کیا پتہ کہ ہمارا تعاقب ہماری ہلاکت و تباہی کا پیغام ہوگا۔ ''تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ''۔ انسان کیا سے کیا اور طرح طرح کی تدبیر کرتا ہے، تقدیر الٰہی کو اس کی تدبیروں پر ہنسی آ جاتی ہے۔ تو:

﴿فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ﴾ پس بھیجا فرعون نے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والوں کو۔ منصوبہ یہ تھا کہ ملک کے تمام فوجی جوان اور سر کردہ بالغ مرد قبطی سب اکٹھے ہوں، آج کل کی اصطلاح میں ''لام بندی''، یعنی پورے ملک میں ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی، تمام سرکاری ملازمین اور فوجیوں کی چھٹیاں منسوخ کر کے

انہیں اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر حاضر ہو جانے کا حکم دیدیا گیا۔ بہت سے تیز رفتار گھوڑوں کے ذریعہ فوجیوں، سرکردہ اور عہدیداروں اور دیگر اہم لوگوں کو اکٹھا کیا گیا۔ اس وقت مصر میں ایک ہزار بڑے بڑے شہر اور بہت سی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں، سب لوگوں کو لام بندی کے تحت جمع کیا گیا، کسی بھی شخص کو پیچھے رہنے کی اجازت نہ تھی۔ (کیونکہ سب کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آخر غرق ہونا تھا) ان سب کو بنی اسرائیل کے تعاقب کے فیصلے سے آگاہ کیا گیا، اور ساتھ ساتھ انہیں تسلی دیدی گئی کہ ہم سارے مسلح ہیں ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ (یہ بیوقوف بھول گئے کہ ان کے سربراہ کے پاس وہ لاٹھی ہے جو پورے عالم کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے)۔ اور یہ بھی کہ ہمارا لشکر تقریباً ستر لاکھ کے قریب ہے، جبکہ ان کی تعداد عورتوں اور بچوں سمیت بمشکل چھ لاکھ ہے، ہم ان پر پہنچتے ہی غلبہ پائیں گے، اور انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر یہاں لائیں گے اور گدھوں کی طرح ان سے خدمت لیں گے، اور تمام لشکر والوں پر غلام و باندی بنا کر انہیں تقسیم کریں گے۔ دیکھیں! یہ مٹھی بھر لوگ ہمیں غصہ دلا کر ہمارے ہاتھوں سے اپنی قبر تیار کر رہے ہیں۔

﴿وَاِنَّهُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ﴾ اور بلاشبہ یہ لوگ ہمیں غصہ دلاتے ہیں۔ فرعون کا زوال قریب آچکا تھا تب تو وہ اس قسم کی بے مروتی کے ساتھ اپنی ہلاکت کو دعوت دے رہا تھا اور بڑے فخر سے کہتا رہا: ﴿وَاِنَّا لَجَمِيۡعٌ حٰذِرُوۡنَ﴾ اور بیشک ہم سب ان سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، کیونکہ انہوں نے اور ان کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نے کئی مواقع پر ہمیں نقصان پہنچایا ہے، اور ہمارے قوانین کو تہ وبالا کر دیا ہے۔ مفسرین کرام نے ﴿حٰذِرُوۡنَ﴾ کے معنی یہ کئے ہیں کہ ہم مسلح ہیں، جیسا کہ جہاد کے ضمن میں آتا ہے کہ میدان جہاد میں نماز پڑھتے وقت بھی لوگ ﴿خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ﴾ [النساء: ۷۱] (یعنی اپنے ضروری ہتھیار اپنے پاس رکھو) کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن دورانِ نماز حملہ نہ کردے۔ تو حِذر کے معنی ہتھیار کے ہیں، تو معنی یہ ہوگا کہ: ﴿وَاِنَّا لَجَمِيۡعٌ حٰذِرُوۡنَ﴾ ہم سب مسلح اور پرسلاح ہیں، تو ظاہر ہے کہ فرعون کی پوری فوج ہتھیار بند تھی، جبکہ بنی اسرائیلی لوگ غیر مسلح اور بے سروسامان تھے۔ فرعونی لشکر کو جمع ہوتے ہوئے کئی دن گزر گئے، اور اس اثناء میں بنی اسرائیل دریائے قلزم کے قریب پہنچ گئے، اور جب فرعون تعاقب میں نکلا، تو ارشاد ربانی سنئے:

﴿فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ﴾ ہم نے ہمیشہ کے لئے نکالا ان کو باغات اور چشموں سے۔ مصر بڑا سرسبز ملک تھا جہاں دنیا کا سب سے بڑا دریائے نیل سارا سال بہتا تھا، زمین چاروں طرف سے آباد تھی، نہ گنجان باغوں کی کمی، اور نہ ڈیم اور نہروں کی کمی، ہر قسم کے پھل، میوے اتنے بکثرت تھے کہ لوگ بڑے ناز اور کرّ وفر کی

زندگی گزارتے تھے۔ خود فرعون نے مغرورانہ انداز میں یہ کہا تھا: ﴿وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [الزخرف: ۵۱] (اور یہ نہریں میرے نیچے بہہ رہی ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں؟)۔

﴿وَكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ ہم نے انہیں خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکالا، یہ ہے قدرت کا انتظام۔ یہ ظاہر ہے کہ جو ملک خوشحال ہوتا ہے اس کے باشندے ہر طرح کی سہولتوں اور فراوانیوں کے مالک ہوتے ہیں، ان کی رہائش گاہیں بھی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہیں۔ یہ ملک بہت قدیم زمانہ سے ترقی یافتہ اور خوشحال رہا ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے نمایاں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کو باغات سے، چشموں سے اور سرسبز وشاداب علاقوں سے، عمدہ وخوبصورت محلات اور عمدہ بنگلوں سے، خوبصورت سڑکوں، بازاروں سے، خزانے اور دیگر نعمتوں سے ان کی نافرمانی کی پاداش میں نکال کر دیائے، قلزم کی بے رحم موجوں اور تباہ کن لہروں کے سپرد کر دیا، ماور انہیں ہمیشہ کے لئے ایک ایسے جہنم کے حوالہ کیا جو بہت بری رہائش گاہ اور برا ٹھکانہ ہے۔

﴿كَذٰلِكَ﴾ ہم نے ان کو اسی طرح پکڑا کہ پھر وہ لوٹ کر اپنے باغات اور چشموں اور مکانات اور خزانوں میں واپس نہ آسکے۔ سورۂ ہود میں فرمایا: ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾ آگے آگے فرعون تھا اور اس کے پیچھے پیچھے سارا لشکر اور موالی و درباری لوگ تھے۔ فرمایا: قیامت والے دن بھی ایسا ہی ہوگا کہ فرعون دوزخ کی طرف آگے آگے چل رہا ہوگا، اور اس کا سارا لشکر اس کے پیچھے پیچھے ہوگا جنہیں لے کر وہ دوزخ میں پہنچ جائے گا۔

﴿وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور ہم نے ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔ سورۂ دخان میں یوں فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ [الدخان: ۲۸] (ایسی طرح ہم نے دوسری قوم کو وارث بنایا)۔

فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیلی واپس مصر نہیں گئے، وہ بحر قلزم پار کرنے کے بعد اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے عرصہ چالیس سال تک وادی تیہ میں سرگرداں وخوار رہے، تو فرعونیوں کے باغات، چشموں، خزانوں اور محلات کے کیسے وہ وارث بنے؟ اس اشکال کا آسان جواب یہ ہے کہ جس قسم کے باغات، چشمے وغیرہ فرعونیوں نے چھوڑے تھے، اسی طرح کی چیزیں اور نعمتیں ہم نے بنی اسرائیل کو دیدیئے۔ واللہ اعلم

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝٦٠ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝٦١ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ
رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝٦٢ فَاَوْحَیْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ
الْعَظِیْمِ ۝٦٣ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۝٦٤ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ۝٦٥ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝٦٦
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝٦٧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝٦٨

ترجمہ: سو، سورج نکلنے کے وقت ان کے پیچھے (فرعون والے لوگ) جا پہنچے ۝٦٠ پھر جب دونوں جماعتوں
نے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: یہ یقینی بات ہے کہ ہم تو پکڑ لئے گئے ۝٦١ موسیٰ نے کہا:
ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا ربّ ہے، وہ مجھے ابھی راہ بتادے گا ۝٦٢ سو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر
اپنی لاٹھی ماردو، سو وہ پھٹ گیا، ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑا پہاڑ ۝٦٣ اور ہم نے اس موقع پر دوسروں کو قریب کردیا ۝٦٤ اور
ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے سب کو نجات دی ۝٦٥ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کردیا ۝٦٦ بلاشبہ اس میں بڑی
نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ۝٦٧ بلاشبہ آپ کا ربّ زبردست رحمت والا ہے ۝٦٨

معارف ومنازل

جب فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ پہنچا، یہ ایسا وقت تھا کہ سورج کی روشنی پھیل چکی تھی، اور مطلع صاف تھا، جب بنی اسرائیل نے فرعون اور اس کے بے شمار، جرار لشکروں کو دیکھا تو ان کے ہوش وحواس اڑ گئے، اور کلیجے پھٹ کر منہ میں آ گئے۔ اسی طرح فرعون کے لشکر والوں نے بنی اسرائیل کو دیکھا تو غیظ وغضب کی آگ میں جل گئے، اور انہیں نوالۂ تر سمجھ کر آگے بڑھتے گئے، بنی اسرائیل چیخ اٹھے، گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: دیکھو! ہم تو دھر لئے گئے، پکڑے گئے، اب ہم تو پوری طرح ان کے نرغے میں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالکل ہی مطمئن تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ: ﴿كَلَّا﴾ میرے ساتھ میرا ربّ ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام پر وحی کا نزول ہوا کہ اپنی لاٹھی دریا میں مارو، تمہارے لئے پار ہونے کے راستے کھل جائیں گے، جب پیچھے والے آ جائیں گے تو ان کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔ چنانچہ بارہ راستے کھل گئے، اور پانی ہر راستہ کے ساتھ پہاڑوں کی طرح کھڑا رہا، حتیٰ کہ پوری قوم سلامتی کے ساتھ پار ہو کر خشکی پر پہنچ گئی۔

اس جگہ پر دریا کا عرض بارہ میل کے لگ بھگ تھا، اب اللہ تعالیٰ کے فرشتے فرعونیوں کو قریب لائے، نہایت

بڑا لشکر تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک چاق وچوبند شوخ گھوڑی پر سوار تشریف لائے، فرعون کا گھوڑا سب سے آگے تھا، فرشتے نے جب اسے کراس کیا تو اس کی گھوڑی ہنہناتے ہوئے آگے بڑھی، فرعون کے گھوڑے نے اس کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ فرعون دریا کے دوسرے کنارہ پر پہنچے والا تھا، اور پیچھے سے لشکر کا آخری حصہ بھی دریا میں داخل ہو چکا تھا۔ اب بحر قلزم کو حکم ہوا کہ اپنی بے رحم اور سنجیدہ موجوں کو آپس میں ٹکراؤ، اواپنے آپ کو ''بڑا خدا'' کہنے والوں کو وہ سبق سکھاؤ جو سارے جہاں کے لئے قیامت تک درس عبرت ہو۔

جب یہ مرحلہ آ پہنچا، اور دریا نے اپنی بے نظیر طغیانی کارنامے شروع کئے تو اس بڑے مجرم نے چیخنا شروع کیا۔ لشکر ایک ہی حرکت میں غرق ہو چکا تھا، کچھ باقی نہ رہا تھا، البتہ دریا کو حکم تھا کہ فرعون کو جھاگ کی طرح زندہ اوپر اٹھاؤ، اور ہچکولیاں دیتے جاؤ تا کہ کچھ وصیت کر سکے، اور دریا پار حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہیں، وہ اپنی مبارک آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ چنانچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے چیختا، ہاتھ جوڑتا، اور منت سماجت کرتا رہا، اور کہتا رہا: ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ [الأعراف:۱۲۲] (انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے رب العالمین پر۔ موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر)۔

کہتے ہیں کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آج مجھے بچاؤ، مہربانی کرو، میں بادشاہی آپ کو دوں گا، اور خود آپ کا خادم رہوں گا، اور آپ کے جوتے سیدھے کروں گا۔ دیر تک منت سماجت کرتا رہا، مگر ناکام رہا، یہاں تک کہ مر گیا۔ دریا کو حکم ہوا کہ اس کی لاش بحفاظت دوسرے کنارے پر پہنچاؤ جہاں سے وہ آیا تھا، اور دریا میں داخل ہو گیا تھا، چنانچہ پسماندگاں نے اسے بحفاظت اٹھا کر اور ممی لگوا کر شیشہ کے صندوق میں رکھا جو آج تک مصر میں حسب وعدۂ الٰہی محفوظ اور موجود ہے۔

یہ ہے ناعاقبت اندیش، مغرور ومتکبر انسانوں کا انجام۔ آج ایک فرعون نہیں دنیا میں ہزاروں، لاکھوں فرعون ذہنیت کے لوگ موجود ہیں۔ ان شاء اللہ سب کا آخری انجام وہی ہوگا جو ان کے بڑے صاحب کا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کا پیغام قیامت تک زندہ رہے گا، جبکہ فرعون مر گیا اور ختم ہوا۔

فائدہ:

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے تقدیر لکھی ہے، تقدیر پر ایمان لانا اسی طرح فرض ہے جیسے پیغمبروں اور فرشتوں علیہم السلام اور قیامت پر ایمان لانا فرض ہے۔ پھر تقدیر دو قسم کی ہے: تقدیر مبرم اور تقدیر معلق۔ تقدیر مبرم وہ ہے جو

کسی بھی تدبیر سے تبدیل نہیں ہوسکتی، وہ اٹل ہے۔ جبکہ تقدیر معلّق ہر قسم کی تدبیروں سے، صدقہ سے، دعا سے، دواء سے اور ہر قسم کی انسانی تدبیروں سے ٹل سکتی ہے، بدل سکتی ہے، اور یہ انسانی تدبیر بھی تقدیر کا حصہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دریا میں لاٹھی ماردی، اس سے سمندر بارہ حصوں میں بٹ گیا، اور جگہ جگہ پانی ٹھہر گیا، اور بارہ بڑے بڑے راستے نکل آئے، پانی کے ٹھہرنے سے جگہ جگہ جو ٹکڑے بنے، وہ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے کوئی بہت بڑا پہاڑ ہو، ان ٹکڑوں کے درمیان راستے نکل آئے، اور بنی اسرائیل کے قبیلے سب کے سب پار ہوگئے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ راستے عصاء موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور کرامات و کرشمے ہیں، اور ہمارے فائدے کے لئے ہیں، چنانچہ وہ بے خطر گزر گئے اور پار ہو گئے۔

اور جب فرعون پیچھے سے آکر وہاں پہنچا تو اس نے یہ نہ سوچا کہ یہ سمندر کبھی تو ٹھہرا ہی نہیں، اور اس میں کبھی راستے نہیں بنے۔ آج کے یہ راستے شاید عصائے موسیٰ علیہ السلام کے کرشمے ہوں جسے اس نے سینکڑوں مرتبہ آزمایا بھی تھا، اور یہ راستے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے بنائے ہوں گے تاکہ میری گرفت سے بچ جائیں۔ چنانچہ وہ بچ گئے اور پار ہوگئے، مگر راستے خطرناک حالت میں بدستور باقی ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ میرے گزرنے اور بسلامت پار ہونے کے لئے ان کے پار ہونے میں اور میرے گھس جانے میں موسیٰ کے ربّ کی طرف سے ضرور کوئی راز ہوگا، اور وہ راز کسی صورت میں میرے حق میں نہ ہوگا، لہٰذا مجھے اندھا دھند راستوں سے گھسنے میں احتیاط کرنا چاہئے، مگر تقدیر چونکہ مبرم تھی، تو یہ تدبیر اس کی سمجھ میں نہیں آئی، چنانچہ ہمیشہ کے لئے غرق ہو گیا۔ ع

چون قضاء آید طبیب ابلہ شود

﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ﴾ فرعونیوں نے سورج کے نکلنے اور دھوپ پھیلنے کے وقت بنی اسرائیل کا تعاقب شروع کیا، اور بڑی عجلت کے ساتھ آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ دریا کے قریب پہنچ گئے۔

﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ﴾ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو بنی اسرائیل گھبرا گئے۔

﴿قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی مایوسی کے عالم میں کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے گئے، یہ منظر نہایت مایوس کن تھا، آگے دریا کی موجیں، پیچھے خونخوار ظالم کی فوجیں ''نہ جائے ماندن نہ پائے گریختن''۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام ربّ العزّت سبحانہ کے حکم ملنے پر مصر سے نکلے تھے تو آپ علیہ السلام اس معاملہ میں بڑے مطمئن تھے، اس لئے لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿كَلَّا﴾ ہرگز ایسا نہ ہوگا، کیونکہ: ﴿اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ میرا ربّ میرے ساتھ ہے، ہم اس کی معیت میں چل رہے ہیں، وہ ضرور مجھ کو راہ بتادے گا، نجات کا راستہ سمجھائے گا۔ ہجرت والی رات جب غارِ ثور کے پاس کفار آ گئے، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! اگر یہ لوگ جھک کر دیکھنے لگے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ۴۰] (اے ابوبکر! پریشان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، ہم اس کی معیت میں ہیں)۔

اس پریشانی کو دور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی:

﴿فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ﴾ اپنی لاٹھی کو سمندر پر مارو، پس جوں ہی آپ علیہ السلام نے لاٹھی پانی پر ماردی ﴿فَانْفَلَقَ﴾ تو پانی پھٹ گیا، نیچے سے زمین نظر آئی۔ ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ لاٹھی مارنے کے اطراف میں پانی منجمد ہو کر پہاڑوں جیسے برف کے بڑے بڑے تودوں کی شکل میں کھڑا ہو گیا، اس طرح بارہ بڑے بڑے راستے بن گئے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے دریاؤں کو پیدا فرمایا اس وقت سے اس طرح کی کیفیت نہ دریاؤں نے دیکھی، نہ فرشتوں نے اور نہ زمین اور پہاڑوں نے، چنانچہ بارہ قبیلے بارہ راستوں سے اطمینان کے ساتھ پار ہو گئے۔

لطف یہ ہے کہ بقول امام قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ دریا مسلسل انتظار میں رہا کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ بنانے کا کب حکم دیں گے، جب راستے بن گئے تو ہوا کو حکم ہوا کہ چشمِ زدن میں زمین کو خشک کرلو تاکہ اس پر چلنا آسان ہو، پھر بارہ راستوں کے درمیان طاق بھی بن گئے جن کے ذریعہ بارہ قبائل ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

﴿وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر ہم نے نزدیک کرلیا اور اس مقام پر فرعونیوں کو غوطہ دینے غرق کرنے کے لئے پہنچا دیا، جب آخری اسرائیلی خشکی پر پہنچ گیا اور آخری فرعونی سمندر میں اتر چکا، تو عین اس وقت سمندر کے پانی کو پوری قوت کے ساتھ آپس میں ملنے اور ٹکرانے کا حکم ہوا، تو نتیجہ یہ ہوا:

﴿وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ﴾ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دیدی، کوئی آدمی درکناران کا ایک معمولی برتن بھی غرق نہ ہوا، جبکہ: ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر ہم نے دریا کی بے رحم موجوں سے بے رحم و بے ایمان قوم کو ہمیشہ کے لئے غرق کر دیا۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اس سارے واقعہ میں عقلمندوں کے۔ ۓ درس

عبرت اور نشانی ہے، مگر ان نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان سے خالی اور محروم رہتی ہے۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ بیشک تیرا پروردگار غالب بھی ہے، اور ازحد مہربان بھی ہے۔ اس واقعہ میں دونوں جھلکیاں موجود ہیں: ماننے والوں کے لئے سلامتی، اور منکرین و نافرمانوں کے لئے ہلاکت و تباہی مقرر کی ہوئی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ ان کو ابراہیم (علیہ السلام) کی خبر سنا دیں ﴿۶۹﴾ جب کہا اس نے اپنے باپ اور اس کی قوم سے: تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿۷۰﴾ کہا انہوں نے: ہم مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں پس ہم سارا دن ان کے سامنے جھکے رہتے ہیں ﴿۷۱﴾ کہا (ابراہیم علیہ السلام نے): کیا وہ تمہاری بات کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ ﴿۷۲﴾ یا تم کو نفع پہنچاتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ ﴿۷۳﴾ انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ پایا ہے ہم نے اپنے باپ دادوں کو وہ اسی طرح کرتے تھے ﴿۷۴﴾ کہا ابراہیم نے: بھلا کیا تم دیکھتے ہو جن چیزوں کی تم عبادت کرتے رہے ہو؟ ﴿۷۵﴾ تم بھی اور تمہارے آباء واجداد بھی ﴿۷۶﴾ پس وہ میرے دشمن ہیں، مگر ربّ العلمین میرا دوست ہے ﴿۷۷﴾

معارف منازل

گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا، اب ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد دیگر ہلاک شدہ اقوام عاد وثمود وغیرہ کے بعد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ کبھی اجمالاً کبھی تفصیلاً مختلف سورتوں میں مذکور ہے، مثلاً سورۃ البقرہ رکوع (۳۶) سورۃ الانعام (۹) سورۂ مریم رکوع (۳) سورۂ ہود رکوع (۷) سورۂ ابراہیم رکوع (۶) سورۃ الانبیاء رکوع (۵) سورۃ الصافات رکوع (۳) اور سورۃ الممتحنہ رکوع (۱) وغیرہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں بار بار اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عرب کے لوگ بالعموم اور قریش مکہ بالخصوص اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور پیروکار سمجھتے تھے، اور یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ ملّت ابراہیمی ہی ان کا مذہب ہے۔ مشرکین عرب کے علاوہ یہود ونصاریٰ کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین کے پیشوا ہیں، اس کی تفصیل اور تردید سورۂ آل عمران رکوع (۷) میں دیکھی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم کی گمراہی اور خاص کر اپنے باپ کی گمراہی اور شرک وکفر کا شدید رنج تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل (عراق) کے اطراف میں آباد تھی، مذہباً ستارہ پرست صابی تھے، اور بت پرست بھی تھے، اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے کہ دنیا میں ترقی، زوال، آبادی، قحط، خوشی، غم، مالداری، اور فقیری سب کچھ ستاروں سے ہوتا ہے، اور یہ سارا نظام اور تصرفات ستاروں کی وجہ سے ہیں۔ اس سلسلے میں اور ان گمراہ کن و برے عقائد کے خلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے جہاد کئے، اور وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے اور ابتلاء وآزمائش کے وہ شدید اور حیران کن مراحل طے کیے جن کی مثال نہیں، اور ایسے ایسے زہرہ گداز مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کئے اور صبر واستقامت کی وہ قابلِ قدر تاریخی روایات انجام دیں جن پر حق وصداقت اور شرف وتقویٰ کو قیامت تک فخر بھی رہے گا، اور اقتداء واتباع کے لیے نمونہ بھی سامنے ہوگا۔ اسی بات پر قرآن مجید نے ان کی واحد شخصیت کو ''امت'' قرار دیا، اور یہ فرمایا: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا﴾ [النحل: ١٢٠] (بیشک ابراہیم ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرلی تھی)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حنیف کے لقب کے ساتھ قرآن مجید نے گیارہ (۱۱) مرتبہ ذکر فرمایا، اور یہ لقب اتنا اونچا ہے کہ اس کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم ملا کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کا اتباع کریں، اور ان کے نقشِ قدم پر چلیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سارے انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں، بنی اسرائیل کے سارے پیغمبروں کے جدِ امجد ہیں۔

آپ علیہ السلام عراق کے قصبہ (ہرمزجرد) میں پیدا ہوئے۔ مؤرخ ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ علیہ السلام کے والد کا نام تارخ اور لقب آزر تھا (تفصیلی اختلاف سورۂ بقر میں گزر چکا)۔ یہ آزر بت ساز بھی تھا اور بت پرستوں کا سرپرست اعلیٰ بھی تھا، سورۂ مریم میں گزر چکا ہے۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دے کر کہا کہ اگر آپ میرے بتوں کی طعن وتشنیع اور مذمت سے باز نہیں آئے تو میں آپ کو سنگسار کردوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود بن

کنعان (مدّعی اُلوہیت، بابل کے حکمران) کی آگ میں ڈالے جانے کے بعد عراق کی سرزمین سے ہجرت فرما کر ملک شام کی بستی ''حران'' گئے، پھر مصر تشریف لے گئے۔ مصر کے جبار بادشاہ سے واسطہ پڑا، جس کا واقعہ صحیحین میں مذکور ہے۔ پھر وہ ظالم بادشاہ تائب ہوا اور اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت سارہ علیہا السلام کی خدمت کے لئے ہبہ کیا، جن لوگوں نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لونڈی قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں۔ تفصیل البدایہ والنہایہ، قرطبی اور روح المعانی میں دیکھی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے واپس ملک شام آئے، اور آخری وقت شام کی معروف بستی نابلس میں مقیم رہے، وہاں آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی، قصبۃ الخلیل کے چھوٹے پہاڑ پر آپ علیہ السلام کا مزار ہے۔ علیہ وعلی جمیع الأنبیاء الصلوۃ والسلام۔

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اے پیغمبر اعظم! آپ ان مشرکین مکہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خبر سنادیں اور بتادیں کہ تم لوگ ملّت ابراہیمی کے مدّعی بن کر کہاں پہنچے ہو؟ وہ تو بت شکن تھے، اور تم بت پرست، یہ کتنا بڑا جھوٹ اور فریب ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑی لے کر کلدانیوں کا سارا بت خانہ تباہ کیا، جس کی وجہ سے اسے آگ میں ڈالا گیا، جبکہ تم نے اس کی تعمیر کردہ کعبہ اللہ شریف کو (معاذ اللہ) بت خانہ بنا کر تین سو ساٹھ بتوں کا مرکز بنا دیا، پھر تم کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہیں؟

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی پوجا کرتے ہو؟ جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴾ وہ کہنے لگے کہ ہم ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں، پھر ہم متواتر ہمیشہ انہی پر جھکے رہتے ہیں۔ شیطان نے آج سے نہیں نوح علیہ السلام کے زمانہ سے طرح طرح کے بت، اوثان کی مورتیاں بنا کر انہیں باور کرایا کہ تمہارے اور سارے جہان کے کارساز یہی مورتیاں ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ زمانے میں بھی ہندوؤں کا اہم مشغلہ بتیس کروڑ بتوں کی پوجا کرنا ہے۔ آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا استفسار ہے، فرمایا:

﴿قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ﴾ کیا یہ تمہاری بات کو سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو؟

﴿اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ﴾ یا وہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہی یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ آخر بتاؤ صحیح کہ ان کی پوجا پاٹ سے تمہیں کچھ حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ لاجواب ہی رہے، آخر کیا کہیں سوائے اندھی تقلید کے۔

﴿قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ کہنے لگے: بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے پایا ہے، اب تم ہزار مرتبہ منع کرو، ہم اپنے بڑوں کے طریقے تمہارے کہنے پر ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ سورۂ بقرہ، سورۂ انعام، سورۂ انبیاء، سورۂ زخرف وغیرہ متعدد جگہوں میں مشرکین کی اسی اندھی تقلید کا ذکر ہے۔

﴿قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: بھلا تم جانتے ہو یا تمہیں خبر ہے کہ جن بے حقیقت بتوں کی تم عبادت کرتے ہو، یا ﴿اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ﴾ تم بھی اور تمہارے باپ دادے ایسے کرتے رہے ہیں جو بتوں کی عبادت پر جے رہے ہیں۔ ﴿فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ﴾ یہ سب میرے تو دشمن ہیں، اور میں بھی ان کا مضبوط دشمن ہوں، اگر میرے بس میں ہو تو ان سب کی ناک کٹوا کر دم لوں، کیونکہ دوستی صرف میرے اور تمہارے مالک وخالق جل جلالہ کے شایان شان ہے۔ تو میں یہی اعلان کرتا ہوں:

﴿اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سوائے تمام جہانوں کے پروردگار کے کہ وہی میرا دوست ہے، اور وہی میرا کارساز ہے، اسی نے سب کو پیدا کیا، اور مرنے کے بعد اسی کے پاس جانا ہے، تم اپنے اندھے، بہرے، گونگے معبودوں کے کسی کارنامے کو پیش کرنے سے عاجز ہو۔ اب سنو میں اپنے معبود کے اربوں کارناموں میں سے چند ایک کو تعارف کے طور پر پیش کرتا ہوں، وہ یہ ہیں:

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾
وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ
لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ
وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: وہ جس نے مجھے پیدا کیا، سو وہ مجھے ہدایت دیتا ہے ﴿٧٨﴾ اور مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ﴿٧٩﴾ اور جب بیمار ہو جاؤں تو مجھے شفا دیتا ہے ﴿٨٠﴾ اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا ﴿٨١﴾ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرا قصور معاف فرمائے گا ﴿٨٢﴾ اے میرے ربّ! مجھے حکم عطا فرمایئے اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمایئے ﴿٨٣﴾ اور بعد میں آنے والے لوگوں میں اچھائی کے ساتھ میرا ذکر باقی رکھیے ﴿٨٤﴾ اور مجھے جنۃ النعیم کے وارثوں میں سے بنا دیجئے ﴿٨٥﴾ اور میرے باپ کی مغفرت فرمایئے، بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے ﴿٨٦﴾ اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجئے گا جس

دن لوگ اٹھائے جائیں گے ﴿۸۷﴾ جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ بیٹے ﴿۸۸﴾ سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے ﴿۸۹﴾

معارف ومنازل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے باطل معبودوں سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے رب العلمین جل شانہ کی صفاتِ جلیلہ بیان فرمائیں، اور مشرکین کو بتادیا کہ دیکھو میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اس کی عبادت کرو، جو ہر قسم کی عبادت کا لائق ہے۔

اولاً: یہ کہ جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

ثالثاً: یہ کہ جب میں مریض ہوجاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔

رابعاً: یہ کہ وہ جو مجھے موت دے گا، پھر دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

خامساً: یہ کہ وہ جس سے میں یہ امید رکھتا ہوں کہ انصاف کے دن میرا قصور معاف فرمادے گا۔

تو فرمایا: وہ رب العلمین جس کی عبادت کی طرف میں تم کو بلاتا ہوں، اس کی شان یہ ہے کہ: ﴿الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ﴾ کہ اس نے مجھ کو پیدا کیا، پس وہ ہی مجھے راہ دکھاتا ہے، اور صراط مستقیم پر ڈالتا ہے۔ پہلے جملے میں حق تعالیٰ کی خالقیت کا بیان ہے، دوسرے جملے میں نبوت کی شان کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ جدھر راہنمائی کرے نبی بھی ادھر کو چلے۔ ﴿وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ﴾ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے وہی رزاق کل ہے، ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [هود: ٦] (زمین پر کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے)۔ زمین کی پیداوار بھی اسی کے حکم سے ہے، آسمان سے بارش بھی اسی کے اختیار میں ہے۔

﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ﴾ جب میں بیمار ہوجاتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے۔ دراصل صحت وبیماری اور ہر قسم کے انقلاب اسی کی طرف سے ہیں، اور اسی کے حکم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ﴿وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ﴾ وہی مجھ کو اپنے وقت پر موت دے گا، پھر قیامت کے دن مجھے دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

﴿وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ﴾ میرا پروردگار وہ ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ

قیامت کے دن میرے قصور اور خطاؤں کو معاف فرمادے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم اور بے گناہ ہوتے ہیں، مگر تعلیمِ امت کی خاطر وہ بھی اس قسم کے مطالبات اور استغفار کرتے ہیں، اس کے علاوہ ان کا استغفار رفعِ درجات کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اختصاراً بیان فرمایا، اب اپنے عجز وانکساری کا اظہار کرتے ہوئے سلسلہ مناجات شروع کیا، یا یوں کہو کہ وہ مشرک قوم سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما، اس سے مراد قوت علمی اور علم اسرار ہے کہ شریعت ودین کے اسرار ورموز مجھے حاصل ہوں، اور مجھے صالحین کی جماعت میں شامل فرما۔ اس جملے میں قوتِ عملیہ کی درخواست ومطالبہ ہے، جسے ہر نبی نے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے۔

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ﴾ میرا ذکر وتذکرۂ خیر آئندہ لوگوں میں باقی رکھ۔ یہ ملت کے لئے دوام اور قیامت تک بقاء کی درخواست ہے، اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو ملت ابراہیمی کے ''امین'' ہیں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے دعا ہے، جس کی بدولت جب تک اسلامی تعلیمات اور قرآنی ہدایات باقی رہیں گی، اسی وقت تک ملت ابراہیم علیہ السلام کے انوار وبرکات زندہ رہیں گے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [آل عمران:۶۸] (اور ابراہیم کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی (آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں)۔

﴿وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ﴾ اور مجھے ابدی نعمتوں کے جنتی باغوں کے وارثوں میں سے بنادے۔ ﴿وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ اور میرے باپ کو معاف فرمادے، بیشک وہ گمراہوں میں تھا۔ مشرکین کے لئے دعا کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایمان وہدایت نصیب کرے جس سے ان کی مغفرت ممکن اور یقینی ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ دعا ممانعت سے پہلے کی ہے، جب ان کے ایمان لانے کی امید باقی تھی، لیکن ممانعت کے بعد جب یقین ہوگیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کی وفات کفر پر ہوئی تو انہوں نے اس سے براءت کا اظہار کیا، اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

سورۂ توبہ میں ارشاد ہے: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ

لِاَبِیۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ ﴾ ﴿۱۱۴﴾ [التوبة] (یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔ اور ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے جو مغفرت کی دعا مانگی تھی اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ انہوں نے اس سے ایک وعدہ کرلیا تھا، پھر جب ان پر ی بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے دستبردار ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے، بڑے بردبار تھے)۔

اسی طرح سرورِ عالم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے متعلق فرمایا کہ میں ان کے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کیا جائے ,لیکن اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے ان کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ [بخاري] پوری تفصیل سورۂ توبہ میں گزر چکی ہے۔

﴿وَلَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ﴾ اے میرے ربّ! مجھے رسوا و شرمندہ نہ کرنا جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دیگر دعاؤں کی طرح یہ دعا بھی قبول فرمائی جس کا تعلق ان کے مشرک باپ سے ہے۔ قیامت کے دن جب سب اگلے پچھلے لوگ جمع ہوں گے تو یہ منظر سامنے ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آذر سے ملاقات ہوگی، آذر کا چہرہ سیاہ و بے رونق ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے فرمائیں گے: کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میری بات مان لو، میری نافرمانی نہ کرو، وہ کہے گا کہ آج میں تیری کوئی نافرمانی نہیں کروں گا، تیرا ہر حکم مان لوں گا۔ تو ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار! کیا آپ جل شانہ نے مجھ سے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس دن آپ جل شانہ مجھے رسوا نہ کریں گے؟ سو اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ میرے اور دوسری خلقت کے سامنے دوزخ میں ڈالا جائے۔ اس پر ربّ العزت سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے کافروں پر جنت کو حرام کردی ہے، پھر ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہوگا کہ اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو! جب وہ دیکھیں گے تو انہیں ایک بالوں سے بھرا ہوا ریچھ (بجو) نظر آئے گا جو کیچڑ پانی میں آلودہ ہوگا، فرشتے اس مسخ شدہ مردار جانور کو پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ [بخاري] تب ابراہیم علیہ السلام کے خیال میں جو رسوائی کا خدشہ تھا، دور ہو جائے گا، اور اہلِ محشر بھی شناخت نہ کر پائیں گے۔

پھر قیامت کا حال بتاتے ہوئے فرمایا:﴿يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ﴾ کہ وہ ایسا سخت دن ہوگا جس دن نہ مال کام دے گا اور نہ اولاد۔ جب ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم بیٹے اپنے کافر باپ کو کام نہ آئے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا، وہاں صرف ایمان اور اعمال صالحہ کی پزیرائی ہوگی، جبکہ مال، اقتدار اور ناصالح اولاد الٹا عذاب بن جائیں گے۔ وہاں یہ ہوگا کہ ہر شخص اپنے عزیز واقارب، بیوی، بچوں، بھائیوں، اور ساتھیوں سے بھاگ جائے گا۔ فرمایا:﴿يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِيۡهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيۡهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيۡهِ ۝﴾[عبس] (یہ اس دن ہوگا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا۔ اور اپنے ماں باپ سے بھی۔ اور اپنے بیوی بچوں سے بھی)۔

بھاگنے کا مطلب یہ ہوگا کہ کہیں مجھ سے کوئی نیکی طلب نہ کرے، یا اپنے کسی حق کا مطالبہ نہ کرے، یا میرے خلاف کوئی گواہی نہ دے۔ سورۂ زخرف میں فرمایا: ﴿اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ﴾[الزخرف:۶۷] (اس دن دوست بعض بعض کے دشمن ہوں گے، سوائے پرہیزگاروں کے)۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ متقین اس سے مستثنیٰ ہوں گے، اور وہ سایۂ رحمت میں آرام سے رہیں گے۔

﴿اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ﴾ مگر جو شخص قلب سلیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا، اس کے اموال اور اس کی اولاد اس کے لئے فائدہ مند ہوں گے، اور باقیات الصالحات میں شمار ہوں گے۔ قلب سلیم کیا ہے، اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت خواجہ ضیاء الدین نخشبیؒ اپنی کتاب ''سلک السلوک'' میں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے ایک خدارسیدہ بزرگ سے پوچھا کہ قلب کس کو کہتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ قلب سلیم ایسا دل ہے جو بیس (۲۰) بری خصلتوں سے پاک ہو، اور بیس نیک خصلتوں کا جامع ہو، فرمایا: بری خصلتیں یہ ہیں:

شرک، کفر، نفاق، حسد، حرص، محبت دنیا، عداوت (بلاوجہ)، جہالت، بدگمانی، تکبر، لمبی امیدیں، بے صبری، ناشکری، جھوٹ، ریاکاری، خودپسندی، بخل، بدکاری وبداخلاقی، حقوق اللہ وحقوق العباد میں سستی وکمزوری، اور مخلوق پر ظلم اور زیادتی۔

اور اچھی خصلتیں یہ ہیں جو انسان میں موجود ہونی چاہئیں، سب کا خلاصہ توحید خالص، جو ہر قسم کے شرکیہ عقائد واعمال سے پاک ہو، اخلاص، نصیحت، اقبال علی الآخرت، زہد، قناعت، صبر، شکر، یقین وعلم، سخاوت، کثرت ذکر، موت کو بکثرت یاد کرنا، توبہ وانابت، تواضع، پاکدامنی، حسن ظن، حسن خلق، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت، خوف ورجاء، ہر قسم کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اتباع شریعت مطہرہ۔

فائدہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ بعد میں آنے والوں میں میرا ذکر اچھائی کے ساتھ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! مجھے اچھے اعمال سے متصف فرمائیے، اور ان اعمال کو میرے بعد کے آنے والوں میں باقی رکھیے، جو میرا اتباع کرتے رہیں، اس سے لوگ مجھے اچھائی سے یاد کریں گے، اور سنت حسنہ کے موافق مجھے قیامت تک ان کے اعمال صالحہ کا ثواب ملتا رہے گا۔ یہ دعاء عین اخلاص اور نعمت عظیمہ ہے، اس میں کسی قسم کے کبر وغرور اور ریا کا شائبہ تک نہیں۔

سید المخلصین، امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم نے ربّ العزّت سبحانہ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: "اللّٰهمّ اجعلني في عيني صغيرا وفي أعين الناس كبيراً"۔ اے اللہ تعالیٰ! مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنادے، اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنادے۔ جب مسجد نبوی میں فجر کی نماز کے بعد حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے جھوم رہے تھے۔ سبحان اللہ! کتنا اچھا نورانی منظر ہوگا، جب وہ اس شعر پر پہنچے اور پڑھا:

إن الرسول لنور ليستضاء به	★	مهند من سيوف الله مسلولُ

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط محبت سے اپنی چادر مبارک اس کے سر پر ڈال دی جس سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی تقدیر بدل گئی۔ سنا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ چادر بہت بڑی قیمت پر خرید لی تھی۔ واللہ اعلم۔ البتہ اگر کوئی شخص ریاکاری کے طور پر کوئی عمل صالح اس نیت سے انجام دے کہ میری شہرت اور خوب تذکرہ ہو، تو یہ شرک اصغر اور حرام ہے، اور اس جیسی چیزوں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پاک اور منزہ ہیں۔

وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ۝۹۰ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِلۡغٰوِيۡنَ ۙ۝۹۱ وَقِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ۙ۝۹۲ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ هَلۡ يَنۡصُرُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ ؕ۝۹۳ فَكُبۡكِبُوۡا فِيۡهَا هُمۡ وَ الۡغَاوٗنَ ۙ۝۹۴ وَجُنُوۡدُ اِبۡلِيۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ؕ۝۹۵ قَالُوۡا وَهُمۡ فِيۡهَا يَخۡتَصِمُوۡنَ ۙ۝۹۶ تَاللّٰهِ اِنۡ كُنَّا لَفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۙ۝۹۷ اِذۡ نُسَوِّيۡكُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۹۸ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝۹۹ فَمَا

لَنَا مِنۡ شَافِعِيۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيۡقٍ حَمِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾
اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اور متقیوں کے لئے جنت قریب کر دی جائے گی ﴿۹۰﴾ اور گمراہوں کے لئے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی ﴿۹۱﴾ اور ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ﴿۹۲﴾ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ ﴿۹۳﴾ پھر وہ لوگ اور گمراہ لوگ ﴿۹۴﴾ اور ابلیس کے لشکر سب اس میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے ﴿۹۵﴾ وہ لوگ دوزخ میں ہوتے ہوئے آپس میں جھگڑیں گے ﴿۹۶﴾ اللہ تعالیٰ کی قسم اس میں شک نہیں کہ ہم صریح گمراہی میں تھے ﴿۹۷﴾ جبکہ ہم تمہیں ربّ العٰلمین کے برابر مانتے تھے ﴿۹۸﴾ اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے ﴿۹۹﴾ سو ہمارے لئے نہ سفارش کرنے والے ہیں ﴿۱۰۰﴾ اور نہ کوئی مخلص دوست ہے ﴿۱۰۱﴾ سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو پھر واپس ہونا نصیب ہو جاتا سو ہم اہل ایمان میں سے ہو جاتے ﴿۱۰۲﴾ بلا شبہ اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۰۳﴾ اور بلا شبہ آپ کا ربّ عزّت والا ہے، رحم والا ہے ﴿۱۰۴﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں جنتیوں کے لئے بشارت ہے، اور جہنمیوں کے لئے سخت وعید کے ساتھ ان کے دیگر کچھ حالات کا بیان ہے، فرمایا: ﴿وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ﴾ میدانِ محشر میں جنت متقیوں کے قریب کر دی جائے گی تا کہ ان کی خوشیوں میں اضافہ ہو۔ ﴿وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِلۡغٰوِيۡنَ﴾ اور جہنم گمراہوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی تا کہ ان کے اندوہناک غموں میں اضافہ ہو۔

﴿وَقِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ ان سے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے؟ ﴿هَلۡ يَنۡصُرُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ﴾ کیا تمہارے یہ معبود تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا اپنا ہی کچھ بچاؤ کر سکتے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ وہ دوزخی کچھ بھی جواب نہیں دے سکیں گے، پس ﴿فَكُبۡكِبُوۡا فِيۡهَا هُمۡ وَالۡغَاوٗنَ وَجُنُوۡدُ اِبۡلِيۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ﴾ پھر وہ معبود اور بت پرست، گمراہ عابدین اور ان کا سربراہ ابلیس کا پورا لشکر دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ یہ پورے سب کے سب عابدین و معبودین، و گمراہ کنندہ ابلیس اپنے لشکر سمیت اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں

گے، نہ خود کو بچا سکیں گے نہ دوسروں کی مدد کرسکیں گے، طالب ومطلوب سب کی ہلاکت وتباہی ایک دوسرے کے سامنے ہوجائے گی۔

﴿قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ﴾ عابد ومعبود وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔عابدین اپنے معبودین سے کہیں گے: ﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی اور صریح غلطی میں تھے کہ ہم تمہاری عبادت کرتے تھے، اور حق سنانے والوں کی تکذیب کرتے تھے۔ ﴿اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور تم کو سارے جہانوں کے خالق ومالک جل شانہ کے برابر سمجھتے تھے۔ ﴿وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور نہیں گمراہی میں ڈالا ہم کو مگر بڑے مجرموں نے جو کہ ہر طرح کی گمراہیوں کے بانی تھے۔

سورۂ احزاب میں ہے کہ وہ اس طرح کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا﴾ [الأحزاب:٦٧] (اور کہیں گے کہ: اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا، اور انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا)۔ پھر حسرت کے ساتھ یوں کہیں گے:

﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ﴾ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے، اور نہ کوئی مہربان دوست ہے کہ ہمارے لئے کوئی نجات کا راستہ تلاش کرے۔ ﴿فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سو کاش ہم کو پھر ایک مرتبہ دنیا میں واپسی نصیب ہوجائے تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہوجائیں، اور پکے مؤمن بن کر واپس آئیں۔قرآن کریم نے فرمایا کہ ان کی یہ بات بھی جھوٹ ہے۔ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ [الأنعام:٢٨] (اور اگر ان کو واپس بھیجا جائے تو وہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور یقیناً وہ پکے جھوٹے ہیں)۔ یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر ختم ہوئی۔آگے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس تمام قصہ میں اہل عقل اور سمجھداروں کے لئے بڑی نشانی ہے، نصیحت وعبرت ہے، اور حجت وبصیرت بھی ہے۔جس سے توحید کی حقانیت اور بقاء کا پیغام واضح ہے، اور شرک وکفر کی تباہی کا انجام بھی واضح ہے، مگر باوجود اس کے ایمان والے لوگ نہایت قلیل ہیں، اور اکثر لوگ دلائلِ واضحہ کے ہوتے ہوئے ایمان لانے سے منکر ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب تاریخی آگ میں ڈالا گیا اور آگ بردوسلام ہوکر آپ علیہ السلام کے لئے باغیچہ بن

گئی، جسے پوری قوم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، حق تو یہ تھا کہ اس عظیم معجزہ کو دیکھ کر پوری قوم آپ علیہ السلام کی تصدیق کر کے ایمان لے آتی، مگر ایسا نہ ہوا۔ مؤرخین نے صرف تین آدمیوں کے ایمان لانے کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے ایک نمرود بادشاہ کی لڑکی تھی جس نے شاہی محل کی چھت پر چڑھ کر سارا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور مسلمان ہوئی۔ واللہ اعلم

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ بیشک تیرا پروردگار غالب ہے، مہربان ہے، وہ جلدی انتقام لینے پر قادر ہے، مگر اس کی رحمت کا تقاضا امہال المجرمین ہے، اس لئے سرکشوں کو مہلت دیدیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِیْ
بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾
اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ
اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾
فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۰۵﴾ جبکہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا: کیا تم نہیں ڈرتے؟ ﴿۱۰۶﴾ بلاشبہ میں تمہارے لئے امانت والا پیغمبر ہوں ﴿۱۰۷﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ﴿۱۰۸﴾ اور میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا ثواب تو اس رب العلمین کے ذمہ ہے ﴿۱۰۹﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری فرمانبرداری کرو ﴿۱۱۰﴾ ان لوگوں نے جواب دیا: کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں؟ حالانکہ تیرے پیچھے رذیل ترین لوگ لگے ہوئے ہیں ﴿۱۱۱﴾ نوح نے کہا کہ مجھے ان کے کاموں کے جاننے کی کیا ضرورت ہے؟ ﴿۱۱۲﴾ ان سے حساب لینا تو میرے رب ہی کا کام ہے، کاش تم سمجھ رکھتے ﴿۱۱۳﴾ اور میں ایمان والوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں ﴿۱۱۴﴾ میں تو واضح طور پر ڈرانے

والا ہوں ⑯ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں سنگسار کیا جاتا ہے ⑯نوح نے عرض کیا کہ اے ربّ! بلاشبہ میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ⑰ سو آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے، اور مجھے اور جو ایمان والے میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دیدیجئے ⑱ سو ہم نے نوح کو اور ان کے ساتھیوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں تھے نجات دیدی ⑲ پھر ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا ⑳ بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے، اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں ㉑ اور بلاشبہ تیرا ربّ عزیز ہے، رحیم ہے ㉒

معارف ومنازل

سورت کے شروع میں پہلا قصہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا، پھر دوسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا۔ اب تیسرے نمبر پر حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ﴾ قوم نوح نے سارے رسولوں علیہم السلام کو جھٹلایا، کیونکہ سب رسولوں علیہم السلام کا دین ایک ہے، اور ایک نبی کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے۔ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ جب اس قوم کے نسبی بھائی نوح علیہ السلام نے ان سے کہا: کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہو؟ ﴿اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ﴾ تحقیق میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا ہوں، اور امانتدار ہوں، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میرا کہا مانو، اور شرک و بت پرستی چھوڑ دو۔

﴿وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں اس دعوت و تبلیغ پر تم سے کوئی بدلہ، معاوضہ نہیں چاہتا، میرا ثواب تو صرف ربّ العٰلمین کے ذمہ ہے، کیونکہ میں اسی ذات پاک کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، اور اسی کی توحید کا مبلغ اور پہنچانے والا ہوں، میں تمہیں بلا معاوضہ تبلیغ کرتا ہوں جس کا اجر و ثواب مجھے اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ﴾ سو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو، میری بات مانو تاکہ عذاب جہنم سے بچو اور جنت کا استحقاق پاؤ۔

﴿قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ وہ بولے: کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں؟ حالانکہ رذیل اور کمینہ لوگوں نے تیرا اتباع کیا ہے، تجھے ماننے والے چند مفلس و غریب، اور مفلوک الحال لوگ ہیں، اگر تو واقعی پیغمبر ہوتا تو تیرے ماننے والے بڑے لوگ ہوتے، اگر ہم ایمان لائیں گے تو ہمیں ان غریبوں کے ساتھ بیٹھنا ہوگا جو کہ

ہماری شان کے خلاف ہے۔

﴿قَالَ وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ نوح علیہ السلام نے کہا کہ مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں، مجھے اتنا ظاہراً معلوم ہے کہ وہ ایمان لا چکے، مزید کسی کے باطن کا حال معلوم کرنا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح مجھے تمہارے بھی ظاہر کا حال معلوم کرنے اور پھیرنے کا حکم ہے، حقائق کا علم صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔

﴿اِنۡ حِسَابُهُمۡ اِلَّا عَلٰی رَبِّیۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ﴾ باقی ان کے باطن کا سو وہ صرف میرے پروردگار کا کام ہے جو ہر چیز کے باطن پر مطلع ہے، کاش تم یہ بات سمجھو۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے ان لوگوں کے افعال و اعمال سے بحث نہیں، اور نہ مجھے ان کے باطن اور اخلاص کی تحقیق کی ضرورت ہے، میرا حکم ظاہر پر چلتا ہے، میرا کام صرف حق کی دعوت دینا ہے، اور جو ایمان لائے اور میری فرمانبرداری کرے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، خواہ وہ شریف ہو، یا کمینہ، امیر ہو یا فقیر۔ آخرت کا معاملہ ایمان اور اطاعت پر ہے، وہاں نسب و شرافت اور کسی کے پیشہ کو اہمیت نہ ہوگی۔ وہاں تمام فیصلے ایمان اور کفر سے وابستہ رہیں گے، دیگر تمام ذرائع جو دنیا کے متعلق تھے، سراسر موقوف ہو جائیں گے، لہٰذا تمہیں صاف کہتا ہوں کہ:

﴿وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں ہوں، خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ ﴿اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ﴾ میں تو صرف ڈرانے والا اور حق کو واضح کرنے والا ہوں، مجھے کسی کی امیری یا فقیری سے کوئی بحث نہیں۔ آپ علیہ السلام کا یہ اٹل اور پختہ جواب سن کر شیطانی گروہ طیش میں آ گئے، اور کہنے لگے:

﴿قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ یٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِیۡنَ﴾ اے نوح! تو ہمارے معبودوں کے خلاف بولنے سے باز نہ آیا تو ضرور سنگسار شدہ لوگوں میں سے ہو جائے گا۔ یہ دھمکی تھی کہ ہم تجھے سنگسار کر کے رہیں گے۔ نوح علیہ السلام جب قوم کی ہدایت اور ایمان سے ناامید ہو گئے تو بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی:

﴿قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِیۡ كَذَّبُوۡنِ فَافۡتَحۡ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّنَجِّنِیۡ وَمَنۡ مَّعِیَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا، اور آئندہ مجھے ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں، میں نے ساڑھے نو سو سال انہیں تبلیغ کی، اور خوب واضح طور پر بڑی محنت و جانفشانی سے انہیں سمجھایا، مگر فائدہ نہ ہوا، لہٰذا آپ میرے اور ان کے درمیان آخری فیصلہ صادر فرما دیجئے، اور ان ظالموں سے انتقام لیجئے۔ دوسرے مقام پر یہ فرمایا: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ﴾ [القمر: ۱۰] (پس اپنے پروردگار کو پکارا کہ میں مغلوب ہوں، انتقام

لیجئے)۔اور مجھ کواور میرے ساتھ جو مسلمان ہیں ان کو اپنے قہر وغضب کے عذاب سے نجات دیدیں۔

نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم اور نگرانی کے تحت دوسو یا تین سو سال سے کشتی بنارہے تھے، انہیں کہا گیا تھا کہ کشتی کے تیار ہونے پر ''تنور'' سے جب طوفانی پانی کا اخراج ہوگا تو آپ اور آپ کے بچے اور مؤمنین کشتی میں سوار ہوجائیں، اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر روانہ ہوجائیں۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ﴾ تب ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ جو بھری ہوئی کشتی میں سوار تھے نجات دیدی، اور پھر ہم نے باقیوں کو غرق کردیا۔ تمام تر تفصیلات سورۂ ہود میں دیکھیں۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ بیشک اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی بہت بڑی نشانی ہے۔﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ بیشک تیرا پروردگار غالب وعزّت والا ہے، مہربان ہے، اس کی مہربانی مثالی ہے، ایک ہزار سال تک نافرمانوں کو مہلت دیدی، جب ناامیدی ہوئی تو انہیں طوفان کے ذریعہ ہلاک فرمایا۔

۞ ۞ ۞

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ
رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ
مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ: قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۲۳﴾ جبکہ ان کے بھائی ہود نے کہا: کیا تم نہیں ڈرتے؟ ﴿۱۲۴﴾ بلاشبہ میں تمہارا امانت والا پیغمبر ہوں ﴿۱۲۵﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور میری فرمانبرداری کرو ﴿۱۲۶﴾ اور میں اس پر تم سے کسی عوض کا

سوال نہیں کرتا، میرا ثواب تو اس ربّ العٰلمین کے ذمہ ہے ﴿۱۲۷﴾ کیا تم ہر اونچے مقام پر کھیل کے طور پر یادگار بناتے ہو؟ ﴿۱۲۸﴾ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو؟ شاید تم ہمیشہ رہو گے ﴿۱۲۹﴾ اور جب تم پکڑتے ہو تو بڑے جابر بن کر گرفت کرتے ہو ﴿۱۳۰﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ﴿۱۳۱﴾ اور اس ذات سے ڈرو جس نے ان چیزوں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائی جنہیں تم جانتے ہو ﴿۱۳۲﴾ اس نے تمہاری مدد فرمائی چوپائے اور بیٹوں کے ذریعے ﴿۱۳۳﴾ اور باغات اور چشموں کے ذریعہ ﴿۱۳۴﴾ بیشک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں ﴿۱۳۵﴾ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے نزیک تو دونوں باتیں برابر ہیں تم نصیحت کرو، یا نصیحت کرنے والوں سے نہ بنو ﴿۱۳۶﴾ اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی عادت ہے ﴿۱۳۷﴾ اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں ﴿۱۳۸﴾ سو ان لوگوں نے ہود کو جھٹلایا سو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، بلاشبہ ان میں بڑی عبرت ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۳۹﴾ اور بیشک آپ کا ربّ عزیز ہے، رحیم ہے ﴿۱۴۰﴾

معارف ومنازل

مذکورہ آیات بالا میں حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ آپ علیہ السلام قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے، آپ علیہ السلام نے ان سے وہی باتیں کیں جن کا حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر ہوا۔ یہ قوم احقاف کے علاقے میں آباد تھی، یہ بڑی سرکش قوم تھی، ان کے ڈیل ڈول بھی بڑے تھے۔ سورۂ اعراف میں ان کے متعلق یوں ارشاد ہے: ﴿وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً﴾ [الأعراف:۶۹] (اور جسم کی ڈیل ڈول میں تمہیں بڑھا چڑھا کر رکھا)۔ اور سورۂ فجر میں فرمایا: ﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۞ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۞﴾ [الفجر] (اس اونچے ستونوں والی قوم ارم کے ساتھ۔ جس کے برابر دنیا کے ملکوں میں کوئی اور قوم پیدا نہیں کی گئی)۔ یعنی ان جیسے لوگ زمین کے حصوں میں پیدا نہیں کئے گئے یہ بڑے قدآور تھے۔ (تفصیل سورۂ فجر کی تفسیر میں دیکھیں)

خلاصہ یہ ہے کہ قوم نوح کی طرح انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلا دیا، اللہ تعالیٰ نے سخت تیز آندھی کے ذریعہ انہیں ہلاک کیا، جس کا ذکر سورۂ ہود، سورۂ حٰم سجدہ، سورۃ الحاقہ، سورۂ ذاریات، سورۂ قمر اور سورۂ احقاف میں فرمایا ہے۔ یہ لوگ اتنے مغرور اور گمراہ تھے جو کھلم کھلا کہتے تھے: ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم سجدة:۱۵] (طاقت میں ہم سے کون بڑھا ہوا ہے؟)۔ یعنی جب پیغمبر نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا تو کہنے لگے: ہم بڑے زور آور پہلوان

ہیں، ہم کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، اس پر قادر مطلق جل شانہ نے انہیں جواب دیا: ﴿اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً﴾ [حم سجدة:۱۵] (کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے طاقت میں بڑھا ہوا ہے)۔

پس اس غرور کی پاداش میں اس طرح ہلاک ہوئے کہ آج ان کا کوئی نام ونشان موجود نہیں۔ فرمایا:

﴿كَذَّبَتۡ عَادُ اِۨلۡمُرۡسَلِيۡنَ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ هُوۡدٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ﴾ قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا، جب حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے کہا: کیا تم کفر اور شرک کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر وعذاب سے نہیں ڈرتے؟

﴿اِنِّىۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ﴾ بیشک میں تمہارے لئے معتبر اور امانت دار پیغمبر ہوں، چنانچہ میری امانت داری کی تم بھی گواہی دیتے ہو۔ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ﴾ سو تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرو، اور میری اطاعت کرو، یہ میری نصیحت تمہارے لئے خالص ہے جس پر عمل کرنے میں تمہاری نجات اور کامیابی ہے۔

﴿وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ اس دعوت اور نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف رب العلمین کے ذمہ پر ہے۔ ﴿اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ﴾ کیا تم ہر بلند جگہ اپنی شان وشوکت اور فخر وغرور کا نشان بناتے ہو؟ تا کہ خوب بلندی سے نظر آئے، یہ کام محض عبث اور بے کار کام کرتے ہو، محض نام ونمود کے لئے بناتے ہو۔ یا یہ معنی ہیں کہ تم وہاں بیٹھ کر کھیل اور تماشہ کرتے ہو، اور راستہ پر چلنے والوں پر ہنستے ہو۔

﴿وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ﴾ اور بڑے بڑے اونچے عالی شان محل یا مضبوط اونچے قلعے، یا بڑی بڑی حوضیں، یا زیر زمین پانی کی نہریں بناتے ہو، گویا کہ تم ہمیشہ اسی شان وشوکت کے ساتھ دنیا میں رہتے ہو، یا رہنے کی سوچتے ہو، تم موت اور موت کے بعد والے حالات سے بے فکر رہتے ہو۔ مؤرخین اور مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے بادشاہ کا محل پانچ ہزار گز اونچا اور بلند تھا۔ [قرطبي]

﴿وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ﴾ جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو اس کو نہایت سنگدلی اور بے رحمی کے ساتھ پکڑتے ہو۔ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ﴾ سو اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

﴿وَاتَّقُوا الَّذِىۡۤ اَمَدَّكُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ﴾ اور اس ذات منعم حقیقی سے ڈرو اس کی نعمتوں کی قدر کرو جس نے تمہاری مدد کی جسے تم جانتے بھی ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے

مویشیوں سے اور بیٹوں اور باغوں سے اور چشموں سے تمہاری مدد کی، پس اگر متواتر ناشکری کرو گے اور ایمان نہیں لاؤ گے تو: ﴿اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ﴾ تو مجھے تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم پر برابر ہے: ﴿قَالُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡنَاۤ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ تَکُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِیۡنَ﴾ آپ نصیحت کریں یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہوں ہم اپنا طریقہ تمہارے کہنے پر نہیں چھوڑیں گے۔ ﴿اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ مَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ﴾ یہ صرف پرانے لوگوں کی کہاوتیں اور باتیں ہیں، اور ان کی ڈالی ہوئی عادت ہے، اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، شرک چھوڑ دو، اور قیامت کو مانو، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ بھی ایسی باتیں کہتے آئے ہیں، اب تک تو قیامت آئی نہیں، اور یہ جو تم عذاب والی بات کہتے ہو یہ بھی درست نہیں، اور نہ ہی ہم پر کوئی عذاب آنے والا ہے، یہ سب اٹکل کی باتیں ہیں۔ فرمایا:

﴿فَکَذَّبُوۡہُ فَاَہۡلَکۡنٰہُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾ سو انہوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا، پس آندھی کے ذریعہ ہم نے ان کو ہلاک کیا۔ سات رات آٹھ دن مسلسل تیز اور تباہ کن نہایت سخت سرد ہوا چلی، بغیر کسی وقفہ کے، جس سے پوری قوم اور ان کے بلند و بالا اونچے مکانات محلات قلعے تباہ ہوئے۔ بیشک اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے، اور آئندہ لوگوں کے لئے درس عبرت بھی ہے۔ قوم عاد کے اکثر لوگ ایمان نہ لائے، محض گنتی کے چند لوگ ایمان لائے۔

﴿رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ﴾ اور بلا شبہ تیرا ربّ غالب و طاقتور ہے، بڑا مہربان ہے۔ یہ اس کی رحمت و کرم ہے کہ بندوں پر ہر قسم کی نعمتوں کی بارش برسائی، اور ہدایت کے اسباب مہیا کیے، اور خوب مہلت بھی دیدی۔

کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذۡ قَالَ لَہُمۡ اَخُوۡہُمۡ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۴۳﴾
فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتۡرَکُوۡنَ
فِیۡ مَا ہٰہُنَاۤ اٰمِنِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّ زُرُوۡعٍ وَّ نَخۡلٍ طَلۡعُہَا ہَضِیۡمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَ تَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ
بُیُوۡتًا فٰرِہِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِیۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیۡنَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ

وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۴۱﴾ جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا: کیا تم نہیں ڈرتے؟ ﴿۱۴۲﴾ بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، امانتدار ہوں ﴿۱۴۳﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ﴿۱۴۴﴾ اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو اس ربّ العٰلمین کے ذمہ ہے ﴿۱۴۵﴾ یہاں جو کچھ ہے تو کیا تمہیں اسی میں امن وامان کے ساتھ چھوڑے رکھا جائے گا؟ ﴿۱۴۶﴾ باغیچوں میں اور چشموں میں ﴿۱۴۷﴾ اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے گچھے گوندھے ہوئے ہیں ﴿۱۴۸﴾ اور تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بنالیتے ہو اتراتے ہوئے ﴿۱۴۹﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ﴿۱۵۰﴾ اور ان لوگوں کی بات نہ مانو جو حد سے آگے بڑھ جانے والے ہیں ﴿۱۵۱﴾ جو زمین میں فساد کرتے ہیں، اور اصلاح نہیں کرتے ﴿۱۵۲﴾ انہوں نے جواب دیا کہ بس تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کردیا گیا ہو ﴿۱۵۳﴾ تو ہمارا ہی جیسا ایک آدمی ہے سو کوئی نشانی لے کر آ، اگر تو سچوں میں سے ہے ﴿۱۵۴﴾ صالح نے کہا: یہ اونٹنی ہے، پانی پینے کے لئے ایک دن اس کی باری ہے اور ایک مقررہ دن میں پینے کی تمہاری باری ہے ﴿۱۵۵﴾ اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ، ورنہ تمہیں بڑے دن کا عذاب پکڑے گا ﴿۱۵۶﴾ سو ان لوگوں نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا، پھر پشیمان ہوئے ﴿۱۵۷﴾ سو انہیں عذاب نے پکڑلیا، بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۵۸﴾ اور بیشک آپ کا ربّ عزیز ہے، رحیم ہے ﴿۱۵۹﴾

معارف ومنازل

یہ پانچواں قصہ ہے جو کہ قوم ثمود سے متعلق ہے۔ یہ لوگ اصحاب الحجر کے نام سے مشہور ہیں، ان کا زمانہ قوم عاد سے دوسو (۲۰۰) سال بعد ہے۔ آج کل ان کا علاقہ مدائن صالح کے نام سے مشہور ہے، اور سعودی عرب کا حصہ ہے، مدینہ منورہ سے شام جاتے ہوئے راستے پر واقع ہے۔ یہ خطہ آج کل اگرچہ تباہ شدہ کھنڈرات پر مشتمل ہے مگر اس زمانے میں جب یہاں قوم ثمود آباد تھی یہ خطہ ملک شام کا ایک صوبہ کہلاتا تھا، اور نہایت سرسبز وشاداب تھا، چشموں اور

باغات سے معمور تھا۔ یہاں کا خطہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سینکڑوں بستیوں پر مشتمل تھا، یہ سارے مشرک، بت پرست، راہزن اور منکر توحید و منکر قیامت اور بدبخت تھے۔ ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نسبی لحاظ سے انہی میں سے تھے۔

اس قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے فرمائش کی کہ وہاں کے ایک پتھر (چٹان) سے اونٹنی کا معجزہ دکھادیں، چنانچہ پیغمبر علیہ السلام کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کا معجزہ ظاہر فرمایا، مگر قوم نے ایمان لانے سے انکار کیا، صرف چھ ہزار کے قریب لوگوں نے اسلام قبول کیا، اور یہ لوگ آخر تک اپنے ایمان پر قائم رہے، باقی قوم ہمیشہ ضد وعناد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہ کر اونٹنی کو ہلاک کرنے کے بعد تین دن میں ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ تو فرمایا:

﴿كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ ان چند آیات کا وہی مطلب و مفہوم ہے جو اس سے پہلے قوم نوح اور قوم ہود علیہم السلام کے واقعات میں مذکور ہوئے۔ آگے مضمون ذرا مختلف ہے جو کہ یہ ہے:

﴿اَتُتۡرَكُوۡنَ فِىۡ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيۡنَ﴾ پیغمبر علیہ السلام نے قوم سے فرمایا: کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم ان نعمتوں میں جو یہاں دنیا میں تم کو حاصل ہیں، اسی حالت میں بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ اور تم پر کوئی مصیبت نہ آئے گی؟ یہ ممکن نہیں، کیونکہ ناشکرے لوگوں پر مصیبت ہر حال میں آجاتی ہے، پھر تم پر لازم ہے کہ منعمِ حقیقی کی گرفت اور سلب نعمت سے بچو، وہ یہ ہے کہ دیکھو:

﴿فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۙ وَّزُرُوۡعٍ وَّنَخۡلٍ طَلۡعُهَا هَضِيۡمٌ﴾ منعمِ حقیقی نے تم کو باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں (جن کے خوشے نرم اور نازک اور پاکیزہ ہیں) عطا فرمایا ہے۔ یا اس لئے تم بے فکر ہو کہ:

﴿وَتَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا فٰرِهِيۡنَ﴾ پہاڑوں میں سے تراش کر مکانات بناتے ہو، پھر اس پر اتراتے اور فخر وغرور کرتے ہو، لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون رہو۔ ﴿وَلَا تُطِيۡعُوۡۤا اَمۡرَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ الَّذِيۡنَ يُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ﴾ اور ان لوگوں کی بات نہ مانو جو کبر ونخوت کی وجہ سے دائرۂ عبودیت اور بندگی کی حدود سے باہر نکلنے والے ہیں، اور زمین میں فساد کرتے ہیں، اور اصلاح نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا بیان سورۂ نمل میں آنے والا ہے۔ فرمایا:

﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾ پھر نتیجہ یہی ہوا کہ ان ہی لوگوں نے اونٹنی کے پاؤں کو تلوار سے کٹوایا، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دی جس کے نتیجے میں عذاب آیا، اور پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، جو سب کے سب ہلاک ہو گئے، سوائے ان چھ ہزار مسلمانوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نجات دیدی۔ تفصیل سورۃ الحاقہ میں دیکھیں۔

﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ وہ لوگ بولے کہ اے صالح! تجھ پر تو بس کسی نے جادو کر دیا ہے، تو تو کچھ بھی نہیں، ہمارے جیسا ایک آدمی ہے، اللہ تعالیٰ کا رسول تو فرشتہ ہوتا ہے نہ کہ بشر، تم بشر ہوتے ہوئے کیسے رسول ہو سکتے ہو؟ اگر تم سچوں میں ہو تو اپنے دعوائے نبوت پر کوئی دلیل لاؤ۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا: اچھا کیا نشانی مانگتے ہو؟ انہوں نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے ایک اونٹنی نکالو، حضرت صالح علیہ السلام نے فوراً دعا کی اور اسی وقت اس پتھر سے عجیب الخلقت (۳۲) گز لمبی گابھن اونٹنی نمودار ہوئی، تو صالح علیہ السلام نے کہا: لو یہ اونٹنی ہے جو تم نے فرمائش کی تھی، اب یہ اونٹنی عام اونٹنیوں کی طرح نہیں، یہ مقدس اونٹنی ہے، اس کے مخصوص حقوق و آداب ہیں، وہ یہ کہ:

﴿لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ کہ پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے، اور ایک مقررہ دن تمہارے مال مویشی کے پانی پینے کی باری ہے، تم لوگ اس کی باری میں مداخلت نہ کرو، اور اس کی حق تلفی سے اجتناب کرو۔ اس کا دوسرا حق تم پر یہ ہے کہ کسی برائی اور بدنیتی کے ارادہ سے اس کو ہاتھ نہ لگاؤ، ورنہ کسی بھاری دن کے عذاب عظیم کی لپیٹ میں آجاؤ گے، لیکن نافرمان قوم نے کوئی ایک بھی نہ مانی۔

﴿فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ﴾ سو انہوں نے اس کے پاؤں کاٹ کر اسے ہلاک کیا، اور اس کا بچہ بھاگ کر اسی پتھر میں جا گھسا جہاں سے اس کی ماں برآمد ہوئی تھی، اب عذاب کے آثار نمودار ہونے لگے، تو یہ پشیمان ہوئے، اس وقت صالح علیہ السلام انہیں تین دن کی مہلت دے کر اپنے مسلمان چھ ہزار امتیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم ملنے پر باہر نکل چکے تھے تاکہ وہ عذاب والی سرزمین سے دور ہوں، اور ان کی نجات یقینی ہو۔ وہ عذاب یہ تھا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری جس سے زبردست زلزلہ پیدا ہوا، لوگوں کے جگر پھٹ گئے، اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے اور جہنم رسید ہو گئے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اس میں بلا شبہ بڑی عبرت ہے، اور اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ بیشک آپ کا ربّ عزیز ہے، رحیم ہے۔

....

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّیْ
لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا
فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ
فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ: لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۶۰﴾ جبکہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا: کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے ہو؟ ﴿۱۶۱﴾ میں بلا شبہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، امانتدار ہوں ﴿۱۶۲﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ﴿۱۶۳﴾ اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو اس ربّ العٰلمین کے ذمہ ہے ﴿۱۶۴﴾ کیا تمام دنیا جہاں والوں میں سے تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو؟ ﴿۱۶۵﴾ اور تمہارے ربّ نے جو تمہارے لئے بیبیاں پیدا فرمائیں ہیں ان کو چھوڑتے ہو ﴿۱۶۶﴾ بلکہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے لوگ ہو ﴿۱۶۷﴾ ان لوگوں نے کہا کہ اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور نکال دیئے جانے والے لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے ﴿۱۶۸﴾ لوط نے کہا کہ میں تمہارے کام سے بغض رکھنے والے لوگوں میں سے ہوں ﴿۱۶۹﴾ اے میرے ربّ! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں سے نجات دیجئے ﴿۱۷۰﴾ سو ہم نے لوط کو اور اس کے تمام گھر والوں کو نجات دیدی، سوائے ایک بڑھیا کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی ﴿۱۷۱﴾ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا ﴿۱۷۲﴾ اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسادی، سو کیا ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسائی گئی جن کو ڈرایا گیا ﴿۱۷۳﴾ بلا شبہ اس میں بڑی عبرت ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۷۴﴾ اور بے شک آپ کا ربّ عزیز ہے، رحیم ہے ﴿۱۷۵﴾

معارف ومنازل

یہ چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، جو سدوم کی طرف بھیجے گئے۔ یہ سدوم شام کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے، آج کل یہ علاقہ اردن کا حصہ ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے سرکش تھے، شرک وبت پرستی کے علاوہ شہوت پرستی اور بدکاری میں غرق تھے، اور نہایت بے حیا اور بداخلاق تھے، لواطت ان کا مرغوب وپسندیدہ عمل تھا۔ لوط علیہ السلام نے نہایت محنت اور جانفشانی سے انہیں نصیحت کی مگر ان بدبختوں نے کوئی ایک نہ سنی، بالآخر سب ہلاک کردیئے گئے۔ فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ان آیات کا مفہوم اور مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کیا سارے جہان میں تم ہی ایسے برگشتہ ہو کہ مردوں اور لڑکوں سے قضائے شہوت کرتے ہو؟ اور اس غیر فطری ناپاک عمل کو اپناتے ہو؟ ﴿وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ﴾ اور چھوڑتے ہو تم اپنی بیویوں کو جن کو تمہارے ربّ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے، اور تم جس گناہ کو اختیار کر چکے ہو، حال یہ ہے کہ تم حدود انسانیت اور شرافت انسانی سے تجاوز کرنے والے ہو تم فطری تقاضوں کو جو بیویوں سے وابستہ ہے اس کو چھوڑ کر غیر فطری عمل کی وجہ سے جسے لڑکوں سے پورا کرتے ہو، نہایت گندہ اور شیطانی عمل ہے، آج تک انسان تو درکنار بے سمجھ حیوانات میں سے کسی جانور نے اسے اختیار نہیں کیا، پس تم کتنے خبیث ومردار ہو جو جانوروں سے بھی بدتر اور بداخلاق ہو۔

﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ﴾ بجائے ہدایت اور نصیحت قبول کرنے کے الٹا وہ دھمکیوں اور غنڈہ گردیوں پر اتر آئے، اور کہنے لگے: اے لوط! اگر تو ہمیں منع کرنے اور ملامت کرنے سے باز نہ آیا، تو البتہ ہو جائے گا تو نکالے ہوئے لوگوں میں سے، یعنی تم کو بستی سے نکال باہر کیا جائے گا۔

﴿قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ﴾ لوط علیہ السلام نے کہا: میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتا، میں مسلسل تمہارے اس خبیث عمل کی مذمت کرتا رہوں گا، اور اس سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کر کے تمہیں مسلسل منع کرتا رہوں گا، اور اپنے ربّ سے درخواست کرتا ہوں: ﴿رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ اے میرے پروردگار! مجھ کو

اور میرے خاص متعلقین کو اس خبیث کام کے ارتکاب سے اور اس پر آنے والے عذاب سے نجات عطا فرمائیں۔ انہیں یقین تھا کہ دیر یا بزود اس قوم پر آسمانی عذاب ضرور آنے والا ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی، قوم پر عذاب آیا اور آپ علیہ السلام اپنے متعلقین سمیت عذاب سے محفوظ رہے۔

﴿فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ﴾ پس نجات دی ہم نے اس کو اور اس کے سب متعلقین کو، سوائے ایک بڑھیا کے جو حضرت لوط علیہ السلام کی بدقسمت بیوی تھی، جو پیچھے رہنے والوں میں رہی۔

﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک اور تباہ کر دیا۔ اس کی صورت یہ ہے: ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ اور ان پر ایک خاص قسم کا برساؤ کیا، یعنی پتھروں کا۔ سورۂ حجر میں ارشاد ہے: ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ [الحجر: ۷۴] (پھر ہم نے اس زمین کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا، اوران پر پکی مٹیٔ کے پتھروں کی بارش برسادی)۔ اور سورۂ ہود میں ہے: ﴿مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ﴾ [ہود] (تہہ بر تہہ پکی مٹی کے پتھروں میں سے۔ جن پر تمہارے ربّ کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے)۔

اس طرح کا عذاب ان کے برے خبیث عمل کے مناسب تھا، تو فرمایا: پس کیا ہی بُرا برساؤ تھا ان لوگوں کا جنہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔ عذاب کی صورت یہ ہوئی کہ پوری قوم کی بستیاں زمین سے اوپر لے جا کر الٹ دی گئیں، اور آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ پورا قصہ اعراف، ہود اور سورۂ حجر میں گزر چکا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ بیشک اس قصہ میں نشانی اور عبرت ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ اور آپ کا پروردگار زبردست ہے، ہر چیز پر غالب ہے، رحم والا ہے۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَوْفُوا

الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ
اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٨٦﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا
كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ
عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾

ترجمہ: ایکہ والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿١٧٦﴾ جبکہ ان سے شعیب نے کہا: کیا تم نہیں ڈرتے؟ ﴿١٧٧﴾ بیشک میں تمہارے لئے رسول امین ہوں ﴿١٧٨﴾ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ﴿١٧٩﴾ اور میں تم سے اس پر کسی اُجرت کا سوال نہیں کرتا، میرا ثواب تو بس ربّ العلمین کے ذمہ ہے ﴿١٨٠﴾ تم پورا ناپا کرو، اور نقصان میں ڈالنے والے مت بنو ﴿١٨١﴾ اور ٹھیک طرح سے وزن کیا کرو ﴿١٨٢﴾ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کرمت دیا کرو، اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو ﴿١٨٣﴾ اور اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا فرمایا ﴿١٨٤﴾ ان لوگوں نے کہا کہ بات یہی ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہو ﴿١٨٥﴾ اور تو ہمارا ہی جیسا ایک آدمی ہے، اور بیشک ہم تجھے جھوٹوں ہی میں سے خیال کرتے ہیں ﴿١٨٦﴾ سو اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے ﴿١٨٧﴾ شعیب نے کہا کہ تم جو کام کرتے ہو انہیں میرا ربّ خوب جانتا ہے ﴿١٨٨﴾ سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا، لہٰذا ان لوگوں کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بیشک وہ بڑے دن کا عذاب تھا ﴿١٨٩﴾ بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿١٩٠﴾ اور بیشک آپ کا ربّ عزیز ہے، رحیم ہے ﴿١٩١﴾

معارف ومنازل

حضرت شعیب علیہ السلام دو قوموں اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپ علیہ السلام کا لقب خطیب الانبیاء ہے۔ جن دونوں سرکش قوموں کی طرف آپ علیہ السلام مبعوث ہوئے یہ لوگ کفر وشرک کے علاوہ دوسرے طرح طرح کے معاصی میں مبتلا تھے۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، یہ ان کی مشہور ومعروف اور ممتاز صفت ہوتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام مسلسل دعوت توحید کے علاوہ دیگر معاشرتی جرائم سے انہیں پوری جانفشانی سے منع کرتے رہے، اور ہر لمحہ نصیحت فرماتے رہے، مگر وہ کسی صورت حق بات قبول کرنے پر آمادہ

نہیں ہوئے، اور آپ علیہ السلام کی تکذیب پر ڈٹے رہے، جس کی پاداش میں ہلاک کردیے گئے۔

یہاں اس مقام پر صرف اصحاب ایکہ کا بیان ہے، اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ظلّہ یعنی بادل والے سائبان سے ہلاک کیا، جبکہ اہل مدین کی ہلاکت صیحہ یعنی چیخ سے ہوئی۔ جیسے سورۂ ہود میں فرمایا: ﴿وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ [ھود: ۹۴] (اور جن لوگوں نے ظلم کیا ان کو چیخ نے پکڑلیا)۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ سے جیسے قوم ثمود تباہ ہوئی، اسی طرح اہل مدین کو بھی چیخ نے تباہ کیا، جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ **نعوذ باللہ منہ**

فرمایا: ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ۝۱۷۶ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ۝۱۷۷ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ۝۱۷۸ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝۱۷۹ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ان آیات کریمہ کا مفہوم و مطلب بار بار بیان ہو چکا، جو کافی وافی ہے۔

﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ﴾ پیمانہ پورا بھر دیا کرو، اور نقصان پہنچانے والوں اور حق کم کرنے والوں میں سے نہ بنو۔ ﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ اور سیدھے ترازو سے تولو۔ ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو، اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو، اور اس خالق و مالک سے ڈرو جس نے: ﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ﴾ تم کو اور تم سے پہلی تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا، کیونکہ وہ جس طرح تمام مخلوقات کے پیدا کرنے پر قادر ہے، اسی طرح نافرمانی کی صورت میں وہ انہیں تباہ کرنے پر بھی قادر ہے، لہٰذا اس کی نافرمانی سے ڈرو۔

﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾ اصحاب ایکہ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب میں کہا کہ یہ بات تحقیقی ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے کہ جن پر جادو کرلیا گیا ہو، تمہاری باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے تم پر جادو کیا گیا، جس سے عقل مندی اور سنجیدگی زائل ہوگئی ہے، اور یہ بھی ہے کہ: ﴿وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اور نہیں ہو تم مگر ہم ہی جیسے ایک آدمی، اس طرح تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی برتری اور فضیلت حاصل نہیں۔ بھلا کوئی بشر بھی خدا کا رسول بن سکتا ہے؟ اور ہم تو بلاشبہ تجھے جھوٹے لوگوں میں جانتے ہیں، پس اگر دعوائے نبوت میں سچے ہو تو:

﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ پس آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرادے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم سچے اور با اختیار ہو، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تیری تکذیب سے عذاب آسکتا ہے۔

﴿قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ پس قوم نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا، پس پکڑ لیا ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے، بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔ وہ یہ کہ سات روز تک ان پر بہت سخت گرمی پڑتی رہی، وہ بڑے بیتاب رہے، اور زندگی اجیرن ہو گئی، اچانک اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیاہ بادل نمودار ہوا، لوگوں نے اس کے سایہ کو غنیمت جان کر اس کے سائے میں آنا شروع کیا، یہاں تک کہ جب پوری قوم اس سایہ میں آ گئی تو بادل نے ان پر آگ برسا کر سب کو بھسم کر کے تباہ کر دیا۔ یہ ہے عذاب ظلہ یعنی عذاب سایہ۔ پھر فرمایا:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بیشک اصحاب ایکہ کی تباہی میں بڑی نشانی اور سامان عبرت ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان والے نہ رہے۔ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ بیشک تیرا پروردگار عزیز ہے، رحیم ہے۔

❁ ❁ ❁

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ
سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ
سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ
قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ
لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ یہ رب العلمین کا اتارا ہوا ہے ﴿۱۹۲﴾ اس کو امانتدار فرشتہ لے کر نازل ہوا ﴿۱۹۳﴾ آپ کے قلب پر تاکہ آپ واضح طور پر ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں ﴿۱۹۴﴾ واضح عربی زبان میں ہے ﴿۱۹۵﴾ اور بلاشبہ اس کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں میں ہے ﴿۱۹۶﴾ کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اسے علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں ﴿۱۹۷﴾ اور

اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے ۱۹۸ پھر وہ اس کو ان کے سامنے پڑھ کر سنا دیتا تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ۱۹۹ ہم نے اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو مجرمین کے دلوں میں ڈال رکھا ہے ۲۰۰ یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ۲۰۱ سو وہ ان کے پاس اچانک آجائے گا، اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی ۲۰۲ پھر کہیں گے: کیا ہمیں مہلت مل سکتی ہے؟ ۲۰۳ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کو جلدی چاہتے ہیں؟ ۲۰۴ اے مخاطب! ذرا یہ بتا کہ اگر ہم انہیں چند سال عیش میں رہنے دیں ۲۰۵ پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آپڑے ۲۰۶ تو ان کا وہ عیش ان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ ۲۰۷ اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب میں نصیحت کے طور پر ڈرانے والے تھے ۲۰۸ اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں ۲۰۹ اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے ۲۱۰ اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں ۲۱۱ بلاشبہ وہ سننے سے روک دیئے گئے ہیں ۲۱۲

معارف ومنازل

ابتداء سورت میں حقانیت قرآن کا مضمون تھا، جس سے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی رسالت ثابت کرنا مقصود تھا، اس وجہ سے منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کے واقعات ذکر کئے۔ اب آخر میں پھر اسی مضمون سابق کی طرف عود کر آتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ برحق کتاب ہے، اور آپ کی نبوت ورسالت کی درخشندہ روشن دلیل ہے، جس کے نزول سے تمام ظاہری اور باطنی ظلمتوں، گمراہیوں اور بے انصافیوں کا پورے عالم سے خاتمہ ہوگا، لہٰذا آپ اس کی دعوت وتبلیغ میں لگے رہئے، اور اللہ تعالیٰ سبحانہ پر بھروسہ رکھئے، اور مشرکین وکفار کی مخالفتوں کی پرواہ نہ کیجئے، عنقریب ان ظالموں کو اپنے ظلم وستم اور گمراہیوں کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ تو فرمایا:

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ بیشک یہ قرآن مجید ربّ العلمین سبحانہ کا نازل فرمودہ ہے، اور پوری کائنات پر ربّ العلمین کا سایۂ رحمت ہے، اور سارے جہان کے لئے مرکز اور چشمۂ ہدایت ہے، اس کا نازل کرنے والا ربّ العلمین ہے، پھر جس ذات اقدس پر نازل ہوا، وہ رحمۃ للعلمین ہے، اور اس کو لانے والا سید الملئکہ روح الامین ہے، اور خود یہ کتاب ھدیً للعلمین ہے، پس یہ ہر اعتبار سے کامل واکمل ہی ہے، اور جن جن سینوں میں یہ محفوظ ہوگا وہ حملۃ القرآن کہلائیں گے۔ صحیح حدیث میں ارشاد گرامی ہے: ''أَشْرَافُ أُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَ أَصْحَابُ اللَّيْلِ''۔ قرآن کے حاملین اور راتوں کو نماز تہجد ادا کرنے والے میری امت کے اشراف اور عزت مند

لوگ ہیں۔ [مشکوٰۃ]

دراصل تہجد کی نماز پڑھنے والے بکثرت یہی لوگ ہوتے ہیں جن کے سینے نور قرآن سے منور اور روشن ہیں۔ پھر ارشاد ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت روح الامین جبرئیل علیہ السلام لے کر آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اتارا ہے، جو لوگوں کے لئے روح ہدایت اور سامان حیات ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے امانتدار فرشتوں کا امانتدار سردار ہے، وہ جس طرح کلام اور پیغامِ الٰہی کو سنتا ہے اسی طرح اس کو یاد کرتا ہے، پھر لب ولہجہ میں بغیر کسی زیادتی اور نقصان کے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر اتار دیتا ہے۔

جب روح الامین اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم امانت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اتار دیتے ہیں، تو: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ [الشرح: ۱] (کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھولا؟) کے موافق آپ ﷺ کا قلب مبارک پوری طرح اسے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، جس میں ﴿صِبْغَةَ اللَّهِ﴾ [البقرة: ۱۳۸] (اللہ کا رنگ) کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور وحی کا رنگ (انوار وبرکات) آپ ﷺ کے قلب مبارک پر پیوست ہو جاتا ہے، جس سے تمام جہاں میں فیوض وبرکات پھیل جاتے ہیں، اور جن لوگوں کے قلوب صاف اور پاک ہوتے ہیں، تو قلب نبوت کے انوار وآثار کا عکس کسی میں زیادہ کسی میں کم کسی میں درمیانی حصہ کے مطابق منعکس ہو جاتا ہے۔

آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سورج کی ظاہری روشنی سے ساری مخلوقات ایک جیسے فوائد وانوار حاصل نہیں کر سکتی ہیں، بلکہ ایسے کچھ ہوتے ہیں کہ ظاہری بینائی نہ ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی سے مکمل محروم ہوتے ہیں، یہی حال کفار کا ہے۔ فَتَدَبَّرْ

نکتہ:

قرآن مجید کے نزول کا مرکز آپ ﷺ کا قلب مبارک ہے، اسی لئے اس کا نزول دوسری آسمانی کتابوں سے مختلف ہے، دوسری کتابوں کا نزول الواح کی شکل میں ہوا، اور انبیاء کرام علیہم السلام کے قلوب پر نہیں ہوا، بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ظاہری اعضاء وحواس پر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ پورے عالم میں تورات وانجیل اور زبور کا کوئی حافظ نہیں

ملے گا، بخلاف قرآن حکیم کے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں کروڑوں کی تعداد میں آپ کو اس کے حافظ ملیں گے، یہ سب کچھ نزولِ قلبی کا اثر ہے۔ اکثر علماء کرام حیات النبی کو اسی دلیل سے بھی ثابت کرتے ہیں جو مذکور ہوا۔ الحمد للہ

﴿لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ﴾ یہ قرآن صاف اور واضح عربی زبان لے کر آپ کے قلب (مبارک اطہر) پر نازل ہوا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ یہ مقدس صفت (اِنذار) سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بمنزلہ صفت لازمہ ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور بے مثل و بے مثال، بے چون و چگون ہے۔ بندوں کی ہدایت اور کائنات کی روشنی و شرف کے لئے عربی حروف کے لباس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا گیا۔ جبریل امین علیہ السلام نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اس کو سنا اسی طرح بعینہٖ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی امانت کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پر پہنچا دیا۔

لہٰذا یاد رکھا جائے کہ یہ قرآن کریم پورے جہاں نہیں بلکہ دونوں جہانوں کے لئے بمنزلہ روح ہے، اسی لئے اس کو قیامت آنے سے پہلے اپنے مرکز اور چشمہ صافی کی طرف اٹھایا جائے گا، پھر دخول جنت کے ساتھ وہ عرش معلیٰ پر چکر لگاتے ہوئے روشن رہے گا۔ جب جنتی جنت میں داخل ہونے کے لئے جنت کے پاس آئیں گے تو دخول جنت کا افتتاح حضرت داوٗد علیہ السلام کی خوش آواز لہجہ اور تلاوت قرآن کے ساتھ ہوگا، پھر یہی عربی زبان پوری جنت میں رائج ہو جائے گی، اور دیگر تمام دنیاوی زبانیں موت کی طرح فناء ہو جائیں گی۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ عرب کے نامور فصحاء اور قادر الکلام بلغاء نظم قرآنی کے اعجاز کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ قرآن ربّ العٰلمین کا نازل فرمودہ ہے، کسی بشر کا کلام نہیں، اور اگر باوجود اس واضح اور بلند ترین اعجاز کے کوئی کور باطن قرآن کی حقانیت اور کلام خداوندی ہونے کا انکار کرے گا تو آپ ایسے لوگوں سے کہہ دیجئے:

﴿وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ﴾ کہ بلاشبہ اس قرآن کی اور اس کے لانے والے کی خبر و تذکرہ پہلے لوگوں کی آسمانی کتابوں میں موجود ہے کہ یہ قرآن آخیر زمانہ میں سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوگا۔ نزول قرآن کریم سے قرنہا قرن پہلے انبیاء سابقین علیہم السلام کی کتابوں میں اس خبر کا مذکور ہونا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے، جبکہ اس کا لانے والا نہ لکھا ہے، نہ پڑھا ہے، اور نہ ہی کسی

صاحب علم سے کچھ سیکھا ہے۔ سیکھنا تو بعد کی بات ہے آپ ﷺ اپنی پاکیزہ چالیس سالہ زندگی کے ساتھ قبل از نبوت قوم کے سامنے رہے، اس عرصہ میں آپ ﷺ نے کسی کاہن، کسی شاعر، کسی ادیب اور کسی پڑھے لکھے آدمی کی محفل و صحبت میں کوئی نشست و برخاست نہیں رکھی، تو کیا یہ لوگ اس قرآن کی حقانیت اور صداقت کا انکار کرتے ہیں؟

﴿اَوَلَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ اٰیَةً اَنۡ یَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ کیا ان کے پاس اس کی صداقت اور حقانیت کی یہ نشانی موجود نہیں کہ علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر آخر زمان ﷺ ہیں، جن کی بشارت ہماری کتابوں میں موجود ہے؟ چنانچہ بہت سارے یہود اور نصاریٰ اس بناء پر مسلمان ہوئے کہ یہ وہی نبی آخر زمان ہیں جن کی خبر اور اوصاف توریت اور انجیل اور زبور میں اور دیگر آسمانی صحیفوں میں موجود ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ، اور بہت سے علماء یہود اور نصاریٰ اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر اپنی خصوصی مجلسوں میں اقرار کرتے رہتے تھے کہ یہ وہی نبی موعود ہے جن کی صفات ہو بہو بعینہٖ ہماری کتابوں میں ہیں، جیسے فرمایا: ﴿یَعۡرِفُوۡنَهٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ﴾ [البقرة: ١٤٦] (یہ لوگ آپ ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)۔

اور لطف یہ ہے کہ موجودہ توریت اور انجیل میں ہزاروں تحریفات کے باوجود آنحضرت سرور عالم ﷺ اور قرآن کریم دونوں کی بشارتیں موجود ہیں۔ اس سلسلے میں بہت مفید اور جامع کتابیں ہمارے علماء اکرام نے تالیف کی ہیں، ان کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا۔ آگے ارشاد ہے:

﴿وَلَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰی بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِیۡنَ ۝۱۹۸ فَقَرَاَهٗ عَلَیۡهِمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ مُؤۡمِنِیۡنَ﴾ بالفرض اگر ہم اس عربی قرآن کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی بولنے پر قادر نہ ہوتا، پھر ان کو پڑھ کر سناتا جس سے اس کا اعجاز اور ظاہر ہو جاتا تو یہ ہٹ دھرم اور عنادی لوگ تب بھی اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ مشرکین عرب یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اور اس نبی کی زبان بھی عربی ہے، ممکن ہے کہ اس نبی نے خود اس قرآن کو تصنیف کیا ہو، تو اللہ تعالیٰ سبحانہ نے جواب دیا کہ یہ لوگ ایسے ہٹ دھرم اور ضدی ہیں کہ اگر ہم اس عربی قران کو بجائے عربی پیغمبر کے کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی کا ایک حرف بولنے پر بھی قادر نہ ہوتا، اور وہ اس قرآن کو ان پر نہایت صحیح طریقہ سے پڑھتا، تو تب بھی عناد کی وجہ سے ایمان نہ لاتے، حالانکہ اس وقت اس میں دو اعجاز جمع ہو جاتے: ایک اعجاز تو خود قرآن کا، اور ایک اعجاز اس عجمی شخص کی قراءت کا، کیونکہ عجمی شخص پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس عجمی نے خود اس نظم

عربی کو بنالیا ہے اور تصنیف کیا ہے۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو بجائے عربی کے عجمی زبان میں پڑھ کر سناتے تو تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے، اور ایک تو یہ کہتے کہ ہم اس زبان کو نہیں سمجھتے، دوسرا یہ کہ یہ لوگ اتنے مغرور، متعصب اور سرکش ہیں کہ غیر عرب شخص ہو یا کوئی کتاب ہو یہ اس کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتے۔

یہ اس زمانے کے مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا۔ آج بھی عرب حضرات کا یہ حال ہے کہ مسلمانی کے باوجود وہ غیر عرب عجمیوں کو انسان تک نہیں سمجھتے، سوائے اشد مجبوری کے، موجودہ عرب کے نزدیک عجمیوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، یعنی جب کسی کو ایک بات نہ ماننی ہو تو ہزار حیلے بہانے نکال سکتا ہے۔ اسی کے متعلق سورہ حٰم سجدہ میں فرمایا: ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ [حم سجدة: ۴۴] (اور اگر ہم اس (قرآن) کو عجمی قرآن بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ: اس کی آیتیں کھول کھول کر کیوں نہیں بیان کی گئیں؟)۔ لہٰذا آپ ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی امید نہ رکھیں، اور دیکھ لیجئے:

﴿كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ ہم مجرموں کے دلوں میں (ان کے انکار کی وجہ سے) اس طرح تکذیب اور کفر اتار دیتے ہیں، یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ گزشتہ امتوں کی طرح دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

﴿فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ پھر وہ عذاب الیم دنیا ہی میں ان پر اچانک آجائے، اور ان کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہو۔ ﴿فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ﴾ پھر کہنے لگیں کہ کیا کچھ ہم مہلت دیئے جائیں گے؟ کہ اب ایمان لاسکیں، لیکن مہلت کا وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوگا، اب تو مصیبت سر پر آ پہنچی، جس کو یہ مجرمین اپنے منہ سے طلب کر رہے تھے، اور کہتے رہتے تھے کہ ہمارے نہ ماننے پر کیوں مصیبت نہیں آتی اور عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا؟ اس پر بطور تہدید اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

﴿اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب میں جلدی مچاتے ہیں؟ اور ہمارے نبی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، اور ہم سے بھی مطالبہ کرتے ہیں؟ ﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ [ص: ۱۶] (اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی جلدی دیدے)۔

اسی طرح: ﴿فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [الأنفال: ۳۲] (تو ہم پر

آسمان سے پتھروں کی بارش برسادے، یا ہم پر کوئی اور تکلیف دہ عذاب ڈال دے)۔ اسی طرح: ﴿فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ﴾ [الأعراف: ۷۰] (تو لے آؤ ہمارے سامنے وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دے رہے ہو)۔

پہلے بڑی جسارت کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے، اب جب عذاب آپہنچا تو مہلت مانگ رہے ہیں۔ یہ دونوں متضاد باتیں ہیں۔

﴿أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَٰهُمْ سِنِينَ﴾ آپ دیکھ لیں! اگر ہم اُن کو کئی سال تک فائدہ دیتے رہیں یہ جس طرح آج عیش وآرام میں پڑے ہوئے ہیں اسی طرح ہم ان کو مزید سالہا سال تک اس دنیا میں فائدہ پہنچاتے رہیں گے۔ ﴿ثُمَّ جَآءَهُم مَّا كَانُوا۟ يُوعَدُونَ﴾ پھر آجائے گی ان کے پاس وہ چیز جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، یعنی سالہا سال کے عیش وآرام کے بعد اگر ان پر عذاب آجائے۔ ﴿مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يُمَتَّعُونَ﴾ تو یہ مال و دولت اور جاہ واقتدار ان کو کچھ فائدہ نہیں دے گا، اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا، وہ ہر حال میں تباہ ہوجائیں گے۔

﴿وَمَآ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ﴾ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے ڈرانے والے ہوتے تھے۔ ﴿ذِكْرَىٰ ۛ وَمَا كُنَّا ظَٰلِمِينَ﴾ یہ نصیحت کی باتیں ہیں تا کہ لوگوں کو ہر نفع اور نقصان سے پوری طرح اتمام حجت کے لئے خبردار کیا جاسکے، اور ہم ظالم نہیں ہیں کہ اتمام حجت کے بغیر کسی کو ہلاک کریں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اسی بارے میں فرمایا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ [الإسراء: ۱۵] (ہم کسی قوم کو اس وقت تک سزا میں مبتلا نہیں کرتے جب تک کہ ان کی طرف رسول مبعوث نہیں کرتے)۔

﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ ٱلشَّيَٰطِينُ ۝٢١٠ وَمَا يَنۢبَغِى لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝٢١١﴾ گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ یہ قرآن مجید اللہ رب العلمین کا نازل فرمودہ ہے، جس کو جبریل امین علیہ السلام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اتارا ہے۔ اب آگے ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن حکیم جنات اور شیاطین کا القاء ہے، جیسے شیاطین کاہنوں پر القاء کرتے ہیں، یہ بھی اسی قسم کا کلام ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اس کو شیاطین لے کر نہیں اترے جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے، اور نہ شیاطین کے لئے یہ سزاوار ہے کہ وہ ایسی کتاب ہدایت کو لے کر آئیں، اور وہ اس پر قدرت بھی نہیں رکھتے، یہ کتاب تو سرچشمۂ ہدایت ہے، اور شیاطین سرچشمۂ ضلالت ہیں، یہ کتاب منبع سعادت

ہے، جبکہ شیاطین منبع شقاوت ہیں۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ مشرکین قریش کہتے تھے کہ ایک جن محمد (ﷺ) کا تابع ہے، وہ آپ ﷺ کو قرآن سنا دیتا ہے، اور آپ ﷺ اسی کو نقل فرما دیتے ہیں، ان لوگوں کی تردید میں فرمایا کہ اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں آئے، اور نہ ہی ان کو اس پر قدرت ہے، کیونکہ قران مجید سراسر ہدایت ہے، اور شیاطین کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں، اور توحید الٰہی سے بیگانہ کریں، اور آخرت کا انکار ان کے دلوں میں پیدا کریں، اور صراط مستقیم سے انہیں ہٹائیں، جبکہ قرآن مجید بڑے زور وشور سے ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے، تو کیا شیاطین اسلام اور دین الٰہی کے مبلغ بنے ہوئے ہیں؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ شیاطین اس پر قادر بھی نہیں ہیں، کیونکہ:

﴿اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾ تحقیق یہ شیاطین فرشتوں کے کلام سننے سے دور رکھے گئے ہیں، حظیرۃ القدس اور ملاء اعلیٰ تک ان کی رسائی نہیں، تو پھر وہ قرآن کو کس طرح سن سکتے ہیں؟ جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پہلے جنات آسمان پر جایا کرتے تھے، اور وہاں سے کوئی بات سن کر آتے تھے، تو ساحروں اور کاہنوں پر اترتے اور ان کو یہ القاء کرتے، وہ اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتے، جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ پر قرآن کریم کا نزول ہوا تو یہ سلسلہ بند ہو گیا، اور شیاطین پر آسمان تک جانے پر پابندی لگ گئی، اور آسمانوں پر پہرے لگا دیئے گئے، اور اگر شیاطین جانا چاہیں تو ان پر گولے برسائے جاتے ہیں، جیسے ارشاد ہے: ﴿وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا﴾ [الجن:۸] (اور یہ کہ: ہم نے آسمان کو ٹٹولنا چاہا تو ہم نے پایا کہ وہ بڑے سخت پہرے داروں اور شعلوں سے بھرا ہوا ہے)۔

اب ناکہ بندی اور پہرے کا یہ حال ہے کہ جو کوئی کچھ سننے کے لئے اوپر جائے گا تو شہاب ثاقب کے آتشیں گولوں کی زد میں آکر تباہ ہو جائے گا۔ پوری تفصیل سورۃ الحجر اور سورۃ الجن میں دیکھیں۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

ترجمہ: سو آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکاریے، ورنہ سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿٢١٣﴾ اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے ﴿٢١٤﴾ اور ان لوگوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آیئے جو اہل ایمان آپ کا اتباع کرنے والے ہیں ﴿٢١٥﴾ سو اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں بلاشبہ تمہارے اعمال سے بری ہوں ﴿٢١٦﴾ اور آپ عزّت والے رحم والے پر توکل کیجئے ﴿٢١٧﴾ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں ﴿٢١٨﴾ اور سجدہ کرنے والوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں ﴿٢١٩﴾ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿٢٢٠﴾

معارف ومنازل

الغرض قرآن حکیم نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے، وہ شیاطین کے ہر قسم کے القاء وتصرف سے محفوظ ہے، لہٰذا آپ ہر طرح مطمئن ہو کر توحید الٰہی کی تبلیغ کریں، اور سب کچھ اپنے پروردگار کے توکل پر چھوڑ دیں، اور کسی کی مخالفت سے نہ ڈریں۔ فرمایا:

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ پکاریں، مبادا کہ آپ عذاب پانے والوں میں سے ہو جائیں۔ یہاں خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں۔ اس طرح کی مثالیں قران مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بفرض محال اگر نبی بھی شرک کرنے لگے تو اس پر بھی عذاب آئے گا، تو دوسروں کی کیا حقیقت ہے۔ سورۂ انعام میں اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لے کر آخر میں فرمایا: ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام:٨٨] (بفرض محال اگر یہ حضرات شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی اکارت اور ضائع ہو جاتے۔

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ اے نبی! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمارے عذاب سے ڈرایئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خویش واقارب کو صفا پہاڑی پر جمع کر کے انہیں ایمان کی دعوت دی، اور آخرت کے عذاب سے انہیں ڈرایا، اسی موقع پر ازلی بدبخت ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بددعا دی، جس کے نتیجے میں سورۃ اللہب کا نزول ہوا، اور ابولہب بمع اپنی بیوی اُم جمیل کے ہلاک ہوا۔ آئندہ آیت میں اہل ایمان کی مدارات اور ان کے ساتھ تواضع کرنے کا حکم ہے:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ آپ اپنے بازو کو ان مسلمانوں کے لئے نیچے اور

پست رکھیے جو آپ کے پیرو بن چکے ہیں، اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کا پختہ عہد کر چکے ہیں۔

﴿فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ﴾ پس اگر آپ کی قوم والے آپ کی نافرمانی کریں، اور آپ کی دعوت کی مخالفت کریں، تو آپ کہہ دیجئے کہ میں بیزار اور بری ہوں اس کام سے جو تم کر رہے ہو، پھر ان کی شرارت سے پریشان بھی نہ ہوں، بلکہ: ﴿وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ۝ الَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ﴾ آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے، اعتماد رکھیے، جو غالب ہے اور مہربان ہے، اور آپ کا نگہبان ہے، جو آپ کو دیکھتا ہے، جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور نماز تہجد کے لئے اٹھتے ہیں، اور یہ بھی کہ آپ کی نشست و برخاست کو سجدہ کرنے والوں میں جب ان کے ساتھ نماز با جماعت کا اہتمام کرتے ہیں۔

اس سے نماز با جماعت کی فضیلت نکلتی ہے، اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں مقام و شرف کی طرف واضح اشارہ ہو رہا ہے، اور ساتھ ساتھ عمومی طور پر رکوع و سجدہ کی فضیلت پر بھی تنبیہ ہے۔ غرض یہ ہے کہ آپ ہر وقت اپنے پروردگار کی نگاہ میں ہیں، وہ ہر حال میں خصوصی نگاہ کے ساتھ آپ کو ملاحظہ فرما رہا ہے۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ﴾ بیشک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

فائدہ:

بعض سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم یہ کہتے ہیں کہ ساجدین سے مراد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد اور اُمہات مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے لے کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو ایک موحد و ساجد سے دوسرے موحد و ساجد کی طرف منتقل فرماتا رہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک نہ تھا۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر تو بہ نص قرآنی مشرک تھا، تو ان حضرات نے یہ جواب دیا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا، بلکہ چچا تھا، اور مجازاً چچا پر بھی باپ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا کہ آزر کے شرک کرنے سے پہلے نور نبوت منتقل ہو چکا تھا۔ اس مسئلہ پر تحقیق ان شاء اللہ آنے والی ہے۔

❀ ❀ ❀

هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ ؕ۝۲۲۱ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ۝۲۲۲ يُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَاَكۡثَرُهُمۡ كٰذِبُوۡنَ ؕ۝۲۲۳ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الۡغَاوٗنَ ؕ۝۲۲۴ اَلَمۡ تَرَ اَنَّهُمۡ فِىۡ كُلِّ وَادٍ يَّهِيۡمُوۡنَ ۝۲۲۵ وَاَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ مَا

لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

ترجمہ: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ ﴿۲۲۱﴾ وہ ہر جھوٹے بدکردار پر اترتے ہیں ﴿۲۲۲﴾ جو کان لگا کر سنتے ہیں، اور اکثر ان میں جھوٹ بولنے والے ہیں ﴿۲۲۳﴾ اور شاعروں کے پیچھے گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں ﴿۲۲۴﴾ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں؟ ﴿۲۲۵﴾ اور وہ لوگ وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ﴿۲۲۶﴾ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا، اور مظلوم ہونے کے بعد انہوں نے بدلہ لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا وہ عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی جگہ لوٹ کر جائیں گے ﴿۲۲۷﴾

معارف ومنازل

فرمایا: شیاطین کی دوستی اور محبت کاہنوں اور ساحروں کے ساتھ ہوتی ہے، جو ان جیسے ناپاک ہوتے ہیں۔ ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ﴾ [النور:۲۶] (ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں، اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں) کے مصداق۔ شیاطین کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ تعلق تو درکنار وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قریب آنے سے ڈرتے ہیں، اور ان کے سایہ سے بھاگ جاتے ہیں، جیسے لومڑی شیر کے سایہ سے ڈرتی ہے۔ اسی کو فرمایا کہ شیاطین بدکردار، خبیث، جھوٹے، اور مجرم لوگوں پر اترتے ہیں، اور چند بے بنیاد اور جھوٹی باتیں ان کو القاء کرتے ہیں، پھر وہ اپنی طرف سے اس میں سینکڑوں جھوٹ شامل کر کے عوام الناس جاہلوں میں پھیلا کر انہیں شکار کرتے ہیں، چنانچہ ان کا گروہ ان کے پیچھے لگ جاتا ہے، اور سب گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ﴾ کیا میں تم کو خبر دوں کہ کس قسم کے شخص پر شیاطین اترتے ہیں؟ سو سن لو! شیاطین ہر جھوٹے، بدکار، فریبی لوگوں پر اترتے ہیں، جیسے خبیث مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، مرزا قادیانی، اور دیگر مدعیانِ نبوت، یا مدعیانِ مہدویت۔

﴿يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ﴾ سنی ہوئی بات کاہنوں پر القاء کرتے ہیں، اور ان کے اکثر لوگ اور ان کی اکثر باتیں جھوٹ پر مبنی ہیں۔ کفار کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات اور شیاطین آتے ہیں، اور انہیں قرآن کی تعلیم دیتے ہیں۔ تو اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ جنات اور شیاطین تو بدکاروں پر اترتے ہیں، اور انہیں

برائیوں اور بدکاریوں اور شرک ونفاق کی تعلیم دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! تعجب کی بات ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ سارے سچوں اور متقیوں کے پیشوا وسردار ہیں، اور قرآن کریم خالص نیکیوں کا امر کرتا ہے، اور تمام برائیوں سے یک لخت منع کرتا ہے، تو قرآن اور صاحب قرآن شیاطین کے دشمن ہو گئے، اور شیاطین کی تعلیمات کا قرآنی تعلیمات کے ساتھ کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شیاطین توحید وایمان کے مسائل لے کر پیغمبر پر اتریں؟ یہ عقل ونقل کے خلاف ہے، اور یہ شیاطین پر بھی افتراء ہے، بلکہ ایک اعتبار سے ان کی توہین ہے کہ وہ بجائے برائیوں اور بدعملیوں کے نیکیوں اور ایمان اور توحید کی باتیں بتائیں، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یُلْقُوْنَ کی ضمیر اَفَاكِين کی طرف راجع ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جھوٹے اور بدکار لوگ شیاطین سے جو سنتے ہیں اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، جیسے شاعر لوگ بے سند خواہ مخواہ جھوٹ بولتے ہیں، اور جھوٹ بولنے میں اتنی مہارت رکھتے ہیں کہ تنکے کو شہتیر بناتے ہیں، اور لومڑی کو شیر بتاتے ہیں، آسمان وزمین کے قلابے ملا کر اکٹھا کرتے ہیں، قطرۂ آب کو دریا بنانا، اور ادنیٰ چیزوں کو آسمان تک اٹھانا، اور معمولی آدمیوں کو مبالغہ آرائی سے پہاڑوں سے وزنی ثابت کرنا، یہ جھوٹے شاعروں کے شب وروز کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔

پھر جتنے یہ بڑے مکار اور جھوٹے ہیں ان سے بڑھ کر وہ لوگ بھی بڑے غیر سنجیدہ جھوٹے ہیں جو ان کی بے بنیاد باتوں پر یقین کرتے اور ان کے ساتھ چلتے ہیں۔ اسی کو فرمایا:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ اور شاعروں کی پیروی کرتے ہیں وہ گمراہ لوگ جو نفسیاتی خیالات اور شیطانی خواہشات کے دلدادہ ہوتے ہیں، اور شعراء کی بے حقیقت باتوں پر ناچتے اور فخر کرتے ہیں، جبکہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی پیشین گوئیاں اور تعلیمات اور سارے فرمودات روز روشن سے زیادہ نورانی ہوتے ہیں، آج جو ارشاد فرماتے ہیں کل بعینہ اسی طرح واقع ہو جاتا ہے، اور پھر قیامت کے لئے فرمودات روز روز اسی طرح ظاہر ہوتے ہیں جس طرح روز اول اس کی وضاحت ہوئی، اور آپ ﷺ کے پیروکار فرشتہ صفات اعلیٰ درجے کے متقی اور ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ رضي الله عنهم

کفار قریش سید کائنات ﷺ کو کبھی کاہن کہتے، اور کبھی شاعر بتاتے، گزشتہ آیات میں کہانت کی تردید فرمائی، اب آئندہ آیات میں آپ ﷺ کے شاعر ہونے کی تردید فرمارہے ہیں کہ شعر وشاعری کسی بھی شکل میں ہو،

آپ ﷺ کی شان عالی سے بہت دور ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾ [یس:٦٩] (ہم نے نہیں سکھایا ان کو شعر کہنا، اور یہ ان کے منصب جلیل کے لائق نہیں، یہ تو خالص نصیحت ہے، اور صاف واضح قرآن ہے)۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ اور شاعروں کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ جو خیالی اور بیہودہ نفسانی خواہشات کے دلدادہ ہوتے ہیں، برخلاف سید الانبیاء ﷺ کے پیروکاروں اور آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والوں کے کہ وہ شکل وصورت میں اگرچہ انسان ہیں مگر صفات واعمال اور اخلاق کے لحاظ سے فرشتے، پاکباز، اور اعلیٰ درجے کے متقی پرہیزگار ہیں، اور صرف آخرت کے طلبگار ہیں، دنیا اور اس کی تمام نیرنگیوں سے بیزار ہیں، اور حق کے پرستار ہیں۔ پس اگر آنحضرت سرور عالم ﷺ شاعر ہوتے اور شاعروں کی طرح خیالی اور نفسانی باتیں کیا کرتے تو آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے کبھی فسق وفجور اور معاصی سے بیزار نہ ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے سے پہلے کفر کی حالت میں جب سورۃ الکوثر خانہ کعبہ کے دروازے کے اوپر لکھی ہوئی دیکھی تو برملا اقرار کر کے کہا: مَاهٰذَا قَوْلُ الْبَشَر۔ یہ کسی بشر کا کلام نہیں، یہ کلام شعر وشاعری سے بہت اونچا ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ شاعر لوگ خیالات کی وادیوں میں سرگرداں بھٹک رہے ہیں؟ ہر موضوع و ہر خیالی بات جب انہیں معلوم ہوتی ہے تو اس کی فرضی وادی میں خیالات کے گھوڑے دوڑا کر ٹھوکریں کھاتے ہیں، کبھی مدح، کبھی قدح، کبھی ذم، کبھی ہجو، کبھی عشق بازی، مصنوعی شراب وکباب، اور وہ تاریخی جھوٹ بولتے ہیں جسے سن کر سامعین پر غشی طاری ہوجاتی ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانا، چیونٹی کو ہاتھی اور ہاتھی کو مکھی بنانا ان کے روزمرہ کا پسندیدہ پیشہ ہے۔

الغرض دروغ گوئی اور مبالغہ میں یہ لوگ ابلیس سے چند قدم آگے ہیں، فحش و بے حیائی اور باطل وبیہودگی کی وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ اسی وجہ سے:

﴿وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ﴾ زبان سے جو بات کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ ایک سب سے بڑی منافقانہ خصلت یہی ہے کہ سبحان اللہ! نبوت اور نبی کی شان اتنی اونچی اور بلند ہے کہ جب تک عمل کی تیاری نہ ہو قول کی باری نہیں آتی، پس کتنے بے انصاف ہیں وہ لوگ جو نبی کو شاعر کہنے سے نہیں شرماتے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کے

پیٹ کا پیپ سے بھر کر خراب ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھرا جائے۔ [متفق علیه]

مقصد یہ ہے کہ دشمن جو بھی تہمت باندھے، حقیقت واضح ہے کہ دشمن کا پروپیگنڈہ بے بنیاد ہے، جس کا احساس خود اُسے بھی ہے کہ سرور عالم ﷺ نہ شاعر ہیں، نہ کاہن اور نہ ساحر ہیں، اور نہ مجنون و مسحور۔ آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق اور صداقت و نبوت پر درخت اور پتھر بھی گواہ ہیں، بلکہ کائنات کا ہر ذرہ بھی گواہ ہے۔

شان نزول:

جب یہ آیت: ﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس آیت کے عموم میں ہم بھی داخل ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴾ جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ گزشتہ آیت کے عموم سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے، پس جو شاعر ایمان و عمل کی دولت سے مالا مال ہیں، وہ ہر وادی خیال میں نہیں گھومتے، وہ قرآن و حدیث کے لعل و جواہرات کو اور کمالات قدرت ایزدی کو اور اسرار شریعت کو اور احکامِ الٰہی کو اُشعار کا لباس پہنا کر بیش قیمت، دلربا موتی اور جواہرات بکھیر دیتے ہیں، ان کے اُشعار و قصیدے صحیح معنوں میں علوم شریعت کے ترجمان ہوتے ہیں، وہ مختلف مضامین کو اور طویل ترین واقعات کو دلکش اور پر مغز اُشعار میں نہایت اختصار کے ساتھ تسبیح کے دانوں کی طرح بلاکم و بیش انداز میں ایسی خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ان کا ہر ہر شعر دلوں کو مسحور کر کے دل و دماغ کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے، اور سامعین کے قلبی و روحانی احوال کو روشن رکھتا ہے، اسی کا بیان ہے:

﴿وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا﴾ میں۔ ہاں! یہ شعراء اسلام اگر کسی کی ہجو کرتے ہیں تو وہ ذاتی عداوت اور بیراہ روی کی بنیاد پر نہیں ہوتی، بلکہ یہ دفاع کی بنیاد پر مبنی ہوتی ہے۔ فرمایا:

﴿وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ انہوں نے دشمنان اسلام سے بدلہ لے لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ یعنی کفار کے شعراء نے اللہ تعالیٰ اور اس کے عالی مقام پیغمبر ﷺ کی ہجو کی، اور اسلام اور قرآن اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا، ان مسلمان شعراء نے ترکی بہ ترکی ان کا جواب دیدیا۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ ظالم سے بدلہ لینا عقلاً و شرعاً

واخلاقاً جائز ہے، خصوصاً جبکہ وہ کافرومشرک ہو۔توسرورعالم ﷺ نے شعراءاسلام سے فرمایا کہ تم آیت کے عموم سے مستثنیٰ ہو، اورتم ذکرالٰہی اور خدمت اسلام انجام دینے پر ماجوراور قابل مبارکباد ہو، یہاں تک کہ آپ ﷺ مسجد میں منبررکھ کرتشریف رکھتے اورحسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کوحکم دیتے کہ مشرکین کی ہجوبیان کرو، حضرت جبرئیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں، وہ تجھے القاءفرمائیں گے۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ اورعنقریب یہ ظالم مشرکین، دشمنانِ اسلام جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹتے ہیں، اوران کا کیا ٹھکاناوانجام ہونے والا ہے۔تو یہ ظاہر ہے کہ ظالم کاانجام تباہی اور جہنم کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔

سُورَةُ النَّمْل

مکیۃٌ آیاتہا ۹۳ رکوعاتہا ۷

سورۂ نمل مکی ہے، اس میں ترانوے (۹۳) آیتیں، اور سات (۶) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ النمل ہے، جو اس سورت کی آیت نمبر ۱۸ میں موجود ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۲۷ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۴۸ نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی زندگی میں نازل ہوئی، گزشتہ سورۃ الشعراء اور اس سورت کا زمانۂ نزول قریب ہی ہے، دونوں سورتیں مکی دور کے وسط میں نازل ہوئیں۔ عربی زبان میں نمل چیونٹی کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں چیونٹی کا واقعہ مذکور ہے اس لئے اس کو سورۃ النمل کہتے ہیں۔ یہ چیونٹی حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ان کی نبوت کی دلیل ہے، اور اس سورت کا نزول سورۃ الشعراء کے بعد ہے۔

تعداد کلمات اور حروف:

اس سورت کی ترانوے ۹۳ آیتیں ہیں، اور یہ سات رکوع، ۱۱۴۹ کلمات، اور چار ہزار سات سو سڑسٹھ (۴۷۶۷) حروف پر مشتمل ہے۔

☆☆☆

ربط ومناسبت:

(۱)-گزشتہ سورت اوراس سورت میں چاروں بنیادی مضامین یعنی توحید، رسالت، قیامت اور سزا وجزا کا یکساں بیان ہے۔

(۲)-دونوں سورتوں میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا بیان ہے۔

(۳)-سابقہ سورت میں عصاو ید بیضاء کا بیان تھا، اوراس سورت میں ہُد ہُد اور چیونٹی کا بیان ہے، یہ چاروں کا شمار دلائل نبوت میں سے ہے۔

مختصر موضوع:

اس سورت میں توحید رسالت، صداقت قرآن، علاماتِ نبوت، قیامت، مجازات اعمال، تذکیراتِ ثلاثہ، علم الاسرار اور پانچ انبیاء یعنی موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔اسی طرح علامات قیامت کے ساتھ علم وحکمت کا بھی بیان ہے، اور نیک اعمال کے اچھے نتائج اور برے اعمال کے برے نتائج کا بیان ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓ۟ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًی وَّبُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ
الصَّلٰوةَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ زَیَّنَّا
لَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فَهُمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ لَهُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ هُمُ
الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِیۡمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۶﴾

ترجمہ: طٰس یہ آیات ہیں قرآن کی، اور واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی ۞ اور ہدایت وروشنی (بشارت) ہے اہل ایمان کے لئے ۞ جونماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۞ بلاشبہ جولوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا، سو یہ لوگ بھٹکتے پھرتے ہیں ۞ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے، اور یہ لوگ آخرت میں بہت زیادہ خسارے میں ہوں گے ۞ اور بالیقین آپ کو

حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن دیا جارہا ہے۞

معارف ومنازل

یہاں سے سورۃ النمل شروع ہورہی ہے، اس کی ابتداء صداقت وحقانیت قرآن سے ہورہی ہے، فرمایا:

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ﴾ یہ آیات قرآن کی ہیں، اور حلال وحرام نیز جائز وناجائز احکام کو واضح کرنے والی کتاب کی ہیں۔

﴿هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یہ مجسم ہدایت بھی ہے، اور مؤمنوں کے لئے خاص طور پر بشارت بھی ہے، اس کی ہدایت سب کے لئے ہے، اور بشارت صرف ماننے والوں کے لئے، وہ یہ لوگ ہیں:

﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، قیام صلوٰۃ کے معنی ہیں: اس کو تمام شرائط وآداب کی نگرانی میں ادا کرنا۔ دوسری یہ ہی کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اس میں تمام مالی عبادات داخل ہیں، جس طرح صلوٰۃ میں ہر قسم کی بدنی طاعات داخل ہیں۔ تیسری صفت اعمالِ بدنیہ ومالیہ کے بعد عقائد سے متعلق ہے، وہ یہ:

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ اور وہ آخرت پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں، یہاں تک مؤمنوں کے اوصاف اختصار کے ساتھ بیان ہوئے، آئندہ کفار کے برے اعمال وعقائد کا بیان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں سجا دیا ہے، یعنی خوبصورت بنایا ہے، پس وہ اپنے نفسِ امارہ اور شیطان کی تسلیط سے برے اعمال کو پسند کرنے لگے ہیں، اور انہیں خوبصورت سمجھتے ہیں، اور ایمان واعمالِ حسنہ سے نفرت کرتے ہیں، اس طرح گمراہی اور شرک میں حواس باختہ ہوکر سرگرداں بھٹکے ہوئے پھر رہے ہیں، جو حق وباطل کی تمیز سے بے بہرہ ہیں۔

ایمان میں اللہ تعالیٰ نے شرح صدر اور نور ہدایت ودیعت فرمایا، اس کی روشنی میں چلنے والا مؤمن کبھی سرگرداں نہیں ہوتا، جیسے دن کی روشنی میں چلنے والا مسافر۔ بخلاف کفر کے کہ اس کی تاریکی میں چلنے والے کافر کو نہ شرح صدر حاصل ہے، اور نہ ہی روشنی، اس کی مثال رات کی تاریکی میں چلنے والے مسافر کی ہے، جو بھٹکتا رہتا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے، یعنی سخت عذاب

ہے، یہ عذاب دنیوی اور اخروی ہے، دونوں طرح کے عذاب کو شامل ہے۔ کفار مکہ کو مقام بدر میں قتل وقید والا عذاب ملا، اور آخرت کا عذاب ویسے ہی ان کے لئے مقرر ہے۔

﴿وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ﴾ اور یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں۔ اَخْسَرُوْنَ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جو زیادتی پر دلالت کرتا ہے، سوچنے کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ رحیم وکریم جل شانہ نے مشرکین کو عزت بخشی، ان کے اندر انہی میں سے اپنا رسول پیدا کیا، اور رسول بھی ایسا جوان کو ہر قسم کے گناہوں سے پاک وصاف کرے، اور انہیں دنیا وآخرت کی کامیابیوں کے راستے پر ڈال کر جنت الفردوس کا وارث بنا دے، مگر ان نالائقوں اور نا عاقبت اندیشوں نے اس عظیم الشان نعمت کی قدر نہیں کی، اور جنت کے عوض جہنم کا عذاب خریدا، تو ان سے زیادہ خسارہ اٹھانے والا کون ہوگا؟

چون بشانش نگاہ موسیٰ کرد☆ شدن از امتش تمنا کرد

﴿وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴾ اور آپ کو بالیقین ایک حکمت والے علم والے کی طرف سے یہ قرآن دیا جا رہا ہے۔ ﴿حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ﴾ میں تنوین تعظیم کے لئے ہے، دونوں عظیم الشان صفات حق تعالیٰ شانہ کی ہیں، علم حکمت کے اندر داخل ہے، کیونکہ علم عام مفہوم پر دلالت کرتا ہے، اور حکمت کا لفظ علم کے استحکام پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا دونوں اوصاف کو ظاہر کرنے کے لئے حکیم کے ساتھ علیم بھی فرما دیا۔ پھر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ علوم تو حکمت ہوتے ہیں، جیسے علم العقائد، علم شریعت وغیرہ، اور بعض علوم حکمت نہیں ہوتے، جیسے قصص، اور آئندہ چیزوں کا بیان، گویا لفظ علیم سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس قرآن حکیم میں گزشتہ واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس سے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تفصیل ہے۔ [مظهري] فرمایا:

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ
تَصْطَلُوْنَ ۞ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞
يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ
يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۞ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ
فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى

فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾
وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ بلاشبہ مجھے آگ نظر آئی ہے، میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں، یا تمہارے پاس آگ کا ایک شعلہ کسی لکڑی میں جلتا ہوا لاتا ہوں تا کہ تم تاپ لو ﴿۷﴾ سو جب وہ وہاں آئے تو آواز دی گئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے، اور وہ بھی مبارک ہیں جو اس کے اردگرد ہیں، اور اللہ تعالیٰ پاک ہے جو ربّ العٰلمین ہے ﴿۸﴾ اے موسیٰ! بیشک بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں، عزیز ہوں، حکیم ہوں ﴿۹﴾ اور تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو، سو جب اس لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ ہو، تو وہ پیٹھ پھیر کر لوٹے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ! تم نہ ڈرو، بلاشبہ میرے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرتے ﴿۱۰﴾ مگر جس نے ظلم کیا، پھر اس نے گناہ کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا، تو میں مغفرت کرنے والا ہوں، رحمت والا ہوں ﴿۱۱﴾ اور اے موسیٰ! تم اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کر دو، بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا، یہ دونوں چیزیں ان نو معجزات میں سے ہیں جنہیں لے کر تمہیں فرعون کی طرف جانا ہے، اور اس کی قوم کے پاس، بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں ﴿۱۲﴾ سو جب ان کے پاس ہمارے معجزات پہنچے جو واضح تھے تو کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے ﴿۱۳﴾ اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی راہ سے ان کا انکار کیا، حالانکہ ان کے نفسوں نے یقین کر لیا تھا، سو دیکھو! فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ﴿۱۴﴾

معارف ومنازل

سورۂ طٰہٰ کے پہلے اور دوسرے رکوع میں، اور سورۂ شعراء کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا، دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں، اور یہاں بھی اسی نہج پر، اور آئندہ سورۂ قصص میں بھی اسی نہج پر آنے والا ہے۔ تو فرمایا:

﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت ہو کر مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت وہ اپنی زوجہ محترمہ صفورا بنت شعیب اور ایک خادم اور چند بکریاں لے کر مصر کی طرف جا رہے تھے، انہیں تاپنے کے لئے آگ کی اشد ضرورت تھی، موسم گرد آلود بادلوں کے ساتھ غبار اڑ رہا تھا، وہ چقماق کے ذریعہ ہر چند آگ پیدا کرنے کی کوشش کی مگر موسم کی تری اور نمی کی وجہ سے کامیاب

نہ ہو سکے، اس اثنا میں طور کے پہاڑ کے داہنے طرف انہیں دور ایک آگ نظر آئی تو اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے طور کی طرف آگ نظر آ رہی ہے، تم یہاں ٹھہرو میں وہاں جاتا ہوں۔

﴿سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ وہاں سے یا تو راستے کی کوئی خبر لے کر آؤں گا، یا تمہارے لئے آگ کا شعلہ لے کر آؤں گا، تا کہ تم اس سے تاپو (گرمی حاصل کرو) چنانچہ وہ وہاں سے روانہ ہوئے اور وہاں پہنچے۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو من جانب اللہ ان کو ندا کی گئی، خبردار کرنے کے لئے آواز آئی کہ برکت دی گئی یعنی متبرک ہے وہ شخص جو آگ کے مقام پر ہے۔

اور سورۂ قصص میں ہے: ﴿فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ [القصص: ۳۰] (برکت والے علاقے میں ایک درخت سے)۔ اور متبرک ہے وہ جو آگ کے اردگرد میں آگ کے پاس ہے، یعنی جو فرشتے اس وقت آگ کے قریب موجود ہیں اردگرد میں مقام مبارک کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں وہ بھی مبارک ہیں۔

مفسرین کرام کے یہاں متعدد اقوال ہیں: پہلا قول ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں، اور ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ سے فرشتے مراد ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں سے فرشتے مراد ہیں۔ تیسرا قول پہلے قول کے مخالف برعکس ہے۔ حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر اور حسن بصری رضی اللہ عنہم سے چوتھا قول منقول ہے کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ رب العلمین جل شانہ مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی قدرت کاملہ کا جلوہ اور پرتو مراد ہے۔ اور ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ درحقیقت آگ نہ تھی، بلکہ وہ ایک درخشندہ نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور اس روایت کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ (یعنی نور) میں جلوہ فرما ہے، اور جس کا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے، یہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آ جاتا ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان سما گیا۔

غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی، وہ کوئی دنیوی آگ نہ تھی، بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا، اور یہ ظاہری آگ نور الٰہی کا ایک حجاب یا ایک پردہ یا آئینہ تھی، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: حِجَابُهُ النَّارُ۔ اور ایک حدیث میں یہ ہے: حِجَابُهُ النُّوْرُ۔ [مسلم]

تو ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی، اور نہ آئینہ اس کا عین ہوتا ہے، بلکہ آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے، اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل ظاہر کا ایک جلوہ ہوتا ہے، اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ سے اللہ تعالیٰ سبحانہ مراد ہے تو ممکن تھا کہ کسی ناداں کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کسی مکان یا کسی چیز میں سمایا ہوا ہے، تو آئندہ آیت:

﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ میں اس کی تقدیس اور تنزیہ پر متنبہ فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مکان سے، جہت سے، سمت سے اور کسی محل میں حلول ونزول کرنے سے اور مخلوقات کی مشابہت وغیرہ سے پاک اور منزہ ہے، اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اس کی ذات کے نور کی تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی، جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہوسکتا ہے، مگر اس میں سما نہیں سکتا۔

اس جملہ سے اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ کوئی اس آگ کو اللہ تعالیٰ کا مکان نہ سمجھے، بلکہ اس کی تجلی کا ایک آئینہ سمجھے جس میں اس کا نور ظاہر ہو رہا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ندا سنی تو کہا کہ یہ ندا کرنے والا کون ہے؟ تو پھر یہ ندا آئی:

﴿یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اے موسیٰ! تحقیق یہ ندا کرنے والا اور تجھ سے کلام اور خطاب کرنے والا میں ہی ہوں "اللہ" جو تیرا پروردگار ہوں، زبردست حکمتوں والا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آواز بے کیف تھی جو ہر طرف سے سنائی دیتی تھی، اور موسیٰ علیہ السلام اسے ہر جہت سے سنتے تھے، پھر حکم ہوا:

﴿وَاَلْقِ عَصَاكَ﴾ اپنی لاٹھی کو نیچے زمین پر پھینک دیں، تعمیل حکم کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینک دی۔ ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ پھر جب آپ علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھا تو گویا کہ وہ سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا۔ قرآن کریم نے کبھی فرمایا: ﴿فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ﴾ [الأعراف:۱۰۷] (اچانک وہ ایک صاف صاف اژدہا بن گیا)۔ اور یہاں فرمایا: ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾۔ ان الفاظ میں کوئی تعارض نہیں حَیَّۃ ہر چھوٹے بڑے سانپ کو کہتے ہیں، اور ثُعْبَان بڑے اژدھا کا نام ہے، جو فرعون کے سامنے ظاہر ہوا، وہ اپنے جسم کے اعتبار سے اژدھا تھا، اور تیز رفتاری میں جَآنّ تھا۔ جَآنّ پتلے اور لمبے سانپ کو کہتے ہیں، لہٰذا تعارض کوئی نہیں۔ آگے فرمایا:

﴿وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ﴾ موسیٰ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر بھاگے، اور پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا، اس پر ارشاد ہوا: ﴿یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ اے موسیٰ! خوفزدہ نہ ہوں، ڈرو مت، کیونکہ میرے

پاک رُسل میرے پاس خوف نہیں کھاتے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول مقام قرب میں ہوتے ہیں، اور ان پر انس ہوتا ہے، کوئی وحشت نہیں ہوتی، وہ ڈرتے نہیں۔

﴿اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ﴾ مگر جس سے کوئی لغزش ہوگئی ہو، پھر اس نے اس کو اچھائی میں بدل لیا ہو برائی کے بعد۔ ﴿فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ تو میں اس کو معاف کرنے والا اور مہربان ہوں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک ﴿اِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ استثناء منقطع ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ کر خوف واندیشہ صرف اس کو ہونا چاہئے جو کوئی زیادتی یا خطاو تقصیر کر کے آیا ہو، اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کرنے کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور گناہوں کے بعد نیکیاں کر چھوڑے جس سے برائیوں کا اثر مٹ گیا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمادیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ [هود: ۱۱۴] (بیشک نیکیاں گناہوں کو مٹادیتی ہیں)۔

اور فرمایا: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا﴾ [الزمر: ۵۳] (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، بیشک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے)۔ اس میں کوئی حد نہیں، اور اس کی رحمتوں کی وسعت پوری کائنات پر حاوی ہے۔ پھر فرمایا:

﴿وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ﴾ اور تو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، اور پھر اس کو نکال، تو وہ بلا کسی عیب اور بلا کسی مرض کے یعنی کسی برص کی وجہ سے نہیں نہایت روشن اور سفید چمکدار ہو کر نکلے گا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے ڈال کر جب نکالا تو وہ سورج اور چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلا، جس کی روشنی اور چمک نے دیکھنے والوں کو حیران کر دیا، اور تمام حاضرین کی آنکھوں کو جذب کرنے لگا، اور خوب لہلہاتا رہا۔

آفتاب کی روشنی اگرچہ تیز ہے مگر گرم ہے، آنکھوں کو چندھیانے والی ہے، اور اتنی دلچسپ نہیں، اور چاند کی روشنی اگرچہ تیز ناگوار نہیں مگر اس میں ملاحت اور دلکشی نہیں، پھر لوگ اس کے دیکھنے کے عادی اور خوگر ہیں، جبکہ یہ معجزہ نہایت خوشگوار اور دلکش وتعجب خیز ہوتا تھا کہ ہاتھ سے اتنی روشنی کا پیدا ہونا سب کے لئے مسحور کن ہوتا تھا۔

پہلا معجزہ عصا کا اور دوسرا معجزہ ہاتھ کی روشنی کا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت وصداقت کے لئے وہ بڑے عظیم دلائل تھے، جن کا انکار کسی منصف مزاج انسان کے لئے ممکن نہ تھا، ان کے ساتھ فرمایا: ﴿فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ

﴿وَ قَوْمِهٖ﴾ اے موسیٰ! ہم نے ان دونوں نشانیوں کو من جملہ نو نشانیوں کے تم کو عطا کی ہیں، ان کو لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس چلے جاؤ، آپ اور آپ کے بھائی یہ معجزات درحقیقت تمہاری صداقت و نبوت کی واضح دلیل ہیں، کیونکہ ان کا جواب کسی انسان کے پاس نہیں، اور یہ اس لئے کہ:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ﴾ بلا شبہ وہ بڑے ہی فاسق و بدکار لوگ ہیں، اور حد سے نکل گئے تھے۔

﴿تِسْعِ اٰیٰتٍ﴾ نو نشانیوں کا بیان سورۂ اعراف اور سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ دو نشانیاں تو یہ ہوئیں: عصا اور ید بیضا، تیسری انفلاق البحر دریا کا پھٹ جانا، اور بارہ (۱۲) راستے بن جانا، چوتھی طوفان، پانچویں جراد یعنی ٹڈی، چھٹی قمل یعنی چچڑیاں (جوئیں)، ساتویں ضفادع یعنی مینڈک، آٹھویں دم یعنی خون، نویں قحط سالی اور نقصان اثمار وغیرہ۔

﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ پس جب اس قوم کے پاس ہماری نشانیاں آ گئیں جن سے بند آنکھیں کھل جائیں تو کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے۔ یہ ایک معجزہ کے بارے میں نہیں بلکہ انہوں نے تمام نشانیوں اور معجزات کو کھلا جادو قرار دیا، اور موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہنے لگے، جیسے فرمایا: ﴿قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَىِٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ [الأعراف: ۱۳۴] (وہ کہنے لگے: اے موسیٰ! تمہارے پاس اللہ کا جو عہد ہے، اس کا واسطہ دے کر ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو، اور اگر واقعی تم نے ہم پر سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم تمہاری مان لیں گے، اور بنی اسرائیل کو ضرور تمہارے ساتھ بھیج دیں گے)۔ فرمایا:

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۔ فَانْظُرْ﴾ اور لوگوں نے ازراہِ ظلم و تکبر زبان سے ان معجزات کا انکار کیا، لیکن ان کے دلوں نے اس بات کا یقین کر لیا کہ یہ نشانیاں برحق اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، یہ جادو نہیں ہیں۔ دراصل جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے اور معجزات اور دیگر خوارق عادات نشانیوں سے نوازے گئے مگر بدقسمت لوگوں نے ان کی تکذیب کی، اور انہیں تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں، یہ سارے لوگ اپنے دلوں میں ان تمام چیزوں کو برحق جانتے تھے، مگر بدقسمتی اور عناد کی وجہ سے حق کا انکار کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ ہوں یا صابی و مجوس، یا مشرکین قریش ان سب کا یہی حال اور طریقہ رہا کہ جاننے کے باوجود منکر ہوئے، جب نبی کسی قوم کے پاس آتا ہے تو اس کا چہرۂ انور خود اس کی نبوت پر گواہ ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے پہچان لیا اور کلمہ پڑھا اور کہنے لگے: یہ جھوٹا چہرہ نہیں، صدق و دیانت کا سرچشمہ ہے۔ یہی حال فرعون اور اس کی قوم کا رہا جو سب کچھ جانتے ہوئے منکر ہو گئے۔

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ پس دیکھ لیں کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا کہ پوری فوج وحشم اور ملک کے تمام سرکردہ سرداروں کے ساتھ بلکہ پوری بالغ آبادی کے ساتھ بحر قلزم کی بے رحم موجوں کی نذر ہو گئے، جس طرح انہوں نے بیگناہ بنی اسرائیلیوں کو تڑپایا، اسی طرح جیسے کرو ویسے بھرو کے بمصداق تڑپ تڑپ کر غرق ہو گئے، اور ان کی ساری سرکشی خاک میں مل گئی، اور جس فرعون نے پوری قوم کو باور کرایا تھا اور کہا تھا: ﴿يَاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ [القصص: ۳۸] (اے سردارو! میں تمہارے لیے اپنے سوا کسی معبود کو نہیں جانتا) آج وہ چیخ چیخ کر منتیں کر رہا ہے، اور جبریل امین علیہ السلام دریا کے کیچڑوں سے اس کا منہ بھر رہے ہیں۔ خوب عبرت سیکھو!

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾
وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا
لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى
اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ
وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا، اور ان دونوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہمیں اپنے مؤمن بندوں میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے ﴿۱۵﴾ اور سلیمان، داؤد کے وارث ہوئے، کہا: اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے، اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے، بلاشبہ یہ کھلا ہوا فضل ہے ﴿۱۶﴾ اور سلیمان کے لئے ان کے لشکر جمع کئے گئے جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے اور پرندوں میں سے تھے، پھر انہیں روکا جاتا تھا ﴿۱۷﴾ یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے رہنے کی

جگہوں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ سلیمان اوران کالشکر تمہیں کچل کے رکھ دیں، اورانہیں خبر بھی نہ ہو ⑱ سو وہ چیونٹی کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے، اورعرض کیا کہ اے میرے ربّ! آپ مجھے اسی پر رکھئے کہ میں آپ کی نعمت کا شکرادا کرتا رہوں جوآپ نے مجھے اورمیرے والدین کوعطا فرمائی، اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جس سے آپ راضی ہوں، اورآپ مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل رکھئے ⑲

معارف ومنازل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے بعدان آیات میں بنی اسرائیل کے جلیل القدرپیغمبراورصاحب خلافت وسلطنت حضرت داؤد علیہ السلام اورحضرت سلیمان علیہ السلام کے علم وفضل اورجن وانس اوردیگر بہت سی مخلوقات پران کی حکمرانی کا تذکرہ وبیان ہورہاہے۔اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ باپ بیٹے دونوں کوعلوم نبوت کے علاوہ دیگر بہت سے علوم عطا فرمائے۔حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب پر فائز تھے، اورحضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت وسلطنت مثالی تھی، تمام روئے زمین پرآپ علیہ السلام کا اقتدار اورآپ علیہ السلام کی بادشاہت قائم تھی، تمام شیاطین اور بڑے بڑے عفریت آپ علیہ السلام کے تابع اورزیرکمان تھے، اس کے ساتھ وہ پرندوں اوردیگر جانوروں کی بولیوں پر دسترس رکھتے تھے، اوران کی زبانوں پرانہیں عبور حاصل تھا، فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا﴾ اورالبتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام اورسلیمان علیہ السلام کوایک خاص علم عطا کیا جوقانون شریعت اورقانون حکومت دونوں کا جامع تھا، اوردین وحکمت اورقضاء وسیاست دونوں پر مشتمل تھا۔ اصلی علم نبوت اورشریعت کا تھا، اورحکومت وسیاست اس کی خادم تھی۔

﴿وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اورداؤد علیہ السلام اورسلیمان علیہ السلام نے اس نعمت عظمیٰ کے شکر میں یہ کہا: شکر ہے اس خدائے برتر کا جس نے ہم کواپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی کہ نبوت ورسالت کے ساتھ عظیم الشان بے مثال سلطنت وبادشاہت بھی عطا کی، اورجنات اور شیاطین کوہمارا مطیع وفرمانبردار بنایا، اورہوا کواورپرندوں کوہمارے لئے مسخر کردیا، اورمزید برآں یہ کہ ہم کوان نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائی جوخودایک مستقل نعمت ہے۔

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ اورداؤد علیہ السلام کی وفات کے بعدان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام اپنے والدداؤد

علیہ السلام کے وارث ہوئے یعنی ان کے قائم مقام ہوئے۔

انبیاء علیہم السلام میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ یہاں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام نہ وارث ہوتے ہیں نہ مورث۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے: اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلٰكِنْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔ یعنی علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام میں مال کی وراثت نہیں ہوتی، صرف علم اور نبوت کی وراثت ہوتی ہے کہ ایک پیغمبر کا وارث یا قائم مقام دوسرا پیغمبر ہوگا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے، اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ [روح المعاني بحواله كليني]

اور عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہوسکتی، کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ علیہ السلام کی اولاد کے متعلق مورخین کا متفقہ اجماعی فیصلہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے انیس ۱۹ بیٹے تھے، اور سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے، اگر وراثتِ مال مراد ہوتو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے، پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ یہی تو اس بات کی دلیل ہے کہ میراث اور وراثت مالی میں سب برابر کے شریک ہوں گے، اور وراثتِ علمی اور وراثت نبوت میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ کوئی بھائی شریک نہیں، وہ صرف اکیلے اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث وقائم مقام بنے۔

اور یہ جملہ ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدح اور تعریف کے لئے لایا گیا ہے، پس اگر اس میں مال ودولت کی وراثت مراد لی جائے تو پھر اس جملہ کا مقام مدح اور تعریف میں ذکر کرنا بالکل فضول ہے، کیونکہ مال کی وراثت کے لئے کوئی قابلیت شرط نہیں، اور نہ کسی تخصیص کا فائدہ ہوگا، حالانکہ یہاں تخصیص صرف اسی مقصد کے لئے ہے، اور مال کی وراثت سب بیٹوں کے لئے برابر ہے جس کا یہاں تذکرہ نہیں، تو معلوم ہوا کہ آیت میں مال کی وراثت ہرگز مراد نہیں جیسا کہ شیعوں کا گمان ہے، بلکہ علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے۔

کسی باپ کے مرنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ ہر بیٹا باپ کے علم وحکمت کا بھی وارث بنے، شیعہ لوگ لفظ وراثت کو مال کی وراثت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں، سو یہ انتہائی غلط ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَكُنَّا نَحْنُ

الْوٰرِثِیْنَ﴾ [القصص: ۵۸] (ہم ان کے وارث ہوئے) تو کیا شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ بھی کسی کے مال ودولت اور سرمایہ کے وارث بنتے ہیں؟

﴿وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد ثنا کی اور بطورِ تحدیث نعمت کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے، یہ گرانقدر عطیہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ ہم کو عطا کیا ہوا ہے کہ مختلف پرندے آپس میں جو بولتے ہیں، یا کیڑے مکوڑے چیونٹی وغیرہ ہمیں سب کچھ معلوم ہوتا ہے، اور علاوہ ازیں:

﴿وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ﴾ ہم کو ہر قسم کی نعمت سے ایک خاص حصہ دیا گیا ہے، یعنی مجھ کو اور میرے والد داؤد علیہ السلام کو دُنیا اور آخرت کی نعمتوں میں سے ہر ضرورت کی چیز دی گئی، یعنی علم اور نبوت اور حکمت مال ودولت اور تسخیر ہوا، اور تسخیر جن وانس، تسخیر حیوانات وجنگلی مخلوقات اور ہر قسم کے چرند وپرند کی تسخیر اور نظامِ حکومت وسلطنت چلانے کے لئے وہ تمام اصلی اور ضروری چیزیں جن پر یہ عظیم الشان بڑا مادی اور روحانی نظام موقوف ہے، بیشک یہ کھلا ہوا فضلِ الٰہی ہے جس میں بندے کے کسب وہنر اور اختیار کو ذرہ برابر دخل نہیں، اور سراسر اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہے۔

پرندوں کی بولی سمجھنا اور ان کی بولی پر عبور حاصل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا خاص انعام ہے، اور عقلاً ونقلاً ممکن ہے، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا سراسر جہالت اور بے دینی ہے، پس قادر مطلق سبحانہ وتعالیٰ اگر اس علم کا کوئی حصہ اپنے برگزیدہ بندوں پیغمبروں کو عطا فرمائے تو کوئی تعجب اور محال نہیں۔ حیوانات کا تکلم اور پرندوں کا بولنا اور جمادات کی تسبیح وتحمید اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شجر وحجر اور ضب (سوسمار) کا سلام کرنا اور حکم ماننا اور کلمہ پڑھنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، اور سلیمان علیہ السلام کی پرندوں کی بولی سمجھنے کی مزید تفصیل سورۂ سبا وغیرہ میں آنے والی ہے۔ اِن شاءاللہ

چیونٹیوں کا حیرت انگیز واقعہ:

﴿وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ﴾ اور سلیمان علیہ السلام کے لئے (اس کے حکم کے تحت) مختلف قسم کے لشکر جمع کئے گئے، از قسم جن اور از قسم انسان اور از قسم پرند، اور پھر روانگی سے قبل ﴿فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ﴾ وہ ٹھہرائے جاتے تھے، ان کو روکا جاتا تھا تاکہ پیچھے آنے والے بھی آکر شامل ہو جائیں، اور کوئی رہ نہ جائے، اور سب باقاعدہ جمع ہو کر اکٹھے روانہ ہوں۔ دنیا میں اس قسم کی سلطنت نہ کسی نے دیکھی ہے اور نہ آئندہ

دیکھے گا۔ پوری تفصیل سورۂ ص میں ہے۔

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس پورے لشکر کے ساتھ جب روانہ ہوئے: ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان پر پہنچے تو ایک بڑی چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے یہ کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں یعنی بلوں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تم کو کچل دے، اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ اس چیونٹی کو یقین تھا کہ پیغمبر اور اس کے لشکر والے ساتھی جان بوجھ کر کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کر سکتے۔

یہ چیونٹی رافضی شیعوں سے زیادہ عقلمند اور باانصاف تھی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے بدگمان ہیں، اور ان کا ناپاک عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پر جان بوجھ کر ظلم کیا۔ معلوم ہوا کہ حیوانات کو بھی اس کا علم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے دیدہ دانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کے ذریعہ دور سے اس چیونٹی کی آواز کو سن کر سمجھ گئے۔

﴿فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ﴾ پس سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی اس بات سے مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے، اور خوش ہوئے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اعتماد اور اطمینان ہے کہ میں اور میرے ساتھی ان پر ظلم نہیں کریں گے، پس اس نعمت اور دیگر بے شمار نعمتوں پر شکر کرتے ہوئے دعاء والتجاء میں مصروف ہو گئے کہ اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا، اور میرے والدین پر کیا میں برابر ان کا شکر ادا کرتا رہوں، اور اس بات پر بھی مجھے توفیق عطا فرما:

﴿وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ کہ ایسے نیک کام کرتا رہوں جس سے آپ عزوجل تعالیٰ راضی ہوں، اور مجھ کو اپنی رحمت اور عنایت سے اپنے خاص نیک بندوں کے زمرے میں داخل فرما، سب سے بڑی اور اہم چیز آپ عزوجل تعالیٰ کی رضاء ہے جس کے بغیر سب ہیچ ہے، تیری بارگاہ سے جو الطاف و عنایات عباد صالحین پر مبذول ہوئے ہیں مجھ کو بھی ان میں شریک فرما، نیک بندوں سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، جن میں شمولیت کی دعاء حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی کی، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، اس کے متعلق سورۃ الفجر کی تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

☆☆☆

فائدہ:

گزشتہ آیات میں ﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ کا لفظ آیا ہے، اور اس آیت میں ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي﴾ آیا ہے، دونوں کا اصل مادہ ایک ہے، اور دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ پاک! مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے، اور تیرا شکر میرے پاس رکا رہے، اور میں اس کو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ [کشاف]

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا
أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَ
جِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ
عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَٰوَٰتِ
وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اور سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو کہا: کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ کیا وہ کہیں غائب ہے؟ ﴿٢٠﴾ میں اسے ضرور ضرور سخت سزا دوں گا، یا ضرور ضرور اسے ذبح کر دوں گا، یا یہ بات ہو کہ وہ میرے سامنے کوئی صریح دلیل لے کر آئے ﴿٢١﴾ پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہدہد نے کہا کہ میں ایسی چیز کی خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں، اور آپ کے پاس ملک سبا کی ایک یقینی خبر لایا ہوں ﴿٢٢﴾ بیشک میں نے ایک عورت کو پایا جو ان پر بادشاہت کرتی ہے، اور اسے ہر چیز دی گئی ہے، اور اس کے لئے ایک بڑا تخت ہے ﴿٢٣﴾ میں نے اسے اور اس کی قوم کو اس حالت پر پایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں، اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے، سو اس نے انہیں راہ سے ہٹا دیا، لہٰذا وہ ہدایت نہیں پاتے ﴿٢٤﴾ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے، اور وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو ﴿٢٥﴾ اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں، وہ عرش عظیم کا رب ہے ﴿٢٦﴾

معارف ومنازل

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تین قسم کے لشکر تھے: ایک آدمیوں کا، اور ایک جنوں کا، اور ایک پرندوں کا، جوز روانگی کے وقت سلیمان علیہ السلام کے وسیع وعریض تخت پر سایہ کرتے تھے۔ ایک دن سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کے لشکر کی جانچ پڑتال کی اور انہیں غور سے دیکھا تو ہدہد کو غیر حاضر پایا، جو ہدہدوں کے لشکر کا سردار تھا تو حکم دیا کہ جب وہ آئے گا تو مجھے اطلاع کر دینا، میں اس سے پوچھوں گا کہ کیوں غیر حاضر تھا؟ اگر اس نے کوئی معقول وجہ بیان کی تو خیر، ورنہ اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ یہ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا مہندس (انجینئر) تھا، سلیمان علیہ السلام جب صحرا بیابان میں ہوتے تو اس کو طلب فرماتے اور پانی کے متعلق معلومات حاصل کرتے، اور یہ ہدہد زمین پر چونچ رکھ کر بتلا دیتا کہ یہاں پانی اتنی گہرائی میں ہے، تو زمین کھود کر پانی نکال لیا جاتا، جنوں کو حکم دیتے وہ فوراً کھود کر پانی نکال لیتے۔

ایک دن سلیمان علیہ السلام ایک بیابان میں تھے اور پانی کی ضرورت تھی تو انہوں نے ہدہد کو طلب فرمایا، جبکہ وہ وہاں حاضر نہیں تھے، اور سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ وہ جب آجائے اور غیر حاضری کی معقول وجہ بتائے تو معاف ہے، ورنہ اسے سخت عذاب کا سامنا کرنا ہوگا، وہ یہ کہ اسے ذبح کر ڈالوں گا، چنانچہ جب ہدہد حاضر ہوا تو دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ ملک سبا میں ایک ملکہ ہے جس کا نام بلقیس ہے، میں نے اس ملکہ کو اور اس کی قوم کو سورج کا سجدہ کرتے دیکھا ہے، اس خطہ کے لوگ مذہباً مجوسی تھے، شرک اور کواکب پرستی میں مبتلا تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس خطہ کا حال معلوم نہ تھا، ہدہد سے سن کر انہیں معلوم ہوا۔ باقی تفصیل آئندہ آنے والی ہے۔ تو فرمایا: جب سلیمان علیہ السلام نے اڑنے والی فوج پرندوں کا جائزہ لیا:

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ﴾ تو ہدہد کو نہ پایا، تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں تو کیا میری نظر میں کوئی قصور ہے یا کہ وہ واقعی غائبین میں سے ہے، یعنی وہ غیر حاضر ہے۔ ﴿لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ البتہ میں اس کو سخت سزا دوں گا، ہو سکتا ہے اس کے بال و پر کاٹ دوں، یا اس کو کسی قفس میں بند کر دوں گا، یا اس کو سزائے موت دے کر ذبح کر ڈالوں گا، یا میرے سامنے کوئی واضح دلیل اور معقول عذر لے کر آئے، تو پھر میں اس کو چھوڑ دوں گا۔

﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ پس زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہدہد آگیا۔ ﴿فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ﴾ میں نے ایک ایسی بات کا احاطہ کیا ہے (اچھی طرح سے دیکھا ہے) جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا اور نہیں معلوم کیا، وہ

خبر یہ ہے: ﴿وَجِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ﴾ آپ کے پاس ملک سبا (یمن) سے میں ایک یقینی خبر لایا ہوں، چیونٹی کی طرح ہدہد بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا کہ سلیمان علیہ السلام علم محیط کے مالک نہیں کہ انہیں ہر چیز کا علم ہو۔

﴿اِنِّىۡ وَجَدْتُّ امۡرَاَةً تَمۡلِكُهُمۡ وَاُوۡتِيَتۡ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ وَّلَهَا عَرۡشٌ عَظِيۡمٌ﴾ میں نے وہاں پر ایک عورت کو پایا ہے جو اہل سبا پر حکمرانی بادشاہت کر رہی ہے، اور اسے ہر قسم کا ساز و سامان دیا گیا ہے، یعنی اس کی ہر ضرورت کا پورا پورا سامان اور وسائل دستیاب ہیں، اور اس کا بڑا اعالی شان تخت ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہ تخت بہت بڑا بے مثال تخت تھا، اور یہ عظیم تخت اسی ۸۰ ہاتھ لمبا، پچاس ۵۰ ہاتھ چوڑا، اور چالیس ۴۰ ہاتھ اونچا تھا، جو کہ نہایت قیمتی موتیوں لعل و جواہرات سے مرصع تھا، پھر ہدہد نے اپنے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید انکشاف یہ کیا، اور کہا:

﴿وَجَدْتُّهَا وَقَوۡمَهَا يَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ کہ میں نے اس ملکہ کو اور اس کی قوم کو سورج کے سامنے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے۔ دراصل صابی اور مجوسی دنیا کے بہت سے مختلف حصوں میں کواکب پرست سورج پرست گزرے ہیں، اور اب بھی ہیں، سب سے پہلے یہ باطل مذہب بابل میں رواج پاچکا ہے، نمرد بن کنعان اور اس کی قوم بت پرست بھی تھے اور کواکب پرست بھی۔

﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ فَهُمۡ لَا يَهۡتَدُوۡنَ﴾ اس مشرک قوم کے اعمال کو شیطان نے ان کے لئے مزین کر رکھا ہے، اور اسی کے ساتھ شیطان نے انہیں سیدھے راستے سے روکے رکھا ہے، وہ ہدایت نہیں پاتے۔ ہدہد کا مقصد یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسے لوگوں کے خلاف جہادی کارروائی کریں، ہدہد نے قوم سبا کے شرک کا ذکر کرنے کے بعد پھر خود ہی توحید کے بعض دلائل بھی پیش کئے، کہنے لگا:

﴿ اَلَّا يَسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِىۡ يُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ قوم سبا کے لوگ کیوں نہیں سجدہ کرتے صرف اللہ تعالیٰ کا؟ جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے، یعنی بارش کے ذریعہ بے شمار پوشیدہ چیزیں پیدا کرتا ہے، اور زمین کے اندر سے تیل، گیس، پیٹرول، لوہا، تانبا، سونا اور چاندی اور دیگر بے شمار پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے، مراد تمام معدنیات ہیں جو کہ ہزاروں میں ہیں، اور:

﴿وَيَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ﴾ اور ہر اس چیز کو جانتا ہے جس کو تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔

﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور

عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے، اور ہر قسم کی عبادت کا حقدار بھی وہی ہے۔ یہاں تک سارا بیان ہدہد کا تھا، جب حضرت
سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کا بیان سنا تو فرمایا:

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ
فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ
اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا
كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ
فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ
وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ
قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۚ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ
فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: سلیمان نے کہا: ہم عنقریب دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہوا ﴿٢٧﴾ میرا یہ خط لے جا، اور اسے ان کے پاس ڈال دے، پھر ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ وہ کیا بات چیت کرتے ہیں ﴿٢٨﴾ کہنے لگی کہ اے درباروالو! میرے پاس ایک خط ڈالا گیا ہے جو عزّت والا خط ہے ﴿٢٩﴾ بیشک وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے، اور اس میں یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے ﴿٣٠﴾ تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی نہ جتاؤ، اور میرے پاس فرمانبردار ہو کر آجاؤ ﴿٣١﴾ کہنے لگی: اے درباروالو! تم میرے معاملہ میں مجھے مشورہ دو، میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو ﴿٣٢﴾ وہ کہنے لگے کہ ہم طاقت والے ہیں، اور سخت لڑائی والے ہیں، اور تمہیں اختیار ہے سو تم دیکھ لو کیا حکم کرتی ہو ﴿٣٣﴾ کہنے لگی کہ بلاشک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کردیتے ہیں، اور اس کے رہنے والے جو باعزّت ہوتے ہیں انہیں ذلیل بنا دیتے ہیں، اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے ﴿٣٤﴾ اور میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ بھیجے ہوئے لوگ کیا جواب لے کر واپس ہوتے ہیں ﴿٣٥﴾ سو جب وہ قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا: کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ سو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ تم اپنے ہدیہ پر خوش ہوتے ہو

۳۶ تو ان لوگوں کے پاس لوٹ جا، ہم ان پر ایسے لشکر بھیجتے ہیں کہ وہ لوگ ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے، اور ہم انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے ۳۷

معارف ومنازل

ہدہد کے قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا علم محیط نہیں، اور وہ عالم الغیب نہیں ہوتے، علم غیب کلی صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جب ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ بلقیس کی خبر دے دی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فرمایا:

﴿قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ کہ اچھا ہم دیکھیں گے اور تحقیق کریں گے کہ تو اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے، اور فرمایا کہ فی الحال میرا یہ خط: ﴿اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ﴾ تو میرا یہ خط لے جا کر ان کے سامنے ڈال دیں، پھر ان کے سامنے خط ڈال کر ذرا ان سے علیحدہ ہونا، پھر دیکھنا کہ وہ کیا کرتے ہیں، اور ان کا رد عمل کیا ہوگا۔ چنانچہ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر روانہ ہوا یہ خط مختوم تھا، جب ہدہد وہاں پہنچا تو دریچہ اور روشندان سے اندر داخل ہوا، اس وقت ملکہ سبا سو رہی تھی، آہستہ سے خط اس کے سینہ پر رکھ کر علیحدہ ہو گیا، جب ملکہ بیدار ہوگئی تو دیکھا کہ ایک خط سربمہر اس کے سینہ پر رکھا ہوا ہے، اور ایک پرندہ (ہدہد) قریب نہایت ادب واحترام کے ساتھ کھڑا ہوا ہے، یہ صورت حال دیکھ کر وہ ڈر گئی اور حیران ہوگئی کہ یہ کیا ماجرا ہے، چنانچہ اس نے خط اٹھایا اور اس کی سیل کھول کر اس کو پڑھا۔ [ابن کثیر]

اور ارکان دولت کو جمع کر کے کہا: ﴿قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ﴾ بولی: اے قوم کے اشراف اور اے ارکان دولت! میرے پاس ایک گرامی نامہ قابلِ احترام خط ڈالا گیا ہے، جس کا حال عجیب ہے کہ اس کے لانے والا اور ڈالنے والا عجیب الخلقت پرندہ ہے، اور بہت بڑا باادب بھی ہے، وہ خط کو میرے سینے پر رکھ کر قریب ادب سے کھڑا رہا، اور خط کا مضمون نہایت عجیب اور مختصر ہے:

﴿اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِيْنَ﴾ تحقیق وہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے جس کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ ہے، اور اس کے بعد یہ فرمان ہے کہ میرے مقابلہ میں تکبر اور سرکشی نہ کرو، اور فرمانبردار ہو کر گردن جھکائے ہوئے میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ یہ خط دریا

بکوزہ کے بمصداق نہایت فصیح وبلیغ اور مختصر وجامع ہونے میں اپنی نظیر آپ ہے، اور کمال یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اس کی ابتداء ہے، اسی وجہ سے سمجھدار ملکہ سبا نے اس کو کتاب کریم کہہ کر اپنے ارکانِ دولت کے سامنے اس کا تعارف کرایا، اور اس کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ خارقِ عادت گرامی نامہ غیر معمولی اور عظیم ہے، اور اس کا بھیجنے والا اس سے بھی زیادہ عظیم اور بالاتر ہے کہ وہ پرندوں پر حکومت کر رہا ہے، اور اس کے دربار سے آیا ہوا یہ پرندہ کتنا مہذب اور سنجیدہ باادب ہے۔

غرض یہ کہ ملکہ بلقیس کسی جمہوریت کی پیداوار نہ تھی، بلکہ ایک عقلمند، سنجیدہ، دور اندیش ملکہ تھی، جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرندہ جس کے مطیع وفرمانبردار اور ایلچی وقاصد ہوں وہ شاہانِ عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں، وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے، اس لئے اس نے ارکانِ دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا گرامی نامہ انہیں پڑھ کر سنایا، جس سے تمام دربار ہل گیا، اور گھبرا اٹھے۔

﴿قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ﴾ انہوں نے کہا: اے سردارانِ قوم اور ارکانِ دولت! اس معاملہ میں مجھ کو فتویٰ دو، اور رائے دیدو، مشورہ دو، یعنی تم لوگ مجھے اس مشکل اور پیچیدہ معاملہ میں ایسی محکم رائے دو جس سے یہ مشکل حل ہو جائے، اور میری پریشانی دور ہو جائے، اور یہ عقدہ کھل جائے، اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ گزشتہ زمانہ سے لے کر اب تک میری عادت اور شان یہ رہی ہے کہ میں کسی معمولی بات میں بھی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم لوگ حاضر اور موجود نہ ہو جاؤ، جب گزشتہ ادوار میں تمہارے مشورہ کے بغیر کسی معمولی چیز کا فیصلہ نہ کر سکی تو اب اس بڑے مسئلہ میں تمہارے مشورہ کے بغیر کیسے فیصلہ کر سکتی ہوں۔

﴿قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۚ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ﴾ ارکانِ دولت ملکہ کے جواب میں بولے کہ ہم بڑی قوت والے ہیں اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں، اگر آپ ہمیں حکم دیدیں اور لڑنے پر راضی ہو جائیں تو ہم ایسے بادشاہوں کے ساتھ خوب لڑیں گے، کیونکہ ہم جنگجو اور طاقتور لوگ ہیں، اور پوری طرح مسلح ہیں، مگر اختیار اور حکم سب آپ کے ہاتھ میں ہے، اور آپ کے حوالہ ہے، آپ جو حکم دینا چاہیں اس کو سوچ لیں، ہم بہرحال آپ کے فرمانبردار ہیں، ہم آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے، خواہ صلح کر دیا جنگ کا حکم جاری کرو۔

سرداروں کا مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں، آگے آپ کو اختیار ہے۔ ارکانِ دولت نے خط کا

اندازہ نہ لگایا، جبکہ دانشمند ملکہ نے خط اور ہدہد کی آمد سے بہت کچھ معلومات حاصل کر لی، اس لئے اس نے صلح اور جنگ کے بین بین ایک صورت اختیار کر لی کہ پہلے کچھ تحفے تحائف کے ذریعہ مزید صورت حال کا اندازہ لگایا جائے، اس لئے وہ کہنے لگی: دیکھو! جنگ ایک تباہ کن امر ہے، اور خط لکھنے والا میرے اندازے کے مطابق بہت طاقتور ہے، اور بادشاہوں کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا ہے:

﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً﴾ بیشک بادشاہ لوگ جب کسی شہر میں بارادۂ جنگ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو خراب اور برباد کر ڈالتے ہیں، اور معزز لوگوں کو ذلیل وخوار کرتے ہیں، مال ودولت کو لوٹتے ہیں، عورتوں کو ذلیل کرتے ہیں، عام لوگوں کو قید کرتے ہیں، اگر ہم نے سلیمان علیہ السلام سے جنگ کی تو وہ بھی ایسا ہی کریں گے، لہٰذا سر دست مناسب یہ ہے کہ:

﴿وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ میں ان کی طرف ایک ہدیہ تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ قاصدوں کی واپسی پر مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد دوبارہ غور کیا جائے گا، میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں، مجھے کوئی جلدی نہیں کہ فوراً اس کی اطاعت قبول کروں، میں ہدیہ اور بہت بڑے قیمتی تحائف بھیج کر سلیمان (علیہ السلام) کو آزماتی ہوں کہ وہ نبی ہے یا بادشاہ ہے، اگر وہ بادشاہ ہے تو میرا ہدیہ قبول کر لے گا، اور جنگ کا ارادہ ملتوی کر دے گا، اور اگر نبی ہے تو میرا ہدیہ کبھی قبول نہیں کرے گا، اور ہم جب تک اس کا دین قبول نہیں کر لیں گے وہ کبھی ہم سے راضی نہ ہوگا، اور ہمیں معاف نہیں کرے گا۔

چنانچہ بلقیس ملکہ سبا نے بہت بیش قیمت تحائف تیار کر کے سیکڑوں خادم وخدام، غلام اور کنیزوں کا پورا لشکر زرق برق لباسوں میں گدھے گھوڑے اور خچروں پر روانہ کر دیا، غلاموں کو کنیزوں کا لباس پہنایا، اور کنیزوں کو غلاموں کا لباس پہنایا، جب یہ نوجوان خوبصورت لڑکے اور لڑکیوں کا قافلہ زرق برق لباس میں دار الحکومت مآرب سے بارات کی شکل میں روانہ ہوا تو ایسا لگتا تھا کہ شہزادے اور شہزادیوں کا لشکر جا رہا ہے، یہ عجیب وغریب منظر قابل دید ہوگا۔ مزید کتب تفاسیر میں دلکش پیرایہ پر کچھ چیزوں کا بیان ہے، لیکن ان کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے، سب کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ اس سرکاری مملکتی قافلہ میں اور سرکاری تحائف میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں تھی، اور ان تمام چیزوں کا اہتمام وانتظام اعلیٰ درجہ پر مہیا ہو چکا تھا، جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ہر چیز بے مثال اور حیران کن ہے۔

مگر سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تحفے تحائف اور بے مثال ہیرے جواہرات کو ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا، اور انہیں کوئی حیثیت نہیں دی، اور نہ ہی اس طرف توجہ فرمائی، بلکہ ان چیزوں پر ناخوشی اور ناگواری کا اظہار فرمایا اور کہا: ﴿فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ؗ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾ پھر جب وہ ایلچی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا اور تحفے تحائف بھی پیش کئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ناگواری کے ساتھ فرمایا: کیا تم لوگ مجھے اس دنیائے فانی کے مال سے مدد دینا چاہتے ہو؟ سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے کہ جن وانس حیوانات تمام چرند پرند اور ہوا یہ سب میرے لئے مسخر ہیں، یہ اس سے بہت بڑھ کر بہتر ہے جو تم کو دیا ہے، جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرے مال وانعامات خداوندی کے مقابلہ میں ذرہ برابر بھی نہیں، بلکہ تم اپنے ہدیے پر خوش رہو، مجھے اس کی حاجت نہیں۔ ہاں! میری خوشی اور رضا اس میں ہے کہ تم اسلام قبول کرو، اور سورج کی عبادت سے تائب ہو کر ربّ العرش العظیم کے سامنے سجدہ کرو۔

جس طرح ہد ہد نے تجویز پیش کی تھی اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں کے سردار کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اپنے تحائف وسامان کو اٹھا کر اپنے وطن لوٹ جاؤ، ہمیں تمہارے تحائف کی کوئی پرواہ نہیں، اور صاف صاف بتادو کہ اگر وہ ایمان لائیں تو بہت بہتر۔ ﴿اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ ورنہ ہم ان پر ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں، اور ہم ان کو ملک سے ذلیل کر کے نکال دیں گے، اور حکومت وسلطنت سے دستبردار ہونے کے بعد خوار وشرمسار ہوں گے، اور ملک مسلمانوں کا بن جائے گا۔

قاصد اس سرزمین میں بہت کچھ شان وشوکت، جنگلی جانوروں کا پہرہ اور جنات وشیاطین کی غلامی دیکھ کر اور بے شمار سونے جواہرات کے خزانے دیکھ کر نہایت شرمساری کے ساتھ جب واپس ملکہ کی خدمت میں پہنچے تو انہیں دوٹوک پیغام سنایا کہ یہ بہت بڑا بادشاہ بھی ہے اور نبی بھی، اس کی حکومت اتنی طاقتور اور مستحکم ہے کہ انسانی تصور سے بالاتر ہے، مالدار اتنا ہے کہ اس کا حد واندازہ نہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سب اسلام قبول کرلو یا فوج کشی کے لئے تیار ہو جاؤ، تو ملکہ اور ارکانِ دولت کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص کوئی دنیاوی بادشاہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ فرستادہ پیغمبر ہے، اس کے پاس خدائی طاقت ہے، ہماری سلامتی اور بقاء اس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں ہے، پس فیصلہ ہوا کہ ملکہ بذات خود مع اپنے چند نامور ارکان کے ان کی خدمت میں حاضری دے، اور سب کچھ مراعات اور سلامتی حاصل کرلے

، چنانچہ ملکہ سبا بڑے ساز و سامان اور شان و شوکت کے ساتھ دار الحکومت "مآرب" سے بیت المقدس روانہ ہوئیں ، اور اطاعت وفرمانبرداری کی غرض سے روانہ ہوگئیں۔

قال يايها الملؤا ايكم ياتيني بعرشها قبل ان ياتوني مسلمين ۝٣٨ قال عفريت من الجن انا
اتيك به قبل ان تقوم من مقامك ۚ واني عليه لقوي امين ۝٣٩ قال الذي عنده علم من
الكتب انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك ۚ فلما راه مستقرا عنده قال هذا من فضل
ربي ۖ ليبلوني ءاشكر ام اكفر ۚ ومن شكر فانما يشكر لنفسه ۚ ومن كفر فان ربي غني
كريم ۝٤٠ قال نكروا لها عرشها ننظر اتهتدي ام تكون من الذين لا يهتدون ۝٤١ فلما
جاءت قيل اهكذا عرشك ۚ قالت كانه هو ۚ واوتينا العلم من قبلها وكنا مسلمين ۝٤٢
وصدها ما كانت تعبد من دون الله ۖ انها كانت من قوم كفرين ۝٤٣ قيل لها ادخلي الصرح ۚ
فلما راته حسبته لجة وكشفت عن ساقيها ۚ قال انه صرح ممرد من قوارير ۚ قالت رب
اني ظلمت نفسي واسلمت مع سليمن لله رب العلمين ۝٤٤

ترجمہ: سلیمان نے کہا کہ اے دربار والو! کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ اس کا تخت اس سے پہلے میرے پاس لے کر آجائے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں ۝٣٨ جنات میں سے ایک دیو نے کہا کہ میں اسے اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ اپنے مقام سے کھڑے ہوں ، اور بلاشبہ میں اس پر قدرت رکھتا ہوں امانتدار ہوں ۝٣٩ اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ کی آنکھ جھپکے ، سو اسے جب اپنے پاس دھرا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرے ربّ کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری ، اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنی ہی جان کے لئے شکر کرتا ہے ، اور جو شخص ناشکری کرے اس میں شک نہیں کہ میرا رب غنی ہے ، کریم ہے ۝٤٠ سلیمان نے کہا کہ اس کے لئے اس کے تخت کو بدل دو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو ہدایت نہیں پاتے ۝٤١ سو جب وہ آگئی تو اس سے کہا گیا : کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے ؟ کہنے لگی : گویا یہ تو وہی ہے ، اور ہمیں اس سے پہلے علم دے دیا گیا تھا ، اور ہم فرمانبردار ہو

چکے ہیں۴۲ اور سلیمان نے اسے اس سے روک دیا جو وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی، بلا شبہ وہ کافر قوم میں سے تھی۴۳ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جا، سو جب اس نے اسے دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے، اور اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان نے کہا: بلا شبہ یہ ایسا ایک محل ہے جسے شیشوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے۴۴ وہ کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار! بلا شبہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العلمین کی فرمانبرداری قبول کر لی۴۵

معارف ومنازل

قاصدوں نے واپس جا کر ملکۂ سبا کے سامنے تمام روئیداد سنائی، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شوکت و عظمت کا جو کچھ مشاہدہ کیا تھا وہ حرف بحرف کہہ سنایا، اور بتایا کہ اس کی حکومت صرف انسانوں پر ہی نہیں ہے بلکہ جنات اور حیوانات بھی ان کے تابع فرمان اور مسخر ہیں، ملکۂ سبا نے جب یہ سنا اور اپنے بیش قیمت تحائف کی واپسی پر بھی غور کیا تو طے کر لیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے لڑنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے، بہتر یہی ہے کہ اس کی دعوت پر لبیک کہا جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکتوب گرامی میں یہ جملہ بھی تھا کہ: ﴿وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ﴾ چونکہ ملکۂ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دین و مذہب سے ناواقف تھی اس لئے اس نے لفظ مسلم کو لغوی معنی پر محمول کرتے ہوئے یہ سمجھا کہ قاہر بادشاہوں کی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقصد بھی یہ ہے کہ میں اس کی فرمانبرداری اور شان حکومت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے ماتحت ہو جانا قبول کر لوں، لہٰذا اس نے یہ طے کر کے سفر شروع کر دیا اور بیت المقدس روانہ ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا کہ ملکۂ سبا حاضر خدمت ہو رہی ہے، تب آپ علیہ السلام نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ ملکۂ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت شاہی اٹھا کر یہاں لے آیا جائے، تم میں سے کون اس خدمت کو انجام دے سکتا ہے؟ یہ سن کر ایک دیو پیکر جن نے کہا کہ آپ کے دربار برخاست کرنے سے پہلے میں ملکۂ سبا کے تخت کو لا سکتا ہوں، مجھ کو یہ طاقت حاصل ہے، اور یہ کہ میں اس کے بیش بہا سامان کے متعلق امین ہوں، اس میں ہرگز خیانت نہیں کروں گا۔

دیو پیکر جن کا یہ دعویٰ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی وزیر نے کہا کہ میں آنکھ جھپکتے اس کو آپ کی

خدمت میں پیش کرسکتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے رخ پھیر کر دیکھا تو ملکۂ سبا کا تخت موجود پایا، فرمانے لگے: یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے، وہ مجھ کو امتحان کر کے آزماتا ہے کہ میں اس کا شکرگزار بنتا ہوں یا نافرمان، اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو شخص اس کا شکرگزار ہوتا ہے وہ دراصل اپنی ذات ہی کو نفع پہنچاتا ہے، اور جو نافرمانی اور ناشکری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نافرمانی اور ناشکری سے بے پروا اور غنی ہے، اور اس کا وبال خود نافرمانی کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تخت کی ہیئت میں کچھ تبدیلی کردی جائے، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ملکۂ سبا یہ دیکھ کر حقیقت کی طرف راہ یاب ہوتی ہے یا نہیں، کچھ شناخت کرتی ہے یا نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی اور وزیر جس کو اللہ تعالیٰ نے علم الکتب جیسے شرف سے نوازا تھا، ان کا نام حضرت آصف بن برخیا ہے، جس نے اسم اعظم کی برکت سے یہ بڑا کام انجام دیدیا، کچھ عرصے کے بعد ملکۂ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی، اور جب دربار میں حاضری ہوئی تو اس سے دریافت کیا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ عقلمند ملکہ نے جواب دیا: ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا وہی ہے۔ یعنی تخت کی ساخت اور مجموعی حیثیت تو یہ بتارہی ہے کہ یہ میرا ہی تخت ہے، اور قدرے ہیئت کی تبدیلی اس یقین میں تردد پیدا کررہی ہے، اس لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ یقیناً میرا ہی تخت ہے۔ "کَاَنَّهٗ هُوَ" کا یہی مطلب ہے، گویا کہ وہی ہے۔

ملکۂ سبا نے ساتھ ہی یہ بھی کہا: مجھ کو آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال قوت و طاقت کا پہلے سے علم ہوچکا ہے، اس لئے مطیع اور فرمانبردار بن کر حاضر خدمت ہوئی ہوں، اور اب تخت کا یہ محیر العقول معاملہ تو آپ کی لاثانی طاقت کا تازہ مظاہرہ ہے، اور ہماری اطاعت وانقیاد کے لئے مزید تازیانہ بھی، اس لئے ہم پھر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اظہار وفاداری وفرمانبرداری کرتے ہیں۔

ملکہ سبا نے یقین کرلیا کہ "كُنَّا مُسْلِمِيْنَ" ہم فرمانبردار ہیں کہہ کر ہم نے سلیمان علیہ السلام کے پیغام کی تعمیل کردی، اور اس کے مقصد کو پورا کردیا، اور ملکہ کی مشرکانہ زندگی اور آفتاب پرستی مانع آئی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیغام کی حقیقت سمجھ سکے، اور اسلام کی جانب راہ یاب ہوسکے، اس لئے اب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اظہار مقصد کے لئے دوسرا لطیف طریقہ اختیار فرمایا، اور اس کی ذکاوت اور فطانت وعقلمندی کو آزمایا، وہ یہ کہ انہوں نے جنات کی مدد سے ایک عالیشان شیش محل تیار کرایا تھا، جو آبگینہ کی چمک، قصر کی رفعت و بلندی اور عجیب وغریب صنعت

کاری کے لحاظ سے بے نظیر تھا، اور اس میں داخل ہونے کے لئے سامنے جو صحن بنایا گیا تھا اس میں بہت بڑا حوض بنایا گیا تھا، جس میں پانی چھوڑا گیا تھا، وہ پانی سے لبریز تھا، اور پھر شفاف آبگینوں اور شیشے کے ٹکڑوں سے ایسا نفیس اور خوبصورت فرش بنایا گیا تھا کہ دیکھنے والے کی نگاہ دھوکا کھا کر یہ یقین کر لیتی تھی کہ صحن میں صاف وشفاف پانی بہہ رہا ہے۔ ملکۂ سبا سے کہا گیا کہ قصرِ شاہی میں داخل ہو کر قیام کرے، ملکہ جب محل کے سامنے پہنچی تو صحن میں شفاف پانی بہتا ہوا اس کو معلوم ہوا تو اس نے پانی میں اترنے کے لئے کپڑوں کو ساق سے اوپر چڑھایا، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں، یہ پانی نہیں ہے، سارے کا سارا محل اور اس کا خوبصورت صحن چمکتے ہوئے آبگینہ کا ہے۔

ملکہ سبا کی ذکاوت وفطانت پر یہ سخت چوٹ تھی، جس نے حقیقت حال سمجھنے کے لئے اس کے قوائے عقلی کو بیدار کیا، اور اس نے اب سمجھا کہ اس وقت تک یہ جو کچھ ہوتا رہا ہے ایک زبردست بادشاہ کی قاہرانہ طاقتوں کا مظاہرہ نہیں ہے، بلکہ مجھ پر یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ سلیمان علیہ السلام کو یہ بے نظیر عظیم طاقت اور یہ معجزانہ قدرت کسی ایسی ہستی کی عطا کردہ ہے جو شمس وقمر بلکہ کُل کائنات کی تنہا مالک ہے، اور اس لئے سلیمان علیہ السلام مجھ سے اپنی تابعداری اور فرمانبرداری کا طالب نہیں، بلکہ اسی "یکتا ذات" کی اطاعت وانقیاد کی دعوت دینا اس کا اصلی مقصد ہے۔

ملکہ سبا کے دماغ میں یہ خیال آنا تھا کہ اس نے فوراً سلیمان علیہ السلام کے سامنے ایک شرمسار اور نادم انسان کی طرح درگاہ الٰہی میں یہ اقرار کیا "پروردگار" آج تک ماسوی اللہ کی پرستش کر کے میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا، مگر اب میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ ہو کر صرف ایک خدا ہی پر ایمان لاتی ہوں، جو تمام کائنات کا پروردگار ہے، اور اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیغام: "وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ" کی حقیقی مراد تک پہنچ کر اس نے دینِ اسلام قبول کر لیا، اور کفر وباطل سے تائب ہو کر مسلمان ہوئی۔

ملکۂ سبا کا یہ تخت تہہ بر تہہ سات بڑے کمروں میں بند تھا، جن پر ملکہ سات بڑے بڑے قفل لگا کر روانہ ہو گئی، اور باہر کے پہرہ دار بدستور پہرہ دینے میں مصروف رہتے تھے، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا: ﴿قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ﴾ اے اہل دربار! کون شخص تم میں سے ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت میرے سامنے لا کر حاضر کر دے قبل اس کے کہ وہ لوگ مسلمان ہو کر میرے پاس آجائیں؟ یہ تخت یمن میں تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں، ان دونوں مقامات کا فاصلہ ڈیڑھ ہزار میل سے زائد ہے۔

﴿قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ‌ ۚ وَاِنِّىۡ عَلَيۡهِ لَقَوِىٌّ اَمِيۡنٌ﴾ جنات میں سے ایک دیو نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس لاکر پہنچاؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ (دربار) سے اٹھیں، اور بیشک میں اس پر قادر ہوں، امانتدار ہوں، یعنی آپ کے دربار یومیہ (چوبیس گھنٹے کا ہوتا تھا) کے برخاست ہونے سے پہلے ملکہ سبا کے تخت کو آپ کے پاس لاموجود کردوں گا، اور اس میں سے کسی بیش قیمت موتی لعل اور جواہرات میں خیانت نہیں کروں گا، اس پر دوسری پیشکش قابل تعریف ہے، وہ یہ:

﴿قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ‌ ؕ﴾ تو کہا وہ شخص جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم تھا، وہ اسم اعظم سے آشنا تھے کہ میں اس پر اتنی طاقت رکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے اس کو حاضر کرلوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چشم زدن میں یہ ناممکن کام طے پایا۔

﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّىۡ ۖ لِيَبۡلُوَنِىۡۤ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ‌ ؕ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ كَرِيۡمٌ﴾ پس سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو طرفۃ العین میں اپنے سامنے رکھا ہوا پایا تو کہا کہ یہ سب میرے پروردگار کا فضل اور احسان ہے کہ میرے ایک ہم نشین خادم کے تصرف اور غیبی عمل سے طرفۃ العین میں بڑی مسافت سے اتنے بڑے تخت کو لاکر موجود کرنا یہ میرے پروردگار کا بے مثال کرم اور لطف وعنایت کا کرشمہ ہے۔ فرمایا کہ یہ بہت بڑے سخت کام کا طرفۃ العین میں انجام دینا اس لئے ہے تا کہ میرا ربّ میرا امتحان کرے کہ میں اس کی نعمت کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شخص شکر کرے وہ اس کا اپنا فائدہ ہے اور ناشکری کر کے میرے ربّ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے، کیونکہ میرا پروردگار بے نیاز اور بے پرواہ ہے، اور بڑا کرم کرنے والا ہے۔

ملکۂ سبا مآریب دار الحکومت سے حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کے لئے روانہ ہو چکی تھی، ابھی وہ راستے میں تھی جبکہ اس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ چکا تھا، اب اس کی آزمائش کے لئے اور اس کی عقل و دانشمندی جانچنے کے لئے اس کی آمد سے پہلے چند امور مرتب ہوئے: اول یہ:

﴿قَالَ نَكِّرُوۡا لَهَا عَرۡشَهَا نَـنۡظُرۡ اَتَهۡتَدِىۡۤ اَمۡ تَكُوۡنُ مِنَ الَّذِيۡنَ لَا يَهۡتَدُوۡنَ﴾ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ملکہ کے تخت میں کچھ تغیر وتبدل کرلو، تا کہ اس کی عقلمندی کا امتحان لیں، اور دیکھیں کہ وہ سمجھ رکھتی ہے یا نہیں رکھتی، اور بے سمجھ لوگوں میں سے ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَتۡ قِيۡلَ اَهٰكَذَا عَرۡشُكِ‌ ؕ﴾ پھر جب وہ آگئی اور سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی تو اس سے دریافت کے طور پر کہا گیا: دیکھو! ہمارے پاس یہ تخت ہے، کیا تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے

جس پر بیٹھ کرتم امور سلطنت انجام دیتی ہو؟ ملکہ نے بڑی ہوشیاری اور عقلمندی سے جواب دیا: کَاَنَّہٗ ھُوَ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے، یعنی یہ تو میرا ہی تخت ہے جس میں کچھ تبدیلی کر کے تم نے میرے سامنے پیش کیا، اس کے ساتھ اس نے اعتراف کیا اور کہا:

﴿وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا﴾ اس بات کا علم تو ہمیں پہلے ہی ہو چکا ہے کہ آپ کے کمالات دنیا کے بادشاہوں سے برتر اور ممتاز ہیں، اس لئے کہ آپ بادشاہ اور نبی دونوں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال برتری عطا کی ہے، یہ اس برتری کا ایک کرشمہ ہے کہ ہمارا یہ بھاری بھرکم عظیم تخت ہمارے پہنچنے سے پہلے یہاں آپ کے پاس موجود ہے۔ ﴿وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ﴾ اور ہم تو پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے ہیں، اور فرمانبرداری کا اعلان کر چکے ہیں، یعنی معجزہ دیکھنے سے پہلے ہم کو خدا تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کا، اور آپ کی نبوت کا پہلے سے ہی یقین ہو گیا تھا، اور ہم دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔

یہ بھی اس کی فہم و فراست اور عقلمندی کی دلیل ہے کہ اس نے معجزہ دیکھنے سے پہلے جب اپنے قاصدوں سے عجیب و غریب حالات معلوم کئے، تو اسلام قبول کر گئے اور اب تک تو جو ایمان لانے میں دیر ہوئی تو اس کی وجہ یہ ہے:

﴿وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کہ غیر اللہ کی عبادت نے اور باطل معبودوں کی پرستش نے اور قومی تقلید نے اس کو ایمان لانے سے باز رکھا۔ ﴿اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ﴾ بیشک اب سے پہلے کافروں کی قوم سے تھی، قوم کو دیکھا کفر اور شرک میں مبتلا تھی، مگر عقلمند تھی، جب تنبیہ کی گئی تو متنبہ ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی سلیم الطبع عقلمند خاتون جس نے حق کو دیکھ کر فوراً پہچان لیا، اور فوراً بلا تأمل اسے قبول کر لیا، اب تک سورج کی پرستش کیسے کرتی رہی، اس کی وجہ بیان فرمادی کہ وہ پیدا ہی ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں سورج کی پرستش کی جاتی تھی، اسے آج تک کسی نے بتایا ہی نہیں تھا کہ سورج عبادت کے لائق نہیں، بلکہ عبادت کے لائق وہی ہستی ہے جس نے سورج کو پیدا کیا، اور اسے اپنے قانون کا پابند بنا کر انسان کی خدمت پر مامور کر دیا، اور اسے نور و حرارت عطا فرمائی۔

﴿قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ؕ﴾ یہ شیش محل اعلیٰ درجے کا حیران کن محل تھا، اور اس کا فرش صحن میں خالص صاف و شفاف شیشہ کا بنا ہوا تھا، فرش کے نیچے پانی سے لبالب بھرا ہوا حوض تھا، حوض کے اوپر شیشوں سے بنی ہوئی چھت تھی، جس کے اوپر حضرت سلیمان علیہ السلام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، تو صحن میں شیشے کے فرش کے نیچے پانی ہی پانی معلوم ہوتا تھا، جب بلقیس کو اندر بلایا گیا اور وہ دروازے پر پہنچی تو

کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو، پھر جب ملکہ نے اس صحن کو دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے، یعنی پانی کا حوض ہے، تو اندر گھسنے کے لئے اپنے پائنچے اوپر اٹھائے، اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولیں، تب سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ بلاشبہ یہ محل ہے جو سفید شیشوں سے جڑا ہوا ہے، یہ پانی نہیں۔

اس سے اس کو اپنی عقل وفہم کا قصور معلوم ہوا، اور یہ پتہ چلا کہ جس شاہانہ ساز وسامان پر مجھ کو ناز تھا یہاں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر موجود ہے، اور یہاں کا نظام انسانی عقل وفہم کی رسائی سے بالاتر ہے، جہاں قطار در قطار جنات اور جنگلی درندے پہرہ دے رہے ہیں، یہ واقعی ایک خدائی نظام ہے، اور یہ شخص محض بادشاہ نہیں بلکہ عظیم پیغمبر بھی ہیں، اور عجیب نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شیشے کے فرش سے ملکہ کو تنبیہ کیا ہو کہ آفتاب اور ستاروں کی چمک دیکھ کر ان کو معبود سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسا کہ آدمی شیشہ کی چمک کو دیکھ کر پانی گمان کرے، ﴿كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً﴾ [النور: ۳۹] (جیسے ایک چٹیل صحرا میں ایک سراب ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ بیٹھتا ہے)۔

شیشہ پانی نہ تھا، بلکہ پانی کا مظہر تھا، اسی طرح آفتاب اور ماہتاب اور دیگر چمکدار ستارے نور الٰہی کا مظہر اور آئینہ ہیں، معاذ اللہ خدا نہیں، اس پر بلقیس بولی:

﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ اے میرے پروردگار! بیشک سورج کی عبادت کر کے میں نے اپنے نفس پر ظلم وزیادتی کی، اور اب میں شرک وکفر سے تائب ہو کر سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر اللہ رب العلمین کی مطیع اور فرمانبردار بن گئی۔ غرض یہ کہ ملکۂ سبا بڑی خوش نصیب ثابت ہوئی جو عزت وشرف کے ساتھ ایمان کی دولت سے شرف یاب ہوئی، پھر مسلمان ہونے کے بعد واپس ہوگئی۔

علماء تفسیر وسیر میں یہ مشہور ہے کہ ملکۂ سبا کے مسلمان ہونے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح فرمالیا، کیونکہ ملکہ غیر شادی شدہ تھی، قرین قیاس بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہر طرح اور ہر اعتبار سے اس کی سرپرستی فرمائی، اور اس کو اس کی سلطنت وبادشاہت پر برقرار رکھا، پھر جنات کے توسط سے یمن میں اس کے لئے تین تاریخی بہت بڑے عجیب وغریب قیمتی محلات بنائے، ہر مہینے میں تین دن کے لئے وہاں جاتے اور قیام کرتے چونکہ قرآن حکیم نے ان واقعات پر روشنی نہیں ڈالی اس لئے مزید اسرائیلی روایات کا سہارا لینا مناسب نہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ لِمَ
تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ
وَبِمَن مَّعَكَ ۚ قَالَ طَٰئِرُكُمْ عِندَ اللّٰهِ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ
يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۴۸﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا
شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَٰدِقُونَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۰﴾ فَانظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ أَنَّا دَمَّرْنَٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، سو اچانک ان میں سے دو جماعتیں ہو گئیں جو آپس میں جھگڑا کر رہے تھے ﴿۴۵﴾ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم اچھی بات سے پہلے بری حالت کی کیوں جلدی کرتے ہو؟ تم کیوں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے؟ ﴿۴۶﴾ وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہم بدشگونی لے رہے ہیں، صالح نے کہا کہ تمہاری بدشگونی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو عذاب میں مبتلا ہونے والے ہو ﴿۴۷﴾ اور ان کے شہر میں نو اشخاص تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے، اور اصلاح نہیں کرتے تھے ﴿۴۸﴾ وہ کہنے لگے کہ تم سب مل کر اس بات پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھالو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں کو راتوں رات ایسی حالت میں قتل کر دیں گے کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہ ہوگا، پھر ضرور ضرور ہم اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے موقع پر حاضر نہیں تھے، اور بیشک ہم سچ کہہ رہے ہیں ﴿۴۹﴾ اور انہوں نے خاص قسم کا مکر کیا، اور ہم نے اس حال میں خاص تدبیر کی اور انہیں پتہ بھی نہیں چلا ﴿۵۰﴾ سو دیکھ لیجئے مکر کا کیا انجام ہوا؟ بلاشبہ ہم نے انہیں اور ان کی قوم کو سب کو ہلاک کر دیا ﴿۵۱﴾ سو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو جانتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دیدی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے ﴿۵۳﴾

معارف و منازل

ملکۂ سبا کی ہدایت کا سبب ایک چھوٹا سا پرندہ ہدہد بنا، لیکن بدقسمت قوم ثمود نے ایک بہت بڑے جانور

(اونٹنی صالح) سے جو کہ معجزہ کے طور پر ظاہر ہوا تھا ہدایت نہیں پائی، جس کی پاداش میں وہ ہلاک ہو گئے اور صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔

جب صالح علیہ السلام کی دعوت کا آغاز ہوا، ان کی قوم دو گروہوں میں بٹ گئی: ایک قلیل گروہ ایمان لانے والوں کا تھا، یہ سارے ضعفاء اور کمزور لوگ تھے جن کی تعداد ملے جلے چھ ہزار کے قریب تھی، دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا تھا، یہ لوگ تعداد کے لحاظ سے بہت ہی زیادہ تھے، اور سارے مالدار اور خوشحال تھے، چنانچہ ان لوگوں نے ہر طرح سے مسلمان اور غریب ایمانداروں کو تنگ کرنا اور انہیں تکلیف اور ایذائیں دینا شروع کیں، جس کے نتیجے میں فریقین کے درمیان اختلاف اور کشمکش کا سلسلہ جاری رہا، فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ تحقیق ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا، انہوں نے قوم کو توحید کا پیغام پہنچایا، اور کہا کہ اے لوگو! تم صرف اللہ تعالیٰ معبود برحق کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ یہ قوم ثمود وادی حجر میں حجر اور تبوک کے درمیان آباد تھی، حجر سے لے کر وادی قریٰ تک اس قوم کے سترہ یا اٹھارہ سو قصبات اور بستیاں آباد تھیں، یہ بڑے طاقتور قد آور صناع کاریگر اور انجنیئر تھے، اور تاجر پیشہ بھی تھے، اور مالدار بھی اور کھیتی کا بھی کاروبار کرتے تھے، اور نہایت گمراہ اور بڑے مشرک تھے۔

﴿فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ تو وہ دو گروہ بن کر آپس میں جھگڑنے لگے، ظاہر ہے کہ مسلمان گروہ کے ساتھ کافر گروہ کا اختلاف اور کشمکش لازمی امر تھا، اور کفار بڑے مغرور اور متکبر تھے، اسی طرح آبادی کے لحاظ سے بھی بہت زیادہ تھے۔ سورۂ اعراف میں تفصیل گزر چکی ہے۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ صالح علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! بھلائی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی کرتے ہو؟ تم اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت طلب کرنے کی بجائے عذاب اور خوفناک تباہی کا مطالبہ کرتے ہو، تم اپنے گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں مانگتے ہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، تمہیں چاہئے کہ ایمان قبول کر کے اپنے لئے دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل کر لو، اور اپنے گناہوں سے تائب ہو کر فوز و فلاح پاؤ، لیکن تم لوگ نے ضد و ہٹ دھرمی اپنا کر دونوں جہانوں کا خسارہ اور تباہ کن عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو۔

جب کسی قوم کا گناہوں اور شرک و معاصی کی وجہ سے دماغی توازن الٹ جاتا ہے تو اسے نفع ونقصان کا فرق محسوس نہیں ہوتا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک کفار و مشرکین کا یہی شیوہ وطریقہ رہا کہ ایمان لانے سے منکر رہے، اور عذاب الٰہی کو زور وشور سے دعوت دیتے رہے، جس کے نتیجے میں ہلاک ہوتے رہے اور ختم ہوگئے۔ جب صالح علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا تو وہ کہنے لگے:

﴿قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ﴾ اے صالح! ہم تجھے اور تیرے ایماندار ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں، جب تمہارے منحوس قدم پڑے ہیں تو ہمارے ہاں پیداوار نہیں ہوتی، لوگ آپس میں دست بگریبان ہیں، گھر گھر میں اختلاف اور جھگڑے چل رہے ہیں وغیرہ، تو صالح علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ تمہارا شگون یا بری قسمت تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس میں میرے اور میرے ساتھیوں کا اور دوسری مخلوقات کا کوئی حصہ یا اختیار نہیں ہے، تمہاری تمام تر پریشانیوں، بدحالیوں اور تکلیفوں کی وجہ تمہارا کفر و معاصی اور اعمال بد ہی تو ہیں، جو تمہارے اوپر مسلط ہیں، آج ہی اگر تم شرک و کفر اور بداعمالیوں سے تائب رہو، اور ہماری باتوں پر ایمان لاؤ تو تمہاری تقدیر بدل جائے، اور پریشانیاں دور ہوں اور ہر طرح کی خوشحالیوں سے سرشار اور محظوظ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تم کفار ہمارے مسلمانوں کی موجودگی کو بدشگون قرار دیتے ہو، حالانکہ تمہارا شگون اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ تمہاری سرکشی اور شرارتوں کی وجہ سے تم پر قحط اور دیگر ہر قسم کے عذاب مسلط کرتا رہتا ہے، یہ سب تمہارے شرک کی نحوست ہے۔

﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ﴾ بلکہ تم فتنے میں ڈالے گئے ہو، یہ تمام فتنے اور ہر قسم کی مذلتیں تباہیاں تمہارے اعمال کے فتنے اور عذاب شمار ہوتے ہیں جن کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ﴾ اس مرکزی شہر حجر میں نو لوگ فتنہ باز تھے، اور غنڈہ لوگوں کے سربراہ تھے، یہ نو افراد بڑے بدقماش لوگ تھے۔ ﴿يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ جو زمین میں فساد کرتے تھے، ان بدقماش لوگوں کا کام مار دھاڑ قتل و غارت، لوٹ مار اور غنڈہ گردی تھی۔ دراصل یہ نو خاندان تھے جن میں سے ہر خاندان کا ایک نمائندہ مل کر یہ گروہ بن گیا تھا، اور یہی لوگ صالح علیہ السلام کے بدترین بدخواہ اور جانی دشمن تھے، اور یہ لوگ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ کوئی شخص صالح علیہ السلام پر ایمان لائے، یا وہ اپنے پروگرام میں کسی طرح کامیاب ہوں، چنانچہ انہوں نے صالح علیہ السلام کے خلاف منصوبہ بندی کی، وہ اس طرح:

﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھاؤ کہ ہم صالح علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے گھر والوں کا راتوں رات کام تمام کریں گے، یعنی انہیں ہلاک کریں گے، جب اس کے خاندان کے لوگ ہم سے ان کے خون کا مطالبہ کریں تو:

﴿ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ﴾ ہم خون کے دعویدار وارثوں سے کہیں گے کہ ہم تو آپ کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت وہاں موجود ہی نہیں تھے، یا یہ کہ ہم اس وقت اس علاقے میں نہیں تھے، ہم کسی سفر میں گئے ہوئے تھے، ہمیں کیا معلوم کہ کس نے شب خون مار کر ان کو ہلاک کر دیا ہے، اور ہم اپنے دعویٰ میں سچے حق بجانب ہیں۔ ﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا﴾ ان لوگوں نے ایک ناجائز تدبیر کی (مکر مخفی تدبیر کو کہتے ہیں) یعنی ایسی چال چلانا جس کو لوگ آسانی سے سمجھ نہ پائیں، ان شریروں کا منصوبہ یہ تھا کہ کسی طرح صالح علیہ السلام کو ہلاک کیا جائے۔ صالح علیہ السلام اکثر رات مسجد میں گزارتے تھے، اور پوری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے، ان فسادیوں کا خیال تھا کہ رات کے وقت جب وہ مسجد میں عبادت میں مصروف ہوتے ہیں تو ان پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیا جائے۔

بعض کہتے ہیں کہ مسجد کے قریب آپ علیہ السلام کے گھر پر شبخوں مارنے کا پروگرام بنایا تا کہ آپ علیہ السلام کو اور آپ علیہ السلام کے اہل خانہ کو بیک وقت ختم کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے یہی ایک تدبیر کی۔ ﴿وَمَكَرْنَا مَكْرًا﴾ اور ہم نے بھی ایک مضبوط تدبیر کی اور ہماری تدبیر ایسی تھی: ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ جس کا وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ جب رات کے وقت حملہ کرنے کے لئے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں راستے میں ہی ہلاک کر دیا، اور وہ صالح علیہ السلام تک پہنچنے ہی نہ پائے۔ ان کی ہلاکت کے متعلق تین قسم کی تفسیری روایات ملتی ہیں: ایک یہ کہ ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ دوسری یہ کہ ان پر اوپر سے ایسی چیخ مسلط کی گئی جس سے ان کے جگر پھٹ گئے۔ تیسری یہ کہ ان کو زمین میں دھنسا کر ہلاک کیا گیا، یہ نو آدمی تو اس طرح مارے گئے اور باقی پوری نافرمان قوم کے متعلق سورۂ ہود میں ہے، جو فرمایا: ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ [ہود: ۶۵] (اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا) چوتھے دن تم پر عذاب نازل ہوگا۔

پہلے دن ان کے چہرے زرد ہو گئے، دوسرے دن سب کے چہرے سرخ ہو گئے، اور تیسرے روز سب کے چہرے سیاہ ہو گئے، اسی کے ساتھ عذاب کا نزول ہوا، ایک سخت چیخ اور زلزلہ نے انہیں دیکھتے دیکھتے بیداری کی

حالت میں اس طرح الٹا کر کے دکھ دیا کہ ان کے جگر پھٹ گئے، اور سب بے جان درختوں کی طرح گھروں میں اور میدانوں میں تباہ ہوکرختم ہو گئے، گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ پھر دیکھوان کی تدبیر کا کیا انجام ہوا، ہم نے ان کواوران کی قوم کوملیامیٹ کر کے رکھ دیا، وہ اوران کی بستیاں نشان عبرت بن گئیں۔

﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا﴾ پس یہ ہیں ان کے گرے پڑے گھران کے ظلم کی وجہ سے۔ یہ لوگ بڑے صناع اور کاریگر سنگتراش تھے، پہاڑوں کو کھود کھود کر عالیشان نقش ونگار والے مکانات بناتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج ان کے محلات کے کھنڈرات ہی باقی رہ گئے ہیں، جولوگ وادی تبوک سے مدائن صالح کی جانب گزرتے ہیں، آج بھی یہ کھنڈرات ان کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ دیکھو ظلم وستم کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ بیشک اس میں نشان عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو علم اور سمجھ رکھتے ہیں۔ ﴿وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ہم نے اہل ایمان کواس عذاب سے بچالیا جو کفروشرک اور معاصی سے بچتے تھے، ہمیشہ سنت اللہ یہی رہی ہے کہ آسمانی عذاب کی آمد پر نافرمان تباہ ہوجاتے ہیں، اور ایماندار وفرمانبردار عذاب سے بچ جاتے ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوط کو بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو؟ حالانکہ تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو ﴿۵۴﴾ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت پوری کرنے کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو؟ بلکہ بات یہ ہے کہ تم جہالت کے کام کررہے ہو ﴿۵۵﴾ سوان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ آل لوط کواپنی بستی سے نکال دو، بیشک بات یہ ہے کہ یہ لوگ پاکباز بنتے ہیں ﴿۵۶﴾ سو ہم نے لوط کواوراس کے گھر والوں کونجات دیدی سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم نے اسے

ان لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے ﴿۵۷﴾ اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسادی، سو ان لوگوں کی بری بارش تھی جو ڈرائے گئے ﴿۵۸﴾

معارف ومنازل

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ سورۂ اعراف، سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں گزر چکا ہے، یہاں صرف یاد دہانی کے لئے اختصاراً بیان ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ کفر و شرک اور دیگر معاصی کے علاوہ ایک بہت برے عمل اور بے حیائی کے کام (لواطت واغلام) میں سرتاپا مبتلا تھے، عورتوں کے ساتھ فطری پاکیزہ عمل کو چھوڑ کر غیر فطری طور پر مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے مسلسل انہیں ایمان کی دعوت دی، اور دیگر بہت سے معاصی سے اور خصوصاً اس قبیح فعل یعنی لواطت جیسے برے کام سے انہیں منع فرماتے رہے، اور فرمایا کہ تمہارا دل بھی خوب جانتا اور گواہی دیتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں، بہت برا ہے، ان لوگوں نے الٹے الٹے جوابات دیئے، اور استہزاءً کہنے لگے کہ لوط اور اس کے خاندان کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں، انہیں ہمارے ساتھ رہنے سہنے کی کوئی مناسبت نہیں، کیونکہ جب ہم برے ہیں تو انہیں ہم سے الگ اور علیحدہ ہونا چاہئے۔

آخر ان لوگوں پر شدید قسم کا انوکھا عذاب آ گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین بمع آل واولاد عذاب سے بچالئے گئے، اور ان کی بیوی قوم کے ساتھ اس شدید عذاب کے لپیٹ میں آ کر تباہ ہوگئی، پوری آبادی جو کہ بارہ بستیوں پر مشتمل تھی الٹا کر تہ وبالا اوپر نیچے ہو کر تباہ کر دی گئی، اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی برسائی گئی۔ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ سے اس کو تعبیر فرمایا۔ آخر میں اسی کو ﴿فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ کہہ دیا، یعنی جنہیں عذاب سے بار بار ڈرایا گیا ان پر بہت بری بارش پتھروں اور سنگریزوں کی برسائی گئی جس سے وہ تباہ ہو گئے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور سلام ہو اللہ تعالیٰ کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا، کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ لوگ جنہیں شریک بناتے ہیں؟ ﴿۵۹﴾

الجزء العشرون

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ
مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ؕ۶۰ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ
قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ
اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ۶۱ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ
الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ۶۲ اَمَّنۡ يَّهۡدِيۡكُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ
يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًاۢ بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ؕ۶۳ اَمَّنۡ يَّبۡدَؤُا
الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ
اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۶۴ قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ
اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ ۶۵ بَلِ ادّٰرَكَ عِلۡمُهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ ۚ بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡهَا ۚ بَلۡ هُمۡ مِّنۡهَا عَمُوۡنَ ۶۶

ترجمہ: کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا فرمایا، اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ رونق والے باغیچے اگائے، تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے درختوں کو اگاؤ، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے ہیں ۶۰ کیا جس ذات نے زمین کو ٹھہرایا ہوا بنایا، اور اس کے درمیان نہریں بنائیں، اور اس کے لئے پہاڑ بنائے، اور دو دریاؤں کے درمیان آڑ بنادی، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے ۶۱ کیا وہ جو بے چین آدمی کی دعا کو سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے، اور بدحالی کو دور فرماتا ہے، اور تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ تم بہت کم دھیان دیتے ہو ۶۲ کیا وہ جو تمہیں خشکی میں اور دریا کے اندھیروں میں راہ بتاتا ہے، اور جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہے؟ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو وہ شریک کرتے ہیں ۶۳ کیا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا فرماتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا، اور جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ فرمادیجئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو ۶۴ آپ فرمادیجئے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو بھی چیزیں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کو

نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور یہ لوگ علم نہیں رکھتے کہ کب زندہ کئے جائیں گے ﴿۶۵﴾ بلکہ بات یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کا علم نیست ونابود ہو گیا، بلکہ یہ لوگ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں، بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے ہیں ﴿۶۶﴾

معارف ومنازل

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال وواقعات بیان فرمائے، خاص کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم سلطنت اور آپ علیہ السلام کے عظیم الشان کارنامے، چیونٹیوں اور ہدہد نیز ملکہ سبا اور اس کے بینظیر تخت اور دربار سلیمانی میں اس کی حاضری وغیرہ وہ واقعات وحالات ہیں اگر انہیں چشمِ بصیرت سے اور فکر وعبرت سے دیکھا جائے تو بلا ارادہ زبان سے اقرار کرتے ہوئے کہنا پڑے گا: **الحمد للہ۔** ساری تعریفیں اور ہر قسم کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، جن کی عظمتوں اور قدرتوں کے مظاہر چاردانگِ عالم کے ہر ہر ذرہ میں نمایاں ہیں، جن میں سے چند ایک کا بیان آئندہ آیات میں آنے والا ہے، تو فرمایا:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں، اور ان کے ان فرمانبردار بندوں پر سلامتی نازل ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے۔

امام مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ﴿الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ سے مراد انبیاء ومرسلین علیہم السلام ہیں، کیونکہ انہی کے متعلق ارشاد ہے: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [الصافات: ۱۸۱] (اور سلام ہو رسولوں پر)۔ بروایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور امام کلبی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس سے ساری امت محمدیہ مراد ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ [فاطر: ۳۲] (پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا جنہیں ہم نے چن لیا تھا)۔ پس اصطفاء کے متعدد درجات ہیں، اصطفاء کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کے لئے ہے، اور دوسرا درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ حسب مراتب واعمال امت کے لوگوں کے لئے ثابت ہوں گے۔

﴿اللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ چیزیں جنہیں مشرکین اللہ کے شریک مانتے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق خالق و مالک ہے، اور ہر نفع ونقصان کا مالک ہے، اور مرکز خوف ورجاء بھی ہے، اور تمام جہاں پر اس کی حکمرانی ہے، جبکہ مشرکین کے معبودانِ باطلہ محض عاجز اور بے بس ہیں، وہ کسی طرح عبادت کے اہل نہیں ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب مشرکین باوجود شرک کے یہی دیتے ہیں کہ بہتری صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یہ ہمارے بت کسی بھی صورت میں اللہ تعالیٰ سے بہتر ہونا تو درکنار اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر بھی نہیں ہوسکتے۔ جس طرح عرب کے مشرکین اس پر قائم تھے آج ہندو بت پرستوں کا بھی یہی خیال ہے کہ بہتری اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ یا وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔

﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا﴾ اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس پانی سے خوشنما اور بارونق باغ اگائے، تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم درختوں کو اگا ہی سکو، تمہاری اتنی قدرت کہاں کہ پانی اتارو، پھر اس کے ذریعہ درخت اور سبزہ اگاؤ، پھر درختوں سے مختلف رنگ اور مختلف ذائقے کے پھل پیدا کرو، یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسی کی ایجاد وفرمان کا نتیجہ ہے، تو جس طرح تم لوگ ان چیزوں کی تخلیق سے عاجز ہو اسی طرح تمہارے ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کا حال ہے کہ وہ بے جان بے حرکت پتھر کی مورتیاں ہیں، تو بتاؤ کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی بہتر ہے یا تمہارے عاجز بتوں کی؟ ظاہر ہے کہ جو ہر طرح سے عاجز ہو وہ کسی رعایت کا حقدار نہیں چہ جائے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کی شان یہ ہے کہ تمام کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے کوئی اور معبود ہے جو اُلوہیت کا استحقاق رکھتا ہو اور ان چیزوں کے پیدا کرنے پر معمولی قدرت رکھتا ہو؟ سو ہرگز نہیں، پر مشرکین راہ حق سے عدول کرتے ہیں، اور ہدایت وانصاف سے ہٹے ہوئے ہیں۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ اتنے بے عقل وبے شعور ہیں کہ بے جان بتوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں جو کہ سراسر حماقت اور ناانصافی ہے۔

﴿اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ بھلا بتاؤ یہ تراشیدہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات پاک بہتر ہے؟ جس

نے زمین کو تمام جاندار مخلوقات کے لئے قرار گاہ بنایا، اور اس کے درمیان نہریں جاری کیں، اور اس نے زمین کی اضطرابی حرکت کو بند کرنے کے لئے بڑے بڑے پہاڑ بنائے تاکہ وہ حرکت نہ کرے؟ اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو زمین کانپتی رہتی، اور مسلسل ہلتی رہتی، تو کوئی جاندار اس پر زندگی نہ گزار سکتا، اور سارا زمینی نظام درہم برہم ہوجاتا، جس سے عیش وعشرت تباہ ہوجاتی۔

اسی طرح اس نے اپنی قدرت سے دو متضاد دریا پیدا کئے: ایک کا پانی میٹھا ہے، اور ایک کا کھارا ہے، پس اس نے اپنے فضل وکرم سے دونوں دریاؤں کے درمیان پردہ پیدا فرمایا تاکہ دونوں میں اختلاط نہ ہو۔ سورۂ فرقان میں گزر چکی ہے، جہاں ارشاد ہوا: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ [الفرقان: ۵۳] (اور وہی ہے جس نے دریاؤں کو اس طرح ملا کر چلایا ہے کہ ایک میٹھا ہے جس سے تسکین ملتی ہے، اور ایک نمکین ہے سخت کڑوا۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایک رکاوٹ حائل کردی ہے جس کو کوئی عبور نہیں کرسکتا)۔ اور سورۂ رحمٰن میں فرمایا: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾﴾ [الرحمن] (اسی نے دو سمندروں کو اس طرح چلایا کہ وہ دونوں آپس میں مل جاتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک آڑ ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنی حد سے بڑھتے نہیں)۔

﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کے بنانے اور پیدا کرنے میں دوسرا کوئی معبود ہے جس میں یہ سب کچھ کی قدرت ہو؟ ہرگز نہیں۔ استفہام انکاری ہے، بلکہ اکثر لوگ جانتے نہیں اور غور وفکر کرتے نہیں، اس لئے شرک میں مبتلا ہیں، اگر یہ مشرک غور وفکر کرتے اور جاننے کی جدوجہد کرتے تو شرک سے بچ جاتے۔ اور بعض لوگ جانتے بھی ہیں مگر ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے مشرک ہیں۔

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ بھلا ذرا بتاؤ کہ یہ تراشیدہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات پاک بہتر ہے کہ جب کوئی بے قرار پریشان حال اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے، اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے؟ وہ ذات پاک سمیع وبصیر بھی ہے، اور لطیف وخبیر بھی، وہ دل کے رازوں سے بھی باخبر، علیم بذات الصدور بھی ہے، وہ قریب ومجیب بھی ہے، وہ مخلوقات پر بے حد مہربان بھی ہے، وہ مانگنے والوں کو پسند کرتا ہے، اور راضی ہوتا ہے، وہ مانگنے والوں کے ہاتھ کبھی خالی رد نہیں کرتا، اس کے باوجود اگر کسی کی مطلب برآری نہ ہو یا تکلیف دور نہ ہو اور دعا قبول نہ ہو تو اپنے دل کو ٹٹولنا چاہئے، اور اپنے اندر جو کمی ہے اس کو دور کرنا چاہئے، اور اکلِ حلال اور صدقِ مقال کی

خصلت کے ساتھ عمل پیرا ہونا چاہئے، اور بس۔

مضطر اس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی شدت اور مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نکلنا مشکل ہو، اور صبر بھی نہ کر سکتا ہو، "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کا مصداق ہو، پس ربّ العلمین جل شانہ وہ ہے کہ جب اسباب ظاہری تم کو مکمل جواب دیدیتے ہیں، اور تم مایوسی کے عالم میں عاجز ہو جاتے ہو، اور تم سب سے کٹ کر اس کو پکارتے ہو تو وہ غیبی قدرتوں اور حکمتوں کے تحت تمہارا عقدہ حل کر کے تمہاری نجات ممکن بنا دیتا ہے، اور پریشانیوں کو دور فرماتا ہے۔ اسی ﴿یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ﴾ کے تحت:

﴿وَیَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ﴾ تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین اور خلیفہ بنا دیتا ہے، وہ اپنی مقررہ موت سے مرجاتے ہیں، ان کے بعد زمین پر تم آباد ہو کر خود مختاری سے کام کرتے ہو، یہ اس کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا نظام الاوقات ہے، جس پر یہ عالم ناسوت قائم ہے کہ ایک قرن کے اختتام پر دوسرا قرن شروع ہو جاتا ہے۔

﴿ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کی شان یہ ہے جو ابھی بیان ہوا، اور کوئی معبود یا برابر کوئی ہے؟ ہرگز نہیں، اور کبھی بھی نہیں ہو سکتا، مگر تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو، اور تمہارے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں کہ دلائل واضحہ کے باوجود اندھے اور بہرے ہو۔

﴿اَمَّنۡ یَّہۡدِیۡکُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ یُّرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ﴾ بھلا یہ بتاؤ کہ اندھے بہرے بت بہتر ہیں یا وہ ازلی و ابدی ذات پاک جو تم کو لق و دق صحراؤں اور بیابانوں میں اور سمندروں کی طغیانیوں اور موجوں کی اندھیریوں اور تاریکیوں میں راستہ بتاتا ہے، یعنی: ﴿وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجۡمِ ہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ﴾ [النحل: ۱۶] (اور بہت سی علامتیں بنائی ہیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں)۔ اور فرمایا: ﴿وَہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوۡمَ لِتَہۡتَدُوۡا بِہَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ﴾ [الأنعام: ۹۷] (اور اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے ستارے پیدا کیے تاکہ تم ان کے ذریعے راستہ معلوم کرو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں)۔

یہ روشن اور چمکدار ستارے تمہارے لئے پیدا فرما کر تمہیں بھٹکنے اور گمراہی سے محفوظ رکھا، اور راستہ بتانے کا ایسا انتظام مقرر کیا جس کی مثال نہ ہو، اسی نے ظاہری ستاروں کی طرح معنوی اور روحانی ستارے بھی ترتیب دیئے، فرمایا: ﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ﴾ [الواقعة: ۷۵] (اب میں ان جگہوں کی قسم کھاتا ہوں جہاں ستارے گرتے ہیں)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علماء حقانی اور وارثانِ نبوت یہ سب تمہاری راہنمائی کے ستارے ہیں، قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ بڑے بڑے ستاروں کی مانند ہیں۔ مزید کرم یہ کہ وہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں بارانِ رحمت کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں، اب ذرا بتاؤ یہ ہوائیں کون بھیجتا ہے؟ اور پانی برسانے والا اور اس کے ذریعہ تمہاری معیشت کو سہارا دینے والا اور تمہارے لئے رزق وروزی کا انتظام کرنے والا کون ہے؟ اس کا جواب تمہارے پاس بھی یہی ہے کہ "اللہ" ہے۔

﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے جو یہ کام انجام دے؟ ہرگز نہیں۔

﴿تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ شانہ بلند اور برتر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو، یہ اندھے بہرے عاجز محض بت جو کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں یہ کیسے قادر مطلق کا شریک بن سکتے ہیں؟ پانچویں حقیقت یہ فرمائی:

﴿اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ذرا بتاؤ کہ وہ بے جان و ناتواں بت بہتر ہیں یا وہ قادر مطلق خالق کل جل شانہ بہتر ہے جو مخلوقات کو بغیر کسی سابق نمونہ کے پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے؟ جس کو تم بھی مانتے ہو، پھر وہی اپنی قدرت وارادہ سے انہیں فنا کرنے کے بعد قیامت کے دن بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا، اور حساب وکتاب کا مرحلہ شروع کرے گا، دیکھو! جو وجود وعدم کا مالک ہو وہ ہر طرح کی موت دینے اور زندہ کرنے پر قادر ہے، اور اس کی شان یہ بھی ہے کہ وہ تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہے، آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کے ذریعہ زندہ کر کے ہزاروں قسم کے ماکولات اور مشروبات پیدا فرماتا ہے، یہاں تک کہ تمہارے جانوروں کے گھاس چارے بھی اسی سے مہیا ہو جاتا ہے، ذرا بتاؤ کہ یہ سب کچھ کرنے والا کون ہے؟ یہ بات تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے کہ صرف "اللہ" ہی ہے، تو بتاؤ:

﴿ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے جو یہ امور انجام دیدے؟ ہرگز نہیں، جب ہرگز نہیں تو یہ سب کچھ دیکھ کر اور جان کر شرک کرنا اور غیر اللہ کی پوجا کرنا اور بتوں کو حاجت روا سمجھنا سراسر حماقت اور بے انصافی ہے۔ ہاں! اگر اندھی تقلید کے علاوہ کوئی اور دلیل تمہارے پاس ہو تو لے آؤ، اسی کو فرمایا:

﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ تم اپنے شرک پر کوئی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو، اور ثابت کرو کہ تمہارے معبود بھی کچھ قدرت رکھتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ یہ چیز نہ تمہاری قدرت میں ہے اور نہ ہی کسی نے کبھی اس کی دلیل پیش کی ہے۔ ہاں! جب مشرکین دلیل پیش کرنے سے عاجز ہو گئے تو بات کا رخ دوسری طرف پھیر کر کہنے

لگے کہ آپ ہمیں جس قیامت سے ڈراتے رہتے ہیں، ذرا بتاؤ کہ وہ قیامت کب آئے گی؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ آسمان وزمین کی پوشیدہ چیزوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا،جب کائنات کی علوی وسفلی لاکھوں چیزیں تم سے مخفی اور پوشیدہ ہیں جنہیں تم نہیں جانتے، اسی طرح قیامت کا معاملہ بھی اخفاء میں ہے جسے میں نہیں جانتا کہ کب قیامت قائم ہوگی، جیسا کہ ہر شخص کے لئے موت مقرر ہے، جس سے کسی کو انکار نہیں، مگر اس کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں، یہی حال قیامت کا بھی ہے۔

﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ اور ان کو پتہ بھی نہیں، وہ نہیں جانتے کہ مردے قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے، کیونکہ وقتِ حشر حسی نہیں کہ حواس کے ذریعہ سے اس کا وقت معلوم ہو سکے، اور نہ اس کے وقت کی تعیین نظری (عقلی) ہے جو استدلال سے حاصل ہو، اس لئے کسی آسمانی یا زمینی مخلوق کے لئے قیامت کا یقینی علم ممکن نہیں، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بتادے تو معلوم ہونا ممکن ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو قیامت کی تعیین کا علم عطا نہیں فرمایا، اور یہ علم اپنی ذات کے لئے مخصوص رکھا ہے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو نہیں بتایا گیا، وھذا ھو الحق۔

پھر فرمایا کہ یہ مشرکین آخرت کے بارے میں فقط لاعلم اور بے خبر نہیں، بلکہ:

﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ بلکہ ان کا علم آخرت کے بارے میں غائب اور گم ہو چکا ہے، یعنی نیست ونابود ہے۔ گزشتہ آیت میں بتلایا کہ ان لوگوں کو آخرت کا وقت معلوم نہیں، اب اس آیت میں یہ بتلایا کہ ان کو نفس آخرت کا بھی علم نہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ آخرت کیا چیز ہے؟

﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا﴾ بلکہ وہ آخرت کے بارے میں شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں، اور یہ لوگ عظیم حیرت اور اضطراب میں ہیں، ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر جائیں، کیا کریں، جیسے کوئی مخبوط الحواس ہو، یا اس کا دماغی توازن بگڑ چکا ہو۔ ﴿بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾ بلکہ یہ قیامت کے بارے میں اندھے بنے ہوئے ہیں، دل کی بینائی کھو چکے ہیں، نہ ان کو حق بات نظر آتی ہے، اور نہ ہی کوئی دلیل، نہ ہی اہل حق کے پیغام اور ان کی سیرت ونیک اعمال، اور نہ ہی کائنات اور قدرتی مصنوعات، دراصل یہ لوگ شیطانی اعمال اور نفسانی خواہشات میں ایسے غرق ہو چکے ہیں کہ انسانی اقدار سے نکل کر حیوان بن چکے ہیں۔ حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی، کبھی شک کرتے ہیں، کبھی منکر ہوتے ہیں۔ [موضح القرآن]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ
قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا
الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ
اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآىِٕبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور کافروں نے کہا: کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے، اور ہمارے باپ دادے، تو کیا ہم ضرور نکالے جائیں گے؟ ﴿۶۷﴾ بلاشبہ بات یہ ہے کہ اس سے پہلے ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے، یہ پرانے لوگوں کی نقل کی ہوئی باتیں ہیں ﴿۶۸﴾ آپ فرمادیجئے: تم زمین میں چلو پھرو سو دیکھو مجرموں کا کیا انجام ہوا ﴿۶۹﴾ اور آپ ان پر غم نہ کیجئے، اور یہ جو مکر کرتے ہیں اس کی وجہ سے تنگدل نہ ہو جایئے ﴿۷۰﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ ﴿۷۱﴾ آپ فرمادیجئے کہ تم جس عذاب کی جلدی مچا رہے ہو عنقریب اس کا بعض حصہ تم سے آ ہی لگا ہے ﴿۷۲﴾ اور بلاشبہ آپ کا ربّ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ شکر نہیں کرتے ﴿۷۳﴾ اور بلاشبہ آپ کا ربّ ان باتوں کو ضرور جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپاتے ہیں، اور یہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ﴿۷۴﴾ اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو ﴿۷۵﴾

معارف ومنازل

توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد منکرین کے انکار حیات بعد الموت کا تذکرہ فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے، اور یہ مضمون سو کے قریب مقامات پر مذکور ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، اور قیامت کی تکذیب کی:

﴿ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ﴾ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادے مرکر زمین میں مٹی کی طرح ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ سورۂ سجدہ میں ہے: ﴿ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ﴾ [السجدة: ۱۰] (جب ہم مٹی میں گم ہو جائیں گے) تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مٹی کے ذرات سے دوبارہ ہماری تخلیقی حیات ہو، اور یہ ناممکن ہے۔

﴿ اَئِنَّا لَمُخۡرَجُوۡنَ﴾ توکیا ہم اس زمین سے گردوغبار ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہوکرنکالے جائیں گے۔
سورہ مؤمنون میں کفار کا قول اس طرح بیان ہوا: ﴿اَيَعِدُكُمۡ اَنَّكُمۡ اِذَا مِتُّمۡ وَ كُنۡتُمۡ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمۡ مُّخۡرَجُوۡنَ۝٣٥ هَيۡهَاتَ هَيۡهَاتَ لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ۝٣٦﴾ [المؤمنون] (بھلا بتاؤ یہ شخص تمہیں ڈراتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہوجاؤ گے تو تمہیں دوبارہ زمین سے نکالا جائے گا؟ جس بات سے تمہیں ڈرایا جارہا ہے وہ تو بہت ہی بعید بات ہے، سمجھ سے بالکل ہی دور)۔ اور سورہ یٰسین میں ہے: ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلۡقَهٗ ؕ قَالَ مَنۡ يُّحۡيِ الۡعِظَامَ وَهِيَ رَمِيۡمٌ﴾ [یٰس:٧٨] (اور ہمارے بارے میں تو وہ باتیں بناتا ہے اور خود اپنی پیدائش کو بھلا بیٹھا ہے، کہتا ہے کہ: ان ہڈیوں کو کون زندگی دے گا جبکہ وہ گل چکی ہوں گی؟)۔

مطلب یہ ہے کہ مشرکین بار بار یہی کہتے تھے کہ انسانی بدن قبر میں گل سڑ کر مرورِ زمانہ کے ساتھ مٹی ہوجاتا ہے، اور اس کے اجزا منتشر ہوکر بکھر جاتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا نام ونشان باقی نہیں رہتا، تو یہ کیسے ممکن ہوگا کہ مٹی کے منتشر اجزاء سے دوبارہ ترکیب دے کر پہلے کی طرح انسانی زندگی مرکب ہوجائے، اور مرا ہوا شخص دوبارہ زندہ ہوجائے۔ کبھی وہ آپس میں گفتگو کرکے اس حیات بعد الموت کو بعید اور ناممکن کہتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام پر تعریض کرتے ہوئے کہتے تھے: ﴿اِذَا مُزِّقۡتُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمۡ لَفِيۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ﴾ [سبأ:٧] (جب تمہارے اجسام ریزہ ریزہ ہوجائیں تو تمہیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا؟) پھر کہنے لگے:

﴿لَقَدۡ وُعِدۡنَا هٰذَا نَحۡنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ﴾ اس بات کا وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں کے ساتھ کیا گیا کہ مرنے کے بعد تمہیں سب کو دوبارہ اٹھایا جائے گا، جب بھی کوئی پیغمبر آیا اس نے یہی رٹ لگایا، یہ تو پرانی باتیں ہیں، اور یہ پہلے لوگوں کے قصہ کہانیاں ہیں جو ہمارے آباء واجداد سنتے رہے ہیں، اور آج تک یہ سلسلہ چلا آرہا ہے، مگر آج تک کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا گیا۔

﴿قُلۡ سِيۡرُوۡا فِي الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ﴾ آپ فرمادیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ وہ مجرم جنہوں نے توحید اور معاد کا انکار کیا، اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، اور ان سے لڑے اور انہیں ایذائیں پہنچائیں، حق کی مخالفت اور باطل کی سرپرستی کی، اور خلق خدا پر ظلم وزیادتی کی، تم ان کے انجام کو دیکھ لو، اور ان کی تباہی کی داستان پڑھ لو، اور ان کے کھنڈرات اور تباہی کے آثار قدیمہ دیکھ کر اندازہ لگاؤ کہ وہ مال ودولت، شان وشوکت اور قوت وطاقت میں تم سے بہت آگے اور مضبوط ومستحکم تھے، ان کا انجام کیسا

ہوا؟ وہ ایسے تباہ ہو گئے کہ صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹ گئے، پس ان کی تباہی سے عبرت حاصل کرو، اور سرکشی سے باز آجاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا حشر ان جیسا ہو، ربّ العزّت سبحانہ کا قانون ہے کہ پچھلے والے اگر اگلے لوگوں کے انجام سے سبق نہیں سیکھتے تو ان کا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا، پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی اور فرمایا:

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ﴾ آپ ان لوگوں پر غم نہ کھائیں، اور پریشان نہ ہوں، ان کی حالت دیکھ کر افسردہ نہ ہوں، اور نہ آپ ان کی خفیہ تدبیروں اور چالبازیوں سے دل میں تنگی محسوس کریں، ان کے مکروفریب کو آپ کا ربّ ناکام کرے گا، اور انہیں ان کے انجامِ بد تک پہنچائے گا، یہ کبھی اپنی سازشوں میں کامیاب نہیں ہوں گے، یہ اپنے کھودے ہوئے کنویں میں خود گر کر تباہ و ذلیل ہو جائیں گے۔

﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ دراصل یہ لوگ تکبر اور غرور سے استہزاءً کہتے تھے کہ اگر واقعی قیامت برحق ہے تو اسے برپا کیوں نہیں کر دیتے؟ ہمیں محض دھمکیاں دیتے ہو، اور قیامت برپا نہیں کرتے، پس ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ محض ہمیں ڈراتے ہو، جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

﴿قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ﴾ آپ انہیں یہ جواب ارشاد فرمایئے شاید کچھ بعید نہیں کہ قیامت تمہاری پشت کے پیچھے پہنچ چکی ہو، بعض وہ چیزیں جن کے متعلق تم جلدی کرتے ہو۔ کفار و مشرکین عموماً دو چیزوں کے متعلق جلدی مچاتے تھے: کہتے تھے کہ قیامت کیوں برپا نہیں کر دیتے؟ یا ہم پر عذاب کیوں نازل نہیں کر دیتے؟ اسی کا جواب دیا جا رہا ہے کہ قیامت اور عذاب عین ممکن ہے کہ یہ تمہارے بالکل قریب پہنچ چکی ہوں، ہوسکتا ہے کہ عنقریب یہ عذاب تم پر وارد ہو، اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔

مفسرین نے کہا کہ اس سے جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے، جس میں مشرکین کے ستر کے قریب سرغنے ہلاک ہوئے، گویا ان پر قیامت آ ہی گئی، اور ستر کے قریب قید ہوئے، یہ بھی ایک عذاب ہی تو تھا، یہاں پر "رَدِفَ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، ردیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر پیچھے بیٹھتا ہے، اس میں کنایہ ہے کہ قیامت یا عذاب تم سے اس طرح قریب ہے جتنا سواری پر پیچھے بیٹھنے والا آگے بیٹھنے والے کے قریب ہوتا ہے۔ فرمایا: اب تک عذاب میں جو دیر ہو رہی ہے وہ اس وجہ سے:

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ﴾ لیکن لوگ بکثرت ایسے ہیں کہ

شکر نہیں کرتے، اور تاخیر عذاب جو ایک نعمت ہے اس کی قدر نہیں کرتے، پروردگار سبحانہ بہت ڈھیل دیتا ہے تاکہ نافرماں لوگ شاید راہِ راست قبول کریں، مگر ناشکرے لوگ اس مہلت کو غنیمت نہیں سمجھتے، اور مزید سرکشی اختیار کرتے ہیں، بالآخر جب عذاب آجائے گا تو مزید مہلت مانگنا شروع کرتے ہیں جس کی شنوائی نہیں ہوگی۔

﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ﴾ اور بیشک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس عداوت کو جو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں، اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تیرا پروردگار ان کے ظاہر و باطن سے مکمل باخبر ہے، عذاب میں تاخیر بے خبری کی وجہ سے نہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل عذاب کے آنے میں رکاوٹ ہے، وہ کریم ورحیم اپنے فضل وکرم اور اپنی حکمت و مصلحت کی بناء پر عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔

﴿وَمَا مِنۡ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ﴾ اور آسمان وزمین کی کوئی چھپی بات ایسی نہیں کہ جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی نہ ہو، لوح محفوظ ایک ایسا عظیم دفتر ہے جہاں ازل سے ابد تک کی تمام چیزوں کا کلّی اور جزوی ہر طرح کا ریکارڈ موجود ہے، اور ان مشرکین کے لئے جو عذاب مقرر ہے وہ بھی لوح محفوظ میں درج ہے جو اپنے مقررہ وقت پر آئے گا جس کا انہیں انتظار کرنا چاہیے۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَكۡثَرَ الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ۝٧٦ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ
لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ۝٧٧ اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ بِحُكۡمِهٖ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۚ۝٧٨ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى
الۡحَقِّ الۡمُبِيۡنِ۝٧٩ اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ۝٨٠ وَمَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِى
الۡعُمۡىِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ۝٨١

ترجمہ: بلا شبہ یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن چیزوں میں وہ جھگڑ رہے ہیں ۷۶ اور بلا شبہ یہ قرآن مؤمنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ۷۷ بیشک آپ کا ربّ ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلے فرمائے گا، اور وہ عزیز ہے، علیم ہے ۷۸ سو آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے، بلا شبہ آپ صریح حق پر ہیں ۷۹ بلا شبہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ آپ بہروں کو پکار (سنا) سکتے ہیں، جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں ۸۰ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستہ دکھا سکتے ہیں، آپ تو انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، سو وہ فرمانبردار ہیں ۸۱

معارف ومنازل

مبدأ اور معاد کے بیان کے بعد رسالت محمدیہ کا اثبات فرما رہے ہیں، اور اسی کے ساتھ قرآن حکیم کی حقانیت کا بیان فرما رہے ہیں، اثبات حقانیت رسالت کی سب سے بڑی دلیل قرآن حکیم ہے جو کہ حکم اور فیصلہ کنندہ بن کر آیا ہے۔ بنی اسرائیل قوم نے اللہ تعالیٰ سبحانہ کے بارے میں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں قیامت اور جنت کے بارے میں، احکام شریعت کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں جو جو غلط غلط اور بے بنیاد تحریف اور جھوٹ بولا ہے، چنانچہ یہ غلط اور ناشائستہ باتیں اتنی زیادہ ہیں اگر انہیں ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہوگا۔ پھر اس قوم کی کفریات اور تہمتیں اتنی بکثرت قرآن مجید نے بیان کر کے پورے عالم پر عموماً اور انبیاء کرام علیہم السلام و دیگر ہستیوں پر خصوصی احسان کیا، جبکہ اس نافرماں قوم نے تمام ہستیوں پر کیچڑ اچھال کر ان کی بدنامی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، مگر قرآن حکیم نے وکیل صفائی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان سب کی پوزیشن واضح کی، جیسا کہ سورۂ بقرہ اور دیگر مدنی سورتوں میں متفرق مقامات میں ان کی نشاندہی ہو چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن حکیم اہل کتاب کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے، اور ان کے شکوک وشبہات اور تحریفات کا ازالہ اور نشاندہی کرتا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اہل کتاب کی جو افراط وتفریط کی داستان ہے قرآن کریم اس کا فیصلہ کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ شانہ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے، خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے، جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں، اور نہ معاذ اللہ ساحر اور کاہن اور ولد الحرام تھے جیسا کہ یہود بے سود کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا جو اختلاف تھا قرآن کریم نے اس کا بھی فیصلہ کر دیا، اور بتمام وکمال حضرت مریم علیہا السلام کی عصمت وعفت اور ان کی صدیقیت کا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا، اور یہود جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی کہتے تھے، اور نصاریٰ جو ان کو نصاریٰ کہتے تھے ان دونوں جھوٹی قوموں کی تردید وتکذیب کرتے ہوئے قرآن کریم نے فیصلہ کیا اور کہا: ﴿مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾ [آل عمران: ۶۷] (ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ یکسو ہو کر مسلمان تھے)۔

اسی طرح اس سرکش قوم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ ساحر تھے عیاش تھے جادو کے زور سے بادشاہی کرتے تھے وغیرہ، تو قرآن کریم نے اس بادشاہ برحق کے متعلق فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [البقرة: ۱۰۲] (سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا)۔

اسی طرح قرآن کریم نے متعدد دیگر مقامات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے کارناموں اور عظمتوں کو بیان فرمایا، اوران کی نبوت وسلطنت کے متعلق ان کی تعریف کی اور سراہا۔فرمایا:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ﴾ البتہ تحقیق یہ قرآن کریم جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، اس کے من جانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن پاک بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں کھولتا اور بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، بنی اسرائیل میں ستر سے زائد فرقے تھے، ہر فرقہ کا دین وطریقہ دوسرے فرقہ سے مختلف تھا، توحید اور تثلیث میں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی اُلوہیت میں اور ابنیت میں، اور جنت وجہنم کے جسمانی اور روحانی ہونے میں جو اختلاف تھا قرآن کریم نے اس سلسلے میں حق اور باطل کو واضح کر کے مکمل بیان کیا، اور تمام بے بنیاد باتوں کی تردید فرمائی۔اور حقانیت قرآن پر ایک دلیل یہ ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ بلا شبہ یہ قرآن ہدایت ہے، اور سرچشمہ ہدایت ہونے کے ساتھ اہل ایمان کے لئے رحمت ہے اور موجب خیر وبرکت ہے۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ﴾ بیشک تیرا پروردگار ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا، اور وہی ہے زبردست اور جاننے والا، لہٰذا آپ اپنے ربّ کے فیصلے کا انتظار کریں، اور معاندین کی سرکشی اور عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں، بلکہ:

﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِیْنِ﴾ پس آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے، بیشک آپ صریح اور واضح حق پر ہیں، اور آپ کے مخالفین صریح گمراہی اور باطل پر ہیں جو مٹنے والے ہیں۔ ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ﴾ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے، یہ آپ کی قدرت میں بھی نہیں، اور اگر بالفرض یہ لوگ مردہ نہ ہوں تو بہرے ضرور ہیں، اور آپ بہروں کو بھی اپنی پکار نہیں سنا سکتے، خاص کر جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں۔بہرا سنتا تو نہیں مگر اشارہ سے سمجھ سکتا ہے، مگر جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اشارہ سے بھی نہیں سمجھ سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ اول تو ان کے دلوں کے کان بہرے ہیں، اور خود ان کا شمار بھی مُردوں میں ہے، تو کیا سمجھیں اور کیا قبول کریں، جبکہ صلاحیت اور استعداد دونوں مفقود ہوں، کفر ایک اندھا پن ہے جس کے ساتھ کافر گونگا بھی ہے، اور نابینا وبہرا بھی، مستزاد یہ کہ وہ حق سے منحرف اور بھاگنے والا بھی، تو ایسوں کو راستہ دکھانا اور ہدایت پر لانا نہایت مشکل ہے۔جب کسی کو ہدایت کی طلب نہ ہو تو وہ کبھی ہدایت یافتہ نہ ہوگا۔

آج ہمارے زمانے میں جو لوگ برائے نام مسلمان ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ اہل حق اور خود حق کا مذاق اڑاتے ہیں، تو ان کے لئے حق کا قبول کرنا نہایت مشکل ہے، اس لئے کہ وہ حق کے دشمن اور بد خواہ ہیں۔ فرمایا:

﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ﴾ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی اور سرکشی سے ہدایت نہیں دے سکتے، راستہ نہیں دکھا سکتے، جبکہ ان میں دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں، البتہ جن کو بینائی حاصل ہو تو پھر:

﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ لہٰذا آپ صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار بن گئے ہیں، اور ایمان واسلام قبول کرنے کی برکت سے بینا اور زندہ وشنوا ہو گئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ برحق ہیں، اور آپ کی لائی ہوئی کتاب بھی برحق ہے، لیکن اس کے قبول کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں، محض حق کا واضح اور روشن ہونا کافی نہیں جب تک قبول کرنے والے آدمی میں شرائط قبول نہ پائی جائیں، پہلی یہ کہ وہ زندہ ہو مردہ نہ ہو، بینا ہو نابینا نہ ہو، شنوا ہو بہرہ نہ ہو، کیونکہ ایمان ایک نور اور ہدایت ہے، ایمان لانے سے آدمی زندہ اور بینا ہو جاتا ہے، اور اس کا شعور بھی بیدار ہو جاتا ہے، اور اس کا شمار انسانوں اور عقلمندوں میں ہوتا ہے۔

مسئلہ سماع موتی:

مُردوں کے سننے کا مسئلہ بحث طلب ہے، اور اس کے دو حصے ہیں: ایک کا تعلق سرور عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک سے ہے، اور دوسرے کا عام مُردوں اور فوت شدگان سے ہے۔

پہلا مسئلہ متفق علیہ ہے، جبکہ ثانی الذکر اختلافی ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر جا کر قریب سے صلوٰۃ وسلام پڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے ہیں، اور جواب دیتے ہیں، اس بارے میں صحیح حدیث موجود ہے: مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ۔ [مشکوٰۃ: ص ۸۷، بحوالہ بیہقی شعب الایمان]

یعنی جو شخص میری قبر کے قریب درود وسلام پڑھتا ہے میں اس کو بنفس نفیس سنتا ہوں، اور جو شخص مجھ پر دور سے درود وسلام پڑھے وہ مجھے فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے۔ اس روایت کے سارے راوی صحیح ہیں، اور اسے امام ابن قیم، امام ابن کثیر، امام سخاوی اور شیخ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہم نے بھی صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بڑے بڑے محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے، لہٰذا یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

البتہ دوسرے مسئلہ یعنی عام فوت شدگان کے سماع کا مسئلہ یہ اختلافی ہے، قرن اول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مسئلے میں اختلاف کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سماع موتی کو ثابت کرتے ہیں، جبکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی نفی کی ہے۔ اسی طرح دوسرے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے دو گروہ ہو گئے: بعض اثبات کے قائل ہو گئے اور بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی سورۂ نمل میں آیا ہے، دوسرے سورۂ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے، اور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے:

﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ [فاطر: ۲۲] (یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں)۔

ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ ان میں سے کسی آیت میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے، بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں سنا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ سنانے کی نفی ہے، سننے کی نہیں، تینوں آیتوں میں اس تعبیر و عنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ ملتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باختیارِ خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

حضرت علامہ رئیس المحققین سید محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں: **والأحاديث في سماع الأموات قد بلغت مبلغ التواتر فالإنكار في غير محله سيما إذا لم ينقل عن أحد عن ائمتنا رحمهم الله فلابد بالتزام السماع في الجملة۔** کہ مردوں کے سننے کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، پس سماعِ موتی کا انکار بالکل بے موقع ہے، خاص طور پر جبکہ ہمارے ائمہ احناف میں سے کسی سے یہ منقول نہیں، تو ضروری ہے فی الجملہ سماع کا التزام کیا جائے۔ [فیض الباري: ص ۴۶۸ ج ۲]

حضرت علامہ علی قاری، صاحب روح المعانی، ہمارے اکابر دیو بند اور دیگر شیوخ رحمۃ اللہ علیہم سب کا یہی فتویٰ اور تحقیق ہے کہ سماعِ موتی ثابت اور متحقق ہے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو چیز ہمیں مجموعہ نصوص سے حاصل ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ تو سب سے بہتر جانتا ہے، وہ یہ ہے کہ مردوں کا سماع فی الجملہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ حافظ ابن کثیر اور سید آلوسی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: صراحتاً سماع موتی کی نفی میں کوئی حدیث موجود نہیں ہے، اس کے برعکس سماع موتی کے ثبوت میں احادیث متواترہ موجود ہیں، اور حضرات سلف کا اس پر اجماع ہے۔ [ابن کثیر: ج ۳، روح المعاني: ج ۲۱]

اور لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى میں موتی سے مراد کفار ہیں، نہ کہ مردے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں: اس مسئلہ میں جمہور صحابہ اور علماء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو سب نے قبول کیا ہے، کیونکہ دوسروں کی روایات بھی ان کے موافق ہیں۔ [فتح الباري: ج ۳ص ۱۷۱]

قَرْعَ النِعَالِ یعنی جب لوگ مردے کو دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں مردہ ان کے پاؤں کی آہٹ کو سنتا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبرستان جانے والوں کو تعلیم دی ہے کہ وہاں جا کر مردوں کو یوں خطاب کرو: اَلسَّلَامُ عَلَیکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْ مِنِینَ، وَاِنَّا اِنْ شاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَا حِقُوْنَ، یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ۔ [مسلم، نسائي]

اے مسلمانوں کی قوم! تم پر سلامتی ہو، اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے۔ تو اس دعا اور سلام کا واضح طور پر مطلب یہی ہے کہ مردے اپنے ملنے والے اور سلام دینے والوں کی بات سنتے ہیں، اگر مردے اس دعاء وسلام کو نہ سنتے ہوتے تو پھر ان کو خطاب کرنے سلام کہنے کا کیا فائدہ؟ ان کے لئے صرف دعاء ہی کافی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کرنے کا حکم کیوں دیا؟ اسی بات کو اہمیت دیتے ہوئے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کثرت اور تواتر سے صحیح احادیث سماعِ موتی کے حق میں موجود ہیں، جن سے انکار ناانصافی ہوگی۔

البتہ قاضی ثناء اللہ مظہری، مولانا اشرف علی تھانوی اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ عدمِ سماع سے سماعِ نافع مراد ہے، یعنی مردے سنتے تو ہیں مگر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، مطلق سماع مراد نہیں ہے، ورنہ بہت سی صحیح حدیثوں کا انکار لازم آئے گا جو کہ ناانصافی کی بات ہوگی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن اور سلام کا سننا مردوں کے حق میں برحق ہے، یعنی وہ یہ دونوں چیزوں کو سنتے ہیں۔ [اقتضاء الصراط المستقيم]

دراصل اس مسئلہ میں سماع اور عدمِ سماع دونوں طرف اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، اور دونوں طرف سے دلائل بھی ہیں، جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا، اور یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے بھی نہیں کہ اس پر ایمان موقوف ہو، لہٰذا مزید تحقیق وتدقیق کی ضرورت کو محسوس نہ کیا جائے۔

وَاِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوۡقِنُوۡنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اور جب ان پر وعدہ پورا ہونے والا ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکال دیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں لاتے تھے ﴿۸۲﴾

معارف ومنازل

دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ زمین سے برآمد ہونے والا چوپایہ، جو ایک عجیب الخلقت قسم کا جانور ہوگا، یہ جانور علامات قیامت میں سے ہے، اور ان گمراہ اور بدنصیب انسانوں کے لئے عبرت ہے جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین کی باتوں کا مذاق اڑایا، اور ان کی تکذیب کی، اب یہ جانور ان پر اسلام اور کفر کی مہر لگا کر فیصلہ صادر کرلے گا۔ احادیث میں اس کی تفصیل یہ ہے:

حضرت حذیفہ ابن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک یہ دس نشانیاں ظاہر نہ ہوں: (۱) دخان یعنی دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) مغرب سے طلوع شمس (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول من السماء (۶) خروج یاجوج ماجوج (۷) (۸) اور (۹) زمین میں تین جگہ لوگوں کا دھنس جانا: ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں، تیسرا عرب میں (۱۰) اور ان سب کے اخیر میں یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو گھیرے میں لے کر محشر کی طرف پہنچائے گی۔ [مسند أحمد]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی علامات (اس سے پہلے قریب تر زمانہ میں ظاہر ہوں گی) ان میں سب سے پہلے مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہے، اور چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے دابۃ الارض کا خروج ہے، اور دونوں میں سے جو بھی پہلے واقع ہو جائے دوسری نشانی اس کے قریب ہی ظاہر ہو جائے گی۔ [مسلم]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی تین علامتیں ایسی ہیں جب وہ ظاہر ہو جائیں گی تو کسی کو اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو، جس نے اپنے ایمان میں کسی خیر کا کسب نہ کیا ہو (یعنی اب تک گناہوں سے توبہ نہ کی ہو) ایک مغرب سے سورج کا طلوع، دوسرے

دجال کا ظہور، تیسرے دابۃ الارض کا خروج۔ [مسلم]

دابۃ الارض کے ظاہر ہونے کی حدیث حضرت حذیفہ ابن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (جس کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں گزرا)۔ یہ روایت مسند ابی داؤد الطیالسی میں بھی ہے، جس میں قدرے تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دابۃ الارض کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دابۃ تین مرتبہ ظاہر ہوگا: پہلی بار دیہات میں ظاہر ہوگا، اور مکہ مکرمہ میں اس کا تذکرہ بالکل نہ ہوگا، اس کے بعد وہ عرصہ دراز تک ظاہر نہ ہوگا جب پھر دوبارہ ظاہر ہوگا تو اس کا تذکرہ دیہات میں بھی ہوگا اور مکہ مکرمہ میں بھی ہوگا (تیسری بار نکلنے کے بارے میں) سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ایک دن مسجد حرام میں جو حرمت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی مسجد ہے اور سب سے زیادہ محترم ہے، لوگ مسجد حرام میں موجود ہوں گے کہ اچانک دابۃ الارض ظاہر ہو جائے گا جو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان میں آواز نکالتا ہوا اور سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ظاہر ہوگا، لوگ اس کے اچانک نکلنے سے خوفزدہ اور منتشر ہو جائیں گے، بہت سے لوگ خوف کی وجہ سے دور بھاگ جائیں گے۔ مؤمنین کی ایک جماعت ثابت قدم رہے گی، یہ مؤمن بندے یہ سمجھ کر اپنی جگہ جمے رہیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، لہٰذا بھاگنے میں کچھ فائدہ نہیں۔

یہ جانور مؤمن بندوں کے چہروں کو چمکا دے گا، گویا کہ چمکدار ستارہ کی طرح ہو جائیں گے، اور پھر وہاں سے پشت پھیر کر چلا جائے گا، اور اس تیزی سے زمین میں گھومے پھرے گا کہ کوئی پکڑنے والا اس کو نہیں پکڑ سکے گا، اور کوئی بھاگنے والا اس سے نجات نہ پا سکے گا، یہاں تک کہ ایک شخص نماز میں اس جانور سے پناہ مانگے گا تو وہ جانور اس کے پیچھے سے آجائے گا اور کہے گا کہ اے فلاں! اب تو نماز پڑھتا ہے؟ پھر وہ اس کے چہرہ پر (مہر کا) نشان لگائے گا۔

اس کے بعد یہ ہوگا کہ لوگ چلیں گے پھریں گے، اموال میں شریک ہوں گے، اور شہروں میں مل جل کر ساتھ رہیں گے، اور اس جانور کے نشان (مہر جو اس کے پاس ہوگا) لگانے کا یہ اثر ہوگا کہ مؤمن اور کافر میں خوب اچھی طرح امتیاز ہوگا، اور مؤمن کافر سے کہے گا کہ اے کافر! میرا حق ادا کر دے، اور کافر مؤمن سے کہے گا کہ تو میرا حق ادا کر دے۔ [أبو داؤد طالیسي]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دابۃ الارض ظاہر ہوگا، اس کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا، وہ مؤمنوں کے چہروں کو روشن کر

دے گا، اور کافروں کی ناک پر مہر لگادے گا، جس سے دیکھنے والوں کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ کافر ہے۔[ترمذي]

واضح ہو کہ آیت کریمہ میں قرب قیامت میں زمین سے دابۃ الارض کے خروج کا جو بیان ہے یہ قطعی اور یقینی ہے، اس میں شک وشبہ کفر اور حرام ہے، اس کا زمین سے (کوہ صفا) سے نکلنا، اسی طرح ہے جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا خروج پتھر سے۔ دابۃ الارض کا خروج ایسے زمانہ میں ہوگا جب دینی اقدار پر زوال آئے گا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مکمل طور پر متروک ہوں گے، شرک ومعاصی کا دور دورہ اور عروج ہوگا، اس جانور کے رنگ و روپ، قد وقامت اور شکل وصورت کے متعلق تفاسیر اور دیگر کتابوں میں عجیب وغریب باتیں ہیں، جو سب کی سب اسرائیلیات ہیں، لہٰذا انہیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ
قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ
عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ
النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت ان لوگوں میں سے جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے، پھر ان کی جماعت بندی کردی جائے گی ﴿۸۳﴾ یہاں تک وہ جب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا: کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا؟ حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہ لائے، بلکہ تم اور کیا کیا کام کرتے تھے؟ ﴿۸۴﴾ اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وعدہ پورا ہو چکا ہے، سو وہ بات نہ کریں گے ﴿۸۵﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا کہ وہ اس میں آرام کریں، اور ہم نے دن کو بنایا جس میں دیکھیں بھالیں؟ بلا شبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿۸۶﴾

معارف ومنازل

قیامت کے دن اولین وآخرین سب ہی جمع کئے جائیں گے، اور ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں میں سے علیحدہ کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے تھے، پس وہ الگ کردیئے جائیں گے۔ مطلب یہ

ہے کہ ہر امت میں سے آیاتِ الٰہی جھٹلانے والوں کے الگ الگ گروہ بنا دیئے جائیں گے، مختلف قسم کے گناہگاروں کی ان کے گناہوں کے اعتبار سے الگ جتھہ بندی ہوگی تا کہ ہر ایک جماعت کا اجتماع دوسری جماعتوں سے خلط ملط نہ ہو، اس طرح انہیں الگ الگ ٹولیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا﴾ یاد کرو اس دن کو کہ ہم جمع کریں گے ہر امت میں سے ایک جماعت، اور ایک گروہ کو ایسے لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، اس روز گنہگاروں کا ہر گروہ اور ہر جتھہ الگ ہوگا، ہر گناہ کرنے والوں کی جماعتیں اور جھتے الگ الگ ہوں گے۔

﴿فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ پھر وہ جتھے روکے جائیں گے، یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت کے آنے تک الگ جگہ کھڑا کیا جائے گا تا کہ سب جماعتیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور کوئی رہ نہ جائے۔ ﴿حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ﴾ یہاں تک کہ جب سب میدان حشر میں پہنچ جائیں گے تو حساب و کتاب شروع ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا؟ حالانکہ تم نے میری آیتوں کو اچھی طرح سمجھا بوجھا ہی نہ تھا، بغیر سوچے سمجھے جھٹلانا شروع کر دیا، حق اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک آدمی کسی چیز کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش کرے، اور اس کے متعلق امور کا اچھی طرح احاطہ کرے، اور اس کے فوائد وغیرہ کا پورا احاطہ کرے، پھر اس کے متعلق فیصلہ کرے، جبکہ تم لوگوں نے ایسا نہیں کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کے بغیر ان کو جھٹلایا تھا۔

﴿وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جب تم نے میری آیتوں کو اچھی طرح سمجھا ہی نہ تھا، بغیر سوچے سمجھے ان کا جھٹلانا شروع کیا، آ کر بتلاؤ تو سہی کہ تم کرتے کیا تھے؟ بے سوچے سمجھے اعمال کفریہ میں مبتلا تھے، سوائے انکار وتکذیب کے کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ ﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ﴾ اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر عذاب کا حکم واقع ہو جائے گا، اور وہ بول بھی نہیں سکیں گے، ان کا جرم ثابت ہوگا تو ان کو دم مارنے یا انکار کرنے کی جرأت نہ ہوگی، قیامت کا روز مختلف مراحل والا دن ہوگا، کسی وقت مجرم جزع فزع کر سکیں گے، لیکن کبھی ان پر سکوت و ناامیدی کا غلبہ ہوگا، کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے۔

﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا﴾ کیا نہیں دیکھا ہے قیامت سے انکار کرنے والوں نے کہ ہم نے رات کو بنایا تا کہ سو کر آرام کر لیں، اور تھکاوٹ و درماندگی کا ازالہ کریں، اور دن کو روشن نورانی بنایا تا کہ اپنے کاروبار کسب وہنر میں لگ جائیں، اور ہر چیز کی دیکھ بھال اور نگرانی کریں۔ مطلب یہ ہے کہ رات

کا سونا موت کا نمونہ ہے، یہ ساری زندگی میں روزانہ موت وحیات اور حشر ونشر کا منظر دیکھتے رہے، اور جب ان کے سامنے قیامت اور حیات بعد الموت کا قصہ بیان ہوا تو ضد وعناد اور سرکشی کی بنیاد پر منکر ہو گئے۔

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ بیشک رات دن کے اس طرح آمد ورفت میں حشر ونشر کی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں، پس وہ بآسانی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ جو ذات پاک روزانہ رات دن کی تبدیلی پر قادر ہے، اور پوری کائنات پر یہ حیران کن نظام تبدیلی مشتمل ہے جس میں کوئی بد نظمی نہیں، تو وہ ذات پاک قیامت برپا کرنے اور تمام مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر اور توانا ہے، اور وہ اس کے علاوہ بھی ہر چیز پر قادر ہے۔

.......❀.......❀.......❀.......

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ
دٰخِرِينَ ﴿٨٧﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ
إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُونَ ﴿٨٩﴾ وَمَنْ
جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾

ترجمہ: اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب گھبرا جائیں گے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ چاہے، اور سب اس کے حضور میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے ﴿۸۷﴾ اور تو پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے جس میں تجھ کو خیال ہوتا ہے کہ یہ یوں ہی جمے ہوئے رہیں گے، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح گزریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو ٹھیک طرح بنایا ہے، بلاشبہ وہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو ﴿۸۸﴾ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر ملے گا، اور ایسے لوگ اس دن گھبراہٹ سے پر امن ہوں گے ﴿۸۹﴾ اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ گر کر دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے ﴿۹۰﴾

معارف ومسائل

گزشتہ آیات میں قیامت اور اس کی علامتوں کا بیان ہوا، اب ان آیات میں روز قیامت کا حال اور حشر ونشر

کے کچھ حالات کا بیان ہو رہا ہے کہ طلوع شمس من المغرب، اور خروج دابۃ الارض کے بعد قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سبحانہ کے حکم کے ساتھ صور پھونکیں گے، جس کی خوفناک آواز سے سارا عالم درہم برہم ہو کر گرد و غبار کی طرح فنا ہو جائے گا، اور یہ دنیا کی عمر کا آخری دن ہوگا، جو صدموں وغموں سے بھرا ہوگا، اور چونکہ روز قیامت روز جزا ہے اس لئے آئندہ جزا کا بیان بھی ہوگا۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا﴾ الیٰ آخر الآیات، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ آپ لوگوں سے بیان کیجئے اس دن کا جس میں قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ اول صور پھونکا جائے گا، چنانچہ اس کی ہیبت اور خوف سے سب گھبرا جائیں گے جو کوئی آسمانوں میں ہے (فرشتے) اور جو کوئی زمین میں ہے (انسان جنات حیوانات)، یہ دنیا کی تباہی کا دن ہوگا، اور آخرت کی طرف جانے کا پہلا قدم ہوگا، جس کی بے پناہ شدت اور ہول سے جہاں سورج اور چاند اور ستارے آپس میں ٹکرا کر اس سے پورے عالم اور دریاؤں اور سمندروں میں آگ لگ جائے گی، اور تباہی کی ایسی کیفیت ہوگی جس سے آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے گھبرا جائیں گے، اور ایک "ہو کا عالم" ہوگا۔

﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر جن خوش قسمتوں کو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ اس گھبراہٹ سے مکمل محفوظ رہیں گے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل، میکائیل، اسرافیل، ملک الموت، حاملینِ عرش، حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہداء وصدیقین حضرات ہیں۔ اور بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ اس استثناء سے عام مؤمنین صالحین بھی مراد ہیں، جیسا کہ آئندہ آیت میں ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ [قرطبي]

مگر کچھ عرصہ بعد جبریل، میکائیل، اسرافیل، ملک الموت اور حاملین عرش علیہم السلام بھی نفخۂ صور کے اثر کے بغیر وفات پا جائیں گے۔ [درمنثور سورۃ الزمر]

اس نفخہ سے مراد نفخہ اولیٰ ہے، جس کا اثر تمام علویات وسفلیات کو احاطہ کرے گا، جس سے گھبرا کر زندہ مخلوقات سب مر جائیں گی، اور جو پہلے مر چکے ہیں ان کی روحیں بیہوش ہو جائیں گی، اور بجز واحد قہار وجبار جل شانہ کے کوئی باقی نہیں رہے گا، پھر نفخہ ثانیہ پر سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء نے صور کے نفخوں کو چھ بتایا ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک صور کے صرف دو نفخے ثابت ہیں باقی نہیں، پہلی بار جب صور پھونکا جائے گا تو ابتداء میں آہستہ

ہوگا، اس کو نفخہ فزع کہا جائے گا، پھر جب وہ آہستہ آہستہ تیز اور لمبا ہوگا تو شدت اختیار کرنے کے ساتھ اسے صعقہ کہا جائے گا، جس سے سب مرجائیں گے، پھر چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام مردے زندہ ہوجائیں گے۔ [قرطبي ومظهري ابن كثير وغيره]

نفخۂ اُولیٰ کے بعد جب سب مرجائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک ہلکی اور خفیف بارش نازل کریں گے جس سے آئندہ اجسام کی زندگی کا راستہ ہموار ہوجائے گا، جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ سب زندہ ہوجائیں گے۔

﴿وَكُلٌّ أَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ﴾ اور ایک ایک کر کے سب عاجز اور فرمانبردار ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوجائیں گے، قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے، مجال نہیں ادھر ادھر کہیں جائیں، حساب کتاب کے لئے سیدھا میدان محشر میں جمع ہوجائیں گے، اور نیکی و بدی کے لحاظ سے ہر گروہ کا حشر الگ الگ ہوگا، کہیں بھی کوئی اختلاط نہ ہوگا۔

قرآن کریم کی آیت: ﴿وَإِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾ [التكوير:۷] (اور جب لوگوں کے جوڑے جوڑے بنادئے جائیں گے) کی یہی تفسیر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر شخص کا حشر باعتبار عمل کے اسی کے گروہ میں ہوگا، مجاہد کا مجاہدین میں، عالم کا علماء میں، تاجر کا تجار میں، اسی طرح بے نماز کا بے نمازوں میں، سودخور کا سودخوروں میں، چور کا چوروں میں، علیٰ ہذا القیاس۔

وہ منظر اتنا پر حقیقت ہوگا جو کہ عظمت وجلال اور قہر الٰہی کا حقیقی مظہر ہوگا، کیوں نہیں، اس میدان میں مٹھی بھر چند گنتی کے لوگ ہوں گے جو خالق و مالک کائنات کی اُلوہیت تسلیم کر چکے ہیں، اور اس کے حکموں پر عمل پیرا رہے ہیں، ان کے علاوہ جو بے حساب اجتماع ہے وہ سارے باغیوں بدمعاشوں اور ان نافرمانوں کا ہے جو ایک لمحہ بھی معبود حقیقی کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہیں ہوئے، اور نہ ہی اس کی اُلوہیت کو تسلیم کیا تھا، اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کا غضب وقہر نہایت سخت ہوگا، اور یہ غضب اتنا عروج پر ہوگا کہ جلیل القدر عظیم المرتبت انبیاء علیہم السلام بھی نفسي نفسي پکاریں گے، اور کسی شفاعت کے لئے ربّ العزّت سبحانہ کے حضور جانے سے انکاری ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے تو پہاڑ بھی اڑتے ہوئے نظر آئیں گے، جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے، اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو اے مخاطب! تو اس دن پہاڑوں کو یوں محسوس کرے گا:

﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ تو اپنی آنکھوں سے پہاڑوں کو دیکھے گا

ظاہری نظر میں تو ان کو اپنی جگہ ٹھہرا ہوا خیال کرے گا، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح رواں ہوں گے، جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ [القارعة:۵] (اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے)۔اس دن پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھریں گے، ان کا وزن اور بوجھ ختم ہوگا، وہ تنکوں کی طرح اڑتے ہوں گے۔

سورۃ الواقعہ میں فرمایا: ﴿وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا۝۶﴾ [الواقعة] (اور پہاڑوں کو پیس کر چورا کردیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ بکھرا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے)۔تو پہاڑوں کو بکھیر دیا جائے گا، اور وہ باریک ذرات کی طرح منتشر ہوجائیں گے، اور گرد و غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔

﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو مضبوط ومحکم اور پختہ بنایا ہے، یہ آسمان یہ ستارے یہ شمس وقمر یہ پہاڑ یہ کتنے محکم اور مستحکم ومضبوط بنائے، مگر جب چاہا تو انہیں بکھرے ہوئے ذرات میں تبدیل کر کے فنا کردیا، بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور:

﴿اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴾ بیشک جو تم کرتے ہو وہ تمہارے سارے اعمال سے باخبر ہے، جب صور پھونکنے پر قیامت قائم ہوجائے گی اور اس قہار وجبار کے سامنے تمہاری حاضری ہوگی وہ تمہیں پورا پورا نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ دے کر فیصلہ فرمائے گا، وہ یہ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ جو شخص قیامت کے روز نیکی لے کر آئے گا، یعنی ایمان اور عمل صالح لے کر آئے گا تو اس کے لئے بہتر بدلہ ہوگا، اور ایسے ہی لوگ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ اور مامون رہیں گے، اول بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکی کا اجر کم ازکم دس گنا ہے۔

سورۂ انعام میں ارشاد ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ اور اخلاص اور تقویٰ کی وجہ سے اس سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے، فرمایا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة:۲۶۱] (اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے کئی گنا اضافہ کردیتا ہے، اللہ بہت وسعت والا بڑے علم والا ہے)۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع میں بیس لاکھ گنا بھی منقول ہے، جیسے حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر درمنثور میں نقل کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے جس طرح پہلے استثناء: ﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ میں مذکور ہوا کہ اس میں عام مؤمنین

صالحین بھی شامل ہیں جیسا کہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا، اور سورۂ انبیاء میں ہے: ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ [الأنبیاء: ١٠٣] (ان کو سب سے بڑی پریشانی غمگین نہیں کرے گی) کہ وہ فزع اکبر سے خوفزدہ نہ ہوں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ: لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْشَةٌ۔ یہی حال مؤمنین صالحین کا قبر میں بھی ہے کہ وہ خوفزدہ نہ ہوں گے، اور بڑے سکون واطمینان سے منکر ونکیر کے سوالات کا جواب دیں گے۔

﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے یعنی کفر وشرک لے کر آئیں گے تو وہ منہ کے بل اوندھے آگ میں ڈال دیئے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا:

﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ کہ تم نہیں سزا دیئے جارہے ہو مگر ان برے اعمال کی جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بہت ہی برا ہوگا، جیسا کرو ویسا بھرو مشہور مقولہ ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

ترجمہ: مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ اس شہر کے ربّ کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی ہے، اور ہر چیز اس کی ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں ﴿٩١﴾ اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کروں سو جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے سو وہ اپنے لئے ہی راہ ہدایت پر آتا ہے، اور جو شخص گمراہی پر رہے آپ فرمادیجئے کہ میں صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں ﴿٩٢﴾ اور آپ یوں کہئے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، وہ عنقریب اپنی نشانیاں تمہیں دکھادے گا، سو تم ان کو پہچان لوگے، اور آپ کا ربّ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو ﴿٩٣﴾

معارف ومنازل

جب اللہ تعالیٰ مبدأ اور قیامت اور معاد اور علامات قیامت اور قانون جزا وسزا کو بیان کرچکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم فرماتے ہیں جن پر آخرت کے فوز وفلاح کا دارومدار ہے: ایک تو خدا کی عبادت یعنی توحید خالص، دوم دین اسلام پر استقامت، سوم قرآن کریم کی تلاوت جو تبلیغ اسلام اور دعوت اسلام کا اولین

ذریعہ ہے، اور بتلا دیا کہ صراط مستقیم پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے، اور نہ چلنے میں بندہ ہی کا خسارہ ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں، لہٰذا آپ تلاوت قرآن تبلیغ احکام اور اعمال صالحہ کا اہتمام کریں تا کہ آخرت کی کامیابی یقینی ہو۔

اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرما رہے ہیں کہ آپ اتمام حجت کرتے ہوئے کہہ دیں:

﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا﴾ بس مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت اور بندگی میں لگا رہوں، جس پروردگار نے اسے حرمت وعزت بخشی ہے۔ شہر مکہ اتنا قابل احترام ہے کہ اس کے درختوں اور گھاس اور سبزہ کاٹنے پر بھی پابندی ہے، وہاں شکار پر بھی پابندی ہے، وہاں لڑائی اور قتل وقتال ممنوع ہے، یہ تحریم وحرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس میں بتوں کا کوئی کردار نہیں ہے۔

﴿وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اور ہر چیز اسی پروردگار کی ملک ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں، اور یہ بھی کہ: ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ﴾ کہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں، خود تلاوت کروں اور تم کو بھی پڑھ کر سناتا رہوں۔

واضح ہو کہ فرائض کے بعد تمام عبادتوں سے افضل اور برگزیدہ عمل تلاوت قرآن ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں ربّ العزّت سبحانہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، تو میں نے عرض کیا کہ آپ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کونسا ہے؟ ارشاد فرمایا: "تلاوت قرآن"۔ میں نے دریافت کیا کہ معانی و مطلب سمجھنے کے ساتھ؟ ارشاد فرمایا کہ معانی سمجھنے کے ساتھ ہو یا بغیر سمجھنے کے، ہر حال میں پسندیدہ ہے۔

﴿ فَمَنِ اهْتَدٰي فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾ جو کوئی میری ہدایت پر آتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدہ کیلئے راہ ہدایت پر آتا ہے، اور جو شخص راہ ہدایت بتلانے کے بعد بھی گمراہ رہا تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں، میرا کام صرف تبلیغ ہے جس کا حق میں نے ادا کرلیا۔

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ آپ کہہ دیجئے: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، جس نے مجھے نبوت عطا فرمائی۔

﴿سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا﴾ وہ عنقریب اپنی نشانیاں تمہیں دکھائے گا، پھر تم ان کو پہچان بھی لو گے۔

﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ تمہارا ربّ تمہاری کارکردگی سے غافل نہیں ہے، تمہارا ہر عمل اس کی نگاہ میں ہے۔

سُورَةُ الْقَصَصِ

مكيّةٌ آياتها ۸۸ رکوعاتها ۹

سورۂ قصص مکی ہے، اس میں اٹھاسی (۸۸) آیتیں، اور نو (۹) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام قصص ہے، جو اس سورت کی آیت نمبر ۲۵ میں موجود ہے، یہ نام اسی سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۲۸ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول کے اعتبار سے ۴۹ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، بعض کہتے ہیں کہ بوقت ہجرت نازل ہوئی، اس کا نزول سورۃ النمل کے بعد ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں ۹ رکوع، ۸۸ آیات، ۱۴۵۴ کلمات ہیں، اور یہ سورت چھ ہزار گیارہ (۶۰۱۱) حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱)۔ گزشتہ سورت کے آخر میں اور اس سوت کے شروع میں یکساں طور پر حقانیتِ قرآن کا بیان ہے۔

(۲)۔ گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا ذکر تھا جبکہ اس سورت میں ان کی تفصیل کا بیان ہے۔

(۳)۔ دونوں سورتوں میں توحید، رسالت، قیامت، علامات قیامت اور جزاوسزا کا یکساں طور پر بیان ہے۔

(۴)- دونوں سورتوں کے شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے۔

(۵)- دونوں سورتوں میں تذکیراتِ ثلاثہ کا یکساں تذکرہ ہے۔

مختصر موضوع:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مفصل داستان، فرعون سے مکالمات، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی داستان، اسی طرح معرکہ حق وباطل کا بیان، اور باطل کا زوال، پھر قارون اور اس کی سرکشی کا تذکرہ، اور دنیا کی بے ثباتی کا بیان، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ غیر محسوس طریقے سے اسباب وذرائع فراہم کر دیتا ہے، جس بچے کے ہاتھوں آخر کار فرعون کا تختہ الٹنا تھا اور اس کو پوری فوج کے ساتھ دریائے قلزم میں غرق ہونا تھا، اسے اللہ تعالیٰ قادر مطلق نے فرعون ہی کے گھر میں اس کے زیر سایہ اس کے اپنے ہاتھوں پرورش کرا دیا، اور فرعون یہ نہ جان سکا کہ وہ کس کی پرورش کر رہا ہے، اس خداوند ذوالجلال کی مشیت سے کون لڑ سکتا ہے، اور کس کی چالیں اس کے مقابلے میں کامیاب ہوسکتی ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

طٰسٓمّٓ ① تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ② نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰى وَفِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ
يُّؤۡمِنُوۡنَ ③ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَـعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ
يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَيَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ④ وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ
اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَ
نُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ⑥

ترجمہ: طٰسٓمّٓ ① یہ کتاب مبین کی آیات ہیں ② ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کی بعض خبریں حق کے ساتھ سناتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں ③ بلاشبہ فرعون زمین میں چڑھ گیا تھا، اور اس نے زمین والوں کی کئی قسمیں بنا رکھی تھیں، ان میں ایک جماعت کو کمزور کر رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا، اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا ④ اور ہم نے چاہا کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور کیا ہوا ہے

ان پر احسان کریں، اور ان کو پیشوا بنا دیں، اور انہیں وارث بنا دیں⑤ اور زمین میں انہیں حکومت دیدیں، اور فرعون
اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان مستضعفین کی جانب سے وہ واقعہ دکھلائیں جس سے وہ اپنا بچاؤ کرتے تھے⑥

معارف ومنازل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پورے قرآن میں کہیں مختصر اور کہیں مفصل بار بار آیا ہے، آپ علیہ السلام کے وہ واقعات جو بنی اسرائیل یا فرعون سے متعلق ہیں سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ یونس، سورۂ ہود، سورۂ طٰہٰ، سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں مختلف پیراؤں میں بیان ہوئے ہیں، اب سورۂ قصص میں بنسبت گزشتہ سورتوں کے ایک اعتبار سے اگرچہ تفصیل زیادہ ہے مگر سابقہ تفصیلات کو دیکھنا اور پورے حقائق کو وہاں سے معلوم کرنا ایک حد تک کافی ہوگا۔

یہاں اکثر آیات کے الفاظ کی مختصر تفسیر پر اکتفا کیا جائے گا، شروع سورت کی آیات سے یہ تمہید اور اشارہ ہے کہ کائنات میں ہر وہ کام ہوگا جسے ربّ العزّت سبحانہ چاہے گا، اور یہ بھی اشارہ ہے کہ ظلم وستم کا آخری انجام سوائے تباہی کے کچھ نہیں، اور ظالم کتنا بڑا طاقتور کیوں نہ ہو اس کا انجام شرمناک ہوگا۔ مشرکین مکہ اور تمام انسانیت کو دعوت فکر دی جارہی ہے کہ فرعون کے واقعہ اور انجام سے پورا سبق سیکھو، اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر یقین کرو، فرمایا:

﴿طٰسٓمٓ﴾ حروف مقطعات پر سورۂ بقرہ کے شروع میں مفصل کلام گزر چکا ہے، وہاں دیکھیں۔

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں جو واضح اور روشن ہے، اور حقائق ومعارف کا جامع ہے۔ ﴿نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ہم آپ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا کچھ حال بیان کرتے ہیں جو ٹھیک واقع کے مطابق ہے، ان لوگوں کی بصیرت وہدایت کے لئے جو حق کے ماننے والے اور قبول کرنے والے اور ایمان لانے والے ہیں۔ ان واقعات کو بیان کرنے سے مقصد آپ کی تسلی ہے، اور مخالفین کے لئے تنبیہ ہے، اور مؤمنین کے لئے نصیحت وتذکیر کا سامان ہے۔

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ﴾ بیشک فرعون کبر وغرور کے بل بوتے چڑھ گیا تھا، زمین میں جو اُلوہیت کا مدعی رہا، اور: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ [النازعات:۲۴] (میں تمہارا اعلیٰ درجے کا پروردگار ہوں) کا مذموم نعرہ لگایا۔

﴿وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا﴾ اور زمین والوں کو یعنی اپنی رعایا کو دو گروہ بنایا، اپنی قوم قبطیوں کو معزز بنایا، اور بنی اسرائیل کو حقیر وخوار بنا کر اپنی قوم کا غلام بنایا، وہ یہ کہ: ﴿يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ﴾ کہ اس گروہ کو کمزور بنا

رکھا، ان کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا کر ذلیل کرلیا جس کا ایک نمونہ یہ ہے:

﴿يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ﴾ کہ وہ ان اسرائیلیوں کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی ماؤں کے سامنے ذبح کرتا تھا۔

﴿وَيَسۡتَحۡيٖ نِسَآءَهُمۡ﴾ اور ان کی عورتوں یعنی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا تا کہ انہیں لونڈیاں بنا کر ان سے خدمت لی جاسکے۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس طرح کم وبیش نوے ہزار بچے قتل کروائے گئے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ﴾ بیشک وہ فرعون فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ امام زجاج نے کہا کہ تعجب ہے اس بدبخت فرعون کی حماقت پر، جن کاہنوں نے اس کو خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کے ایک نومولود بچے کے ہاتھ سے تمہارا اقتدار ختم ہوگا، اور تمہاری اُلوہیت وسلطنت کا خاتمہ ہوجائے گا، اگر وہ کاہن فرعون کے نزدیک سچے تھے اور ایسا ہونا یقینی تھا تو بچوں کے قتل کا کوئی فائدہ نہ ہوا، اور اگر کاہن جھوٹے تھے اور ایسا نہ ہونا تھا تو یہ سراسر ظلم وستم بے مقصد رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرعون کا قاتل سیدنا موسیٰ علیہ السلام بڑے طمطراق اور دلجوئی کے ساتھ اس کے گھر پہنچا، اور اس کے زیر سایہ اس کے گھر میں پرورش پا کر بڑا ہوا، تو کاہنوں کو چاہئے تھا کہ اسے خبر دار کرتے اور سمجھا دیتے، مگر تقدیر تو تقدیر ہے۔ ؎

• در بہ بست ودشمن اندر خانہ بود☆ قصۂ فرعون زین افسانہ بود

(رومی)

فرعون کی پالیسی تو یہی تھی کہ اسرائیلیوں کا خاتمہ ہو، اور وہ ہمیشہ کے لئے مفلوج وکمزور ہوں، مگر ربّ العزّت سبحانہ کو کچھ اور منظور تھا، وہ یہ: ﴿وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ﴾ ہمارا ارادہ اور مشیت یہ تھی کہ ہم ان لوگوں پر اپنا فضل وکرم کریں جن کو زمین میں کمزور خیال کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ اسرائیلیوں کو ذلت کی زندگی اور فرعونیوں کی غلامی سے آزاد کر کے عزّت کی زندگی سے سرفراز کیا جائے، اور یہ بھی کہ:

﴿وَنَجۡعَلَهُمۡ اَٮِٕمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ﴾ کہ ہم ان کمزوروں کو غلامی سے نکال کر پیشوائے دین بنائیں، اور دنیا میں حکومت وسلطنت کے وارث بنائیں، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ سب کچھ ہوا، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو اللہ تعالی کی عظیم نعمتوں کی یاددہانی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَـكُمۡ مُّلُوۡكًا ‌ۖ وَّاٰتٰٮكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾ [المائدۃ: ۲۰] (اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو

جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے کہ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمہیں حکمران بنایا، اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو تم سے پہلے دنیا جہاں کے کسی فرد کو عطا نہیں کیا تھا)۔ فرمایا:

﴿وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ اور زمین میں ان کو قوت اور پختگی عطا کر دی، اور ان کو سلطنت وعزّت عطا کر دی، پس اللہ تعالیٰ نے انہیں فلسطین، شام اور مصر پر تمکین وحکمرانی عطا فرمائی، حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام وحضرت سلیمان علیہ السلام کا دور آیا، اور سلیمان علیہ السلام کی بے مثال سلطنت اپنی مثال آپ ہے، جس کا بیان سورۂ سبا میں آنے والا ہے۔ إن شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ﴾ اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ خوفزدہ تھے اور ڈرتے تھے، وہ جس نوزائیدہ اسرائیلی بچے سے ڈرتے تھے جس کی وجہ سے نوے ہزار بیگناہ بچوں کو قتل کر ڈالا، ہم نے اسی بچے کو اس کے گھر میں پہنچا کر اسے دکھایا کہ لو اپنے دشمن کی پرورش کرو، یہ ہے ربّ العزّت کی بے نیازی اور قدرت۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ
اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ
اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ
لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمہیں اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے سمندر میں ڈال دینا، اور نہ ڈرنا، نہ غم کرنا، بلاشبہ ہم اسے تیری طرف واپس کر دیں گے، اور اسے پیغمبروں میں سے بنا دیں گے ⑦ سو اُسے آل فرعون نے اٹھا لیا تا کہ ان کے لئے دشمن بن جائے، اور غم کا باعث بنے، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور اس کا لشکر خطا کرنے والوں میں سے تھے ⑧ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں نفع پہنچا دے، یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں، اور ان کو خبر نہ تھی ⑨

☆☆☆

معارف ومنازل

یہ بات پہلے گزر چکی کہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کرتا تھا، اس خوف سے کہ مبادا یہ بچہ میری سلطنت کے زوال کا باعث نہ بنے، اس سلسلے میں محکوم ومجبور اسرائیلیوں کے گھروں کی روزانہ تلاشی لی جاتی تھی، جہاں کسی عورت کو حاملہ پاتے تھے تو اس کی نگرانی شروع کرتے تھے، اس بارے میں وہ نہایت لاچار اور مجبور تھے، کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے کارندوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا، جب آپ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ علیہ السلام کی والدہ کو فکر ہوئی کہ اگر فرعون کے کارندوں کو بچے کی پیدائش کا علم ہوگیا تو وہ اسے قتل کردیں گے، لہٰذا وہ بچے کو بچانے کے لئے تدبیریں سوچنے لگیں کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے۔

اسی پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کے ذریعہ یہ تدبیر بتائی کہ اس بچے کو فوری طور پر اپنے آپ سے جدا نہ کرنا، بلکہ اسے اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کرتی رہو، اور جب بچے کی جان پر زیادہ خطرہ محسوس کرو تو اس کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو، اس کی زندگی کے محافظ ہم خود ہیں، تم اس کے متعلق فکر مند نہ ہونا، ہم اسے پورے اعزاز کے ساتھ تمہارے پاس لوٹا دیں گے، اور تمام خطرات کو ختم کرلیں گے، اور تمہاری پرورش میں دے کر تمہیں بہر صورت مطمئن کردیں گے۔

(فرعون نے اس کی پرورش کے لیے یومیہ ایک دینار مقرر کیا تھا، اس زمانے میں دینار بڑی چیز ہوتی تھی)
پھر ایک وقت آئے گا کہ ہم اس کے سر پر نبوت ورسالت کا عظیم الشان تاج بھی رکھیں گے، فرمایا:

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ اور (موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنا دودھ پلا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام "یوخابذ" بنت لاوی تھا، اور لاوی حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹا تھا۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ وحی نبوت والی نہیں تھی، نہ کوئی عورت نبی ہوئی، نبوت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، تو یہاں وحی سے الہام مراد ہے جو کہ وحی کی اقسام میں سے ایک ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اسی کو الہام کہتے ہیں، یہ کبھی خواب میں، کبھی بیداری میں، کبھی بعض اوقات کسی فرشتے کو انسانی شکل میں بھیج کر جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے تھے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سالوں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راز میں رکھ کر فرعون کے کارندوں سے پوشیدہ رکھتے، جیسا کہ انہیں ایامِ حمل مین اور وضع حمل کے مراحل میں پوشیدہ رکھا، مگر دنیا دارالاسباب ہے، اور اس صندوق میں ڈال کر دریا میں بہانے میں بہت سی حکمتیں بھی ہیں، انہی میں سے ایک حکمت یہ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جیسا چاہے وہ پورا ہو کر رہے گا، خواہ دنیا والے کچھ بھی کرلیں، اس صندوق کے واقعہ نے فرعون کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا، اور اس کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اور یہ حکمت بھی ہے کہ اس صندوق کا واقعہ حضرت آسیہؓ فرعون کی بیوی کے اسلام کا سبب بنا۔

﴿فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ﴾ جب تجھے اس کے متعلق جاسوسوں کے مطلع ہونے کا خطرہ محسوس ہو تو اس کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دینا۔ تفسیری روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آٹھ ماہ یا چار ماہ اور یا تین ماہ تک آپ علیہ السلام کو گھر میں رکھ کر دودھ پلایا۔ [مظهري]

﴿وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ نہ اس کے ڈوب جانے کا اندیشہ کرنا، اور نہ ہی اس کی جدائی کا کوئی غم کرنا، ہم اس کو تیرے پاس واپس پہنچا دیں گے، اور وقت آنے پر اس کو پیغمبر بنا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے صندوق کا انتظام کر کے بچے کو نہلا دھلا کر اس میں رکھ دیا، اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ان کی بہن جن کا نام مریم تھا کو ساتھ لے کر دریائے نیل میں بصد پریشانیوں کے ساتھ صندوق کو بہا دیا، اور خود واپس آ کر گھر پہنچ گئی۔ البتہ مریم کو دور دور سے نگرانی پر مقرر کیا۔

یہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے سامنے پہنچا، دریا کی ایک شاخ فرعون کے محل کے ساتھ بہتی تھی، فرشتوں نے صندوق کو اسی میں ڈال دیا، فرعون کی بیوی اور گھر کی دیگر زنانیاں کنارے پر کسی مشغلہ میں مصروف تھیں، جب صندوق وہاں پہنچا تو انہوں نے حیرانگی اور تعجب کے عالم میں اس کو دریا سے نکالنے کے بعد جب کھولا تو محو حیرت گئیں کہ ایک خوبصورت نورانی بچہ ہے، بڑے اطمینان سے اپنی انگلیوں سے غذائی خوراک چوس رہا ہے، اور ہشاش بشاش بیدار بھی ہے، فرمایا:

﴿فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا﴾ پس اٹھایا اس بہتے ہوئے صندوق کو فرعون کے گھر والوں نے تاکہ ہو جائے یہ بچہ ان کے لئے دشمن اور غم کا باعث۔ یہاں لِيَكُونَ کا لام تعلیل کے لئے نہیں، بلکہ لام عاقبت اور انجام کے معنی میں ہے، یعنی انہوں نے نفع اور فائدے کی خاطر اسے اٹھالیا، مگر نتیجہ کچھ اور نکلا۔ یہ بچہ

عاقبت میں ان کا دشمن بنا، اوران کی تباہی کا باعث بنا، ان دونوں میں بہت بڑا فاصلہ ہے، چانچہ ایسا ہی ہوا، موسیٰ علیہ السلام ان کا واقعی دشمن ثابت ہوا، ان کی پوری قوم کو ہلاک کرلیا، اوران کی عورتوں کو بیوہ بنایا۔

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ﴾ بیشک فرعون اوراس کا وزیر ہامان اوران دونوں کے لشکر خطا کار تھے، اوران کی تدابیر سب غلط اور ناہموار تھیں، وہ اس طرح سے کہ جس بچے کے خوف سے ہزاروں بچوں کوانہوں نے قتل کیا آخر کار یہی ہوا کہ وہی بچہ ان کا لخت جگر بن کر حقیقی بیٹے کی طرح ان کے گھر میں ان کے ہاتھوں سے پرورش پائی، پھرانہیں دریا کے سپرد کر کے غرق کروایا، تو دیکھو! انہوں نے اس بچے کو دریا سے نکالا تو اس بچے نے انہیں اسی دریا میں ڈال کر غرق کیا، یہ ہے قدرت کی تدبیر اور فرعونیوں کی بے تدبیری۔

﴿وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ﴾ صندوق کھولنے پر جب یہ نورانی بچہ برآمد ہوا تو فرعون کی بیوی آسیہؓ بنت مزاحم پکاراٹھی کہ یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ تفسیر ابوالسعود اور مظہری میں لکھا ہے کہ آسیہؓ کے جواب میں فرعون نے کہا کہ یہ بچہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، میری آنکھوں کی نہیں۔ علماء کرام نے کہا کہ فرعون کے دل میں یہی بات آئی کہ کسی اسرائیلی نے اس بچے کو قتل سے بچانے کے لئے دریا میں بہادیا ہے، لہٰذا اسے قتل کرنا ضروری ہوگا، مگر فرعون کی بیوی نے پرزور سفارش کر کے کہا:

﴿لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ﴾ ہمیں فائدہ دے۔ ﴿اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔

﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ مگر وہ حقیقت حال کو نہیں جانتے تھے کہ آگے وقت آنے پر اس کی وجہ سے ان کا بیڑہ غرق ہونے والا ہے۔ محمد بن وہب رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت آسیہؓ کی طرح اگر فرعون بھی یہ کہتا: ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ﴾ تو اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اس کو بھی فائدہ پہنچادیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بدبختی لکھ دی تھی، اس پر وہی بدبختی غالب آگئی، تب اس نے یہ کہا کہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، میری آنکھوں کی نہیں۔ [مظهري]

فرعون کی بیوی جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل صدیقیت کا مقام عطا فرمایا، اوراسے حضرت مریم علیہا السلام والا شرف عطا فرمایا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گرفت سے بچا کر بڑا نمایاں کارنامہ انجام دیا، کیونکہ فرعون نے مصمم ارادہ کیا کہ یہ بچہ اسرائیلی ہے، اس کو قتل سے بچانے کے لئے دریا میں بہادیا گیا ہے، مگر حضرت آسیہؓ کا شمار ازلی خوش قسمت لوگوں میں تھا، ان پر موسیٰ علیہ السلام سے محبت کا اتنا اثر ہوا کہ وہ تڑپ کر کہنے لگی:

﴿نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾۔ انہوں نے اس سے چمٹ کر اسے گود میں لیا، اور دست بستہ فرعون کے سامنے کھڑی ہو کر منت و سماجت شروع کی۔ ادھر سے قسام ازل کا بھی یہی فیصلہ تھا، تو فرعون نہ چاہتے ہوئے بھی راضی ہو گیا۔

حضرت آسیہؓ کے متعلق مفسرین حضرات اور مورخین میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک وہ اسرائیلی خاندان سے تھیں، اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ وہ فرعون کے اپنے قبطی خاندان سے تھیں، بہر حال جو بھی ہو ان کا شمار صدیقین میں ہے، جیسے حضرت مریم، حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت فاطمہ، عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات و بنات الطاہرات رضی اللہ عنہن۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی بیٹیاں اور بیویاں یہاں تک کہ یعقوب علیہ السلام کے سارے بیٹوں کی بیویاں سب صدیقات ہیں سوائے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کے، جن کا کفر قرآن کریم سے ثابت ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ؗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اور موسیٰ کی والدہ کا دل بیقرار ہو گیا، قریب تھا کہ وہ اس کا حال ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہے ﴿۱۰﴾ اور موسیٰ کی والدہ نے اس کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے چلی جا، سو اس نے اسے دور سے دیکھ لیا، اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی ﴿۱۱﴾ اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں پر بندش کر رکھی تھی، سو موسیٰ کی بہن بولی: کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتا دوں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کریں، اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں؟ ﴿۱۲﴾ سو ہم نے موسیٰ کو اس کی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور غمگین نہ ہو، اور تاکہ وہ اس بات کو جان لے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے ﴿۱۳﴾

☆☆☆

معارف ومنازل

بچے کو دریا میں بہادینے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی کیفیت یہ ہوئی:

﴿وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا﴾ کہ اس کا دل صبر سے خالی ہوگیا، وہ شدید بے قراری میں ڈوب گئیں، اور اس کیفیت میں پہنچیں: ﴿إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ﴾ قریب تھا کہ بیقراری کی وجہ سے راز کو فاش کر دیتیں، اور کہہ دیتیں کہ یہ میرا بیٹا ہے، میں نے مجبوری کی بناء پر اسے تابوت میں ڈال کر دریا کے سپرد کیا ہے۔

﴿لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا﴾ اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو راز فاش کرنے میں دیر نہ لگتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر صبر کی رسی کا گرہ لگا کر انہیں راز ظاہر کرنے سے روک دیا۔

﴿لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ تا کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو، اور انہیں یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بذریعہ الہام جو وعدہ کیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا، اور میرا بچہ صحیح سالم واپس میرے پاس پہنچ جائے گا۔ فرعون کے محل سرائے میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو پورے شہر میں اس کی شہرت ہوگئی کہ صندوق میں سے ایک بہت خوبصورت بچہ برآمد ہوا ہے جسے فرعون کے گھر والوں نے اپنا لیا ہے، اور اس کی پرورش کا انتظام زیر غور ہے، تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صورت حال معلوم کرنے کے لئے اور اپنی تسکین قلب کی خاطر یہ تدبیر اپنائی:

﴿وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی "مریم" سے کہا کہ چلی جا، اپنے بھائی کی تلاش کر، اور اس کی کھوج لگا، دریا کے کنارے کنارے صندوق کے ساتھ چلی جا، اور دیکھ کہ کیا پیش آتا ہے، اور یہ صندوق کہاں پہنچتا ہے، پھر کیا معاملہ پیش آتا ہے۔

﴿فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ﴾ پس اس نے بچے کو دور سے دیکھا کہ وہ فرعون کے محل سرائے میں پہنچ گیا ہے، اور صندوق سے نکالا گیا ہے صحیح سالم حالت میں ہے، اور اس نے بچہ کو لاپرواہی کے ساتھ دور سے دیکھا، گویا کہ اس کو کوئی غرض نہیں ہے۔ ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ اور وہ لوگ جانتے نہ تھے کہ یہ دیکھنے والی اس کی بہن ہے، اور کسی تاک میں ہے، اس منظر کو دیکھ کر وہ کافی مطمئن ہوگئی، اور دیکھا کہ اس کی رضاعت کے لئے انتظام ہو رہا ہے۔

ملکہ آسیہؓ کے حکم پر چاروں طرف سے دودھ پلانے والیوں کا اجتماع ہو رہا ہے، اور ہر عورت اسے سینے سے لگا کر دودھ پلانا چاہتی ہے، مگر بچہ کسی عورت کی پستان تک منہ میں لگانے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے، اور ہر طرح کی

رضائی کوششیں بے سود ثابت ہو رہی ہیں، اس لئے کہ:

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے تحت اناؤں کا دودھ اس پر حرام کر دیا، یعنی دودھ پینے سے روک دیا کہ وہ کسی انا کا دودھ نہ پی سکیں، یہ دیکھ کر ملکۂ آسیہؓ اور گھر والے پریشان ہو گئے، اور شہر میں دودھ پلانے والیوں کی تلاش شروع ہو گئی، اور جو بھی عورت آتی موسیٰ علیہ السلام اس کا دودھ قبول نہ کرتے۔ حضرت مریمؓ دور کھڑی ماجرا دیکھ رہی تھی، اور کچھ دیر بعد کہنے لگی:

﴿هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ﴾ کیا میں تم کو ایسے گھر والوں کا پتہ نہ دوں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کی کفالت کریں؟ یعنی اس کی رضاعت اور تربیت کے ضامن ہوں، اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں، یعنی مشفق اور مہربان ہوں، تب لوگوں نے اسے کہا کہ اگر ایسا کوئی سنجیدہ اہل بیت ہوں تو تم انہیں حاضر کر لو، تب اس نے موقع کو غنیمت جان کر دوڑ لگائی اور والدہ کو صورت حال سے آگاہ کر لیا، تو والدہ بصد مسرت روانہ ہو کر فرعون کے گھر پہنچی، اور بچہ کو گود میں لے کر دودھ پلایا، چنانچہ بچے نے بڑی رغبت کے ساتھ دودھ پیا، اور سیر ہو گیا۔ فرعون والوں نے کہا: تم کیسی عورت ہو کہ اس بچہ نے سوائے تیرے پستان کے کسی کو منہ نہ لگایا؟ فرعون کے گھر والوں کو شبہ ہوا کہ یہ عورت کہیں اس کی ماں نہ ہو، عورت نے جواب دیا کہ میں پاکیزہ عورت ہوں، مجھ میں سے ایک خوشبو آتی ہے، اور دودھ نہایت لطیف اور شیریں ہے جو بچہ بھی میرے پاس آتا ہے وہ میرا دودھ بہت خوشی سے پی لیتا ہے، پس وہ لوگ بہت خوش ہوئے، اور ان سے کہا کہ تم یہیں رہو، ہمارے بچے کی پرورش اور نگرانی کرو۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے عذر و معذرت کی کہ میرا گھر ہے، میرا شوہر ہے، میرے بچے ہیں، اگر آپ اپنے بچے کو میرے حوالہ کر لیں میں اسے اپنے پاس اپنے گھر میں رکھوں، اور اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کروں، اور اس کے ساتھ دل و جان سے محبت کروں، اور کبھی کبھار اور تمہارے پاس لایا کروں تو بہت ہی بہتر ہوگا، چنانچہ فرعون کے گھر والوں نے اس کو بخوشی منظور کر لیا، اور ایک دینار اجرت یومیہ مقرر ہو گئی، اور بچہ کو لے کر واپس گھر آ گئی۔

[تفسیر ابن کثیر]

﴿فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ پس اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کی طرف واپس کر دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور بچے کی جدائی کا غم نہ رہے، اور تا کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق اور سچا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ سب

پورے ہو گئے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح اپنے بندوں پر رحم کا معاملہ فرماتا ہے، اور کس کس طرح ظالموں کی تدبیروں کو ناکام کرتا ہے۔ اگر اس پورے واقعہ کو سنجیدگی سے دیکھا جائے، اور اس کی کڑیوں کو ملا کر غور کیا جائے تو یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے احسن القصص کا نمونہ اور مثال ہوگا، اور قدرت الٰہی کا ایک عظیم کرشمہ متصور ہوگا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۫ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور پوری طرح درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا، اور اچھا کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۴﴾ اور وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے لوگ غافل تھے، سو اس میں دو مردوں کو پایا جو آپس میں لڑ رہے تھے، ایک موسیٰ کی جماعت میں سے تھا، اور ایک ان کے دشمنوں میں سے تھا، پس موسیٰ سے مدد چاہی وہ جو اس کی جماعت سے تھا ان کے خلاف جو ان کے دشمنوں میں سے تھا، سو موسیٰ نے اس کو گھونسا مار دیا، سو اس کا کام تمام کر دیا موسیٰ نے، کہا: یہ شیطانی حرکت ہے، بلاشبہ وہ دشمن ہے، گمراہ کرنے والا ہے واضح طور پر ﴿۱۵﴾ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بلاشبہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو آپ

میری مغفرت فرما دیجئے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا، بلا شبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے ۱۶ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے ربّ! اس سبب سے کہ آپ نے مجھ پر انعام فرمایا سو میں ہرگز مجرموں کی مدد کرنے والا نہیں بنوں گا ۱۷ پھر اگلے روز شہر میں موسیٰ کو صبح ہوئی خوف کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے گزشتہ کل ان سے مدد طلب کی تھی پھر ان سے مدد طلب کر رہا ہے، موسیٰ نے کہا: بلاشبہ تو صریح گمراہ ہے ۱۸ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن تھا، تو وہ اسرائیلی بول اٹھا کہ اے موسیٰ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر دو جیسا کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کیا ہے، بس تم یہی چاہتے ہو کہ زمین میں اپنا زور بٹھلاتے رہو، اور اصلاح کرنے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتے ۱۹ اور ایک شخص شہر کے دور والے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے موسیٰ! بلاشبہ بات یہ ہے کہ اہل دربار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں، لہٰذا آپ نکل جایئے، بلاشبہ میں آپ کی بھلائی چاہنے والوں میں سے ہوں ۲۰ سو وہاں سے ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے نکل گئے، کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے ظالم قوم سے نجات دیجئے ۲۱

معارف و منازل

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شباب اور جوانی کا تذکرہ ہو رہا ہے، فرمایا:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ اور جب موسیٰ علیہ السلام پرورش پا کر اپنی پوری جوانی اور کمال قوت کو پہنچے، اور قوت عقلیہ کے لحاظ سے بھی کامل ہوئے تو ہم نے ان کو خاص حکمت اور خاص علم و فہم عطا کیا، یہ ان کی نبوت کے مقدمات اور ابتدائی مراحل کے لوازمات ہوئے جن کے بعد نبوت کا آغاز یقینی ہو گیا۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ہم اپنے نیکوکار بندوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ آگے زمانہ شباب کا واقعہ جو کہ مقدمہ ہے نبوت کا اور سبب ہے طور سینا تک پہنچنے اور کلیمیت کا، فرمایا:

﴿وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ﴾ جب وہ شہر میں داخل ہوئے لوگوں کی غفلت اور بے خبری کے وقت، یہ غالباً دوپہر کا اور قیلولہ کا وقت ہوگا، یا رات کو سونے کا وقت ہوگا، تو دیکھتا ہے کہ شہر میں دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں، ایک ان کے گروہ سے تھا (بنی اسرائیلی تھا) اور ایک ان کے دشمنوں کے گروہ سے تھا (فرعونی قبطی تھا)۔

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ پس اس شخص نے جو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ میں سے تھا اس دوسرے شخص کے مقابلہ میں مدد طلب کی جوان کے دشمنوں میں سے تھا، کہنے لگے: اے موسیٰ! میری مدد کرو، مجھے اس قبطی کے ظلم و زیادتی سے بچا، تب موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم کی مدد کرتے ہوئے قبطی ظالم سے کہا کہ اسے چھوڑ دو، مگر قبطی نے اسے چھوڑنے سے انکار کیا، پس:

﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ﴾ پس موسیٰ علیہ السلام نے محض تنبیہ کے لئے اور مظلوم کے دفاع کے لئے اس ظالم کو ایک گھونسا رسید کیا، یعنی اسے مکا مارا، پس اس مکے نے ظالم کا کام تمام کر دیا، موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ اس کے قتل کا نہ تھا، صرف اس کے ظلم کا دفع کرنا تھا، مگر تقدیر میں جو لکھا تھا وہی ہوا کہ وہ بد بخت فوراً گر گیا اور مر گیا، پس موسیٰ علیہ السلام اس کی موت سے رنجیدہ ہوئے اور اپنے فعل پر نادم ہوئے۔

﴿قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ﴾ کہنے لگے: یہ تو شیطان کے کام سے معلوم ہوتا ہے، بیشک شیطان کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے، شیطان ہر وقت اس تاک میں ہوتا ہے کہ کسی انسان کو کبھی گناہ میں مبتلا کرے، یا اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے۔ انبیاء کرام علیہم السلام خواہ قبل از نبوت ہو یا بعد از نبوت گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، چونکہ یہ قتل غیر اختیاری تھا اور یہ مکا مارنا محض تنبیہ کے لئے تھا جس سے عام طور پر لوگ مرا بھی نہیں کرتے، ان سب کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معافی مانگی، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معافی دیدی۔

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ اور کہا: اے پروردگار! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ بغیر تیرے حکم کے ایک کافر کو قتل کیا، پس تو مجھے بخش دے، مجھے یہ وہم و گمان میں نہ تھا کہ مکا مارنے سے وہ مر جائے گا، امید ہے آپ میرا یہ گناہ معاف کر دیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معافی دیدی، بیشک وہ معاف کرنے والا ہے، مہرباں ہے۔ معافی ملنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے آئندہ کے لئے یہ عہد کیا:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ﴾ اور کہا: اے پروردگار! میں بحق انعام تجھ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی مجرموں کا مددگار اور پشت پناہ نہ بنوں گا، یعنی آئندہ کسی کی ایسی مدد ہرگز نہیں کروں گا جو گناہ کا سبب بن جائے۔ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ اس وقت نبی اور رسول نہ تھے مگر اعلیٰ درجہ کے ولی اللہ ضرور تھے، انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے ولی کامل کے منصب جلیل پر فائز ہوتے ہیں، اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں، گناہ صغیرہ سے بھی پاک ہوتے ہیں، ہر خلاف اولیٰ کام پر استغفار کرتے ہیں، سہو و نسیان پر استغفار کرتے ہیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ: ﴿رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَكُوۡنَ ظَهِيۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِيۡنَ﴾ مگر اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا، لہٰذا اگلے روز پھر ایسے معاملہ میں مبتلا ہوگئے، پس موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کے قتل کی وجہ سے رات شہر میں گزاری تا کہ کسی کو اطلاع نہ ہو، رات بھر یہی اندیشہ رہا۔

﴿فَاَصۡبَحَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ يَسۡتَصۡرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيۡنٌ﴾ صبح کو اٹھے اور شہر میں داخل ہوئے درانحالیکہ خوفزدہ تھے اور منتظر تھے کہ کل جو معاملہ پیش آیا تھا اس کا کیا ہوتا ہے، آیا وہ دب گیا یا اس کی خبر پورے علاقہ میں پھیل گئی، پس ناگاہ اسی (منحوس) شخص کو پایا کہ جس نے کل آپ علیہ السلام سے مدد چاہی تھی، آج پھر وہ ایک دوسرے قبطی کے ساتھ دست بگریبان ہے، فریاد کر رہا ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لئے پکار رہا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تحقیق تو کھلا گمراہ ہے، روز کسی نہ کسی سے لڑتا ہے، تم بہت برے انسان ہو، یہ کہہ کر اس کو ملامت کی، مگر وہ منحوس شخص خوفزدہ ہوگیا اور ڈرنے لگا:

﴿فَلَمَّآ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ يَّبۡطِشَ بِالَّذِىۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوۡسٰٓى اَتُرِيۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِىۡ كَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ﴾ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ قصد کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن ہے، جب موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ اٹھایا اس قبطی کو مارنے کے لئے تو یہ اسرائیلی جو پہلے سے خوفزدہ تھا اس نے سمجھا کہ آج مجھے مارے گا، کیونکہ اس نے مجھے صاف گمراہ کہا، بس اتنا ہی تھا کہ اس نے تمام سربستہ راز کھول کر گھبراہٹ میں سب کچھ ظاہر کیا، اور یہ کہا کہ اے موسیٰ! آج تو مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے جیسا کہ گزشتہ کل تو ایک جان مار چکا ہے۔

﴿اِنۡ تُرِيۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ جَبَّارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا تُرِيۡدُ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِيۡنَ﴾ سبحان اللہ وبحمدہٖ، اس فاسق وفاجر کو دیکھو، اور اس کی جرأت کو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو ملامت کر رہا ہے اور طعنہ دے رہا ہے، ایسے لوگ ایمان سے محروم ہوجاتے ہیں، تو کہا: اے موسیٰ! معلوم ہوتا ہے کہ تیرا ارادہ یہ ہے کہ تو زمین میں زور سے زور آور بن کر رہے، اور یہ نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے بن جائے۔

اسرائیلی منحوس کی زبان سے یہ لفظ نکلنا تھا کہ پورے شہر میں مشہور ہوگیا، اور کل کا جو خون چھپا ہوا تھا وہ آشکارا ہوگیا، اور یہ خبر فرعون تک پہنچ گئی۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سے خوفزدہ تھا، اب اس کو ایک مضبوط بہانہ ہاتھ آیا، تو فوراً مشورہ شروع ہوا، اور طے پایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے قتل کیا جائے۔

﴿وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡعٰى﴾ اور آیا ایک شخص شہر کے اس کنارے سے جہاں یہ مشورہ ہو

رہا تھا، گلیوں سے ہوکر دوڑتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر انہیں مکمل روئیداد سنا کر خبر دار کیا، اور ان کے متعلق فرعونیوں نے جو فیصلہ کیا تھا اس سے بھی آگاہ کیا، اور کہا:

﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ اے موسیٰ! فرعونی کمیٹی کا جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، پس میں آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں، آپ یہاں سے فوراً نکل جائیں، بلا شبہ میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ یہ شخص وہی ہے جس کا واقعہ سورۃ مؤمن میں آنے والا ہے، یہ قبطی النسل تھا، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فدائی تھا، پھر بعد میں مسلمان ہوا تھا۔

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس موسیٰ علیہ السلام فوراً وہاں سے نکل گئے جبکہ وہ خوفزدہ تھے، اور اس انتظار میں تھے یعنی راہ دیکھتے تھے کہیں کوئی تعاقب نہ کرے، جب خوف و انتظار ایک حد تک بڑھ گیا، اور راستہ بھی معلوم نہ تھا تو لاچار دعاء ہی کا سہارا لے کر کہا: اے میرے ربّ! مجھے ظالم قوم سے نجات دیں، اور میری راہنمائی فرمائیں، مجھے امن کے کسی مقام پر پہنچا دیں، دعا قبول ہوگئی کسی غیبی شخصیت نے آپ کو قریب ترین امن وامان والے علاقہ مدین کے راستے پر ڈال دیا۔ پیچھے سے فرعون نے تعاقب پر سواروں کا دستہ جو بھیجا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام بنا دیا، وہ آپ تک نہ پہنچ سکے اور واپس لوٹے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٛ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ

بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف توجہ کی تو یوں کہا کہ امید ہے کہ میرا ربّ مجھے سیدھا راستہ چلا دے گا ﴿۲۲﴾ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا جو پانی پلا رہے تھے، اور وہاں دو عورتوں کو دیکھا جو ان لوگوں سے روک رہی تھیں، موسیٰ نے پوچھا: تم دونوں کا کیا حال ہے؟ وہ دونوں کہنے لگیں کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ چرواہے واپس نہ لے جائیں، اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں ﴿۲۳﴾ سو موسیٰ نے ان کے لئے پانی پلا دیا، پھر سایہ کی طرف ہٹ گئے، پھر یوں کہا کہ اے میرے ربّ آپ جو کچھ خیر میرے لئے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں ﴿۲۴﴾ سو ان دو عورتوں میں سے ایک عورت موسیٰ کے پاس آئی جو چلتے ہوئے شرما رہی تھی، اس نے کہا کہ بلا شبہ میرے والد تم کو بلا رہے ہیں تاکہ تمہیں اس کا صلہ دیں جو تم نے ہمارے لئے پانی پلایا، پس جب موسیٰ ان کے پاس آئے اور ان کو واقعات سنائے تو انہوں نے کہا کہ خوف نہ کرو، تم ظالم قوم سے نجات پا گئے ہو ﴿۲۵﴾ ان دونوں عورتوں میں سے ایک کہنے لگی کہ ابا جی! آپ اس شخص کو مزدوری پر رکھ لیجئے، بیشک جس کسی کو آپ مزدوری پر رکھیں ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قوی ہو امانتدار ہو ﴿۲۶﴾ شیخ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کر دوں، اس شرط پر کہ تم میرے پاس آٹھ سال نوکری کے طور پر عمل کرو، سو اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہوگا، اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم پر مشقت ڈالوں، ان شاء اللہ تم مجھے صالحین میں سے پاؤ گے ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا: یہ معاملہ ہے میرے اور آپ کے درمیان میں، دونوں مدتوں میں سے جونسی مدت پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی، اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر وکیل ہے ﴿۲۸﴾

معارف ومنازل

جس خیر خواہ شخص نے موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکلنے کا مشورہ دیا تھا اس پر عمل کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکلے، اور دعا کی: ﴿رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرما کر ان کی راہنمائی کی، اور انہیں ملک شام کی طرف چلا کر مدین کا راستہ بتا دیا جہاں ان کے تمام آئندہ مسائل کا حل لکھا جا چکا تھا، فرمایا: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ ۔ اور جب غیبی راہنمائی پر شہر مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے: مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے پر چلائے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کی

امید کو پورا کر دیا، اور انہیں منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ایسی تھی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے شہر سے چلتے وقت کہا تھا: ﴿اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ [الصافات:۹۹] (بیشک میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں، وہ میری راہنمائی کرے گا)۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام کا رخ مدین کی طرف تھا، اور دل ربّ ذوالمنن کے ساتھ تھا۔

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ﴾ جب مدین کے پانی کنویں کو پہنچے تو آپ علیہ السلام نے وہاں لوگوں کا مجمع اور ہجوم دیکھا جو جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ ﴿وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ﴾ اور ان لوگوں سے علیحدہ ایک طرف دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روک رہی تھیں، موسیٰ علیہ السلام کو ان پر رحم آیا تو پوچھا:

﴿قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ﴾ کہا: تم دونوں کا کیا حال ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا: ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتے جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر نہ لے جائیں، ہم عورت ذات ہجوم میں گھس کر شرم محسوس کرتی ہیں، پھر کمزوری کی بنا پر وہ لوگ ہمیں ہر حال پیچھے دھکیل دیتے ہیں، ہمارا نہ کوئی بھائی ہے اور نہ کوئی مزدور، ہم لاچار و بے کس ہیں۔

﴿وَاَبُوْنَا شَیْخٌ كَبِیْرٌ﴾ اور ہمارا باپ ضعیف العمر بہت بوڑھا ہے، وہ ہماری مدد کرنے سے معذور ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بیتاب ہوئے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انہوں نے عورتوں سے پوچھا: کیا اس کنویں کے علاوہ کہیں اور بھی پانی ہے؟ تو ان دونوں بہنوں نے کہا کہ ہاں قریب میں ایک کنواں اور بھی ہے، مگر اس کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے، اسے دس آدمی بھی مل کر نہیں اٹھا سکتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بتاؤ وہ کہاں ہے؟ وہ دونوں انہیں اس کنویں پر لے گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی ہاتھ سے اس پتھر کو ہٹا دیا، پھر ان کی بکریوں کو پانی پلا کر پتھر کو اسی طرح کنویں کے منہ پر رکھ دیا جس طرح پہلے رکھا تھا۔ [روح المعاني، مظهري]

﴿فَسَقٰی لَهُمَا﴾ جب ان کے جانوروں کو پانی پلایا تو عجیب روحانی سکون انہیں حاصل ہوا، وہاں نزدیک درخت کے سائے میں آرام کر کے یہ دعا کی: ﴿ثُمَّ تَوَلّٰۤی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ اے میرے پروردگار! میں آپ جل جلالہ کی نازل کردہ ہر خیر و برکت کا محتاج ہوں، یعنی جیسے آپ غنی و کریم مطلق ہو، اسی طرح میں آپ کی نعمتوں اور بخششوں کا فقیر مطلق اور سراسر محتاج ہوں۔

سبحان اللہ! کیسی پیاری دعا ہے، اگر کوئی پریشانیوں اور فاقوں میں اسے پڑھے تو کام چل جائے۔

جب دونوں لڑکیاں گھر واپس آگئیں تو باپ نے دریافت کیا کہ آج خلاف معمول کیسے جلد واپس آگئیں؟ انہوں نے سارا ماجرا سنایا، اور بتلایا کہ ایک نووارد خدا پرست مسلمان آیا تھا، بڑا قوی اور امانتدار معلوم ہوتا تھا، پہلے ہم سے معلومات کیں پھر ہماری مدد کی، یہ سن کر حضرت شعیب علیہ السلام کو اس کی صداقت و دیانت کا پختہ یقین ہوگیا، بڑی بیٹی سے کہا کہ تم وہاں جا کر اس شخص کو میرا پیغام دیدو، اور اسے کہو کہ وہ میرے پاس آجائے۔

﴿فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا﴾ پس ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہایت حیا اور شرم سے چلتی ہوئی آئی۔ یہی شرم حیا مردوں اور عورتوں میں کمال ایمان کا ثبوت اور تقویٰ و پرہیزگاری کی علامت ہے، خاص کر عورتوں کے لئے نہایت ضروری ہے، اور ان کا زیور ہے، پھر یہ نبی کی لڑکی جو نبوت کی پیداوار ہے، اس کا سب سے بڑا شعار ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تمام جنتی عورتوں کی سردار نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا تاکہ میری میت پر بھی کسی غیر محرم مرد کی نگاہ نہ پڑے۔ مگر آج جس رخ پر ہم چل رہے ہیں وہ نہایت تباہ کن ہونے کے علاوہ عورتوں کی آخرت کے لئے بہت خطرناک ہے۔

پس شعیب علیہ السلام کی لڑکی نے جو شرم و حیاء کی پیکر تھی موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بیشک میرا باپ تجھے بلاتا ہے تاکہ وہ آپ کو بدلہ دے، یعنی اجرت دیدے اس چیز کا جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا۔ موسیٰ علیہ السلام لڑکی کے کہنے پر چل دیئے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ﴾ پھر جب وہ ان کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے اپنا پورا حال بچپن کے صندوق سے لے کر موجودہ سفر تک کے حالات بیان کئے، جب یہ پوری سرگزشت کو شعیب علیہ السلام نے سنا تو فرمایا: ﴿قَالَ لَا تَخَفۡ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ خوف نہ کرو، تم ظالم قوم کی دست و برد سے بچ نکلے ہو، ہمارے اس علاقے میں فرعون کی عملداری نہیں ہے، نہ اس کے کارندے یہاں آتے ہیں، لہٰذا تم بےفکر ہو جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب کھانا پیش کیا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کھانا کھانے سے انکار کر دیا کہ میں اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو نیکی کے کام پر بدلہ نہیں لیا کرتا، تو شعیب علیہ السلام نے کہا کہ ہماری خاندانی عادت بھی یہی ہے کہ مہمانوں کا اکرام کرتے ہیں، اور مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر چلنے والے لوگ ہیں۔ [قرطبی]

یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام بیٹھ گئے اور کھانا کھایا، کیونکہ دعوت طعام کو قبول کرنا بھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فاقہ کی شدت اور عند الضرورت اجرت لینے کو نبوت کے بعد جائز سمجھتے تھے، اسی خاطر حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ [الکھف: ۷۷] (اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لیتے)۔

اس کے بعد ایک لڑکی نے ان دونوں میں سے اپنے والد کو جو مشورہ دیا وہ اس لئے کہ وہاں کے لوگ شعیب علیہ السلام سے کسی طرح بھی تعاون نہیں کرتے تھے، اور یہ دونوں لڑکیاں بکریوں کے چرانے اور پانی پلانے سے تھک چکی تھیں، وہ اللہ تعالیٰ سے چاہتی تھیں کہ بکریوں کی خدمت سے ہماری نجات کا کوئی ذریعہ ہو، انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ اگر یہ شخص ہماری بکریوں کی خدمت پر مامور ہو تو بہت ہی بہتر ہوگا، تب ان میں سے ایک نے غالباً وہ جو موسیٰ علیہ السلام کو لے کر آئی اپنے والد سے کہا:

﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ﴾ اے ابا جی! اس شخص کو اپنا نوکر رکھ لیں، آپ بوڑھے ہو چکے ہیں، بینائی بھی جاتی رہی ہے، ہم دونوں بہنیں بکریوں کی خدمت سے تنگ آچکی ہیں، یہ کام عورتوں کا نہیں مردوں کا ہے، لہٰذا آپ اس شخص کو ملازم رکھیں، اور اپنی پریشانیوں کو ختم کردیں۔ یہ حضرت صفورا کا مشورہ تھا، جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بعد میں ان کا عقد نکاح ہو گیا۔

دوسری لڑکی کا نام "لیا" ہے، آگے اس دانشمند لڑکی نے جو عمدہ بات کی وہ یہ ہے، کہنے لگی:

﴿اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ ابا جی! یقیناً جس کو اپنا نوکر اور ملازم رکھیں وہ شخص بہترین ہے جو طاقتور، توانا اور امانتدار ہو، اس شخص کی قوت وتوانائی کا تو یہ حال ہے کہ جو پتھر دس آدمیوں سے نہیں اٹھ سکتا تھا اس شخص نے تن تنہا اس کو نہایت سہولت سے اٹھا کر رکھ دیا، اور اس کی امانتداری کا یہ حال ہے کہ اس شخص نے پہلی مرتبہ ہم دونوں بہنوں سے جب بات کی تو ہماری طرف قطعاً نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا، پھر دوسری مرتبہ جب میں اس کو لینے گئی تو مجھے کہا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو، اور مجھے زبان سے راستہ بتاتی چلو، اس لئے یہ شخص ان صفات حمیدہ کے ساتھ بہتر خدمت انجام دے گا۔ دراصل شعیب علیہ السلام پہلی ملاقات میں موسیٰ علیہ السلام کو جان چکے تھے کہ یہ نبوت کے عظیم منصب پر فائز ہونے والے ہیں، اور یہ رب العزت کے اخص الخواص بندوں میں سے ہیں۔

بالائے سرش زہوشمندی ☆ میتافت ستارہ بلندی

پس شعیب علیہ السلام نے بیٹی کا مشورہ قبول کر کے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا: ﴿قَالَ اِنِّىْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ

اِحۡدَى ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ﴾ فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ تمہارا نکاح کردوں، مگر شرط یہ ہے: ﴿عَلٰۤى اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ﴾ اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک ہماری ملازمت کرو اور بکریاں چراؤ، تو یہ مدت نکاح کے عوض میں ہے، لیکن اگر آپ آٹھ برس کی بجائے دس سال پورے کردیں تو یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

دیکھیں! ایک معزز شریف انسان ہر چند مجبور ہو مگر بغیر تعارف وشناخت اور خاندانی جان پہچان کے ہرگز اپنی بیٹی کو کسی اجنبی غیر معروف شخص کے نکاح میں نہیں دیتا، جبکہ یہاں یہی راز کارفرما رہا کہ شعیب علیہ السلام نے وحی یا الہام سے مکمل راہنمائی حاصل کی کہ یہ قوی وامین مستقبل کا اولوالعزم پیغمبر اور صاحب تورات ہوگا، اور کلیم اللہ کے اعزاز کے ساتھ مشرف ہوگا، لڑکی کا مشورہ ایک ظاہری سبب تھا، باطنی امور وحی الٰہی سے طے پا گئے، ایک طرف سے شبانی کی پیشکش، دوسری طرف سے فوراً قبولیت اور آمادگی، یہ سب باطنی امور ورموز تھے۔

﴿وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَیۡكَ ؕ﴾ میں اپنی طرف سے تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ ﴿سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ﴾ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ تو مجھے نیک لوگوں میں سے پائے گا، میں آپ سے کسی زیادہ مشقت کا برتاؤ نہیں کروں گا، اور میری بیٹی بھی صالحات وقانتات میں سے ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام یہ پیشکش قبول فرما کر کہنے لگے: ﴿ذٰلِكَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَكَ﴾ یہ میرے اور تمہارے درمیان معاہدہ پکا ہوگیا۔

﴿اَیَّمَا الۡاَجَلَیۡنِ قَضَیۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَیَّ﴾ میں آٹھ یا دس سال کی جونسی مدت پوری کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہئے، یہ معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِیۡلٌ﴾ ہم جو بات کررہے ہیں اور جو معاہدہ طے کررہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نگہبان ونگراں ہے، ہم اسی کی ذات پر بھروسہ کر کے یہ معاملہ طے کررہے ہیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر ☆ شبانی سے کلیم دو قدم ہے

(اقبال)

فَلَمَّا قَضٰى مُوۡسَى الۡاَجَلَ وَسَارَ بِاَهۡلِهٖۤ اٰنَسَ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّیۡۤ

اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّیۡۤ اٰتِیۡكُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ اَوۡ جَذۡوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوۡدِیَ

مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾
وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ
لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ
اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَ اَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ
مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْۤ ؗ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ
بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَا ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی، اور اپنے اہل کو لے کر روانہ ہوئے تو طور کی جانب سے آگ کو محسوس کیا، اپنی اہل سے کہا کہ تم ٹھہرو، بیشک میں نے ایک آگ دیکھی ہے، امید ہے کہ میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپ لو ﴿۲۹﴾ سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! بیشک میں اللہ ہوں رب العلمین ہوں ﴿۳۰﴾ اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو، سو جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے کہ گویا وہ سانپ ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، اے موسیٰ! آگے آؤ اور مت ڈرو، بیشک تم امن والوں میں سے ہو ﴿۳۱﴾ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو، وہ بغیر کسی مرض کے سفید ہو کر نکلے گا، اور اپنے ہاتھ کو بوجہ خوف کے اپنے بازو سے ملا لو، سو تمہارے رب کی طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، بلاشبہ وہ نافرمان لوگ ہیں ﴿۳۲﴾ موسیٰ نے کہا: اے رب! بیشک میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کیا تھا، سو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے ﴿۳۳﴾ اور میرے بھائی ہارون زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں، سو آپ جل جلالہ ان کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے، وہ میری تصدیق کریں گے، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں ﴿۳۴﴾ فرمایا: ہم عنقریب تمہارا بازو تمہارے بھائی کے ذریعے مضبوط کر دیں گے، تم دونوں کو ایک خاص غلبہ و شوکت عطا کریں گے جس سے وہ لوگ تم دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے، تم دونوں ہمارے معجزے لے کر جاؤ، تم دونوں اور جو شخص تمہارا اتباع کرے گا غالب رہو گے ﴿۳۵﴾

معارف ومنازل

سورۂ طٰہٰ، سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں تفصیلات گزر چکی ہیں، اب اختصار کے ساتھ آیات قرآنی کا ترجمہ اور مطلب کا بیان ہوگا۔

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا﴾ جب موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کے پاس رہ کر مدت پوری کر دی، یعنی دس سال تک خدمت کی اور بکریاں چرا کر ساتھ ساتھ مجاہدہ، ریاضت اور تزکیہ نفس کے مراتب بھی طے کر لئے، تب والدہ اور بھائی کی ملاقات کی خاطر شعیب علیہ السلام سے اجازت چاہی، اور اجازت ملنے پر اہل وعیال کو ساتھ لے کر مصر کے سفر پر روانہ ہوئے۔

رات کا وقت تھا اور اندھیری چھائی ہوئی ہے، سردی کا موسم بھی ہے، زوجہ محترمہ بیمار بھی ہے، اور ایک مزدور بھی ساتھ ہے، اور چند بکریاں بھی ہیں، آگ کی اشد ضرورت ہے، اور چقماق لگا کر خاص ترکیب سے آگ پیدا کرنا چاہی مگر کامیابی نہیں ہوئی، سامنے طور کی پہاڑی پر داہنی جانب کچھ فاصلے پر آگ نظر آئی تو اہل خانہ سے کہنے لگے کہ سامنے مجھے آگ نظر آرہی ہے، تم لوگ یہیں ٹھہرو میں وہاں جا کر راستے کا حال معلوم کروں گا، اور تمہارے لئے آگ لے آؤں گا تاکہ اس آگ پر تم سینکو اور گرمی حاصل کرو۔

﴿لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ شاید میں تمہارے لئے خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ سلگا کر لے آؤں تاکہ تم آگ سے سینک کر گرمی حاصل کرو۔ ﴿فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی داہنی جانب سے بابرکت جگہ میں درخت سے یہ آواز آئی: اے موسیٰ! ﴿اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ آواز دینے والا میں ہی ہوں، اللہ تعالیٰ، سارے جہانوں کا ربّ۔

مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ! یہ کوئی آگ نہیں ہے، یہ تیرے ربّ کے انوار و برکات کی ایک تجلی ہے، اور میں تیرا ربّ ہوں جو آپ سے مخاطب ہوں، یہ میرے نور کا جلوہ ہے جو چاروں طرف آپ کو نظر آرہا ہے۔

﴿وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ﴾ آپ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو، چنانچہ حسب الحکم موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی زمین پر ڈال دی۔ ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۤنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ﴾ جب اس کو دیکھا تو وہ حرکت کر رہی تھی، گویا کہ وہ سانپ ہے، یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہوگئے، پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، تو آواز آئی:

﴿يٰمُوْسٰى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ﴾ اے موسیٰ! سامنے آؤ اور مت ڈرو، بیشک تو امن والوں میں سے ہے، آپ کو یہ معجزہ اس لئے دیا گیا کہ اس سے تمہارے دشمن خوفزدہ ہوں، یہ تمہارے ڈرانے کے لئے نہیں، یہ تمہارے لئے بمنزلہ ہتھیار ہے، اس کے ذریعہ دشمن پر فتح حاصل کرو۔ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بابرکت عصا شعیب علیہ السلام کے پاس تھا، جب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا معاہدہ ہوگیا تو انہیں یہ لاٹھی عنایت کی تاکہ وہ اس سے بہت سے خارق عادت کام لیا کرے۔ [أبو السعود وغیرہ]

﴿اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ﴾ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، یہ نکلے گا سفید چمکدار، بغیر کسی بیماری اور علت کے، گویا یہ معجزہ قلب منور کا ترجمان ہوگا، یہ سفیدی کسی بیماری اور برص کی وجہ سے نہیں، بلکہ معجزہ ہی ہوگا، اور اگر یہ سفیدی دیکھ کر تم پر خوف طاری ہونے لگے تو خوف کے رفع کرنے کے لئے:

﴿وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ اپنا ہاتھ سمیٹ لو، ہاتھ پھر بدستور اپنے حال (صورت) پر آجائے گا، اور کوئی خوف باقی نہیں رہے گا۔ مطلب یہ ہے جب آپ ان چیزوں کا خوف محسوس کریں تو اپنے بازو اپنے جسم کے ساتھ ملالیں، اور انہیں سمیٹ لیں، کھلا نہ چھوڑیں، تو ہاتھ اپنی اصلی صورت پر آجائے گا۔

﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ﴾ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنے ربّ کی یہ دو نشانیاں (عصا اور ید بیضاء) لے کر فرعون کے پاس جاؤ، انہیں عصا سے ڈراؤ، اور ید بیضاء سے نور وہدایت کی طرف دعوت دیدو، کیونکہ: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ بیشک وہ نافرمان لوگ ہیں، اور بڑے بدکار ہیں۔

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ﴾ عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کیا تھا، پھر بھاگ کر مدین چلا گیا تھا، اب مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے دیکھتے ہی قتل نہ کرڈالیں، تو اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنے کے ساتھ شرح صدر اور دیگر چیزوں کی درخواست کی کہ میری زبان کھول دیں، اور میرے بھائی ہارون جو مجھ سے بولنے میں فصیح ہے اس کو بھی میرے ساتھ کردیں، جیسے سورۂ طٰہٰ میں گزرچکا۔

﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴾ اور میرا بھائی ہارون زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے، پس اس کو میرا معاون اور مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ حسن تعبیر اور فصاحت سے میری تصدیق کرے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ [طٰہٰ: ٣٢] (یعنی اس کو میرے نبوت کے کام میں میرا شریک کردے)۔ مجھ کو ڈر ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ساری دعائیں قبول فرمائیں، اور اپنی معیت وامداد کی یقین دہانی کرادی۔ فرمایا:

﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ﴾ اے موسیٰ! ہم تیرے بھائی کے ذریعہ ضرور تیرا باز و مضبوط اور قوی کریں گے، اور اسے بھی نبی بنا کر تیرے ساتھ بھیجیں گے، اور تیرا ہاتھ قوی کر دیں گے، اور ساتھ ساتھ انہیں یہ تسلی دی:

﴿وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا﴾ اور تم دونوں کے لئے ایک خاص غلبہ اور خاص عظمت و ہیبت عطا کریں گے، پس وہ فرعون والے تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نظر عنایت تھی کہ آپ علیہ السلام کے کہنے پر آپ علیہ السلام کے بھائی کو نبوت ملی، اور دوسری بات یہ کہ فرعون اور اس کے حواری کسی بھی ایذا اور تکلیف دینے کے ارادے سے تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے، چنانچہ یہ وعدہ آخر مرحلہ تک اسی طرح پورا ہوا، مجال نہیں کہ فرعون اور اس کی قوم موسیٰ وہارون علیہما السلام کے قتل یا گمنامی کے اندر ڈالے، یا قید و بند کے بارے میں کوئی اقدام کر سکیں، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا رعب ہمیشہ ان پر غالب رہا، اور جب بھی انہیں دیکھتے تھے تو حواس باختہ ہو جاتے تھے، اور ان کا پیشاب خطا ہو جاتا تھا۔

﴿بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ ہماری یہ دونوں نشانیوں کو لے کر جانے کے بعد تم دونوں اور تمہارے متبعین پیروکار ہی غالب رہیں گے، یہ وعدہ اس طرح پورا ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار دریا سے سلامتی کے ساتھ پار ہو گئے، پیچھے سے فرعون اپنی فوج وحشم کے ساتھ بحر قلزم میں غرق ہوا، اور ابدی جہنم میں پہنچا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ
يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَ
اسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری واضح آیات کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے جو افترا کیا گیا ہے، اور ہم نے یہ بات اپنے پہلے باپ دادوں میں نہیں سنی ﴿۳۶﴾ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا ربّ اس شخص کو خوب خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا، اور اسے بھی خوب جانتا ہے جس کا دار آخرت میں اچھا انجام ہوگا، بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے ﴿۳۷﴾ اور فرعون نے کہا کہ اے میرے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا، سوائے ہامان! تو میرے لئے مٹی پر آگ جلادے، سو میرے لئے ایک محل بنادے تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھوں، اور بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں ﴿۳۸﴾ سو اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا، اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے ﴿۳۹﴾ سو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، سو انہیں سمندر میں پھینک دیا، سوائے مخاطب! دیکھ لے ظالموں کا کیسا انجام ہوا ﴿۴۰﴾ اور ہم نے انہیں پیشوا بنادیا جو آگ کی طرف دعوت دیتے رہے، اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ کی جائے گی ﴿۴۱﴾ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی، اور وہ قیامت کے دن قباحت والوں میں سے ہوں گے ﴿۴۲﴾

معارف ومنازل

اب ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کا فرعون کے پاس آنے کا، اور فرعون کے ردعمل کا بیان ہے، فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ﴾ جب موسیٰ علیہ السلام ہماری کھلی نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آئے اور انہیں توحید کی دعوت دی۔ ﴿قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ﴾ تو فرعونیوں نے کہا کہ یہ تو تراشیدہ جادو ہے جسے موسیٰ نے اختراع کر کے پیش کیا ہے، جو سراسر افتراء اور جھوٹ ہے، ہم نے تو اپنے پچھلے باپ دادوں میں یہ بات کبھی نہیں سنی کہ آسمان وزمین کا کوئی ایک خالق ومالک ہے جو کہ جہاں کو فنا کرے گا، اور پھر دوبارہ تمام لوگوں کو حساب وکتاب کے لئے زندہ کر کے حساب لے گا، یہ باتیں نہ ہم نے سنی ہیں نہ ہمارے باپ دادوں نے، بلکہ یہ سب خودساختہ اور اپنے اختراع کی باتیں ہیں، جو یہ شخص کہہ رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا:

﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے اس شخص کو جو اس کے پاس سے ہدایت اور دین حق لے کر آیا ہے،

اور خوب جانتا ہے اس کو جس کا انجام آخرت اچھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میں پروردگار عالم کی طرف سے دین حق اور ہدایت لے کر آیا ہوں، یہ کوئی گھڑا ہوا جادو نہیں، اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ جو کوئی ہدایت کو قبول کرے گا تو اس کا انجام بخیر ہوگا، اور جو ہدایت اور دین حق کو قبول نہیں کریں گے وہ ظالم ہوں گے، اور ناکام رہیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سن کر فرعون کو اندیشہ ہوا کہ اہل دربار اور ارکانِ دولت موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل نہ ہو جائیں، تو بغرض تلبیس وتدلیس بولے:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ ۚ﴾ یہ شخص کہتا ہے کہ کائنات کا ایک ہی معبود ہے جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، میں تو تمہارے لئے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا، یہ موسیٰ کس الٰہ کی بات کرتا ہے؟ اور کہتا ہے کہ وہ اوپر آسمانوں میں ہے، اور سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے، پھر کہنے لگا: اچھا میں موسیٰ کے خدا کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں، تو اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ اس کی صورت یہ ہے:

﴿فَاَوْقِدْ لِىْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ﴾ اے ہامان! اینٹوں کا ایک بھٹہ لگاؤ، اور اس میں پختہ اینٹیں تیار کرو، ظاہر ہے مصر ایک متمدن ترقی یافتہ ملک تھا، اہرام مصر جو دنیا کے عجائبات میں ان کا شمار ہے یہ فرعون کے زمانے سے دو ہزار سال پہلے کے ہیں، جبکہ وہاں قوم عاد کا اقتدار تھا، چنانچہ ہامان کو حکم ملا کہ اینٹیں تیار کرنے کے بعد:

﴿فَاجْعَلْ لِّىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى﴾ پھر میرے لئے ایک اونچا مینار تعمیر کرو تا کہ میں اس پر چڑھ کر اس کے اوپر سے جھانک کر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں کہ وہ کیسا ہے۔ ﴿وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ اور میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔

مفسرین کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ فرعون کے مذکورہ حکم کے مطابق کوئی محل یا مینار تیار بھی ہوا تھا یا نہیں، بعض کہتے ہیں کہ فرعون نے یہ حکم دفع الوقتی کے لئے مذاق کے طور پر دیا تھا، اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جب اونچے پہاڑوں پر چڑھ کر موسیٰ علیہ السلام کے خدا تک رسائی ممکن نہیں، اور آسمان نہایت اونچا اور بلند ہے تو کسی مینار کی اس بارے میں کوئی حیثیت نہیں، تو فرعون نے اپنے درباریوں کو خوش کرنے کے لئے یہ کہا۔

بعض مفسرین نے کہا کہ کسی صحیح روایت میں اس محل کی تیاری کا ذکر نہیں ملتا، اور جن مفسرین نے اس محل کی تیاری کا قول کیا وہ بھی تردد کے ساتھ پورے یقین کے ساتھ نہیں۔ بعض نے کہا کہ ہامان نے پچاس ہزار کاریگر اور مزدور اس تاریخی محل کی تعمیر پر لگا دیئے، اور مینار کی شکل کا محل تیار ہو گیا (جیسا کہ موجودہ دبئی کا مینار ہے)۔

بعض کہتے ہیں کہ فرعون اس مینار کی چھت پر چڑھا، اس کا خیال یہ تھا کہ آسمان کے قریب پہنچ جاؤں گا، جب دیکھا کہ آسمان جتنا پہلے دور تھا اب بھی اسی طرح دور ہے تو شرمندہ ہوا اور اوپر تیر مارا، وہ تیر خون آلود ہو کر گرا، تو کہا: میں نے موسیٰ کے خدا کو (معاذ اللہ) قتل کیا۔ پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اس محل پر اپنا پر مار کر اسے تباہ کیا، اور اس کے تین ٹکڑے ہو گئے: ایک فرعون کے لشکر پر گرا جس سے ہزاروں کی تعداد میں فوجی تباہ ہو گئے، دوسرا حصہ دریا میں گرا، اور تیسرا حصہ مزدوروں اور عام لوگوں پر گرا۔ واللہ اعلم۔ یہ سب تقریباً اسرائیلی روایات ہیں جن کی صحت میں شک وتردد ہے۔

﴿وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق تکبر اور غرور کیا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور دین الٰہی کو برحق اور سچا جانتے تھے، مگر بدبختی اور عناد کی وجہ سے کبر وغرور میں مبتلا رہے، اور کفر ونافرمانی میں گمراہ رہے، جیسا کہ سورۃ النمل میں ارشاد ہے: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ [النمل: ۱۴] (اور ان کے دلوں کو ان کا یقین ہو چکا تھا، مگر انہوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کیا)۔

فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں ناحق تکبر اور غرور کیا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور دین الٰہی کو برحق اور سچا جانتے تھے، مگر بدبختی اور عناد کی وجہ سے کبر وغرور میں مبتلا رہے، اور کفر ونافرمانی میں گمراہ رہے، جیسا کہ سورۃ النمل میں ارشاد ہوا۔

﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ﴾ کہنے لگے کہ ہم گمان کرتے ہیں کہ ہم خدا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے، وہ قیامت کے اور دوبارہ زندگی کے منکر تھے۔ ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ پس ہم نے پکڑ لیا فرعون اور اس کے لشکر کو، بلکہ اس کی پوری قوم کو، اور ان سب کو سمندر میں پھینک دیا، اور وہ سب دریائے قلزم کی موجوں کی نذر ہو گئے۔ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ پس دیکھ لو ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ اور ہم نے ان کو ایسا پیشوا (لیڈر) بنایا جو آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں، یعنی لوگوں کو گمراہ کر کے دوزخ کا ایندھن بناتے ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے ائمہ اور پیشوا بنائے اسی طرح گمراہی اور معاصی کے لئے ائمہ وپیشوا بھی بنائے، جو مجرموں اور گنہگاروں کی قیادت

کر کے انہیں دوزخ کا ایندھن بناتے ہیں، آج وہ اس دنیا میں دھڑا دھڑ لوگوں کو گمراہ بنا رہے ہیں، اور ان کے آگے آگے چل کر انہیں معاصی کا راستہ دکھا رہے ہیں، اسی طرح قیامت کے دن یہ آگے آگے ہوں گے، اور ان کے ماننے والے لوگ ان کے پیچھے پیچھے دوزخ میں داخل کئے جائیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾ [ھود: ۹۸] (وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور ان سب کو دوزخ میں لا اتارے گا)۔

جس طرح یہاں کفر و تکذیب میں اپنی قوم کا امام تھا قیامت کے دن جہنم کی طرف جانے اور دوزخ میں گرانے کا بھی امام ہوگا، یہاں تک کہ اپنی قوم کو قیامت کے دن آگ پر پہنچائے گا، واضح رہے کہ یہ بات صرف فرعون کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ وہ سارے قائدین اور قوموں کے گمراہ کرنے والے لیڈر صاحبان اس وعید کا حصہ بنیں گے جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، پھر قیامت کے دن جہنم کی طرف اپنے ساتھیوں سے آگے آگے ان کی قیادت کرتے ہوئے دوزخ کے ایندھن بنیں گے، یہی حال سارے شیاطین الانس والجن کا ہوگا۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائی گی، نہ ان کا لشکر کام آئے گا، نہ مال و دولت، پھر تابع اور متبوع سب جہنم رسید ہوں گے۔ ﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً﴾ اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے، شرائع الٰہیہ کے تمام پیروکار اور نیک لوگ ہمیشہ یہی کہتے رہتے ہیں: ﴿لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الأعراف: ۴۴] (ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو)۔ فرعون اور اس کے متبعین پر لعنت ہو، فجار و فساق اور مشرکین و کفار پر لعنت ہو۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾ یہ لوگ قیامت کے دن برائی اور قباحت والے لوگوں میں سے ہوں گے، جن پر عنایات ایزدی کے دروازے بند ہوں گے، اور عذاب کے دروازے کھلے ہوں گے، اور تباہی کے گڑھے میں بند ہوں گے۔

❁ ❁ ❁

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ

مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ
مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ
لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: اور اس کے بعد ہم نے اگلی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا، ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لئے بصیرتوں کا ذریعہ تھی، اور سراپا ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۴۳﴾ اور آپ مغربی جانب میں نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے، اور آپ مشاہدہ کرنے والے نہ تھے ﴿۴۴﴾ اور لیکن ہم نے بہت سی جماعتوں کو پیدا کیا، پھران پر دراز زمانہ گزر گیا، اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے، آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں، اور لیکن ہم ہی رسول بنانے والے ہیں ﴿۴۵﴾ اور آپ طور کی جانب نہ تھے جب ہم نے آواز دی، اور لیکن آپ کے ربّ کی طرف سے آپ پر رحمت ہوئی تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۴۶﴾

معارف ومنازل

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت دو قوموں کے لئے تھی: ایک فرعون اور اس کی قبطی قوم تھی، دوسری آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھی، اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان ہوا، اب اللہ تعالیٰ اپنی عظیم الشان کتاب تورات شریف کے نزول اور اس کے فیوض و برکات اور نورانی ہدایات کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ فرعون کی ہلاکت کے بعد جب بنی اسرائیل نے قبطی قوم کی پانچ سو سالہ غلامی سے نجات حاصل کر لی تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی قانون ہونا چاہئے جس پر ہم اپنی روزمرہ زندگی میں عمل کریں، موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی، تو حکم ہوا کہ چالیس روز تک کوہ طور پر اعتکاف کرو تو تمہیں کتاب تورات عطا کی جائے گی۔ تورات کے معنی ہیں: "قانون"، چنانچہ چالیس روزہ اعتکاف کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی، تو ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی۔ ﴿مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى﴾ بعد اس کے کہ ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا، اس سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور مدین والے لوگ ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کی مسلسل تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئے۔

﴿بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً﴾ اس کتاب مبارک میں لوگوں کے لئے بصیرت سے مراد دل کی روشنی ہے جس کو ہدایت بھی کہتے ہیں جس کی بدولت فہم وعقل اور حق وباطل کی شناخت نصیب ہوجاتی ہے، اور آدمی کا شمار اولوالالباب میں ہوجاتا ہے، اسی طرح یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ہے، کیونکہ اس پر عمل کرنے والے لوگ دنیا و آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مستحق بن جاتے ہیں۔ دراصل تمام آسمانی کتابیں نور ہدایت اور رحمت جیسی عظیم صفات سے متصف ہیں۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، اب اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و صداقت اور قرآن حکیم کی حقانیت کا مدلل تذکرہ ہے، وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدین میں بھی حاضر نہیں تھے، اور کوہ طور اور جانب غربی میں بھی حاضر اور موجود نہیں تھے، موسیٰ علیہ السلام کے پاس اور فرعون کی ہلاکت کے وقت، اسی طرح قرون اولیٰ کی ہلاکت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں موجود نہیں تھے، پھر نہ تاریخی واقعات سے باخبر ہیں، اور نہ دنیا کے حالات پر امی ہونے کی وجہ سے عبور رکھتے ہیں، مگر ان تمام باتوں کے باوجود یہ سارے حقائق واقعات کو ایسے بلاکم وکاست بیان کرتے ہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سب کچھ مشاہدہ کیا ہو، یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب کی صداقت کی دلیل ہے، جو یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی الٰہی سے معلوم ہوا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے سامنے بیان فرمایا، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھربوں صلوٰۃ وسلام ہوں۔

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ﴾ آپ اس وقت کوہ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے، جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت (تورات شریف) دیدیئے۔ ﴿وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ اور نہ آپ اس وقت کے حاضرین میں سے تھے۔ ﴿وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ﴾ مگر ہم نے بہت سی قوموں کو پیدا کیا، پھر ان کی عمر دراز ہوئی، اور وہ سرکشی اور کفر وشرک جیسے معاصی کے مرتکب ہوئے جس کے نتیجے میں وہ تباہ کردیئے گئے۔

﴿وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ﴾ آپ اہل مدین میں اقامت پذیر نہ تھے۔ ﴿تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے، جیسے آج مکہ والوں کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

﴿وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ﴾ لیکن ہم ہیں رسولوں کو بھیجنے والے، جن کے آخر میں آپ مبعوث ہوئے، اور ہم ہی ہیں آپ کو رسول بنا کر بھیجنے والے، اور بذریعہ وحی ان غیب کی باتوں سے آپ کو آگاہ کرنے والے، اور ہمارے

بتانے سے پہلے آپ کچھ نہ جانتے تھے، جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ [الشوریٰ:۵۲] (اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف قرآن کریم اپنے حکم سے، تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان) اور اس کے لوازمات واحکام۔

اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ﴿تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ﴾ میں عَلَيْهِمْ کی ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے، اور مطلب یہ ہے کہ تو مدین کے باشندوں میں سے نہیں جس نے ان واقعات کا مشاہدہ اور معائنہ کیا ہو، اور اہل مکہ کو ان کی خبر دے رہا ہو، بلکہ ہماری وحی سے تجھ کو ان باتوں کا علم ہوا جو تو اہل مکہ کو ان سے خبر دے رہا ہے۔

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾ اور آپ طور کے کنارے پر بھی نہ تھے جب ہم نے آواز دی تھی کہ اے موسیٰ! آپ وادی مقدس میں ہیں اپنے جوتے اتار دیں میں نے تجھے نبوت ورسالت کے لئے منتخب کیا ہے۔

﴿وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ یہ تو تیرے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے کہ تمہیں ان حالات سے مطلع کر رہا ہے، اور یہ رحمت اس لئے ہے کہ: ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ تاکہ آپ ڈرائیں ان لوگوں کو جن کے پاس آپ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں، کیونکہ آپ کی بعثت سے ان پر حجت پوری ہوگئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ واقعات جو آپ لوگوں کو سنا رہے ہیں حالانکہ آپ نہ ان کے ساتھ رہے ہیں، اور نہ یہ واقعات آپ کو پڑھ کر سنائے گئے ہیں تو پھر ان امور کی اطلاع آپ کو کیسے ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ صرف ہماری رحمت سے ہوئی، ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، اور بذریعہ وحی آپ کو بہت سی پوشیدہ چیزوں سے مطلع فرمایا، پس ایک امی شخص کا بغیر دیکھے اور بغیر سنے اور بغیر پڑھے اس طرح واقعات کو صحیح صحیح بتلانا اس کی نبوت کی واضح دلیل ہے، اللہ تعالیٰ کی حجت سب پر پوری ہوگئی، اب اپنے انجام کو سوچ لیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا

بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: اور ہم رسول نہ بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر مصیبت آجاتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے رب! ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا؟ تاکہ ہم آپ کی آیتوں کا اتباع کر لیتے، اور ایمان لانے والوں میں سے ہوجاتے ﴿۴۷﴾ سو جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آگیا تو کہنے لگے کہ اس شخص کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی؟ کیا اس سے پہلے لوگوں نے اس چیز کے ساتھ کفر نہیں کیا جو موسیٰ کو دی گئی؟ کہنے لگے: یہ دونوں جادوگر ہیں، دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کرلیا ہے، اور کہنے لگے کہ ہم تم دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے ﴿۴۸﴾ آپ فرما دیجئے: کوئی کتاب لے آؤ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو اگر تم سچے ہو ﴿۴۹﴾ سو وہ اگر آپ کی بات قبول نہ کریں تو آپ جان لیجئے کہ وہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں، اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ہدایت کے بغیر اپنی نفسانی خواہشوں کا اتباع کرتا ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کردیتا ﴿۵۰﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب حجت پوری ہوجانے کے بعد آتا ہے، اور بعثت رسل اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ تامہ ہے، جس سے حجت پوری ہوجاتی ہے، اور مجرم کے لئے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی، چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَاۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا﴾ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بداعمالیوں کی وجہ سے مصیبت پہنچنے کے وقت شاید یہ لوگ یہ کہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا؟ ﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے، اور ایمان لانے والوں میں سے ہوجاتے۔

تو حضرت اللہ تعالیٰ نے ہر ملک اور ہر قوم میں اپنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرما کر لوگوں پر اتمام حجت کرتے

ہوئے انہیں حق وباطل سے مکمل آگاہ کر دیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ اعتراض کرتے کہ ہمیں سزا کیسی دی جا رہی ہے جب کہ ہمیں بتلانے والا کوئی رسول تو آیا ہی نہیں ہے۔ دوسری جگہ یہ بھی آتا ہے کہ ہم تو اپنے آباء واجداد کے طریقے پر ہی چلتے رہے، ہمیں کوئی سمجھانے والا ہی نہیں آیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنا آخری رسول ﷺ بھیج کر تم پر اتمامِ حجت کر دیا، اور تمہارے اعتراضات سارے رفع کر دیئے، پہلے تو وہ رسول کے نہ آنے کا عذر پیش کرتے تھے:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى﴾ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آخری نبی بھی مبعوث فرمایا، اور اپنی آخری کتاب (قرآن مجید) بھی نازل فرمائی تو کہنے لگے: ہمیں ویسی ہی چیز کیوں نہیں دی گئی جیسی موسیٰ کو دی گئی تھی؟ یہ دوسرا اعتراض کر دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء جیسے عظیم معجزات عطا کئے گئے تھے، ویسے معجزات نبی آخر الزمان ﷺ کو کیوں نہیں دے گئے؟ اور موسیٰ علیہ السلام کو تو پوری تورات تختیوں پر لکھی لکھائی بیک وقت دی گئی تھی، مگر نبی آخر الزمان ﷺ پر قرآن حکیم تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہو رہا ہے؟

مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس حق آ گیا تو اس کے قبول کرنے میں حیلے بہانے تلاش کرتے رہے، اور ہدایت سے محض ضد وہٹ دھرمی کی وجہ سے محروم ہو گئے، اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں مشرکین مکہ کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں: ﴿اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ﴾ کیا یہ لوگ اس چیز کا پہلے انکار نہیں کر چکے جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، یعنی یہ لوگ اب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اگر واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اسے موسیٰ علیہ السلام کی طرح عصا اور ید بیضا کے معجزے کیوں نہیں دیئے گئے؟ لیکن ذرا یہ بتائیں کہ انہی موسوی معجزات کا انہوں نے سابق میں انکار نہیں کیا تھا؟ اور انہیں جھوٹے اور جادوگر نہیں کہا تھا؟ اور اب قریش مکہ یہ کہتے ہیں:

﴿قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۗ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ﴾ کہ تورات اور قرآن دونوں جادو ہیں جو باہم ایک دوسرے کے موافق ہیں۔

حضرت شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مشرکین مکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا سن کر کہنے لگے کہ اس نبی کے پاس اگر ایسا معجزہ ہوتا تو ہم اس کو مان لیتے، انہوں نے جب یہود سے پوچھا اور تورات کے احکام معلوم کئے تو انہیں معلوم ہوا کہ تورات ہمارے بتوں کے سراسر خلاف ہے، اور تورات میں توحید اور قیامت کا، نیز حیات بعد الموت اور حساب وکتاب اور جنت ودوزخ کا اثبات بھی ہے، اور تورات میں نبی آخر الزمان ﷺ کی

صفات اور ان کی حقانیت کا بھی بیان ہے تو کہنے لگے: ہم دونوں کو نہیں مانتے نہ تورات کو مانتے ہیں اور نہ قرآن کو تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں ہمارے معبودوں کے خلاف ہیں، جب کتابوں کا انکار کیا تو رسولوں علیہم السلام کا بھی انکار کیا، اور انہیں بھی جادوگر بتایا (العیاذ باللہ) اور دونوں کتابوں کو جادو قرار دیا، آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار و مشرکین اگر قرآن اور تورات کو اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے تو پھر آپ انہیں چیلنج دے دیں:

﴿قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ آپ ان سے فرمادیجئے کہ اگر یہ دونوں کتابیں تمہارے نزدیک جادو ہیں تو تم ان دونوں کے علاوہ کوئی اور کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر اور بڑھ کر ہوتا کہ میں اس پر چلوں اور تمہیں اس کی طرف دعوت دیدوں اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔ اس سے یہ بھی اشارہ ہے کہ تم قرآن کی مثل لانے سے عاجز ہو۔

﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ پس اگر یہ لوگ آپ کی بات کو نہ مانیں اور چیلنج قبول نہ کرسکیں تو آپ یقین کر لیجئے کہ یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں، اور اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں، حق واضح ہے اس کو یہ جانتے بھی ہیں مگر شیطان کے کہنے پر اپنی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہیں۔

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر چلے؟ سورۃ الفرقان میں ہے: ﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾[الفرقان: ۴۳] (کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے)۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت اور صراط مستقیم انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن میں حق اور ہدایت کی طلب ہوتی ہے، اور وہ خواہشات پر چلنے والے نہیں ہوتے ہیں، اور وہ ہدایت کے متلاشی رہتے ہیں۔ آئندہ آیات میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہے جو حق سے بیگانہ اور دور نہیں رہتے ہیں، بلکہ حق کی تصدیق اور حمایت کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٥٤﴾
وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي
الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس کلام کو ان لوگوں کے لئے مسلسل بھیجا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۵۱﴾ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، بیشک ہم پہلے ہی سے فرمانبردار تھے ﴿۵۳﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کرنے کی وجہ سے دہرا ثواب دیا جائے گا، اور یہ لوگ بھلائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں، اور جو کچھ ان کو ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿۵۴﴾ اور جب لغویات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہم تم کو سلام کرتے ہیں، ہم جاہلوں سے بات کرنا نہیں چاہتے ﴿۵۵﴾ بلاشبہ جسے آپ چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے، اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۵۶﴾

معارف ومنازل

قرآن کریم کے تدریجی نزول میں جو حکمت ہے اسی کو بیان فرمارہے ہیں، ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ البتہ ہم نے ان کے لئے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت و مصلحت ہدایت کی بات کو پے درپے بار بار لگاتار بیان کیا، ایک آیت کے بعد دوسری آیت، ایک سورت کے بعد دوسری سورت، ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ، ایک نصیحت کے ساتھ دوسری نصیحت، یہ سب اتمامِ حجت کی خاطر بیان کئے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ایمان لائیں۔

(۱) یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے ان کے لئے انواع واقسام کی باتیں بیان کردیں (ہدایت کے متعلق) تاکہ وہ ہدایت قبول کریں اور گمراہی سے باز آجائیں۔ لفظ وَصَّلْنَا کے معنی ہیں: انواع واقسام یعنی "اوصال"۔

(۲) یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اور بار بار ان امتوں کا ذکر کیا ہے جو اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئیں تاکہ ان کا حال سن کر ان سے عبرت پکڑیں، اور ان کے کردار سے دور رہیں۔

(۳) یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے حق بات کو نہایت واضح اور مفصل بیان کیا کہ جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس آیت سے قرآن کریم کے تدریجی نزول کے فوائد بھی معلوم ہوئے، اول یہ تدریجی نزول میں مطلب ومعانی اچھی طرح سمجھ میں آئیں گے، دوسرے یہ کہ یاد رکھنے کی سہولت میسر آتی ہے، تیسرے یہ کہ تعلیم اور تعلم آسان ہوجاتی ہے، چوتھے یہ کہ روز روز نئی حکمت اور نئی مصلحت پر مبنی فوائد حاصل ہوتے جاتے ہیں، نیز بار بار سننے سے حجت بھی پوری ہوجاتی ہے۔

اگلی آیات میں ان اہل کتاب مؤمنوں کی تعریف بیان فرمائی کہ جو پہلی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے، پھر جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس پر بھی ایمان لائے۔

﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تھی اس قرآن سے پہلے وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں، یہود ونصاریٰ کی اکثریت تو ضد وہٹ دھرمی پر قائم رہی، انہوں نے مشرکین مکہ کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ کفر وزندقہ کا اظہار کیا، البتہ! ان میں سے چند ایک خوش قسمت قرآن مجید پر ایمان لائے اور اسلام کے خیمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نصاریٰ کے ستر علماء جن کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سورۂ یاسین پڑھی تو وہ لوگ سنتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، اور وہ لوگ مسلمان ہوگئے، سورۃ المائدہ میں انہی لوگوں کا تذکرہ ہے: ﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ﴾[المائدۃ:۸۳] (جب انہوں نے اس چیز کو سنا جو رسول کی طرف نازل کی گئی ہے تو آپ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے، اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا) اور ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہوگیا۔ جب ابوجہل وغیرہ کو حبشہ کے ان لوگوں کی آمد کی خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ حبشہ کے لوگ کتنے بیوقوف ناداں لوگ ہیں جو بھی تحقیق کرنے کے لئے آئے ہیں کہ یہاں واقعی کوئی نبی آیا ہے یا نہیں، مگر ایمان قبول کر کے جارہے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے ابوجہل وغیرہ کو وہی جواب دیا تھا جو آگے متصل آنے والا ہے یعنی: ﴿سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ﴾[ابن کثیر]

﴿وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ﴾ اور جب قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے ان کو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، کیونکہ یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے، ہم تو اس سے پہلے ہی فرمانبردار تھے یعنی جس طرح ہم اپنے نبی اور اس کی کتاب پر ایمان لائے اسی طرح

آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی کتاب (قرآن) پر بھی ہمارا ایمان ہے، ہم پہلے اپنی کتابوں میں اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت اور اس کی کتاب کی صداقت دیکھ چکے ہیں، اور اس کی صفات پڑھ چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾ ایسے منصف وحق پرست اہل کتاب کو دہرا اجر ملے گا، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا، پہلے وہ سابقہ کتب یعنی تورات وانجیل اور زبور پر ایمان رکھتے تھے، اور انتظار میں رہے، جوں ہی آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور قرآن کا نزول ہوا تو یہ لوگ فوراً مسلمان ہوئے، جس کی وجہ سے انہیں طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، مگر انہوں نے صبر واستقامت کا دامن نہ چھوڑا، اور اللہ تعالیٰ کے سچے دین پر جمے رہے، اس لئے دوہرے اجر کے مستحق ٹھہرے۔

صحیحین کی حدیث ہے کہ تین قسم کے لوگوں کو دہرا اجر ملے گا: ایک وہ شخص کہ جو پچھلے نبی اور پچھلی کتاب پر ایمان رکھتا تھا، پھر جب اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آخری کتاب (قرآن حکیم) نازل ہوئی تو وہ ان دونوں پر اسی طرح ایمان لایا اور تصدیق کی۔ دوئم وہ جو اس کے پاس لونڈی ہو اس کی تعلیم وتربیت کرے، پھر اس کو آزاد کرے اور اس سے نکاح کر لے۔ تیسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آقا کے حقوق بھی پورا پورا ادا کرے۔

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات مکیہ میں یوں کہتے ہیں کہ اہل کتاب کا ایمان اپنے نبی پر دو مرتبہ ہوا: اول بالاستقلال، دوبارہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے ضمن میں، یعنی بالتبع، کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے مصدق اور نمائندہ ہیں، اور وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا: ایک بالذات استقلال کے ساتھ، دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں، کیونکہ ہر پیغمبر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں، اسی لئے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا۔

﴿وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ وہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں، یہ ان کی دوسری صفت اور اخلاق فاضلہ میں سے ہے، یعنی جو ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں، اور تیسری صفت ان کی یہ ہے:

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ کہ ہم نے جو رزق ان کو دیا ہے اس میں سے خیر کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو لوگ حبشہ سے آکر مسلمان ہوئے وہ مدینہ منورہ پہنچ کر جب انہوں نے مسلمانوں کی مالی تنگی اور غربت دیکھی تو کہنے لگے: یارسول اللہ! ہمارے پاس حبشہ میں بہت سے اموال ہیں، اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو واپس جا کر اپنے اموال لے آئیں گے اور مسلمانوں میں تقسیم کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دیدی، اور وہ واپس گئے، اور اپنے اموال لے کر آگئے جن کے ذریعہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد کی، اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ [معالم التنزیل عن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ]

جب وہ کافروں اور منافقوں سے کوئی لغو اور بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں، یعنی کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: ﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، ہم تمہاری لغویات اور بیہودہ باتوں میں حصہ نہیں لیتے، ہم اپنی نیکی کا کام انجام دیتے ہیں، تم اپنی بیہودگیوں میں لگے رہو۔ حبشہ کے وفد نے ایمان لانے کے بعد ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو یہی جواب دیا، یہ اہل ایمان کا وہی جواب ہے جو سورۃ الکٰفرون میں فرمایا: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ [الکافرون: ۶] (تمہارے لیے تمہارا دین ہے، اور میرے لیے میرا دین ہے)۔ قیامت کے دن ہر ایک کا دین اور عمل اس کے سامنے آئے گا، اور تمام تر راز کھل جائیں گے۔

﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ تم پر سلامتی ہو، ہم جاہلوں کی تلاش میں نہیں رہتے، اور انہیں نہیں چاہتے، اور نہ ان کو منہ لگاتے ہیں۔ اس جگہ سلام سے سلام تحیہ مراد نہیں، بلکہ سلامِ متارکت و بیزاری مراد ہے، یہ سلام بددعا کے معنی میں ہے۔ سورۂ فرقان میں فرمایا: ﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ [الفرقان: ۶۳] (اور جب ناداں لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو)۔ پس یہ سلامِ متارکت اور بیزاری کہلائے گا جو نفرت کے معنی میں ہے، کیونکہ جہل مرکب کا علاج اور جاہل جب جہل مرکب میں مبتلا ہو تو اس سے کنارہ کشی بہتر ہے، اس کی دلیل یہ ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ تحقیق اے ہادیوں کے سردار! اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت مجسم! ہادی عالم! آپ اس منصب عالی کے باوجود ہدایت کے مالک نہیں، اور یہ آپ کے قبضہ قدرت میں نہیں۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ لیکن اللہ تعالیٰ ہی اس بات پر قادر ہے کہ وہ

جس کو چاہے راہ دکھائے، اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صرف راہ بتانے والے ہیں، آپ کا کام اراءۃ الطریق تک محدود ہے، جبکہ ہدایت کا دوسرا درجہ ایصال الی المطلوب یہ آپ کا فریضہ نہیں، اور آپ کے اختیار میں نہیں ہے، یہ مخصوص صفت ربّ العزّت کی ہے۔

امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت باجماع مفسرین ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی، چونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سب لوگوں کے ایمان کے لئے ہر وقت فکرمند رہتے تھے تو اپنے خاندان کے لوگوں کے لئے خاص کر اپنے چچا ابوطالب نے کے متعلق کیوں فکرمند نہ ہوتے، کیونکہ ابوطالب نے عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کی کفالت کی، اور کفالت کا حق ادا کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو پوری قوم قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی پر اتر آئی، لیکن ابوطالب نے تین سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے نہایت تکلیفیں برداشت کیں۔

الغرض ابوطالب کی خدمات بیحد زیادہ ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ابوطالب کی موت کا وقت ہے اور ابھی ہوش میں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے کہا کہ چچا جان آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں میں ان شاء اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے اس کلمہ کے کہنے اور پڑھنے کی گواہی دے دوں گا، وہیں پر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ دونوں مشرک بھی موجود تھے، وہ دونوں ابوطالب کو ان کے والد عبدالمطلب کی ملّت پر مرنے کی ترغیب دیتے رہے، آپ بار بار انہیں کلمہ پڑھنے کی تلقین وترغیب فرماتے رہے، لیکن ابوطالب نے یوں کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر قریش یہ کہہ کر مجھے عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ کی وجہ سے اس نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا ہے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، انہوں نے جانتے ہوئے اور یقین کرتے ہوئے انکار کر دیا، اور کہا:

ولقد علمت بأن دين محمد ★ لمن خير أديان البرية دينا

لولا الملامة أو حذار مسبة ★ لوجدتني سمحاً بذاك مبينا

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین دنیا کے تمام ادیان سے بہترین دین ہے، اگر مجھے لوگوں کی عار وملامت کا خوف درپیش نہ ہوتا تو میں خوشی سے کھل کر اسے قبول کر لیتا، لہٰذا لوگوں کی عار کے مقابلے میں مجھے دوزخ منظور ہے، اسی کے ساتھ وہ مر گیا۔ اس پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے رنجیدہ اور پریشان ہوئے۔ تفصیل کے لئے سورۂ توبہ کا آخر دیکھیں۔

تو پیغمبر کے اختیار میں صرف اتنا ہے کہ حق کی راہ بتلا دے، باقی حق کا دل میں اتار دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام

ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کو آدم علیہ السلام اپنے بیٹے قابیل کو نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کنعان اور بیوی کو لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو ہدایت نہ دے سکے، یہ رب العزت سبحانہ کا اختیار ہے جس میں کسی کا دخل نہیں۔

سلمان زفارس ست بلال ازحبش صہیب ازروم ☆ زخاک مکہ ابوجہل وابوطالب کاین چہ بوالعجمی ست

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى
اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۵۷ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ
قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ
الْوٰرِثِيْنَ۝۵۸ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ
وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۝۵۹ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۶۰

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کا اتباع کرنے لگیں تو ہم اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے، کیا ہم نے انہیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ جہاں ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں، اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۝۵۷ اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں جو اپنے سامان عیش پر اترانے والی تھیں، سو یہ ان کے گھر ہیں جن میں ان کے بعد سکونت اختیار نہیں کی گئی مگر تھوڑی سی، اور بالآخر ہم ہی مالک ہیں۝۵۸ اور آپ کا ربّ بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب تک کہ ان کی مرکزی بستی میں رسول نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہو، اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں الّا یہ کہ ان کے رہنے والے ظالم ہوں۝۵۹ اور تمہیں جو بھی کوئی چیز دی گئی ہے سو وہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور زینت ہے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے سو وہ بہتر ہے، اور باقی رہنے والا ہے، کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟۝۶۰

معارف ومنازل

ان آیات میں کافروں کے ایک حیلہ اور بہانہ کا ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا﴾ یہ مشرکین ہدایت نہ قبول کرنے کے عذر میں

یہ بہانہ کرتے ہیں کہ اگر وہ آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کی پیروی کریں تو ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے، اور اپنے گھروں سے نکال دیئے جائیں گے۔ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف ایک مرتبہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دین برحق ہے، اور آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے، اور وہ دنیاوی زندگی میں ہماری دولت وخوشحالی کا سبب ہے، اور مرنے کے بعد ہماری سعادت کا ذریعہ ہے، مگر ہم کو خوف اس بات کا ہے کہ آپ کی متابعت سے تمام قبائل عرب ہمارے دشمن بن جائیں گے، اور ہم کو ہمارے گھروں سے نکال دیں گے، اور ہم میں دفاع کرنے کی قدرت نہیں، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ان کے اس شبہ کے تین جواب دیئے گئے۔

جواب اول: ﴿اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰٓى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ ہم نے ان کو حرم میں آباد کیا ہے؟ جو امن وامان کا مرکز ہے، جہاں کوئی لڑائی کا نام نہیں لیتا، اور ان کو ایسی جگہ بسایا ہے جہاں ہر قسم کے پھل میوے اور سامان رزق ہماری طرف سے کھینچ کھینچ کر لائے جاتے ہیں، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے، تو جس ربّ تعالیٰ نے تم کو اپنے حرم میں بسایا ہے جہاں کے رہنے والوں کو کوئی نہیں چھیڑتا، چاروں طرف ہر قسم کے فتنے اور جنگ وقتال اور بدامنیوں کا دور دورہ ہے مگر یہاں کے لوگ نہایت امن وسکون میں رہتے ہیں، اور سارے عرب قبائل مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کا بصد عزّت احترام کرتے ہیں، جب سردی اور گرمی کے موسموں میں ملک شام اور ملک یمن کا تجارتی سفر کرتے ہیں تو وہاں کے لوگ ان کا استقبال کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ خانۂ خدا کے محافظ اور خدمت گار ہیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ تعمیر کیا اور اپنے اہل خانہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو وہاں بسایا تو یہ دعا کی: ﴿فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ﴾ [ابراھیم: ۳۷] (یاربّ کچھ لوگوں کے دلوں کو یہاں مائل کردیں تاکہ وہ اس وادی میں آمدورفت کا سلسلہ جاری رکھیں، اور انہیں ہر قسم وہر موسم کے پھلوں کا رزق مہیا کریں تاکہ تیرا شکر ادا کریں)۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ﴾ [البقرۃ:۱۲۶] (اور اس شہر کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں انہیں قسم قسم کے پھلوں سے رزق عطا فرمایئے)۔

آج پوری روئے زمین کے پھل اور میوے سال کے بارہ مہینے ہر موسم میں مکہ مکرمہ میں بکثرت موجود

ہوتے ہیں کہ پورے عالم کا کوئی شہر یا بستی مکہ مکرمہ کے ساتھ ہمسری یا برابری نہیں کر سکتا، یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت اور اس کی برکت ہے۔

تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم یہ بہانہ، نہ کرو کہ اگر ہم اسلام قبل کریں گے تو عرب کے قبائل ہمیں ہمارے گھروں سے نکالیں گے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، جب تم کافر ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح نوازے گئے ہو، امن وامان سے رہتے ہو، ہر قسم کے پھلوں کا کاروبار کرتے ہو، پس اگر اسلام قبول کرو گے تو مزید خوشحال رہو گے، اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت کے سایہ میں رہو گے، جس کی بدولت تمہیں کوئی طاقت تمہارے گھروں سے نہیں نکال سکے گی، اور نہ ہی تم پر کوئی آفت آئے گی۔

جواب دوم: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ اور یہ ناداں جو دنیاوی فوائد اور منافع کے خیال سے ہدایت کے قبول کرنے اور اتباع سے گریز کر رہے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ ہم نے ہدایت کے اتباع نہ کرنے کے جرم میں کتنی ہی بستیاں ہلاک کر ڈالیں، جو اپنے سامان عیش وعشرت پر اتراتی تھیں، گمراہی میں مست وبیہوش تھیں، رات دن عیش و عشرت میں غرق تھیں، مگر ہدایت سے محرومی اور کفر کی وجہ سے ہم نے انہیں کافی مہلت کے بعد صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا، اگر یہ لوگ اسلام قبول کر کے حق کا اتباع کریں گے تو ہمارے عذاب سے بھی بچیں گے اور قبائل کی گرفت سے بھی، ورنہ ہمارا قانون ہے: ﴿اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٧﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٨﴾﴾ [المرسلات] (کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ پھر انہی کے پیچھے بعد والوں کو بھی چلتا کر دیں گے۔ ایسا ہی سلوک ہم مجرموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں)۔

آگے فرمایا: ذرا مجرمین کی طرف نگاہ عبرت مبذول کر کے دیکھو کہ ان کا حشر کیا اور کیسا ہوا:

﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ پس یہ ان باغیوں اور سرکشوں کے مکانات ہیں جو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں، اور ان کے یہ مسکن خالی اور خراب اور ویراں پڑے ہیں جو ان کی ہلاکت کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت تھوڑے، اور ہم ہی ان کے وارث ہوئے، پس غور کرو شاید اتباعِ حق نہ کرنے کی صورت میں شاید تمہارا حشر بھی ان کی طرح ہو، اور یہ کوئی بعید نہیں۔

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ اور تیرا

پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی مرکزی بستیوں میں رسول نہ بھیج دے جوان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہی ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ [الإسراء:١٥] (اور ہم عذاب دینے والے نہیں یہاں تک کہ رسول بھیجیں)۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ انہیں طرح طرح کی مہلت اور ہدایت دیدیتا ہے، کئی طرح سے اتمامِ حجت کے وسائل انہیں مہیا کرتا ہے، جب لوگ ان تمام کا انکار کرتے ہیں تو انہیں مزید مہلت بھی فراہم کرتا ہے، جب ہر طرح سے مکمل ناامیدی ہوجاتی ہے تب عذاب کا فیصلہ فرماتے ہیں۔

﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے باشندے ظالم لوگ تھے، قرآن کریم میں یا تاریخ میں جن قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے، وہ سب ظالم کافر مشرک اور بدکار لوگ گزرے ہیں، اچھے لوگوں کے لئے ہلاکت کا فیصلہ کبھی نہیں ہوتا۔ سورۂ ہود میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ﴾ تیرا پروردگار کسی بستی کو ظلم کے ساتھ ہلاک نہیں کرتا، جبکہ اس کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں، اصلاح پسند اور اصلاح پذیر ہوں۔

جواب سوم: ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا﴾ اور اے بدنصیبو! اتباعِ حق سے بھاگنے والو! خوب غور کرو، تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ چندروزہ دنیاوی زندگی کی بہرہ مندی ہے، اور اس کی زیب وزینت اور خوشحالی ہے، یہ عنقریب فناء ہونے والا ساز وسامان ہے جس کے لئے نہ دوام ہے اور نہ بقاء۔

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ خلاصہ یہ کہ دنیا اور اس کی نعمتیں چندروزہ اور حقیر ہیں، ان میں نہ دوام ہے نہ بقاء، ظاہری زینت ونمائش ہیں، ان کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں قابلِ رشک اور اصلی ہیں اور دائمی اور باقی ہیں، ہر طرح کے عیوب ونقائص سے منزہ ہیں پاک ہیں، لہٰذا اتباعِ حق اور ترکِ دنیا واقبال علی الآخرۃ لازم اور ضروری ہے۔

❁ ❁ ❁

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ

عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا ۚ اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَيۡنَا ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَيۡكَ ۫ مَا كَانُوۡۤا اِيَّانَا
يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيۡلَ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَرَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ لَوۡ اَنَّهُمۡ
كَانُوۡا يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ
يَوۡمَئِذٍ فَهُمۡ لَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنَ مِنَ الۡمُفۡلِحِيۡنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: سوجس شخص سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو، پھر وہ اسے پانے والا ہو، کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیا والی زندگی کا سامان دیدیا، پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے لایا جائے گا؟ ﴿۶۱﴾ اور جس دن وہ انہیں پکارے گا سو فرمائے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے؟ ﴿۶۲﴾ جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ شانہ کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے ربّ! یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا، ہم نے ان کو ویسا ہی بہکایا جیسا کہ ہم خود بہکے تھے، ہم آپ کے حضور ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں، یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ﴿۶۳﴾ اور کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلالو، سو وہ ان کو بلائیں گے، پھر وہ ان کی پکار کا جواب نہ دیں گے، اور عذاب کو دیکھ لیں گے، اے کاش وہ ہدایت پائے ہوئے ہوتے ﴿۶۴﴾ اور جس دن انہیں آواز دے گا سو فرمائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟ ﴿۶۵﴾ سو اس دن ان کی خبریں گم ہو جائیں گی، پھر وہ آپس میں پوچھا پاچھا نہ کریں گے ﴿۶۶﴾ سو جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو امید ہے کہ یہ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے ﴿۶۷﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور نیکی کرنے والوں کا تقابل کفر وشرک اور برائی کرنے والوں سے کیا ہے کہ یہ لوگ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، اور ہر ایک گروہ کا انجام بھی ایک جیسا نہیں ہوگا، تو ارشاد فرمایا:

﴿اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰهُ وَعۡدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيۡهِ﴾ بھلا وہ شخص جس کے ساتھ ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے اور وہ اس کو پانے والا ہے: ﴿كَمَنۡ مَّتَّعۡنٰهُ مَتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے صرف دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھانے کا سامان دیا ہے؟ ﴿ثُمَّ هُوَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ﴾ پھر وہ قیامت کے دن (مجرموں کے ساتھ) گرفتار لوگوں میں حاضر کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ دنیا دار، عیش پرست، مادر پدر آزاد شخص روزِ قیامت دینداروں، پرہیز گاروں، پابند صوم وصلوٰۃ کے ساتھ ہرگز برابر نہیں ہوگا۔

﴿وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ﴾ اور جس دن ان کا پروردگار ان کو پکار کر کہے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ یہ تمہاری مشکلات حل کردیں گے؟ اور تمہاری حاجت روائی کریں گے؟ جن کو تم نے معبود بنا رکھا تھا، اور ان کا سجدہ کرتے تھے، اب انہیں اپنی مدد کے لئے بلاؤ، جب ان کے معبودوں کو حاضر کیا جائے گا جن کی وہ عبادت کرتے تھے:

﴿قَالَ الَّذِيۡنَ حَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡقَوۡلُ﴾ کہیں گے وہ لوگ جن پر بات ثابت ہوجائے گی یعنی ان کے معبود کہیں گے، سوال ہوا مشرکین سے جواب دیں گے ان کے معبود: ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَغۡوَيۡنَا﴾ اے ہمارے پروردگار! یہی وہ مشرکین ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا، ان میں شیاطین بھی شامل ہیں تو وہ سب کہیں گے کہ:

﴿اَغۡوَيۡنٰهُمۡ كَمَا غَوَيۡنَا﴾ ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے، جب ہم خود شرک وکفر میں مبتلا تھے تو ان کو بھی اسی طرح اپنے ڈگر پر چلایا مگر اب: ﴿تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَيۡكَ﴾ تیرے روبرو ان سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ﴿مَا كَانُوۡۤا اِيَّانَا يَعۡبُدُوۡنَ﴾ یہ مشرک لوگ ہماری پرستش نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ اپنی خواہشات نفسانی کے تابع رہے، لہٰذا اپنی تباہی کے خود ذمہ دار ہیں۔

﴿وَقِيۡلَ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ﴾ اور مشرکوں سے کہا جائے گا کہ آج اپنے معبودوں کو بلاؤ جن کو تم دنیا میں پکارا کرتے تھے، پھر وہ ان کو بلائیں گے، مگر وہ کسی بات کا جواب نہیں دے سکیں گے، اور نہ ہی کوئی مدد کرسکیں گے، طالب ومطلوب سب لاجواب اور بے بس ہوجائیں گے۔

﴿وَرَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ لَوۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَهۡتَدُوۡنَ﴾ اور وہ عذاب کو اپنے سامنے دیکھیں گے اور تمنا کریں گے کہ اے کاش وہ ہدایت یافتہ ہوتے تو آج یہ برا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ قیامت کے روز رسالتِ رُسل کے متعلق بھی سوال ہوگا۔ ﴿وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ﴾ اور جس دن پروردگار انہیں پکارے گا اور فرمائے گا کہ تم لوگوں نے میرے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ وہ میرے احکام اور پیغام تمہارے پاس لے کر آئے تھے، ذرا بتاؤ تم نے ان کو کیا جواب دیا؟ تمہارا ردعمل کیا تھا؟ اس سوال کا جواب بھی نہ بن آئے گا، پھر یہ ہوگا:

﴿فَعَمِيَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ يَوۡمَئِذٍ﴾ اس دن اُن پر تمام خبریں تاریک ہوجائیں گی، ایسی دہشت طاری ہوگی بات تک نہیں کرسکیں گے۔ ﴿يَوۡمَئِذٍ فَهُمۡ لَا يَتَسَآءَلُوۡنَ﴾ حتیٰ کہ ایک دوسرے سے بھی نہ پوچھ سکیں گے، اور نہ ہی مشورہ کرسکیں گے کہ کوئی معقول جواب دے سکیں، یہ ناکام لوگوں کا انجام ہوا، اب کامیاب لوگوں کا انجام یہ

ہوگا۔ ﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ﴾ پس جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا پھر نیک اعمال شروع کردیئے پھر امید ہے کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں ہوں گے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: اور آپ کا ربّ جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، ان لوگوں کو چن لینے کا کوئی حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور اس سے برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں ﴿٦٨﴾ اور آپ کا رب جانتا ہے جسے ان کے سینے چھپاتے ہیں، اور جسے یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں ﴿٦٩﴾ اور اللہ تعالیٰ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے لئے سب تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں، اور اسی کے لئے حکم ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿٧٠﴾ آپ فرمادیجئے: تم بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک تمہارے اوپر ہمیشہ کے لئے رات ہی کو موجود رکھے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی کو لے آئے تو کیا تم نہیں سنتے؟ ﴿٧١﴾ اور آپ فرمادیجئے کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک ہمیشہ کے لئے تم پر دن ہی کو موجود رکھے تو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے؟ اس میں تم آرام کرتے ہو، کیا تم نہیں دیکھتے؟ ﴿٧٢﴾ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے دن کو اور رات کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو، اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تا کہ تم شکر ادا کرو ﴿٧٣﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ اور قدرت کاملہ کے مظاہر بیان فرمائے گئے جو کہ خالص توحید کے لئے بمنزلہ دلائل واضحہ کے ہیں تو جیسے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات میں تکوینی طور پر منفرد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اسی

طرح وہ اجراء احکام میں بھی منفرد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ جب چاہے جس طرح چاہے جیسے چاہے اپنی مخلوقات میں حکم نافذ فرمائے اس کو قدرت اور اختیار حاصل ہے۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کرام اہل سنت والجماعت رضی اللہ عنہم کا اتفاقی عقیدہ ہے کہ تکوینی اور تشریعی طور پر حاکم اور مختار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس نے مافوق الاسباب اختیارات کسی کو تفویض نہیں کئے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اختیار تکوینی میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح اختیار تشریعی میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور اس کا ایک مفہوم وہ ہے جو امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور امام بن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں بیان کیا ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں اپنے اکرام واعزاز کے لئے انتخاب فرمالیتے ہیں، اور بقول امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ یہ جواب ہے مشرکین مکہ کے اس اعتراض کا کہ: ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [الزخرف: ۳۱] (یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن نازل کرنا تھا تو عرب کے دو بڑے شہروں مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے سرمایہ دار اور قومی رئیس پر نازل فرماتا) کہ اس کی قدر و منزلت پہچانی جاتی، ایک یتیم اور غیر معروف آدمی پر نازل فرمانے میں کیا حکمت تھی؟

یہ لوگ کتنے گمراہ اور ناداں تھے جو اللہ تعالیٰ کو مشورہ دینے لگے، اور ایسے لوگوں کے نام لیتے رہے جن کی پوری زندگی بت پرستی شراب نوشی اور عصمت دری اور عصمت فروشی اور ناروا کاموں کی نذر ہو چکی، انہیں کیا پتہ کہ نبوت کا منصب کیا ہوتا ہے، اور وحی کا مقام کیا ہے، اِن اندھے بہرے گونگے اور ناپاک لوگوں کے جواب میں فرمایا کہ جس خالق و مالک سبحانہ نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی مدد و تعاون کے پیدا فرمایا ہے یہ اختیار بھی اسی کو حاصل ہے کہ وہ اپنے کسی خاص اکرام واعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب کرے، وہ اس میں کسی ناتواں ولاچار اور عاجز مخلوق کے مشوروں کا پابند نہیں، وہ اپنی مخلوق کی استعداد سے خوب واقف ہے کہ کون کس منصب کا حقدار ہے، اور کون حقدار نہیں۔

ہر قسم کی فضیلت وشرف کا معیار اختیار خداوندی ہے:

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے ایک عظیم الشان ضابطہ اخذ کیا ہے کہ دنیا میں جو ایک جگہ کو دوسری جگہ پر، یا ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے یہ اس جگہ یا اس چیز کے کسب و عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ بلاواسطہ خالق کائنات کے انتخاب اور اختیار کا نتیجہ ہوتا ہے، اس نے سات آسمان پیدا کیے، انہی میں سے اوپر کے

آسمان کو دوسروں پر فضیلت دیدی، حالانکہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا، پھر اس نے جنت الفردوس کو دوسری سب جنتوں پر، اور جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل اور ملک الموت علیہم السلام وغیرہ خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر، اور انبیاء علیہم السلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر، اور ان میں سے الوالعزم رسولوں علیہم السلام کو دوسرے انبیاء پر، اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اپنے حبیب سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے سب اولوالعزم رسولوں علیہم السلام پر، پھر اولاد اسمٰعیل علیہ السلام کو دوسری ساری دنیا کے لوگوں پر، قریش کو دیگر تمام اقوام پر، پھر بنی ہاشم کو سب قریش پر، اور سرور عالم امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر بلکہ ساری کائنات اور تمام موجودات پر، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے اسلاف امت کو دوسروں پر فضیلت دینا یہ سب ربّ العزّت ذوالجلال والاکرام کے انتخاب اور اختیار کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح زمین کے بہت سے حصوں کو دوسرے مقامات پر، اور بعض مہینوں کو دوسرے مہینوں پر، اور بہت سی راتوں کو دوسری راتوں پر فضیلت دینا یہ سب حق تعالیٰ سبحانہ کے اختیار وانتخاب کا اثر وثمرہ ہے۔ البتہ افضلیت کا ایک دوسرا سبب انسانی اعمال وافعال اور بہتر کردار بھی ہوتے ہیں، یہ دوسری فضیلت کسبی اور اختیاری ہے، مگر اس میں بھی ہدایت اور توفیق خداوندی ضرور شامل ہے۔ الغرض اس کائنات رنگ وبو میں فضائل اور اسباب فضیلت نہایت کثیر اور زیادہ ہیں، کچھ اختیاری اور اکثر غیر اختیاری ہیں، یہاں تک کہ جانوروں میں بھی یہ فضائل موجود ہوتے ہیں، جیسے گھوڑوں کی فضیلت باقی جانوروں پر۔

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ اور تیرا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور جس چیز کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے، اور برگزیدہ بناتا ہے، اور ان لوگوں کو اختیار نہیں، نہ کوئی کسی چیز کی تخلیق پر قادر ہے اور نہ ہی انتخاب پر، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بلند وبرتر ہے، ہر اس چیز سے جس کو مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں، اور جس چیز کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ ہے جو کہ برحق لاشریک ہے، اور وہی عبادت کا مستحق اور حق دار ہے جن کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ہر حمد وثنا صرف اسی کے لئے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، حمد وثناء اسی کے لئے

ہے۔﴿وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾اسی کے لئے حکم وقضاء اور فرمانروائی ہے، اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اور وہی تمہارے بارے میں فیصلہ کرنے والا ہے اب آئندہ آیات میں اثبات توحید اور تردید شرک میں دو عقلی دلائل پیش کئے ہیں جو لیل ونہار کے مربوط نظام پر مشتمل ہیں، فرمایا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾اے نبی! آپ ان کولوگوں سے فرمایئے: ذرا بتلاؤ تو سہی، اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو روز قیامت تک دائم اور ہمیشہ مسلط کردے یعنی قائم رکھے کہ ہمیشہ رات ہی رات رہے، سورج کبھی طلوع ہی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کونسا الٰہ ہے جو تمہارے لئے روشنی لے آئے؟

سرمد کے معنی ہیں: دائمی اور ہمیشگی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ قیامت تک کائنات کو اندھیرا رکھے، اور روشنی کو ہمیشہ کے لئے سلب کردے، تو ایسا کوئی طاقتور معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کا انتظام کرے؟ تو ظاہر ہے کہ ایسا کوئی نہیں، تو کیوں تم سنتے نہیں؟ اور اس نعمت کی قدر کرتے نہیں، پھر اس کے برعکس معاملہ کے متعلق فرمایا ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ اے پیغمبر! آپ ان سے یہ بھی فرمایئے کہ بھلا بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ دن کو قیامت تک ہمیشہ رہنے والا بنادے کہ آفتاب آسمان پر رہے کبھی غروب ہی نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ کے سوا کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے کر آئے؟ جس میں تم آرام کرسکو، کیا تم اللہ تعالیٰ کے ان آثار قدرت اور مظاہر رحمت کو چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے ہو؟ پس تمہیں ان حقائق پر غور کرنا چاہئے تاکہ تم اپنے ربّ کے انعامات اور قدرت اور کمالات ووحدانیت تک رسائی پاؤ۔

﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ رات میں تم آرام کرو، اور دن میں اس کی روزی تلاش کرو، محنت ومزدوری اور ہر طرح کا کاروبار کرو، اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو کہ دونوں نعمتیں تمہیں اکٹھی یکے بعد دیگرے اس طرح مل گئیں کہ تمہارا آرام اور معاش دونوں برابر تمہیں دستیاب ہوگئے اور مل گئے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور جس دن وہ ان سے فرمائے گا کہ میرے شرکاء کہاں ہیں جنہیں تم شریک سمجھتے تھے؟﴿۷۴﴾ اور ہم ہرامت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے، پھر ہم کہیں گے کہ اپنی دلیلیں پیش کرو، سوانہیں معلوم ہو جائے گا کہ سچی بات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اور وہ جو کچھ جھوٹی باتیں گھڑا کرتے تھے وہ سب گم ہو جائیں گی﴿۷۵﴾

معارف و منازل

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن لوگوں کو اپنے حضور حاضر کئے جانے کا حال بیان فرمایا ہے۔

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ جس دن اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کو طلب کرے گا، اور اپنے سامنے کھڑا کرے گا، اور فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کو تم گمان کرتے تھے کہ وہ ہمارے مشکل کشا اور حاجت روا ہیں، یا ہماری سفارش کرتے ہیں؟

﴿وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا﴾ اور ہم ہرامت سے کھینچ کر گواہ لائیں گے، ہرامت کا نبی گواہی دینے کے لئے آئے گا، اور مسلمانوں کے حق میں اور کافروں کے خلاف گواہی دے گا، اسی طرح فرشتے بھی گواہی دیں گے، اور انسان کے اعضاء جو کچھ ان پر گزرا ہے اس کے حق میں اور اس کے خلاف بھی گواہی دیں گے۔

﴿فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ﴾ اگر تمہارے پاس کفر وشرک کے حق میں کوئی دلیل ہے تو اسے پیش کرو، اور جواب دو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو کیوں تسلیم نہیں کیا؟ اور انبیاء علیہم السلام کی، نیز قیامت اور حساب وکتاب کی کیوں تکذیب کی؟ ﴿فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ﴾ پس وہ جان لیں گے کہ حق یا عبادت یا توحید اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کے لئے ہے، اور جس شرک وکفر میں ہم مبتلا رہے وہ سراسر باطل ہے۔ ﴿وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ اور دنیا میں جو منگھڑت اور جھوٹی باتیں جو بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے تھے اس روز وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے، جب باطل کا نام ونشان کچھ بھی باقی نہیں رہے گا تو حق نکھر کر واضح ہو جائے گا۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوأُ

بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝٧٦ وَابْتَغِ فِيْمَآ
اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٧٧ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ
عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ
جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔـلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝٧٨ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝٧٩ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝٨٠ فَخَسَفْنَا
بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝٨١
وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٢

ترجمہ: بلاشبہ قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا، سو وہ ان کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا، اور ہم نے اسے خزانوں میں سے اس قدر دیا تھا کہ اس کی چابیاں ایسی جماعت کو گراں بار کر دیتی تھیں جو قوت والے لوگ تھے، جبکہ اس کی قوم نے اس سے کہا کہ تو مت اترا (غرور نہ کر) بلاشبہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ۝٧٦ اور اللہ تعالیٰ نے تجھے جو کچھ دیا ہے اس میں دار آخرت کی جستجو کرتا رہ، اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش نہ کر، اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی احسان کر، اور زمین میں فساد کو تلاش مت کر، بیشک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ۝٧٧ وہ کہنے لگا کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو صرف میرے علم کی وجہ سے ہے جو میرے پاس ہے، کیا اس نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر دیا جو قوت میں اس سے زیادہ سخت تھیں، اور اس سے زیادہ جتھہ والی تھیں، اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا ۝٧٨ سو وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی ٹھاٹھ بھاٹھ میں نکلا، جو لوگ دنیا والی زندگی کے طالب تھے وہ کہنے لگے: کاش ہمارے لئے بھی ایسا ہی مال ہوتا جیسا قارون کو دیا گیا ہے، بلاشبہ وہ بڑے نصیب والا ہے ۝٧٩ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا: تمہارے لئے ہلاکت ہے، اللہ تعالیٰ کا ثواب اس شخص کے لئے بہتر ہے جو ایمان لایا اور نیک

عمل کئے، اور یہ بات انہی کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں۸۰ سو ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، سو کوئی بھی جماعت نہ تھی جو اس کی مدد کر کے اللہ تعالیٰ سے بچا لیتی، اور وہ خود بھی اپنی مدد کرنے والا نہ تھا۸۱ اور کل گزشتہ جو لوگ آرزو کر رہے تھے کہ ہم بھی اس جیسے ہو جاتے صبح ہونے پر کہنے لگے کہ ارے! بات یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنا رزق اپنے بندوں میں سے جسے چاہے زیادہ دیدے اور جس پر چاہے رزق تنگ کر دے، اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، ارے! بات یہ ہے کہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوتے۸۲

معارف و منازل

اس سے پہلے ابو طالب کا واقعہ بیان ہوا جس کے لئے سرور عالم شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ نہ کر سکے، ان آیات میں اس کی دوسری مثال قارون کا بیان ہو رہا ہے جس کے لئے موسیٰ علیہ السلام بھی کچھ نہ کر پائے۔ اسی طرح سابق آیتوں میں دنیا اور اس کی دولت و اموال کی بے ثباتی کا بیان ہوا، اب قارون کا اور اس کی بڑی دولت کی بے ثباتی کی مثال کا بیان ہے کہ اسے کچھ بھی کام نہ آیا۔

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا، یہ تورات کا قاری بھی تھا جو بہت خوش آوازی سے اس کی تلاوت کرتا تھا، مگر سامری کی طرح منافق تھا، اور نہایت بڑا مالدار تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا ایک بڑا خزانہ دیکھا تھا، دراصل یہ بنی اسرائیلی ہوتے ہوئے فرعون کے خواص میں شمار ہوتا تھا، اور فرعون کا ایجنٹ تھا، ہامان کے بعد اس کا مقام و مرتبہ ہوتا تھا، فرعون اسے بہت سرکاری ٹھیکے دے کر اس پر اعتماد کرتا تھا، اور وہ بنی اسرائیلیوں سے معمولی اجرت پر کام کراتا، اور زائد رقم اپنے پاس رکھتا تھا، اسی سے چوٹی کا سرمایہ دار بنا، اور اس سرمایہ کو تجارت میں لگا کر بڑا مالدار بن گیا، اور اس کے پاس ستر سے زائد بڑے بڑے خزانے تھے، کثرت مال اور کثرت احباب و متعلقین نے اسے کبر و غرور کے راستے پر ڈال دیا۔

تورات کے بیان کے مطابق اسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے حسد ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ قارون ہمہ وقت فرعون کے دربار میں ہوتا تھا، اس نے اسی دربار سے خوب دولت سمیٹ کر جمع کر لی، پھر فرعونی دربار میں اس کو اچھا خاصا مقام حاصل رہا، اور جب فرعون غرق ہوا تو اس کی سرداری خاک میں مل گئی اور مالی ذرائع تقریباً بند ہو گئے، اور اس کے دماغ میں یہ شیطانی خیال آگھسا کہ جب میرے چچازاد بھائی موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) نبی

ہو سکتے ہیں تو میں بھی ان کے برابر کا بھائی ہوں، میں فرعون سے اگر کٹ گیا، اور محروم ہو گیا تو اپنے خاندان میں میرا کوئی مقام ہونا ضروری ہے، چونکہ وہ جس بلندی پر چڑھنا چاہتا تھا وہ اسے کسی صورت میں دستیاب نہیں ہو سکتا تھا، تو چڑ چڑا پن میں کبھی یوں کہتا: اگر ان دونوں کو نبوت مل گئی تو کیا ہوا میرے پاس تو دولت کے انبار ہیں، دنیا اپنے ہر طرح کروفر کے ساتھ میرے قدموں میں پڑی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو کہنے لگا: اب تک تو موسیٰ کے احکام ہم نے برداشت کئے مگر ان کی نظر اب ہمارے مال پر پڑنے لگی ہے، تو کیا تم لوگ اس کو برداشت کر لو گے؟ اس پر اس کے ہمنوا خوشامدی دوستوں نے اس کا ساتھ دیا، اور موسیٰ علیہ السلام سے کٹ گئے، اور شدید مخالف ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قارون نے ایک عورت کو رشوت دے کر اس پر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب موسیٰ علیہ السلام زنا کی حد اور خرابی بیان کریں تو تم اپنے ساتھ اس کو متہم کر دینا (نعوذ باللہ منہ)۔ منصوبے کے مطابق عورت شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر کہہ گزری، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلالی لہجے میں اس عورت کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہا کہ سچ بتاؤ، تو وہ عورت کانپ اٹھی، پس سچ کہہ دیا کہ قارون نے مجھے اس قدر مال دے کر یہ پٹی پڑھائی تھی، اس پر موسیٰ علیہ السلام کا جلال اور زیادہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی، چنانچہ آپ علیہ السلام کی بددعا کا تیر نشانے پر لگا اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو آپ علیہ السلام کا حکم ماننے کا حکم دیا، موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ اسے پکڑ لو تو وہ زمین میں گھٹنوں تک دھنس گیا، اور خوب چیختا چلاتا، ہاتھ باندھ کر زاری منت شروع کی اور توبہ کی مگر جلال موسوی کے سامنے کچھ بھی کام نہ آیا، اس کے ساتھ اس کے سارے خزانے بہتے ہوئے آتے گئے، اور اس کے ساتھ زمین میں دھنستے گئے۔ [درمنثور وغیرہ]

حضرت قتادہؒ سے مروی ہے کہ قارون ملعون بقدر اپنے قد کے روزانہ زمین میں دھنستا رہے گا، یہاں تک کہ جب قیامت کے لئے نفخۂ صور ہو گا تب بالکل زمین کے نیچے پہنچ جائے گا۔ [ابن کثیر، قرطبی] فرمایا:

﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى﴾ بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا، بلکہ آپ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا، موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران ہے، اور قارون کے والد کا نام یصہر ہے، یہ دونوں سگے بھائی تھے۔

﴿فَبَغٰى عَلَيْهِمْ﴾ پس کثرت مال کی وجہ سے اسرائیلیوں پر سرکشی کرنے لگا، اور یہ چاہنے لگا کہ سب پر حاکم اور حکمران بن جاؤں، اور اس کے مال ودولت کا یہ حال تھا: ﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ

﴿بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ﴾ ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی چابیاں ایک صاحب قوت جماعت پر بھاری ہوتی تھیں، یعنی اس کے خزانے کے کمرے بکثرت تھے، ہر کمرے کی کنجیاں بھی متعدد تھیں، اگر ان سب کنجیوں کو اٹھانے کا اتفاق ہو جاتا تو چالیس طاقتور لوگ ان کے اٹھانے سے عاجز ہوتے، اور ان پر گراں ہوتا۔

یہ اس زمانے کے قارون کا حال تھا، مگر آج کے دور میں قارون جیسے لاکھوں سرمایہ دار کھرب پتی بلکہ بے شمار دولت والے موجود ہیں، جن کے مقابلے میں قارون ایک فقیر معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال قارون کی ٹھاٹھ بھاٹھ اور زیب وزینت اور چال چلن اور غرور وتکبر کو دیکھ کر: ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ﴾ اس کی قوم کے صالح اور نیک لوگوں نے کہا:

﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ کہ اس مال ودولت پر غرور نہ کرو اتراؤ مت، بیشک اللہ تعالیٰ اترانے والوں اور تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی شکر کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں مال خرچ کرے، نہ یہ کہ آدمی بخل اور تکبر اختیار کرے اور نافرمانی کرے، لوگوں نے مزید نصیحت کرتے ہوئے کہا: ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ جو چیز اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہے اس میں آخرت کا گھر تلاش کرو، اس دار فانی پر دھوکہ مت کھاؤ، اس مال کو دار آخرت کی خوشحالی اور نجات اخروی کا ذریعہ بناؤ۔

﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو، یعنی دنیا میں سے بقدر ضرورت وراحت اپنے اوپر خرچ کرو، اور باقی مال اللہ تعالیٰ کی رضا میں قربان کرو، اور آخرت کماؤ، کیونکہ دنیا میں آدمی کا حصہ وہی ہے جو اس نے آگے بھیج دیا، اور جو چھوڑ دیا وہ دوسروں کا ہے، انسان کا دنیا میں سے حصہ صرف اتنا ہے جو کھایا پیا پہنا، یہ یہاں ختم ہو گئے، اور جو آگے بھیج دیا وہ اس کا اصلی حصہ ہے جو باقی ہے، اس کے ساتھ قوم نے قارون کو یہ بھی نصیحت کی:

﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ اور تم اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ احسان کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اصلی اور بنیادی شکر ہے۔ ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ﴾ اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے زمین میں فساد تلاش نہ کرو، اور فساد برپا نہ کرو، فساد اپنے عمومی معنی کے اعتبار سے صغیرہ گناہوں سے لے کر کبائر اور کفر وشرک تک سارے گناہوں کو شامل ہے، اس کی ضد ہے صلاح اور اصلاح جو کہ تمام نیکیوں کو شامل ہے، اور یہ صفت متقی مسلمانوں کی ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ قوم کی ان سنہری

نصیحتوں کے جواب میں ازلی بدبخت قارون نے کہا:

﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُهٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ﴾ مجھ کو جو کچھ مال و دولت ملا ہے وہ میری علمی قابلیت اور فہم وفراست کا نتیجہ ہے، اور میں علم ودانش اور حسن تدبیر سے اس مال ودولت کا مالک بن چکا ہوں۔ دراصل ہر زمانہ میں ناشکرے اور ناعاقبت اندیش لوگ یہی کہا کرتے ہیں، وہ کسی بھی نعمت کی نسبت منعم حقیقی جل شانہ کی طرف نہیں کرتے، جبکہ وہ سب کچھ جانتے بھی ہیں۔ ان کے برعکس مقربین درگاہ ہر ہر نعمت کی نسبت اپنے پروردگار سبحانہ کی طرف کرکے شکر نعمت کا دم بھرتے ہیں۔ ملکۂ سبا کے قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام بار بار یہی کہتے رہے: ﴿هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ﴾۔ قارون کا دماغ کبر ونخوت کا کچرہ دان تھا، وہ کہاں سمجھتا تھا کہ یہ سب کچھ فضل ربی کا نتیجہ ہے، وہ ان تمام چیزوں کو اپنے علم وحکمت اور دانشمندی کا ثمرہ ونتیجہ سمجھتا تھا، اور یہی زعم باطل اس کی تباہی وہلاکت کا سبب بنا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنی ذاتی استعداد کی طرف منسوب کیا۔

﴿اَوَلَمۡ یَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَهۡلَكَ مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةً وَّاَكۡثَرُ جَمۡعًا﴾

فرمایا: کیا اس ناداں کو اتنا معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بہت سی گزشتہ قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت وطاقت میں اور مال کے جمع کرنے اور افرادی قوت میں بھی ان سے زیادہ تھے، جب وہ اقوام قوت وطاقت سلطنت وافرادی قوت کے باوجود ہلاک ہوچکیں جنہیں ان کے مال وسلطنت عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے تو قارون کی کیا حیثیت ہے؟ جبکہ وہ ایک عام آدمی ہے، کسی سلطنت کا مالک بھی نہیں، اور اس کے پاس کوئی طاقتور جتھہ بھی نہیں۔

ابھی قارون کی آنکھوں کے سامنے فرعونِ مصر اپنے جرار لشکر اور مال ومنال اور سلطنت وقوت کے ہوتے ہوئے پوری فوج کے ساتھ غرق ہوا، تو قارون کو چاہئے تھا کہ ایسے واقعات سے عبرت سیکھتا۔

﴿وَلَا یُسۡـَٔلُ عَنۡ ذُنُوۡبِهِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴾ مجرموں کو ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، وہ اپنے چہروں اور پیشانی کے سیاہ دھبوں سے پہچانے جائیں گے۔ سورۃ الرحمٰن میں ہے: ﴿یُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِیۡمٰهُمۡ فَیُؤۡخَذُ بِالنَّوَاصِیۡ وَالۡاَقۡدَامِ﴾ [الرحمن:۴۱] (مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جاتے ہیں، پھر ان کو پیشانیوں اور پاؤں سے پکڑ کر پکڑا جائے گا) اور گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے، ان کا ہر ہر عضو ان کے خلاف گواہی دے گا، پس پوچھنے کی ضرورت ہی کیا۔ اور یہ بھی ہوگا کہ ہر چیز کھل کر سامنے آنے کے بعد مزید کسی تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی، اور روزِ قیامت یہی حال سب کا ہوگا۔ خلاصہ کلام یہ کہ قارون نے تمام

نصیحتوں کو بالائے طاق رکھا، اور اپنے غرور پر قائم رہ کر:

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ﴾ ایک روز قارون اپنی قوم بنی اسرائیل پر زیب وزینت کے ساتھ آراستہ ہوکر باہر نکلا، لوگوں کے سامنے اپنی بے مثال شان وشوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلا، اس کے ساتھ بہت سے نوکر چاکر خدام اور زرق برق لباس میں باندیاں دف بجاتی ہوئی رقص کرتی ہوئی میدان میں آنکلیں، جنہیں بنی اسرائیل کے لوگ دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے، اور لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

﴿قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ جو لوگ دنیا پرست اور دنیا کے طالب تھے وہ افسوس اور تمنا کے ساتھ کہنے لگے: ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ اے کاش! ہمیں بھی وہی کچھ حاصل ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے، بیشک قارون بڑے نصیب والا ہے کہ اس کے پاس ہر طرح کا سامان تعیش موجود ہے۔ دراصل دنیا دار اور طالبانِ دنیا ہر زمانہ میں کسی کا مکان یا مال یا باغ، مارکیٹ، سواری، کارخانہ اور فیکٹری وغیرہ دیکھتے ہیں تو بیخود ہو جاتے ہیں، پس اسی تمنا اور ذوق وشوق میں برف کی طرح پگھل جاتے ہیں، جس کا نتیجہ ناشکری اور بے صبری کے سوا کچھ نہ ہوگا، اور یوں کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ [ص:۱۶] (اے ہمارے پروردگار! ہمیں جو کچھ دینا ہے قیامت سے پہلے پہلے اسی دنیا میں دے)۔ یہ تو وہ لوگ تھے جنہوں نے قارون پر رشک کیا، ان کے خلاف:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ کہا ان لوگوں نے جن کو علم دیا گیا تھا یعنی جو لوگ تورات کے عالم تھے اور طالبِ دنیا نہ تھے، بلکہ علوم آخرت اور علوم نبوت کے راز دان تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حب دنیا کے ذوق سے دور رکھا تھا، اور ذوق آخرت انہیں نصیب کیا تھا، ان لوگوں نے تعجب کے طور پر طالبینِ دنیا سے کہا کہ:

﴿وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ افسوس اور صد افسوس تمہارے اوپر! تم دنیا کے فانی چند روزہ شان وشوکت کی تمنا کر کے آخرت اور خیر سے بیگانہ ہوگئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اجر وثواب بہت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیئے۔ ساری دنیا کی زیب وزینت ایمان وعمل صالح کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، قارون کے پاس جو کچھ ہے وہ ہیچ در ہیچ ہے، ایمان اور عمل صالح کا اجر وثواب قیاس اور گمان واندازہ سے باہر ہے۔

﴿وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ﴾ اور یہ سعادت تو صرف صبر کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے، یا یہ معنی ہیں کہ

نہیں اتر تا علماء کا یہ کلمۂ نصیحت کسی دل میں مگر صبر کرنے والوں کے دل میں جنہوں نے دنیا کے حرص وطمع سے صبر کیا، پس جب قارون نے دنیا سے صبر نہ کیا اور دل سے ایمان بھی نہ لایا، اور علماء وصلحاء کی نصیحت بھی قبول نہ کی، اور موسیٰ علیہ السلام کا حسد بھی جاری رکھا تو:

﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ تو ہم نے قارون کو مع اس کے گھر کے زمین میں دھنسا دیا، اس طرح اس کی بڑائی اور سرکشی خاک میں مل گئی، قارون اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا، اگر فقط قارون کو دھنسایا جاتا اور خزانے بطور مال غنیمت چھوڑ دیئے جاتے تو ممکن تھا کہ کوئی بد باطن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں مال کے حرص ولالچ اور طمع کا گمان کر بیٹھتا کہ موسیٰ علیہ السلام قارون کے خزانوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

﴿فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گروہ اس کی مدد کرنے والا نہ تھا۔

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴾ اور نہ وہ بذات خود اپنے سے عذاب کو روکنے والوں میں سے ہوا۔

﴿وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ﴾ تو کل تک جو لوگ قارون کے اموال وزینت کی تمنا کرتے تھے وہ کہنے لگے: تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے، اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، رزق وروزی کی فراخی اور تنگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس میں اس کی ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں کارفرما ہیں، ان مصلحتوں تک انسانی عقل وفہم کی ہرگز رسائی نہیں ہوسکتی، اور رشک کرنے والوں نے یہ بھی کہا:

﴿لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا﴾ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر کرم نہ کرتا تو ہمیں بھی زمین میں قارون کی طرح دھنسا دیتا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم کو مال ودولت کے فتنہ سے بچالیا، اور قارون کی طرح نہیں بنایا، اور ہم نے نادانی سے اس جیسے مکان ومرتبہ کی تمنا کی تھی وہ اپنے فضل وکرم سے اُسے پوری نہیں کی، اور قارون والی سزا سے ہمیں بچالیا۔

﴿وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ حسرت وافسوس کا مقام ہے کہ کافر لوگ کبھی فلاح نہیں پائیں گے، مال وزر کی ترقی وبال جان ہے، جس کا انجام نہایت خوفناک اور تباہ کن ہے، اور حقیقی فلاح کا راز ایمان واعمالِ صالحہ اور فقر ومسکنت میں مضمر ہے، اور یہی انبیاء ومرسلین علیہم السلام اور اولیاء واتقیاء وصلحاء وعلماء کا مقام ہے۔

☆☆☆

فائدہ:

بصریین کے نزدیک کلمہ "وَیْکَاَنَّ" مرکب ہے، کلمہ وَی تعجب کے معنی میں ہے، اسم فعل ہے، بمعنی "اَعْجَبُ" ندامت اور حسرت کے معنی میں ہے، اور "کَاَنَّ" تشبیہ کیلئے ہے۔ کوفیین کے مذہب میں بھی یہ کلمہ مرکب ہے، پہلا لفظ "وَیْکَ" ہے، اصل میں ویلک تھا، لام تخفیف میں حذف ہوا، وَیْکَ ہو گیا، اور لفظ "اَنَّ" بمعنی زجر و توبیخ کے ہے، اور "اِعْلَمْ" فعل محذوف کا مفعول ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: تمہارے لئے ہلاکت ہو، خوب سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو کامیاب نہیں کرتے، اور فلاح نصیب نہیں کرتے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ کلمہ "وَیْکَاَنَّ" کلمہ بسیط ہے مرکب نہیں، دو حرفوں سے نہیں بنا ہے، بلکہ ایک مستقل کلمہ ہے، بمعنی اَلَمْ تَرَ، اور اَلَمْ تَعْلَمْ کے ہیں، یعنی تو نے نہیں دیکھا تو نے نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، رزق کی فراخی کسی بزرگی کی نشانی یا رضائے الٰہی کی علامت نہیں، اور تنگی رزق اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت نہیں، بلکہ سب کچھ اس کی مشیت اور مصلحت کا تابع ہے، وہ علیم و حکیم ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہرگز کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کر، کیونکہ تو نہیں جانتا کہ موت کے بعد اسے کس مصیبت سے دو چار ہونا ہے، بلاشبہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک قاتل ہے، جسے کبھی موت نہ آئے گی، یہ قاتل دوزخ کی آگ ہے جو ہمیشہ رہے گی۔ [مشکوٰۃ شرح السنة]

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ
فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۴

ترجمہ: یہ آخرت کا گھر کہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے، اور اچھا نتیجہ متقیوں کے لئے ہے ۝۸۳ جو شخص نیکی لے کر آئے گا سو اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ملے گا، اور جو شخص برائی لے کر آئے گا سو جن لوگوں نے برے عمل کئے انہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے ۝۸۴

☆☆☆

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں اہل علم نے لوگوں کو نصیحت کی: ﴿وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور قارون کی شان وشوکت کی مذمت بیان ہوئی، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ دار آخرت کی لازوال نعمتوں کے مستحق کون لوگ ہیں، اور دار آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟ سو بتلا دیا کہ دار آخرت کی نعمتوں کے وہ لوگ مستحق ہیں جو ایمان لانے کے بعد کسی علو وبلندی، نام آوری اور بڑائی کے طالب نہیں ہوتے، اور ہر قسم کے فساد سے یعنی معاصی اور حقوق اللہ وحقوق العباد کی پامالی اور ترک سے اجتناب کرتے ہیں۔ تجربہ گواہ ہے کہ تعلّی وبڑائی کا طلبگار انسان اپنے مقصد تک رسائی کی خاطر ہر قسم کے گناہ وظلم وزیادتی سے نہیں شرماتا، اور لوگوں کو قتل کرنے سے بھی باز نہ آتا، تو ایسے لوگ کس طرح آخرت کو پائیں گے جبکہ ان کا دامن ناپاک۔ آخرت کے لئے جن اعمال صالحہ کی ضرورت ہے ان کی کنجی تواضع وانکساری اور تقویٰ ہے، ان میں سرفہرست ترک خواہشات اور خدمت خلق ہے، اور یہ کام متقیوں کا ہے نہ کہ متکبر ومغرور اور مال وجاہ طلب کرنے والے لوگوں کا، اس لئے فرمایا:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ﴾ وہ دار آخرت جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہے وہ گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں علو اور فساد نہیں چاہتے، جیسے قارون نے چاہا تھا۔ تعلّی، سربلندی، بڑائی اور تکبر وہ اخلاقِ رذیلہ اور ذمیمہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کی پاکیزہ مخلوقات انبیاء کرام علیہم السلام فرشتے صلحاء اتقیاء اور علماء کرام بغض رکھتے ہیں، کیونکہ یہ جہنمیوں اور شیاطین کی خصلتیں ہیں، اور جو شخص ان خصلتوں کو جمع کرے گا وہ ابلیس کی طرح راندۂ درگاہ ہوگا۔

گویا آخرت کے گھر کے حصول میں دو چیزیں رکاوٹ ہیں: بڑائی یعنی غرور تکبر اور فساد۔ عدی بن حاتم طائی (نصرانی تھے) جب آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک سادہ تکیہ لگانے کا گدا ڈال دیا، عدی بن حاتم بجائے گدے کے زمین پر بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو زمین میں علو اور بڑائی نہیں چاہتا ہے اور نہ فساد چاہتا ہے، پس یہ کلمہ حکمت سن کر عدی بن حاتم اسلام لے آئے۔ رضي الله عنه [روح المعاني از مردویہ]

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳﴾ اور اچھا انجام متقیوں کا ہی ہوگا، وہ لوگ متقی کہلائیں گے جو حدود شریعت کو قائم رکھتے ہیں پس وہی کامیاب ہوں گے۔ ﴿مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا﴾ جو شخص قیامت کے روز نیکی

لے کر آئے گا اس کو بمقتضائے فضل اس سے کہیں بہتر بدلہ ملے گا جو اس کے وہم و گمان میں نہ ہو، اور:

﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو برائیوں کے ارتکاب کرنے والوں کا بدلہ ان کی برائیوں کے برابر اس سے زیادہ نہیں ہوگا۔ شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے لئے بہتر (دس ۱۰، ستر ۷۰، سات سو ۷۰۰، سات لاکھ ۷۰۰۰۰۰، بیس لاکھ ۲۰۰۰۰۰۰) [درمنثور] اجر کا وعدہ کیا ہے، لہٰذا وہ بہر صورت ملتا ہے، مگر برائی کے اجر کے لئے وعدہ نہیں فرمایا، لہٰذا ممکن ہے کہ وہ معاف ہی ہو جائے۔ ہاں! اگر کسی کو سزا مل گئی تو اتنی ہی ملے گی، زیادہ نہیں۔

❀ ❀ ❀

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى
وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ
اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ
شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: بلا شبہ جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ واپس پہنچا دے گا، آپ فرما دیجئے کہ میرا ربّ اس شخص کو خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا، اور اسے بھی جانتا ہے جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے ﴿۸۵﴾ اور آپ کو اس کی امید نہ تھی کہ آپ کو کتاب دی جائے گی، مگر محض آپ کے ربّ کی رحمت سے سو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہو جائیے ﴿۸۶﴾ اور ہرگز یہ لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے نہ روک دیں، اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل ہو چکی ہے، اور آپ اپنے ربّ کی طرف بلاتے رہیے، اور ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیے ﴿۸۷﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے، اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، اسی کی حکومت ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۸۸﴾

معارف و منازل

یہ سورۃ القصص کا خاتمہ ہے، جس کو ایک بشارت پر اور چند نصائح اور ہدایات پر ختم کیا جا رہا ہے، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے لئے بیتاب تھے، اور نہایت رنجیدہ اور غمگین تھے، تو آپ کی بشارت اور تسلی کے لئے جحفہ کے مقام پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ اپنے ربّ کے حکم کے ساتھ دوبارہ مکہ آئیں گے، اس مرتبہ آپ فاتحانہ اور حاکمانہ انداز میں آئیں گے، آپ کی موجودہ جدائی عارضی ہے، لہٰذا آپ مطمئن رہیں۔ اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی کہ نزول قرآن اور نبوت ورسالت خالص رحمت الٰہی ہے جو آپ کو بلا کسی امید وانتظار اور بلا کسی توقع کے عطا کی گئی ہے، لہٰذا آپ اس کی تبلیغ اور دعوت میں لگے رہئے، اور مشرکین اور مخالفین کی مخالفت کی پرواہ نہ کیجئے۔ اس کے ساتھ توحید معاد جزاء وسزا پر تنبیہ کرتے ہوئے سورۂ قصص کو ختم فرمایا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ﴾ جس ذات نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا وہ پھر تجھ کو پہلی جگہ واپس لانے والا ہے۔ معاد کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں: مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مکہ مکرمہ مراد ہے، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ یہ پیشینگوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ آ کر اس کو فتح کریں گے، اور اسے مدینہ منورہ کی طرح دارالاسلام بنائیں گے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ معاد سے مراد موت ہے، اور بعض کہتے ہیں معاد سے مراد جنت ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ معاد سے مراد عالم آخرت ہے، اور اس سے اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنقریب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا، اور ہجرت کے آٹھ سال بعد رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے، اور فتح مکہ مکمل ہوا۔

﴿فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ فرض کے معنی اکثر مفسرین نے کیا ہے اَنْزَلَ، اور بعض کے نزدیک معنی یہ ہے کہ جس ذات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن فرض کیا ہے یعنی اس کی تلاوت اور تبلیغ اور اس پر عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض فرمایا ہے۔ ﴿قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى﴾ آپ فرما دیجئے: تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو ہدایت لے کر آیا ہے۔ ﴿وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور اس شخص کو بھی جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور برے بندوں کے ارادے اور ہر قسم کے خیر وشر سے مکمل باخبر ہے، کائنات کا ہر ذرہ اس کے سامنے بالمشافہہ موجود ہے، اسی علم پر ان کا قیامت کو محاسبہ ہوگا، اور جو کتابِ ہدایت آپ کو عطا ہوئی وہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور خاص رحمت ہے۔

﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ﴾ اور آپ کو کوئی توقع اور امید نہ تھی کہ آپ پر ایسی کتاب

مستطاب نازل کی جائے گی مگر تیرے پروردگار کی رحمت اور عنایت سے یہ درخشندہ اور برکتوں کا تاج آپ کے سر پر رکھا گیا، اور آپ پر یہ سراسر رحمت وہدایت والی عظیم الشان کتاب نازل کی گئی۔ مطلب واضح ہے کہ نبوت ورسالت کوئی کسی چیز نہیں جسے زہد وریاضت سے حاصل کیا جا سکے، بلکہ یہ منصب عالی محض وہبی ہے جہاں نظر رحمت ہو وہاں عنایت ہوتی ہے۔ اور یہ اتنا بڑا منصب ہے جو سارے عالم پر بھاری ہے، اور یہ اتنا عالی اعزاز ومرتبہ ہے جسے مرزا قادیانی جیسے سکول ماسٹر نہ حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اس منصب کا لائق ہو سکتا ہے، اس کا انتخاب براہ راست ربّ العرش العظیم کی عنایت سے ہوگا، یہ کوئی بازیچہ اطفال نہیں جس کو حکومت برطانیہ انتخاب کرے۔

ہاں! وہ کسی شیطانی منصب کو اگر چاہیں تو انتخاب کر سکتے ہیں، جیسے مصنوعی نبی اور مصنوعی اولیاء اور مصنوعی مجدد ومجتہد جنہیں حکومت برطانیہ نے پیدا کیا، اور خوب پالا اور مراعات سے نوازا جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ پس آپ ان کافروں کی پشت پناہ نہ بنیں۔ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یہاں عجیب لطیف نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھیں کہ انہوں نے آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا، اب آپ کا وہی اپنا ہے جو ایمان اور توحید کو تسلیم کر کے آپ کا ساتھ دے گا۔ دوسری بات:

﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ﴾ کہ کافر لوگ آپ کو آیاتِ الٰہی کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے اور تبلیغ سے روک نہ دیں۔ مطلب یہ کہ آپ کافروں کے ساتھ کسی قسم کا ایسا معاہدہ نہ کریں جس سے تبلیغ دین اور دعوت احکام متاثر ہو۔ کفار ومشرکین چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ اپنے معبودوں کے متعلق سودا بازی کر لیں، مگر آپ انہیں جواب دے کر مایوس کر دیں، اور ان کی بات نہ مانیں، اور اپنے پروردگار کے بھروسے پر باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں، اور انہیں توحید سمجھا دیں، اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں، اور نہ ہی مشرکین کے ساتھ دوستی رکھیں، اور نہ ہی ان کی رعایت کریں، اور نہ ہی ان سے تعلق رکھیں۔ ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے۔ یہاں تینوں آیات میں بظاہر خطاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے، مگر مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لوگ ہیں، اگر عالمِ اسباب میں لوگ ایک دوسرے کو پکاریں اور ایک دوسرے سے مدد طلب کریں تو یہ شرک نہیں، شرک وہ ہے کہ مافوق الاسباب چیزوں میں غیر اللہ کو پکارا جائے، اور ان سے مدد طلب کی جائے۔

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے، یعنی سوائے ذات خداوندی کے ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے، کسی شئی کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں، خدا تعالیٰ کو خدا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے، اس کا وجود ذاتی ہے، اس کے سوا تمام موجودات ذات باری تعالیٰ واجب الوجود کے سہارے سے موجود ہیں۔ ؎

پناہ بلندی و پستی توئی ☆ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝٢٦ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝٢٧﴾ [الرحمن] (زمین میں جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور تمہارے پروردگار کی جلال والی اور فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی)۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے قول کو سراہا: ؎

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ ★ وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ

فرمایا: لبید کا یہ قول سچا اور حقیقی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نفخ صور کے وقت تمام چیزیں فنا ہو جاتی ہیں، مگر آٹھ چیزیں فنا ہونے سے مستثنیٰ ہیں، وہ یہ ہیں:

(١) عرش الٰہی (٢) کرسی (٣) بہشت (۴) دوزخ (۵) عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی) (٦) ارواح (٧) لوح (٨) قلم۔ بعض علماء نے ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کے سارے اعمال فنا ہو جائیں گے، اور مٹ جائیں گے مگر جو عمل خالصتاً لوجہ اللہ انجام دیا جائے وہ باقی رہے گا۔ [ابن جرير طبري]

﴿لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٨٨﴾ اسی کے لئے ہے حکم اور فرمانروائی اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو، ذرا اس دنیا کے نشیب و فراز میں نظر دوڑائیں، اور اقوام عالم کی گزشتہ تاریخ کو یاد کریں، اور بغور مطالعہ کریں، اس کے ساتھ کبھی شہری آبادی سے ہٹ کر قبرستان کا رخ کریں تو آپ کو آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ اس فانی جہاں کی حقیقت سوائے تباہی کے کچھ نہیں، غریب و مفلس اور بیکسوں کی تباہی کے ساتھ اربوں قارون اور بے شمار فرعونوں اور تاجداروں کی تباہی بھی معلوم ہو جائے گی۔

الحمد للہ آج لیلۃ الجمعہ عید الاضحیٰ کی رات ١۴٣٦ھ، رات دس بجے سورۃ القصص کی تفسیر مکمل ہوئی، اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

مكية آياتها ٦٩ ركوعاتها ٧

سورۂ عنکبوت مکی ہے، اس میں انہتر (٦٩) آیتیں، اور سات (٧) رکوع ہیں

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

نام:

اس سورت مبارکہ کا نام عنکبوت ہے جو اس سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں لفظ عنکبوت سے مأخوذ ہے۔ یہ قرآن کریم کی ترتیب تلاوت میں ۲۹ ویں سورت ہے، اور ترتیب نزول کے اعتبار سے ۸۵ نمبر پر ہے۔

نزول:

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ سورت مکی ہے، اور یہی راجح ہے، اس سورت کا نزول سورۃ الروم کے بعد ہے۔

کلمات وحروف کی تعداد:

اس سورت کی آیات ٦٩، رکوع ٧، اور کلمات ۷۸۰ ہیں، اور یہ سورت ۴۱۴۵ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱)۔سورۂ قصص میں صادقین وکاذبین کا ذکر ہوا، اس سورت میں بھی انہی دونوں گروہوں کا ذکر ہوگا۔

(۲)۔سورۂ قصص اور سورۂ عنکبوت دونوں میں انبیاء علیہم السلام کا بیان ہے۔

(۳)-سورۂ قصص کے آخر میں اوراس سورت کے شروع میں دعوت الی اللہ کا بیان ہے، اوراس کے اچھے فوائد وانجام کا بھی بیان ہوگا۔

(۴)- دونوں سورتوں میں توحید، رسالت، معاد اور تذکیراتِ ثلاثہ کا بیان ہے، اور منکرین کے انجامِ بد کا بھی بیان ہے۔

مختصر موضوع:

گزشتہ لوگوں کا اور آئندہ لوگوں کا امتحان وآزمائش، سچ اور جھوٹ میں تمیز، معصیت میں والدین کی اطاعت پر پابندی، توحید اور دیگر بنیادی عقائد کا بیان اور شکر وصبر اور ان کے انجام کا بیان تذکیراتِ ثلاثہ کا بیان ہجرت کے فوائد واچھے نتائج کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص عمل کے بہتر انجام وفوائد کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ۞ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا
الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ۞ اَمۡ حَسِبَ
الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ۞

ترجمہ: الٓمّٓ ① کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انکو آزمایا نہ جائے گا② اور بلاشبہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے سو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور ان لوگوں کو جان لے گا جو سچے ہیں اور ضرور ضرور جھوٹوں کو بھی جان لے گا③ اور وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائیں گے برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں④

معارف ومنازل

جولوگ جنت کے پھولوں اور دائمی راحتوں تک رسائی چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ دنیا کی خاردار وادیوں سے صبر واستقامت کے ساتھ گزرنے کی ہمت کریں، اگر کوئی یہ خیال کرتا ہو کہ ناہموار راستوں کو طے کئے بغیر ابدی

راحتوں تک رسائی ممکن ہے تو یہ اس کی خام خیالی ہوگی، لوگو! یہ ممکن ہوتا تو سب سے پہلے اس کے حقدار انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے، حالانکہ ان کی زندگی غموں اور پریشانیوں سے بھری ہوئی ہے، مقولہ مشہور ہے: "بسوزد کہ بسازد" جب تک خوراک آگ کی تپش اور حرارت کو برداشت نہ کرے وہ ہرگز کھانے کے قابل نہیں ہوسکتی، اسی طرح سونار کی بھٹی سے گزرنے کے بعد سونا اس قابل ہوگا کہ اس سے زیورات تیار ہوں، نمرود کی تاریخی آگ سے گزرنے کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام مقامِ خلت پر فائز ہوئے۔

شانِ نزول:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کے سایہ میں اپنی چادر سے تکیہ لگائے تشریف فرما تھے، میں نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! ہم لوگوں پر مشرکین کی طرف سے مصائب کی حد ہوگئی، آپ ہمارے لئے دعا فرمالیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ مصیبتیں صرف تم ہی برداشت نہیں کر رہے ہو، بلکہ تم سے پہلے کفار کا یہ طریقہ تھا کہ مؤمنوں کو پکڑتے ان کے لئے گڑھا کھودتے، پھر اس گڑھے میں انہیں کمر تک گاڑ دیتے، پھر آری لا کر ان کے سر پر چلائی جاتی اور کاٹ کر ان کے دو حصے کر دیئے جاتے، بعض پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں، ان کے گوشت اور ہڈیوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا جاتا، اس کے باوجود وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہتے۔ پھر ارشاد فرمایا: اے خباب ابن الارت! اللہ تعالیٰ کی قسم یہ دین ہر سو دنیا کے اکناف واطراف میں پھیل جائے گا، اور دنیا میں اتنا قابلِ رشک امن وامان ہوگا کہ صنعاء سے چل کر ایک شخص حضر موت تک سفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا، آخر میں فرمایا: ولکنکم تستعجلون، لیکن تم جلد بازی سے کام لیتے ہو۔ [بخاري]

اسلام ایک تر نوالہ یا حلوا کی پلیٹ نہیں کہ جب کوئی کلمہ پڑھا بس اسے سب کچھ ہاتھ آیا، بلکہ ہر مسلمان کو لازماً آزمائشوں کی بھٹی سے گزرنا ہوگا، تاکہ وہ اپنے اسلام کا ثبوت دے۔ فرمایا: ہماری جنت اتنی سستی نہیں ہے، اور نہ دنیا ہی میں ہماری خاص عنایات ایسی ارزاں ہیں کہ تم بس زبان سے ہم پر ایمان لانے کا اعلان کرو، اور ہم وہ سب کچھ تمہیں بخش دیں، ان کے لئے تو بڑے بڑے امتحانات اور آزمائشوں سے گزرنا ہوگا، کبھی جان کی قربانی اور کبھی اولاد اور عزیزوں کی قربانی، مال، عزّت، وطن اور گھروں کی قربانی دینی ہوگی، ہر پریشانی اور آفات ومصائب پر صبر و استقامت اختیار کرنا ہوگا، عبادات وطاعات کو کما حقہ بجالانا ہوگا، اور تمام نفسانی خواہشات اور معاصی اور غیر شرعی امور کو ترک کرنا ہوگا، اور ہر پسندیدہ ومحبوب چیز کو رضائے الٰہی اور حکم شرعی پر قربان کرنا ہوگا، تب بات کھلے گی کہ تم دعوائے

اسلام میں سچے ہو یا جھوٹے ہو۔ تقریباً یہی مضمون سورۂ بقرہ آیت ۲۱۴، سورۂ آل عمران آیت ۱۴۲، اور ۱۷۹، اور سورۂ توبہ آیت ۱۶، اور سورۂ محمد آیت ۳۱ میں بھی بیان ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿الٓمّٓ ۝١ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ہم محض اٰمَنَّا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے، اور ان کا کوئی امتحان نہ ہوگا، اور بلاؤں اور مصیبتوں سے ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ فرمایا: ایسی بات نہیں، بلکہ ایمان کے دعویٰ کے بعد طرح طرح سے تمہارا امتحان ہوگا، کوئی شخص زبانی دعویٰ کے ساتھ امتحان سے نہیں بچ سکتا، اور امتحان تین طرح سے ہوگا:

(۱) احکام خداوندی کی مکمل پابندی سے۔ (۲) مصائب و بلیات اور بیماریوں سے۔ (۳) کافروں کی ایذا رسانیوں اور تکلیفوں سے، اور احکامِ خداوندی کی پابندی سے، مراد اوامر و نواہی دونوں ہیں کہ تمام مامورات پر عمل ہو، اور تمام منہیات سے کنارہ کشی اور دوری ہو۔ فرمایا: ذرا سابقہ اقوام پر نظر ڈال کر دیکھو:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ تحقیق ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی مصیبتوں اور بلاؤں سے آزمایا ہے، اور ان کے دعوائے ایمان کا امتحان لیا ہے، یہی حال تمہارا بھی ہوگا تاکہ: ﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نتیجے کے طور پر سب کے سامنے ظاہر کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں، اور ان کو بھی ظاہر کرے گا جو جھوٹے ہیں۔ معلوم ہو کہ علم کا معنی ہے: جاننا یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک سچے اور جھوٹے لوگوں کو جانتا ہے، مگر یہاں پر علم سے مراد جاننا نہیں، بلکہ سب کے سامنے ظاہر کرنا مراد ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی فرد یا قوم کو امتحان میں ڈالتا ہے، پھر اس کے نتیجے میں متعلقہ فرد یا قوم کی سچائی یا جھوٹ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کردیتا ہے کہ ان کی پوزیشن یہ ہے، اس طرح تمام لوگوں کو ایک دوسرے کی سچائی اور جھوٹ کا پتہ چل جاتا ہے، اسی طرح ایمان و کفر اور ایک دوسرے کے نفاق اور دیانت و خیانت ہر معاملہ کا پتہ چل جاتا ہے، اور اگر یہ ابتلا نہ ہوتا تو جھوٹے اور سچے سب برابر ہوجاتے، تعلیمی اداروں کے امتحان کا بھی یہی مقصد ہے کہ محنتی اور غیر محنتی حقیقی اور فالتو لوگوں میں امتیاز ہو، وغیرہ۔ دراصل دعوائے ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے مترادف ہے، اور دعوائے محبت کے لئے امتحان لازم ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

در محبت ہر کہ او دعویٰ کند ☆ صد ہزاران امتحان بروے تند

گر بود صادق کشد بار جفا ☆ ور بود کاذب گریزد از بلاء

درره منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان ☆ شرط اول قدم آن ست کہ مجنون باشی

یہ تو مسلمانوں کی تسلی کے لئے شدائد ومصائب کی حکمت بیان کی، آگے کافروں کے لئے سرزنش ہے جو مسلمانوں کو ایذاء دیتے ہیں، فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴﴾ کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے؟ یہ تو ان کا بہت ہی برا فیصلہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے ماننے والوں کی نصرت اور خبر گیری کا وعدہ کر چکا ہے، اور اسی طرح ان کے جھٹلانے والے اور ایذا دینے والوں پر گرفت کا بھی وعدہ کر چکے ہیں، تو نافرماں لوگ کبھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے، وہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کی پکڑ میں جلدی نہیں کرتا۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۷

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے، اور وہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے ۝۵ جو شخص مجاہدہ کرتا ہے سو وہ اپنے لئے ہی محنت کرتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے ۝۶ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ضرور ضرور ہم ان کی برائیوں کا کفارہ کردیں گے، اور ضرور ہم انہیں ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دیں گے ۝۷

معارف ومنازل

ان آیات میں مجاہدہ کے فضائل اور فوائد کا، نیز تکلیف برداشت کرنے والوں کے ثواب کا مختصر بیان ہے، فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ﴾ جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق اور امید ہو تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت تو ضرور آنے والا ہے جس میں اس کی امیدیں پوری ہوجائیں گی، اور راہِ حق پر اس شخص نے جو صبر وثابت قدمی دکھایا ہے اسے وہ سب کچھ ملے گا جن کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے، اور اس کی ساری پریشانیاں ختم ہو

جائیں گی۔ یَرْجُوْا بمعنی رجاء کے ہیں، یہ لفظ امید اور خوف دونوں معنوں میں آتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں خوف کے معنی میں ہے، اکثر علماء نے کہا: دونوں معنی مراد ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے وہ بھی پسندیدہ ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے خوف رکھتا ہے وہ بھی پسندیدہ ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہے: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ ظاہر ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا اشتیاق رکھنے والا گناہوں سے دور رہتا ہے، اور نیک اعمال میں کوشش کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا بھی ایسا ہی ہوگا۔

﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے، اسے ہر چیز کا پورا پورا علم ہے، وہ بندوں کو ان کے اعمال کا صحیح بدلہ دے گا۔ ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ﴾ اور جو شخص دینی امور میں مجاہدہ اور محنت کرتا ہے سو اس کا فائدہ صرف اسی کو ملے گا، اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال اور ان کے مساعی ومجاہدہ، نیز ان کے جہاد وغیرہ سے مستغنی ہے، جہاد اکبر ہو یا جہاد اصغر تمام حسنات بندوں کے اپنے مفاد کے لئے ہیں، کیونکہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے اعمال اور فرمانبرداریوں اور عبادات سے بے نیاز ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال انجام دیئے ہیں ہم ان کی برائیوں کو دور کر دیں گے، یعنی معاف کر دیں گے، کیونکہ:

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ نیکیاں گناہوں کی کفارہ بنیں گی، اس کے علاوہ مومنوں کے لئے مغفرت کا وعدہ بھی مثالی ہے۔ سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾ [الزمر: ۵۳] (آپ فرما دیجئے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی، تم میری رحمتوں سے ناامید نہ ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں)۔ سبحان اللہ کتنی بڑی قیمتی خوشخبری ہے۔ الحمد للہ۔ فرمایا:

﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اور مغفرت کے بعد دوسرا انعام یہ ہے کہ ان کو ہم ان کے اعمال سے بہتر بدلہ عطا کریں گے، یعنی ایسا بدلہ جو دس گنا سے لے کر سات سو یا اس سے بھی زیادہ لاکھوں تک۔ بعض علماء نے کہا: اس سے مراد جنت میں دیدار الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو کہ ہر نعمت سے بہتر ہے۔

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرو، اور اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی دلیل تیرے پاس نہیں ہے سو تو ان کی فرمانبرداری نہ کرنا، میری طرف تم لوگوں کو واپس ہونا ہے، سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کردوں گا جو تم کیا کرتے تھے ⑧ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے سو ہم ان کو ضرور ضرور نیک بندوں میں داخل کردیں گے ⑨

معارف ومنازل

مسلم، ترمذی، احمد، ابوداؤد اور نسائی میں آیت کریمہ کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی والدہ حمنۃ بنت سفیان بن امیہ نے کہا: اے بیٹے سعد! میں نے سنا ہے کہ تو اپنا دین چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو گیا ہے؟ اس وقت سعد کی عمر ۱۹ سال تھی، میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتی ہوں کہ میں کسی سایہ میں نہیں بیٹھوں گی یوں ہی دھوپ پر مروں گی، نہ کھانا کھاؤں گی، نہ کچھ پیوں گی جب تک کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انکار نہ کرے، چنانچہ ان کی والدہ نے بغیر کھائے پئے، یوں ہی میدان میں پڑے ہوئے تین دن گزارے، اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اماں جان! اگر آپ کے بدن میں سو روحیں بھی ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتیں تو میں ان کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع سے انکار نہ کرتا، اب تم چاہو کھاؤ پیو یا ایک کی بجائے سو مرتبہ مر جاؤ میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا۔ ماں نے ان کی اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھا لیا، اس پر یہ آیت اتری۔ [روح المعاني، معالم التنزيل]

اس قسم کے احکامات جو یہاں بیان ہوئے قدرے تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرۃ، سورۂ لقمان، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ احقاف میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا تاکیدی

حکم دیا ہے، یہ حکم مسلمان اور غیر مسلم والدین سب کے لئے ہے۔ ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور اگر والدین تجھ پر جبر کریں کہ تو میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنا جن کی تیرے پاس کوئی خبر اور دلیل نہیں تو حکم یہ ہے کہ: ﴿فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ تو پھر ان کی بات نہ ماننا، خالق و مالک کے مقابلہ میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی حرام کے ارتکاب کا ہرگز جواز نہیں۔ مفسرین اور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صرف شرک ہی کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ شریعت اور سنت اور احکام دینی کے خلاف اگر والدین حکم کریں تو ان کا حکم ماننے کی اجازت نہیں۔ [خازن، مدارک، السراج المنیر]

﴿اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تم کو بتادوں گا جو کچھ دنیا میں تم کیا کرتے تھے، اگر تم دنیا میں ہمارے حکموں کو ترک کرو گے یا خویش و اقارب اور احباب و دوستوں کی باتوں پر عمل کر کے ہمارے حکموں کو چھوڑ بیٹھو گے، یا غیر اللہ کی بندگی کر کے ہمارے ساتھ انہیں برابر یا حصہ دار کہو گے، تو یہ تمام ہمارے علم میں ہوں گے جن سے روز قیامت تمہیں آگاہ کریں گے، اور انہی کے مطابق بدلہ دینے کا فیصلہ کریں گے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ہم ضرور ضرور ان کو صالحین میں شامل کریں گے، اور نیک لوگوں میں شامل فرمانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے گناہ معاف ہوجائیں گے، اور درجات نہایت بلند ہوجائیں گے، اور یہ مقام نہایت بلند بھی ہے، اور قابل رشک بھی۔ مزید تفصیل سورۃ الفجر میں دیکھیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ
جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩
وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا
سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَ
لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْــَٔـلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬

ترجمہ: اور بعض لوگ وہ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، پھر جب انہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں، اور اگر ان کے پاس آپ کے ربّ کی طرف سے مدد آجائے تو ضرور ضرور یوں کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ تعالیٰ جہان والوں کے سینوں کی باتوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے؟۱۰ اور البتہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ضرور جان لے گا، اور وہ ضرور ضرور منافقوں کو جان لے گا۱۱ اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہمارے راستے کا اتباع کرلو، اور تمہارے گناہوں کو ہم اٹھالیں گے، حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۱۲ اور وہ لوگ ضرور ضرور اپنے بوجھوں کو اٹھائیں گے، اور اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے، اور قیامت کے دن ضرور ضرور ان باتوں کا سوال کیا جائے گا جو دنیا میں جھوٹ بناتے ہیں۱۳

معارف ومنازل

مؤمنین کے حالات بیان ہوئے اب منافقین اور کافرین کے کردار واعمال کا بیان ہوگا، پہلے منافقین کے حالات کا بیان ہوگا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ لوگوں میں سے بعض ایسے مفاد پرست ہیں جن کا زبانی دعویٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں مگر ان کی حالت یہ ہے: ﴿فَاِذَاۤ اُوۡذِىَ فِى اللّٰهِ﴾ کہ جب ان کو ایمان اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے راہِ خدا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور آزمائش آتی ہے:

﴿جَعَلَ فِتۡنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ﴾ تو لوگوں کی اس ایذا اور تکلیف کو اللہ تعالیٰ کے عذاب (جو کافروں کے لئے مقرر ہے) کے برابر سمجھتے ہیں، اور اس فتنہ اور آزمائش سے خوفزدہ ہوکر ایمان کی دولت سے منہ موڑ کر کافروں میں شامل ہوجاتے ہیں، اور ایمان سے محروم ہوجاتے ہیں، حالانکہ تکلیف ایمان کا جز ہے، اور اسے برداشت کرنا ایمان کی خاصیت اور تقاضا ہے، جیسا کہ تفصیلاً پہلے بیان ہوا۔

﴿وَلَٮِٕنۡ جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكَ لَيَـقُوۡلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمۡ﴾ اگر کسی وقت جہاد میں تیرے پروردگار کی طرف سے فتح ونصرت اور مالِ غنیمت ہاتھ آجائے تو یہ منافق اعلان کر کے کہتے ہیں کہ بلاشبہ اے مسلمانو! ہم تو تمہارے ساتھ رہے ہیں، ہم ہر مرحلے پر تمہارے معاملات میں برابر کے شریک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے شروع میں نفاق کی قلعی کھول کر بیان فرمایا کہ ہر زمانے میں منافق اپنے اغراض کا بندہ ہوتا ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا۔

﴿اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کیا اللہ تعالیٰ خوب نہیں جانتا جو جہاں والوں کے دلوں میں ہے؟ یہ استفہام تقریری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سارے جہاں والوں کے باطنی اور قلبی حالات سے اللہ تعالیٰ پورا پورا باخبر ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ مؤمن کون ہے اور منافق کون، بلکہ وہ ذات پاک تمام گزشتہ اور موجودہ اور آئندہ ارادوں نیتوں سب سے واقف ہے۔

﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ضرور ظاہر کرے گا ایمان والوں کو اور ضرور ظاہر کردے گا منافقوں کو بھی، اللہ تعالیٰ اسی لئے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تاکہ ایمان اور نفاق ظاہر ہوجائے، جس سے مؤمن کامیابی کے ساتھ سرخرو ہوکر نکلے گا، اور کافر ومنافق ناکام ہوجائے گا۔ مؤمنین اور منافقین کے بعد پختہ کفار کا بیان ہے کہ وہ کس طرح مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹانے کی لاحاصل کوشش کرتے ہیں، فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ﴾ اور کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارا راستہ یعنی کفر اختیار کرو، اور اگر تمہیں ایسا کرنے میں یہ خوف ہو کہ کافر ہونے کی صورت میں ہم عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے تو لو ہماری پیش کش قبول کرو، ہم تمہارے گناہوں کو اپنے سروں پر اٹھالیں گے، اکثر کافر ازراہِ مذاق وتمسخر مسلمانوں سے کہتے تھے، کیونکہ وہ قیامت اور جزاوسزا کو نہیں مانتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جھوٹے ہیں۔

﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، کسی میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کا گناہ اٹھا سکے، اور یہ لوگ اس طرح کہنے میں قطعاً جھوٹے ہیں۔ سورۂ نجم میں ارشاد ہے: ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ [النجم:٣٨] (یہ کہ کوئی اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) یعنی ایک آدمی کسی اور کا گناہ نہیں اٹھا سکے گا، اور کسی کا ایمان اور عمل صالح دوسرے کو بھی مفید نہ ہوگا، بلکہ ہر شخص اپنے اچھے اور برے کا ذمہ دار ہوگا، البتہ یہ معاملہ طے شدہ ہے:

﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ کہ یہ کفار قیامت کے روز اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے، اور اپنے بھاری بوجھوں کے ساتھ دوسرے بوجھ بھی اٹھا کر لائیں گے، یعنی جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا تھا ان کے گناہوں کا بوجھ بھی ان کے سروں پر لدا ہوا ہوگا، یعنی ضلال اور اضلال کے دونوں بوجھ اٹھا کر حاضر ہوں گے۔

حدیث شریف میں قابیل کے متعلق ارشاد ہے کہ قیامت تک قتل کے گناہوں میں اس کا حصہ ہوگا، اسی طرح

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے خلفاء اور متبعین اپنے اعمالِ صالحہ کے ساتھ حاضر ہوں گے، اور وہ بے شمار ہدایت یافتہ لوگوں کے اعمالِ حسنہ بھی ان کے پاس ہوں گے جو ان کی رہنمائی سے ہدایت پا چکے تھے۔

الحمد للہ یہ مقام علماءِ حق کا بھی ہوگا جن کے وعظ وارشاد اور تالیف وتصنیف اور فتاویٰ سے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو دینی اقدار اور ہدایت حاصل ہوئی۔

﴿وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن تابع اور متبوع سب سے باز پرس ہوگی اس چیز کے متعلق جو وہ افتراء کرتے تھے۔ دراصل یہ ایک ناروا جھوٹا کاروبار ہے جس کا بانی ابلیس ہے، اور اس کی اشاعت کرنے والے اس کے کارندے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ
الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: تحقیق ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو وہ ان میں پچاس کم ہزار سال رہے سو ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے ﴿۱۴﴾ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہاں والوں کے لئے عبرت بنا دیا ﴿۱۵﴾

معارف ومنازل

یہاں سے انبیاء علیہم السلام کے ابتلاء وامتحان کے واقعات ذکر فرما رہے ہیں کہ انہوں نے قوموں کی سرکشی اور نافرمانیوں پر کس طرح صبر کیا، اور سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہے جنہوں نے پچاس کم ہزار سال ثابت قدمی سے کام کیا، اور ہمت نہ ہارے، جبکہ تم لوگ چند سال بھی صبر کرنے پر تیار نہیں ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور آپ علیہ السلام کی قوم کی سرکشی، پھر ہزار سالہ جدوجہد اور کشتی تیار کرنے کا حکم الٰہی تین سو سال میں کشتی کی تیاری، پھر طوفان کا آنا اور آپ علیہ السلام کے صرف بیاسی ۸۲ ساتھیوں کی نجات اور باقی پوری قوم کی تباہی، اور چھ ماہ بعد جبل جودی پر کشتی کا لنگر انداز ہونا اور ٹھہر جانا، یہ سب قدرت کے کرشمے اور عجائبات ہیں۔ ان کی تفصیلات سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں بڑے پیمانے پر گزر چکی ہیں وہاں دیکھ لیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی مدت میں نبوت ملی، اور ساڑھے نو سو سال انہوں نے مسلسل قوم کو تبلیغ کی، پھر طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے، اس طرح ایک ہزار پچاس سال کی عمر پائی۔ [روح المعاني: ج ۲۰]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ملک الموت جب نوح علیہ السلام کے پاس آئے تو کہا کہ آپ کی عمر سارے انبیاء علیہم السلام کی عمر سے دراز ہے، آپ نے دنیا میں لمبا عرصہ گزارا، ذرا یہ بتاؤ کہ آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ تو نوح علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ میں نے دنیا کو اس طرح پایا جیسے ایک مکان ہو اور اس کے دو دروازے ہوں، ایک دروازے سے اندر آیا مختصر توقف کے بعد دوسرے دروازے سے باہر نکلا۔ [روح المعاني بحواله أبي الدنيا]

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔

﴿فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾ سو وہ ان میں پچاس کم ہزار سال رہے، اور ان کو توحید کا سبق اور دعوت دیتے رہے، مگر وہ نہ مانے اور ایمان نہ لائے۔ ﴿فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ پس طوفان نے ان کو آ پکڑا اور وہ بڑے ہی ظالم ومشرک تھے۔ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ﴾ پس ہم نے نوح علیہ السلام کو اور کشتی میں سوار بیاسی لوگوں کو جو مسلمان اور فرمانبردار تھے طوفان سے نجات دیدی، اور ہم نے اس پورے واقعہ کو جہاں والوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا کہ حق کی مخالفت کا انجام کتنا تباہ کن ہوتا ہے، اور حق کی حمایت نہایت بہتر اور ذریعہ نجات اور شرف قبولیت کا خوش کن پیغام ہوتا ہے، یہی معنی ہے: ﴿وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ کے، کہ سارے جہاں والے دیکھ لیں اور سمجھ لیں اور یقین کر لیں، پھر نجات کا راستہ تلاش کریں۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور اس

سے ڈرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو⑯ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم بتوں ہی کی عبادت کرتے ہو، اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو، یہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں، سو تم اللہ تعالیٰ کے پاس رزق تلاش کرو، اور اس کی عبادت کرو، اور اس کا شکر ادا کرو، تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے⑰ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو تم سے پہلی امتیں بھی جھٹلا چکی ہیں، اور رسول کے ذمہ واضح طور پیغام پہنچانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے⑱

معارف ومنازل

اس سے پہلے نوح علیہ السلام کے واقعہ میں ابتلاء حرق کا بیان ہوا، اب ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ ابتلاء حرق کا بیان ہے، اور یہ سلسلہ اکیسویں پارہ کے شروع تک چلے گا، پھر مضامین کا رنگ ذرا تبدیل ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں، وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت سام کی اولاد میں سے ہیں، ان کے اور نوح علیہ السلام کے درمیان آٹھ واسطے ہیں جو سیکڑوں برس کا فاصلہ ہے، آپ کا زمانہ عاد، ارم اور ثمود سے بعد ہے، قرآن حکیم میں آپ کا واقعہ کبھی اجمالاً اور کبھی تفصیل کے ساتھ دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات کی طرح متعدد سورتوں میں مذکور ہے، اور آپ کے بے شمار فضائل و معجزات اور کرامات ہیں۔

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ﴾ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی رسول بنا کر بھیجا، اور ان کا امتحان کیا کہ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، یہی ایمان اور تقویٰ تمہارے لئے سفینۂ نجات ہے، اور: ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اسی میں تمہاری بہتری ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو، تو اپنے خیر و شر کی پہچان کرو۔

﴿اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا﴾ کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ ﴿وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا﴾ اور تم جھوٹ گھڑتے ہو کہ اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ پتھروں کی پرستش کرتے ہو، اور انہیں معبود بناتے ہو، اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا قرار دیتے ہو، یہ سب جھوٹ اور افتراء ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا﴾ جن کو تم معبود بنائے ہوئے ہو وہ تمہیں رزق دینے پر کوئی قدرت نہیں رکھتے، اگر تم روزی چاہتے ہو تو اس ذات پاک سے روزی طلب کرو جو زمین و آسمان کے تمام خزانوں کا مالک ہے۔

﴿فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ﴾ تو رزق اللہ تعالیٰ کے پاس سے طلب کرو جو آسمانوں اور زمین کے خزانوں

کا مالک ہے، اور وہی سب کو رزق دینے والا ہے، فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [ھود: ۶] (اور کوئی جاندار نہیں زمین میں مگر اس کا رزق اللہ ہی پر ہے)۔ زمین پر رہنے والے انسان، حیوانات، چرند پرند، کیڑے مکوڑے اور فضاؤں میں تیرنے والی تمام مخلوقات کا روزی رساں صرف اللہ تعالیٰ ہے، جس کا دستر خواں پورے عالم میں پھیلا ہوا ہے۔

﴿وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۱۷﴾ اور عبادت بھی اسی کی کرو، اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکر بھی ادا کرو، تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، وہ تم سے ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔ ﴿وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو یہ کوئی نئی بات نہیں، اور اس میں میرا کوئی ضرر بھی نہیں، تحقیق تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں اپنے پیغمبروں علیہم السلام کی تکذیب کر چکی ہیں، اور اس کی پاداش میں وہ ہلاک ہو چکی ہیں، آج بھی اللہ تعالیٰ کا قانون وہی ہے، اور:

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر پیغام الٰہی کو واضح طور پر پہنچا دینا، اب ماننا نہ ماننا یہ تمہارا کام ہے، اگر مانو گے تو نجات پاؤ گے ورنہ تباہ ہو جاؤ گے، تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جیسے قوم نوح اور عاد و ثمود کا ہوا تھا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۝۱۹ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝۲۰ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ۝۲۱ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۝۲۲ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝۲۳

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا ہے، پھر وہ اسے دوسری بار پیدا فرمائے گا، بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ۱۹ آپ فرما دیجئے کہ زمین میں چلو پھر و سو دیکھو اللہ تعالیٰ نے پہلی بار کس طرح مخلوق کو پیدا فرمایا، پھر دوسری مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر

ہے⑳ وہ جس کو چاہے گا عذاب دے گا، اور جس پر چاہے گا رحم فرمائے گا، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے㉑ اور تم زمین پر کسی کو عاجز کرنے والے نہیں ہو، اور نہ آسمان میں اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا اور کوئی کارساز اور مددگار نہیں㉒ اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا یہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہوں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے㉓

معارف ومنازل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے سامنے پہلے توحید کو بیان کیا، پھر رسالت کو بیان کیا، اب ان آیات میں توحید کے ساتھ حشر نشر کو بیان کرتے ہیں، ارشاد ہے:

﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا کَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰہُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے کہ نیست سے اسے ہست کرتا ہے؟ پھر وہی خالق اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، پہلی زندگی اور پیدائش تم نے دیکھ لی، اب دوسری زندگی کو اس پر قیاس کرلو، تم بار بار روزمرہ مشاہدہ کرتے رہتے ہو کہ ہر موسم میں نئی فصل، نئے پھل، نئے پھول ترکاری اور سبزی بکثرت پیدا ہوتے ہیں پھر ختم ہوجاتے ہیں، اگلے موسم میں اللہ تعالیٰ پھر مردہ اور خشک زمین کو حیات بخشتا ہے، تو پھر یہ چیزیں دوبارہ، سہ بارہ پیدا ہوجاتی ہیں، یہی کیفیت تمام انسانوں کی بھی ہوگی کہ قیامت کے آنے پر سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ پیدا ہوں گے۔

﴿اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ﴾ دوبارہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے کوئی مشکل نہیں، جس خالق و مالک نے بغیر کسی نمونے کے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا اب دوبارہ اسی طرح فرمائے گا۔

﴿قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ﴾ آپ فرمادیجئے کہ زمین میں چلو پھرو، مظاہر ومصنوعات قدرت کو خوب غور سے دیکھا کرو، اور ہر قسم کی مخلوقات کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے کیسے پیدا کیا۔

﴿ثُمَّ اللّٰہُ یُنۡشِئُ النَّشۡاَۃَ الۡاٰخِرَۃَ﴾ پھر وہ انہیں دوسری پیدائش کے ساتھ اٹھائے گا، یہ قسم قسم کی مخلوقات درخت، پھل، میوے، سبزے، ترکاریاں شب وروز تم مشاہدہ کرتے ہو، تو کیا انسان کی پیدائش ان مخلوقات کی پیدائش سے مختلف یا مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ سبحانہ ہر چیز پر قادر ہے جب سارا تصرف اسی کا ہے تو یاد رکھو:

﴿یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَرۡحَمُ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ جس کو چاہے گا اسے عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحمت

کرے گا، وہ ظلم اور تعصب سے پاک ہے، نافرمانوں کے لئے عذاب مقرر کیا ہے۔ دراصل یہ ان کے گناہوں کا بدلہ اور نتیجہ ہے، اور فرمانبرداروں پر رحمت فرمائے گا، یہ اُن کی نیکیوں کا ثمرہ ہے، یہ چند جزئیات کے بارے میں ہے، باقی مجموعی طور پر فرمانبردار اور نافرماں سب پر مہربان ہے، اور شفقت کرنے والا ہے، سب کو وجود بخشا ہے، رزق دیتا ہے، عافیت عطا کرتا ہے، مال دیتا ہے، اولاد بخشا ہے۔ انسانی جسم اور پورے بدن کے اعضاء کتنے قیمتی ہیں، ایک قلب اور آنکھ کی قیمت کروڑوں میں ہے، مؤمن غیر مؤمن سب کو بلا تفریق عطا کیا ہوا ہے، انسان تو درکنار چرند پرند حیوانات اور کیڑے مکوڑوں تک یہ نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں، یہ سب اس کا کرم ہے، آخر اگر وہ نہیں دے گا تو کون دے گا، کیا کوئی اور دینے والا ہے؟

﴿وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ﴾ اور تم سب اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے، پھر تمہاری عاجزی اور بے سروسامانی کا یہ حال ہے: ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ﴾ تم آسمان میں ہو یا زمین میں اگر وہ تمہیں پکڑنا چاہے تو تم اسے عاجز نہیں کر سکتے ہو، اور نہ ہی اس کی گرفت سے بچ سکتے ہو، اور نہ کہیں بھاگ سکتے ہو چھپ کر۔

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ اور تمہارے لئے اس قادر مطلق کے سوا نہ کوئی حمایتی اور دوست ہے نہ کوئی مددگار ہے، اسی کو کارساز بنا کر اس پر توکل و اعتماد کرلو، ہر طرح ناکامی سے بچ جاؤ گے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ﴾ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات اور ملاقات کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے مراد قیامت کا دن ہے، وہ لوگ میری رحمت سے مایوس اور بے بہرہ ہیں، اور یہ مایوسی بجائے خود کفر کا حصہ ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ وَجَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ایسے ہی لوگوں کے لئے دکھ دینے والا دردناک عذاب ہے، اور ان کا انجام بدتر ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام کلام از اول تا آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام ہے، آگے قوم کا جواب ہے۔ [تفسیر ابن کثیر]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ
الْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: سواس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس کو قتل کرڈالو یا جلا ڈالو، سواللہ تعالیٰ نے ان کو آگ سے نجات دیدی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا ہے یہ تمہاری آپس کی دوستی کی وجہ سے ہے جو دنیا والی زندگی میں ہے، پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہو گے، اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے، اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور تمہاری مدد کرنے والے بالکل نہ ہوں گے ﴿۲۵﴾ سولوط نے ابراہیم کی تصدیق کی، اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے ربّ کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بلاشبہ وہ عزیز ہے، حکیم ہے ﴿۲۶﴾ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے، اور ہم نے ان کی ذریت (اولاد) میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا، اور ہم نے ان کو دنیا میں اس کا اجر دیا، اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے ﴿۲۷﴾

معارف ومنازل

سورۃ الانبیاء اور بعض دیگر سورتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم کے ساتھ اسی طرح نمرود بادشاہ کے ساتھ کئی دفعہ توحید پر مناظرہ کیا، اور توحید پر دلائل دے کر سب کو خاموش اور لاجواب کردیا، لہٰذا اپنی بے بسی چھپاتے ہوئے اور اپنی شرمندگی ختم کرتے ہوئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شخص کو یا تو قتل کرو، یا اسے زندہ آگ میں جلادو، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ﴾ آپ کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو قتل کرڈالو یا زندہ آگ میں جلادو، پس آخری مشورہ یہ ٹھہرا کہ ان کو آگ میں جلادیا جائے تاکہ ہمارا یہ کارنامہ پورے جہاں میں پھیل جائے، اور ہمیں تاریخی سرخروئی حاصل ہو جو کہ قتل کی صورت میں یہ ممکن نہیں، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ایک ایسی تاریخی بڑی آگ کا انتظام کیا جائے جو رہتی دنیا تک لوگ عش عش کرا سے یاد کریں، اس سلسلے میں کئی ماہ تک مختلف ذرائع سے لکڑیاں اور ایندھن جمع کرنے کا پروگرام چلتا رہا، یہاں تک کہ

پہاڑوں برابر ٹیلہ قائم ہوا، جس کو بیسیوں میلوں کے فاصلے سے بآسانی دیکھا جاسکتا تھا، نزدیک ایک محل منارہ نما بھی تیار ہوا جس کی بلندی تین سو ذراع تھی، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام مقید تھے تاکہ وہاں سے بآسانی منجنیق کے ذریعہ انہیں آگ میں پھینکا جاسکے۔

یہ اتنی بڑی آگ تھی کہ شاید قیامت تک دنیا میں ایسی آگ جلانا ممکن اور انسانی بس میں ہو۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو باندھے ہوئے آگ میں ڈالا جارہا تھا تو آپ علیہ السلام بڑے مطمئن اور سکون کے ساتھ رہے، آپ ﴿حَسۡبِیَ اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ﴾ پڑھ رہے تھے، کیوں نہیں؟ آپ کو اپنے ربّ اور اس کی قدرت بالغہ اور حکمت کاملہ پر علم کے ساتھ ناز بھی تھا، چنانچہ آگ میں گرتے ہوئے انہیں ایسا محسوس ہوا کہ میں بہشت کے ایک بہت بڑے گلدستے کے اندر گر چکا ہوں، اور آگ بہشت بن چکی ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے: ﴿قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ﴾ [الأنبياء: ٦٩] (ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا)۔ وہ آگ باغ و بہار بن کر اپنے جلانے والوں کو زبانِ حال سے یہی پیغام دے رہی تھی کہ میں بھی اپنے ربّ کی ایسی فرمانبردار ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام اپنے ربّ کے فرمانبردار ہیں۔ اس عظیم محیر العقول بے مثال معجزہ کو دیکھ کر صرف لوط علیہ السلام نے تصدیق کی۔ اسرائیلی روایات میں ہے کہ بادشاہ نمرود کی بیٹی بھی مسلمان ہوئی جو اپنے محل کی چھت سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی، ان کے علاوہ اور کسی کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

﴿فَاَنۡجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگ سے نجات دی، اور آگ حکمِ الٰہی کے ساتھ اپنی ذاتی حرارت سے نکل کر باغ و بہار بن گئی۔ ﴿اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ اس نجات دینے میں اور محفوظ رکھنے میں نیز اس بڑی تاریخی آگ کو برداً وسلاماً بنانے اور گل و گلشن بنانے میں بڑی نشانیاں اور درسِ عبرت ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

﴿وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيۡنِكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا﴾ فرمایا: تم لوگوں نے جو بتوں کو معبود بنا رکھا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم لوگوں کی دیکھا دیکھی اس عبادت میں لگ گئے ہو، پھر تم نے کوئی غور و فکر کیا ہی نہیں جس سے حق کو پہچان لیتے کہ عبادت کا حقدار صرف خالق و مالک ہے، تم نے یہ دیکھ لیا کہ ساری قوم ہمارے باپ دادوں نے ان کی پرستش کی ہے، بس اندھی تقلید اور آباء واجداد کی دوستی وحمایت نے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی محبت نے تمہیں اندھا بنا دیا، اور ان کی وجہ سے تم نے بے سوچے سمجھے کفر و شرک کا ارتکاب کیا تاکہ قوم

بھی خوش رہے اور آباء واجداد کی ارواح بھی۔

یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے کہ خضر علیہ السلام نے بے گناہ کافر لڑکے کو اسی لئے قتل کیا کہ اس کے والدین اس کی محبت ودوستی کی وجہ سے کافر نہ ہوں، کیونکہ جیسے لوگ اپنے نیک دوستوں کی وجہ سے نیکی اختیار کرتے ہیں اسی طرح برے دوستوں کی وجہ سے برائی کا شکار ہوجاتے ہیں۔فرمایا: یہ چندروزہ دوستی دنیاوی زندگی تک محدود رہے گی، جب قیامت برپا ہوجائے تو یہ دوستیاں اور چاہتیں یکسر دشمنی میں بدل جائیں گی، اور آپس میں لعن وتشنیع اور لعن وطعن کا بازار گرم ہوگا، اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے، یہاں تک کہ سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔(تفصیل سورۂ ابراہیم میں گزر چکی ہے، اور دوسرے مقامات پر بھی)۔اسی کو فرمایا:

﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ پھر قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار کردو گے، اور تم ایک دوسرے پر لعنت بھی کروگے، اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہو گے، اور تمہارا سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا جو تمہیں کوئی فائدہ دے سکے، یا جہنم کی آگ سے تمہیں بچاسکے، دنیا میں جتنے تعلقات تھے وہ سب ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہوگئے۔

﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾ پس لوط علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی۔لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، چونکہ لوط علیہ السلام پیغمبر تھے اور پیغمبر بچپن سے معصوم ہوتے ہیں اس لئے مفسرین کرام نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام بچپن سے حضرت سارہؓ کی طرح تصدیق کنندہ رہے، اور یہی راجح ہے۔البتہ انہوں نے اپنے ایمان کا اظہار اس وقت کیا ہوگا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دی گئی۔

﴿وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا ہے، اب میں ایک ایسی سرزمین پر جاؤں گا جہاں فراغت سے اپنے ربّ کی عبادت بجالاؤں گا، اور سب سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف میرا رخ ہوگا۔اس وقت آپ کی عمر پچھتر سال تھی، اور آپ اپنی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ہمراہ بابل سے حران پھر مصر پھر شام وفلسطین پہنچے، وہیں پر آپ علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ترک وطن کرلیا، اور دنیا کا پہلا مہاجر آپ کا لقب ہوا۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت رقیہ بنت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے بعد عثمان بن عفان سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ [مظھري]

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین میں، اور لوط علیہ السلام نے سدوم میں قیام کیا۔ یروشلم سے کچھ فاصلے پر الخلیل بستی میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر ہے۔ فرمایا: میں اپنے ربّ کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ بلا شبہ وہی غالب ہے جو دشمنوں سے میری حفاظت کرتا ہے، اور وہی حکمت والا ہے جو مجھے راہنمائی کرتا ہے۔ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ﴾ ہم نے انہیں اسماعیل کے بعد اسحٰق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہم نے نبوت اور کتاب رکھ دی، آپ کے بعد دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام آئے سب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل میں ہیں۔

کتاب سے مراد ہیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن حکیم ہیں، باقی دیگر تمام چھوٹے صحیفے جو مختلف انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوئے۔ فرمایا: ﴿وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا﴾ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی عظیم خدمات کا صلہ دنیا میں بھی دیا، وہ یہ کہ دنیا میں آپ کو اکرام وعزّت دیدیا، کعبۃ اللہ کو آپ کے ہاتھوں سے تعمیر کرایا۔ مناسک حج قیامت تک آپ کے یادگار رہیں گے، قربانی آپ کی سنت ہے اور ابدی ہے، آپ کی اولاد میں قیامت تک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت قائم رہے گی، تمام انبیاء علیہم السلام ہیں۔ آپ کی ملّت ہمیشہ کے لئے باقی ہے، آپ کا ذکر خیر تمام امتوں میں جاری ہے، آپ پر درود وسلام ہمیشہ جاری رہے گا، اور آپ کو دنیا کی امامت کا شرف ومرتبہ حاصل ہے، اور سب کو آپ کی اتباع کا حکم ہے۔ ﴿فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا﴾ [آل عمران: ۹۵] (تم ابراہیم کے دین کا اتباع کرو، جو پوری طرح سیدھے راستے پر تھے)۔

﴿وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ اور بلا شبہ آپ آخرت میں صالحین میں سے ہیں، وہ صالحین جو مقربین درگاہ ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام سرفہرست ہیں، اور سب سے افضل ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ؗ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَىِٕنَّكُمْ
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ

قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۞ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ۞

ترجمہ: اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ تم بے حیائی کا کام کرتے ہو، تم سے پہلے اس کام کو دنیا جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۞ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو، اور رہزنی کرتے ہو، اور اپنی مجلسوں میں برا کام کرتے ہو؟ سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے ۞ لوط نے عرض کیا کہ اے میرے ربّ! فساد کرنے والے لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے۞

معارف ومنازل

ایمان اور ابتلاء کی دوسری مثال قوم لوط کی داستان ہے۔ یہ لوگ نسل کے اعتبار سے حضرت لوط علیہ السلام کے بھائی نہیں تھے، شرق اردن بہت بڑا زرخیز آباد علاقہ تھا جس میں بہت سی بستیاں تھیں ان کا مرکزی شہر "سدوم" تھا، یہ لوگ نہایت درجہ کے برے تھے، شرک وبت پرستی کے علاوہ غیر فطری عمل ان کا خصوصی اور قابل فخر عمل ہوتا تھا، اور رات دن ان کا یہی مشغلہ تھا، جو مسافر ان کے علاقے سے گزرتے تھے ان کے ساتھ زبردستی لواطت کرتے تھے، حتی کہ معمر اور بوڑھے لوگوں کو بھی معاف نہیں کرتے تھے، فرمایا:

﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ﴾ اور ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہاں والوں میں نہیں کیا، گویا اس تباہ کن بیماری کے موجد تم ہو۔

﴿اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ﴾ کیا تم مردوں سے بدکاری کرتے ہو، اور راستوں میں رہزنی بھی کرتے ہو؟ بعض علماء نے قطعِ راہ سے قطعِ نسل مراد لیا ہے کہ جب عورتوں کی طرف التفات نہ ہو تو انسانی نسل منقطع ہو جائے گی۔ ﴿وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ﴾ اور اپنی مجلسوں میں بری حرکتیں کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس فعل بد کا ارتکاب عام مجلسوں میں لوگوں کے سامنے کرتے رہتے ہو، یا یہ کہ مجلسوں میں بیٹھ کر زور دار گوز مارتے ہو، اور باقاعدہ مقابلہ کرتے ہو اور انعام مقرر کرتے ہو۔[کشاف]

آج موجودہ ترقی یافتہ دور میں یورپ کے جہاندیدہ مہذب لوگوں نے قوم لوط کا ریکارڈ توڑ دیا ہے، جہاں گھر گھر میں ہم جنس پرستی قانونی طور پر اپنے عروج پر ہے، اور گوز مارنے کے باقاعدہ روزانہ ہفتہ وار سیمینار منعقد

ہوتے ہیں، جس میں بڑی بڑی رقم انعام کے طور پر مقرر ہوتی ہے۔

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ لوط کی بات اور نصیحت کا قوم والوں کے پاس سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ (بطور استہزاء) انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہم پر لے آ، ہم تیری باتوں سے روز روز تنگ آ گئے، اگر تمہارے ہاتھ میں کوئی عذاب ہے جس سے ہمیں ڈراتے رہتے ہو تو اسے لے آؤ، یہ کہنا ان کا مذاق کے طور پر تھا، اور ان کو کسی عذاب کے آنے پر کوئی یقین نہیں تھا، وہ کہاں باور کرتے تھے کہ ہمارا بیڑا غرق ہو سکتا ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ لوط نے کہا: اے میرے ربّ! عذاب نازل فرما کر ان تباہ کار لوگوں پر میری نصرت فرما، میں ان سے مایوس ہو چکا ہوں، اب تو ہی ان سے انتقام لے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۚ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اور جب ہمارے فرشتے خوشخبری لے کر ابرہیم کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں، بلاشبہ اس بستی کے لوگ ظالم ہیں ﴿۳۱﴾ ابراہیم نے کہا: یہ یقینی بات ہے کہ اس بستی میں لوط بھی ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس بستی میں کون ہے، اور ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو ضرور ضرور نجات دیدیں گے، سوائے اس کی بیوی کے، وہ رہ جانے والوں میں سے ہے ﴿۳۲﴾ اور جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے، اور تنگدل ہوئے، اور فرشتوں نے کہا کہ آپ ڈریئے نہیں اور رنجیدہ نہ ہوں، بلاشبہ ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو نجات دینے والے ہیں، سوائے آپ کی بیوی کے، وہ رہ جانے والوں میں سے ہے ﴿۳۳﴾ بلاشبہ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کے کام

کرتے رہے ہیں ﴿۳۴﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی کے بعض نشان چھوڑ دیئے ہیں جو ظاہر ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں (عقلمندوں کے لئے) ﴿۳۵﴾

معارف ومنازل

جب قوم نے تمام تبلیغی دعوتوں کو مسترد کرتے ہوئے دلیری اور بیباکی کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کیا، اور لوط علیہ السلام ان کے ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے سے مایوس ہو گئے، تو جناب باری تعالیٰ میں عذاب نازل کرنے کی درخواست پیش کی، اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے بعد ان کی دعا قبول فرمائی، اور عذاب کے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس مجرم اور مفسد قوم کو تباہ کر کے اللہ تعالیٰ کی دھرتی کو ان سے پاک کر دو، اور حسبُ الحکم وہ فرشتے روانہ ہو گئے، اور تین کام ان کے سپرد کئے گئے:

ایک تو یہ کہ قوم لوط پر عذاب نازل کر کے انہیں صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیں، اور دوسرا یہ کہ عذاب نازل کرنے سے پہلے لوط علیہ السلام کے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی خبر دیدیں کہ ہم لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے جا رہے ہیں، اور تیسرا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے ہونے کی (حضرت اسحٰق علیہ السلام کی) خوشخبری سنا دیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کے امام تھے، اور لوط علیہ السلام ان کے تابع تھے، اس لئے فرشتے اول آپ کے پاس آ گئے تھے، فرمایا:

﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے مولود (فرزند) کی بشارت لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے، اور بشکل انسان اور بصورت مہمان آئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے فیاض اور سخی تھے، اور سخاوت و مہمان نوازی کے موجد تھے، فرشتوں کو مہمان سمجھ کر فوراً گائے کا گوسالہ ذبح کر کے کباب بنا کر مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا، جب دیکھا کہ یہ لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے ہیں تو گھبرائے، اس پر فرشتوں نے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں، آپ خوفزدہ نہ ہوں، ہم بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، آپ کو بیٹے کی بشارت دینے آئے ہیں، اور قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں۔

﴿اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ تحقیق ہم اس بستی والوں کو (سدوم) ہلاک کرنے والے ہیں، اس لئے کہ بلاشبہ اس بستی کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں، یعنی شرک کے علاوہ دیگر ناقابل

معافی بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں، اور خود اپنی زبان سے عذاب کے خواہاں ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دوسری بشارت سنی تو کہا:

﴿قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا﴾ ابراہیم علیہ السلام گھبرا کر بولے کہ تحقیق اس بستی میں لوط بھی رہتے ہیں، اور وہ تو ظالمین میں سے نہیں، تو اس کا کیا ہوگا؟ تو فرشتے بولے: آپ نہ گھبرائیں۔ ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ ہم خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں رہتا ہے، کون کافر ظالم ہے، اور کون مؤمن صالح ہے، تحقیق ہم ضرور ضرور لوط علیہ السلام کو اور اس کے خاص متعلقین کو عذاب سے بچالیں گے، اور عذاب سے پہلے انہیں بستی سے نکال لے جائیں گے، مگر اس کی بیوی کہ وہ باقی ماندہ لوگوں میں سے ہوگی جن پر عذاب نازل ہوگا، وہ بھی ان کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہوجائے گی، کیونکہ وہ اگرچہ بدکار نہیں مگر بدکاروں کی مسلسل حمایت کرتی رہی، اور ان کے برے کرداروں پر راضی رہی، جس کی وجہ سے نبی کی بیوی ہونے کے باوجود کافرہ مشرکہ رہی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پیغمبر کی بیوی مشرکہ تو ہوسکتی ہے مگر بدکار نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ عورت کی عفت وعصمت اس کے شوہر کا حق ہے، اور پیغمبر کی عصمت کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔

پھر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے روانہ ہوکر خوبصورت حسین وجمیل لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے، تو لوط علیہ السلام نے اول تو ان کو پہچانا نہیں تو وہ نہایت رنجیدہ اور تنگدل ہوگئے، یہ عصر کا وقت تھا:

﴿وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ ہمارے فرشتے جب لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ رنجیدہ اور تنگدل ہوئے کہ یہ بہت خوبصورت لڑکے کہاں سے آئے اور کیوں آئے، ادھر مغرب کا وقت بھی قریب ہے، میرا ساتھی مددگار بھی کوئی نہیں، خدا جانے ان پھولوں جیسے نورانی چہرے والوں کا کیا حال ہوگا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ رونے لگے اور زار وقطار آنسو بہائے، ادھر کیا ہوا کہ پوری بستی میں بگل بجائی گئی اور تمام اوباش اور غنڈے جمع ہوگئے، یہ منظر دیکھ کر پیغمبر علیہ السلام مزید پریشان ہوگئے، لوگوں نے بغیر کسی شرم وحیا کے گھر کا محاصرہ کیا اور آگے بڑھنے لگے، پیغمبر علیہ السلام ہر ایک کے سامنے ہاتھ جوڑتے رہے، اور منتیں کرتے رہے، گرتے رہے اور اٹھتے رہے، اور ہر طرف سے گالیاں سنتے رہے، ادھر مہمانوں کا یہ حال ہے کہ بڑے اطمینان وسکون سے مشاہدہ کررہے ہیں اور تماشا دیکھ رہے ہیں، جب پیغمبر علیہ السلام بے قابو ہوکر چیخنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا

تعارف کراتے ہوئے انہیں تسلی دی، اور مٹی اٹھا کر چاروں طرف پھینک دی جس سے اوباشوں کا پوار مجمع آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوگیا، اور پوری بستی پر قیامت آ گئی۔

سورۃ القمر میں ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ﴾ [القمر: ۳۷] (اور اس سے لینے لگے اس کے مہمانوں کو، پس ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں، اب چکھو میرا عذاب، اور میرا ڈرانا)۔ جب سب اندھے ہوگئے تو سب دھکے کھاتے گلی کوچوں میں پھرتے رہے، اور افسوس کرتے رہے، مگر وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا، اور توبہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔ آمین

﴿وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ اے لوط! نہ ڈر اور رنجیدہ اور غمگین نہ ہو، ہم انسان نہیں بلکہ بھیجے ہوئے تیرے ربّ کے رسول ہیں، ان گمراہوں کی رسائی آپ تک نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی ہم پر ہم تجھ کو اور تیرے گھر والوں اور خاص متعلقین کو عذاب سے بچالیں گے، مگر تمہاری بیوی بسبب کفر وشرک اور قوم کی حمایتی ہونے کی وجہ سے پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ہلاک ہونے والی ہے۔

﴿اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ بلا شبہ اس بستی میں رہنے والوں پر ہم آسمان سے ایک خاص قسم کا عذاب نازل کرنے والے ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ برابر فسق وفجور کرتے رہے۔ اور فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ راتوں رات اپنے متعلقین کو لے کر اس بستی سے نکل جائیں، صبح کے قریب ان پر عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب عذاب کا وقت آ پہنچا تو سدوم سمیت بارہ بستیاں عذاب کی لپیٹ میں آگئیں، اور پورے خطے کو الٹ دیا گیا، اور اوپر نیچے تہہ وبالا کر کے تباہ کیا گیا، اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی برسائی گئی۔

﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی میں ایک واضح نشان بھی چھوڑ دیا ہے ان لوگوں کی عبرت کے لئے جو کچھ عقل رکھتے ہیں، اس سے عقلمند لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں، اور عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں، اور جن کی عقل، فلسفہ اور سائنس سے خراب ہو چکی ہے وہ اس واضح نشان کا انکار تو نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ کہتے ہیں کہ اس تختہ زمین کے نیچے گندھک اور کوئلہ کی کان تھی، باہمی رگڑ سے آتشی مادہ میں اشتعال پیدا ہوا، اس لئے یہ بستی تہہ بالا ہو کر تباہ ہوگئی۔

سبحان اللہ! یہ ظاہر بین اور محسوسات پر ایمان لانے والے سائنسدان بیچارے اگر قدرت کے احکامات کو

اپنی عقل کی ترازو میں وزن کر کے ان کی اس طرح فرسودہ تاویل نہ کریں تو کیا کریں، وہ خطہ زمین آج بھی گواہی دے رہا ہے کہ یہاں آسمانی عذاب کسی وقت آیا ہوا ہے، کیونکہ وہ خطہ نہایت سرسبز اور شاداب تھا، ہر طرف سے پانی کے چشمے جاری تھے، پھر ایسی نمناک زمین میں گندھک اور کوئلہ کا آتشی مادہ کہاں سے آیا؟ تو کیا پانی اور آگ کا مادہ کبھی ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا
فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝٣٦ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝٣٧

ترجمہ: اور ہم نے مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور روز آخرت کی توقع رکھو، اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ ۝٣٦ سو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا لہٰذا انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا، اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے رہ گئے ۝٣٧

معارف ومنازل

حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ اور اہل مدین دونوں کی طرف مبعوث ہوئے، یہاں صرف اہل مدین اور ان کی ہلاکت کا اجمالاً تذکرہ ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف انہیں دعوت دی، اور ماپ تول میں کمی کرنے اور خیانت سے انہیں منع کیا، اور یومِ آخرت پر ایمان لانے اور اس کی تیاری کرنے کا انہیں حکم دیا، اور انہیں ہر ہر قسم کے فساد کرنے سے روکا، مگر وہ نہ مانے، اور آپ کو جھٹلایا، لہٰذا ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا، اور ایسا خوفناک زلزلہ آیا کہ ان سب کو ہلاک کر کے رکھ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ گرے ہوئے رہ گئے، جیسا کہ سورۂ ہود میں ہے۔

ان پر چیخ کا عذاب بھی آیا، پہلے زوردار چیخ آئی جس کے ساتھ زلزلہ بھی آیا، اور دونوں عذابوں سے پوری قوم ڈھیر ہوگئی، تو ارشاد فرمایا:

﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ اور اسی طرح ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ ﴿فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ انہوں نے لوگوں کو اس طرح نصیحت کی: اے

لوگو! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور آخرت کی امید رکھو، یعنی اس پر ایمان لاؤ اور اعمال صالحہ بجالاؤ، اور:

﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو، یعنی شرک و کفر سے توبہ کرو، ناپ تول میں خیانت نہ کرو۔ ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ پس لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، اور یہاں تک دھمکی دے کر کہتے رہے: ﴿وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ﴾ [ھود: ۹۱] (اگر تیری برادری کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے)۔

﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ سو ان کو زلزلے نے پکڑ لیا، اوپر سے زوردار چیخ نے، اور نیچے سے زلزلہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ﴿فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرنے والے، یہ عذاب اہل مدین پر نازل ہوا تھا، اور اصحاب الایکہ بادل کے سائبان کے ذریعہ ہلاک ہوئے۔ [الشعراء]

حضرت شعیب علیہ السلام دونوں قوموں کی طرف مبعوث ہوئے، مگر دونوں ہلاک ہوئے، ایک رجفہ اور صیحہ سے، دوم ظلہ اور سائبان سے۔

....

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۟ۙ۳۸ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۳۹ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ
حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ
اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۴۰

ترجمہ: اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا، اور حال یہ ہے کہ تمہیں ان کے رہنے کی جگہوں سے ان کا حال معلوم ہو چکا ہے، اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے اچھا کر کے دکھایا، سو اس نے انہیں راستہ سے روک دیا، اور وہ صاحب بصیرت تھے ۳۸ اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کیا، اور یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے، سو انہوں نے اپنے کو بڑا سمجھا، اور وہ آگے بڑھنے والے نہ تھے ۳۹ سو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑ لیا، سو بعض پر ہم نے سخت ہوا بھیج دی، اور بعض کو چیخ نے پکڑ لیا، اور بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور بعض کو غرق کر دیا، اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم فرماتا، اور لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم

کرتے تھے ﴿۴۰﴾

معارف ومنازل

یہ پانچواں قصہ ہے، اجمالی طور پر عاد اور ثمود اور قارون اور فرعون اور ہامان کے ذکر پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پانچ سرکشوں کا ذکر کر کے ایک جملہ میں اجمالاً سب کی تباہی کو بیان فرمایا۔

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ﴾ ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ اور سرکشی کے سبب پکڑ لیا، اور واضح فرمایا کہ ازلی بد نصیب تھے، ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ خود انہی بد نصیبوں نے سرکشی اختیار کر کے اپنے اوپر ظلم کیا، جس کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے۔ اجمالاً یہاں ہر ایک کی سزا کا بیان ہے، تفصیل پہلے گزر چکی ہے، فرمایا:

﴿وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ﴾ اور ہم نے قوم عاد اور قوم ثمود کو بھی ایسی تکذیب کے جرم میں ہلاک کیا، اور ان کی یہ تباہی اور بربادی ان کے مکانوں کے کھنڈرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کو تم یمن اور شام جاتے ہوئے دیکھتے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

﴿وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ﴾ کہ شیطان نے ان کے اعمال کو یعنی کفر وشرک اور تکذیب کو ان کی نظروں میں آراستہ وخوشنما کر دیا تھا، حالانکہ وہ لوگ دنیوی امور میں بڑے ہوشیار تھے، وہ اپنے کو عقلمند تصور کرتے تھے، اور صناع وکاریگر اور انجینئر تھے، مگر شیطان نے انہیں ایسا سرکش و گمراہ بنا دیا کہ آخرت کو نہ سمجھے، اور انبیاء کرام علیہم السلام کی باتوں پر مذاق کر کے ایمان نہ لائے۔

﴿وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ﴾ اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کیا، اس لئے کہ:

﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ﴾ بلاشبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس روشن دلائل اور واضح نشانیاں لے کر آئے، جن میں کوئی ابہام نہ تھا، مگر ان لوگوں نے زمین میں رہتے ہوئے تکبر وغرور کیا، اور بڑا بننے کی کوشش کی، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نظر انداز کر دیا، وہ کہیں بھاگ کر جانے والے نہ تھے، وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی گرفت کی زد میں تھے۔

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ﴾ پس ان میں سے ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ اور جرم کے سبب پکڑ لیا۔

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا﴾ پس ان میں سے بعض پر ہم نے پتھر مارنے والی ہوا بھیجی، ایسی آندھی آئی جس میں سے پتھر برستے تھے یہ عذاب قوم عاد پر آیا۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ﴾ اور ان میں

سے بعض کو چیخ نے پکڑ کر تباہ کیا، یہ عذاب قوم ثمود پر آیا۔

﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ خَسَفۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ﴾ اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، یہ قارون تھا۔

﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَغۡرَقۡنَا﴾ اور ان میں سے بعض کو ہم نے دریا میں غرق کر دیا، یعنی فرعون اور ہامان اپنے پورے لشکر کے ساتھ۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ﴾ اللہ تعالیٰ ظلم وزیادتی سے پاک ہے، وہ ذرہ بھر کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ ﴿وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ﴾ لیکن یہ سرکش لوگ خود ہی ایسے تھے کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، اور کفر و معصیت کر کے عذاب الٰہی کے تیروں کا نشانہ بنے۔ رباعی:

اے کہ حکم شرع را رد میکنی ☆ راہ باطل میروی بد میکنی

چون تو بد کردی بدی یابی جزاء ☆ پس بدیہا جملہ با خود میکنی

مَثَلُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۖۚ اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا ؕ وَاِنَّ اَوۡهَنَ
الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ۞ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ
وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۞ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ۞ خَلَقَ اللّٰهُ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو کارساز بنا رکھا ہے ان کی مکڑی جیسی مثال ہے کہ اس نے گھر بنایا، اور بلاشبہ سب گھروں میں سے کمزور ترین گھر مکڑی کا ہے، اگر وہ جان لیتے تو ایسا نہ کرتے ۞ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس کسی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں، وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے ۞ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، ان کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں ۞ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا آسمانوں کو، اور زمین کو حق کے ساتھ، بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے ۞

معارف ومنازل

اوپر جتنی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب شرک میں مبتلا تھیں، اور اپنے معبودوں کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ ہمارے حامی و مددگار اور مشکل کشا وحاجت روا ہیں، ہماری قسمتوں اور خوشحالیوں کے لئے فیصلہ کنندہ اور فاعل

مختار ہیں، ان کے ہوتے ہوئے ہم پر نہ مصیبت آتی ہے اور نہ ہی تباہی، لیکن جیسا کہ اوپر تاریخی واقعات میں دکھایا گیا ہے اور متصل آیت کے فقرہ: ﴿وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ﴿۳۹﴾﴾ میں تصریح ہے، ان کے یہ تمام عقائد اور اوہام بالکل بے بنیاد ثابت ہوئے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اقوام اور افراد کی بربادی کا فیصلہ کیا گیا، اور عذاب الٰہی مختلف صورتوں میں اور عجیب وغریب شکلوں میں ان کا گھیراؤ کیا، تو اس وقت کوئی دیوی اور دیوتا، کوئی اوتار، کوئی ولی، کوئی روح، کوئی فرشتہ اور کوئی جن جنہیں وہ پوجتے تھے ان کی مدد کو نہ آیا، یہاں تک کہ اپنی باطل توقعات کی ناکامی پر وہ سارے کف افسوس ملتے ہوئے پیوند خاک ہو کر ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔

ان واقعات کے بعد اہل مکہ قوم قریش اور ان کے ہمنواؤں سے یہی کہا جارہا ہے کہ جو کچھ تمہارے اسلاف کے ساتھ ہوا وہی کچھ تمہارے ساتھ ہوسکتا ہے، جس تارِ عنکبوت کے ساتھ تم وابستہ اور جڑے ہوئے ہو یہ تمہارے لئے پیغام موت وہلاکت ہے، جس طرح وہ تمہارے اسلاف کی مدد ونصرت نہیں کرسکی ہے اسی طرح تمہاری نجات ونصرت پر بھی قادر نہیں ہے، اور جن باطل معبودوں پر تمہارا سہارا ہے جنہیں تم اپنی حفاظت کا قلعہ اور حصن حصین سمجھتے ہو ان کی حقیقت مکڑی کے جالے سے بھی کمتر وکمزور ہے، جو ایک پھونک برداشت کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے، اور یہ محض جہالت کا چکر ہے کہ تم چند گونگے، بہرے، اندھے اور اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کے پجاری بنے ہوئے ہو جو کہ ایک مکڑی جتنی حیثیت کے مالک نہیں ہیں، اگر یہ سارے پوری زندگی مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگائیں تو ایک بالشت برابر جالا نہیں بنا سکتے ہیں، جسے ایک ادنیٰ مکڑی مختصر وقت میں بناتی ہے۔

حقیقت بس یہ ہے کہ سارے اختیارات کا مالک پورے عالم میں صرف ایک ہی ربّ العلمین کے سوا کوئی نہیں ہے، اور اسی کے سہارے کائنات قائم ہے، اور بے مثال طریقے پر چل رہی ہے، اور جو اس کے سہارے پر گامزن ہوگا وہی کامیاب ہوگا اور فلاح پائے گا، ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ [البقرة:۲۵۶] (جو طاغوت سے کفر کرکے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے وہ مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے)۔ ارشاد فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز اور حمایتی ٹھہرایا ہے ان کی مثال مکڑی کی ہے۔ ﴿اِتَّخَذَتْ بَيْتًا﴾ جو ایک گھر بنالیتی ہے جو ہوا، مٹی اور اپنے لعاب سے ترتیب دے کر بناتی ہے، اور اس میں رہائش اختیار کرلیتی ہے، اور اسی کے

ذریعہ مکھیوں کو شکار کر کے اپنی خوراک کا بندوبست کرتی ہے۔

﴿وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ اور بلاشبہ تمام گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے، جو نہ اسے سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ گرمی سے، اور نہ تیز ہوا کو برداشت کر سکتا ہے، اسی طرح جو لوگ مافوق الاسباب میں غیر اللہ کو کارساز اور پناہ گاہ سمجھتے ہیں وہ بھی اسی کی مانند ہیں۔

حکماء کا قول ہے کہ مکڑی کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں، اور اس کے اندر ایک خطرناک زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے جس سے لوگ اور حیوانات ہلاک ہو جاتے ہیں، اسی طرح مشرکین کے شرک جیسی بیماری کا زہر ہوتا ہے جو کہ تباہ کن ہوتا ہے۔

﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کاش یہ کافر جانتے کہ ان کا دین اور ان کے معبود مکڑی اور اس کے گھر سے بھی کمزور اور ناکارہ ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اعمالِ سیئہ کی وجہ سے ان کی عقل پر پردہ ڈالا ہوا ہے، وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے ان چیزوں کی حقیقت کو جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی غالب اور حکمت والا ہے، پس عزیز وحکیم کو چھوڑ کر ڈوبتے کو تنکے کا سہارا لینا سوائے حماقت اور بدنصیبی کے کچھ نہیں، جب قادر مطلق سامنے ہو اور بے حد مہربان بھی ہو۔

﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، اس قسم کی مثالوں سے قرآن حکیم بھرا ہوا ہے، اور ذخیرۂ حدیث نے بھی ہزاروں مخفی اور پوشیدہ چیزوں سے پردہ اٹھا کر مثال کے ذریعہ لوگوں کو سمجھانے کی تدبیر کی ہے، مگر ان مثالوں کو علم وفہم اور دانشمندی رکھنے والے لوگ سمجھتے اور جانتے ہیں، اور جن لوگوں کی عقل پر جہالت کا پردہ پڑا ہوا ہے وہ ان مثالوں کو نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان سے کوئی سبق لیتے ہیں۔ اسلام کے مشہور جرنیل فاتح مصر بانی فسطاط حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر ایک ہزار مثالیں یاد کر رکھی ہیں۔ [ترمذي]

﴿خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ شانہ نے آسمان اور زمین بنائے حق اور حکمت کے ساتھ، کائنات کا کوئی ذرہ باطل اور بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا، جہاں جہاں نظر دوڑا کے دیکھو ہر چیز آپ کو پر از حکمت نظر آتی ہے، یہی مکڑی جو ہمارے سامنے ہے اس کی پیدائش حکمتوں سے بھری پڑی ہے، اسی کمزور مخلوق سے غار ثور

کے دروازہ پر جالا بنانے اور تحفظ دینے کا کام لیا گیا، پس پاک اور قادر ہے وہ حفیظ وعلیم جل شانہ کہ یہ اہم کام بجائے جبریل امین علیہ السلام کے مکڑی اور کبوتروں سے لے کر اپنی قدرت واستغناء کا ثبوت مہیا فرمایا۔

آج کے شر وفساد اور تباہ کن حالات میں جہاں دین اور اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا جارہا ہے چند ننھے بے سرو سامان علماء وطلباء اور تبلیغیوں سے دین کی اشاعت وبقا کا کام لے رہا ہے، اس قادرِ مطلق کو ہرگز ضرورت نہیں کہ بڑے بڑے وزیروں، سرمایہ داروں اور افسروں سے اپنے دین کام کام لے لے، وہ ہاتھیوں کا جرار لشکر ننھے منے ابابیل پرندوں سے تباہ کرسکتا ہے، وہ ننھے بھوکے پیاسے طالبوں سے دنیا کی عظیم طاقت امریکہ اور اس کے ہمنوا پچاس ملکوں کے نیٹو کو بھی شکست دے سکتا ہے۔

﴿وَمَا یَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ﴾ کے یہی لوگ تو مصداق ہیں۔ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی اور درس عبرت ہے، اور دلیل بھی ہے۔ آئندہ آیت میں اس مہلک مرض کا علاج ذکر فرمارہے ہیں، وہ یہ ہے.

﴿الجزء الحادی والعشرون﴾

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت فرمایئے، اور نماز قائم کیجئے، بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور البتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، اور جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿۴۵﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں مشرکین کے حالات بیان ہوئے، اب ان آیات میں مؤمنین کے اعمال اور پسندیدہ صفات کا بیان ہو رہا ہے، اس سلسلے میں خصوصیت اور اہمیت کے پیش نظر تین چیزوں کا بیان ہے: (۱) تلاوت قرآن (۲) اقامت صلوٰۃ (۳) ذکر اللہ۔ فرمایا:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ جو کتاب وحی کے ذریعہ آپ کی طرف بھیجی گئی ہے اس کتاب کی تلاوت کیجئے، اس کو خود پڑھیے، اور دوسروں کو بھی پڑھ کر سنایئے تاکہ پیغام الٰہی کی مسلسل تبلیغ ہوتی رہے، اور بار بار تلاوت سے آپ کو قرب الٰہی حاصل ہوتا رہے، اور آپ کے قلب کو سکون وقوت حاصل ہو، اور بار بار پڑھنے سے علوم ومعارف زیادہ منکشف ہوں، اور تلاوت سے انبیاء سابقین علیہم السّلام کے حالات پڑھ کر آپ کو تسلی حاصل ہو، اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا اشتیاق پیدا ہو، اور اس کے علاوہ دیگر بہت سے فوائد ہیں جو تلاوت قرآن کے ساتھ وابستہ اور مربوط ہیں، یعنی مثلاً یہ کہ معاندین پر اتمام حجت ہو، موافقین کے لئے ذریعہ ہدایت ہو، ہر حرف کے عوض دس نیکیوں کا حصول ہو، خود قرآن مجید کا حق ادا ہو، اور تلاوت قرآن کے ساتھ رحمتوں کا نزول ہو، وغیرہ۔

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ اور نماز کو قائم کیجئے جو افضل ترین عبادت اور دین کا ستون ہے، اور تمام عبادات و طاعات کا خلاصہ اور عطر ہے، اور معراج المؤمنین ہے جو کہ تسبیح اور تحمید اور تہلیل اور تلاوت قرآن اور رکوع اور سجود قیام وقعود اور شہادت اور آداب عبودیت سب پر مشتمل ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بڑے شعائر اللہ چار ہیں: (۱) کتاب اللہ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۳) کعبۃ اللہ (۴) صلوٰۃ، یعنی نماز جس کی فرضیت دوسرے احکام کے برعکس بجائے زمین کے اور فرشتہ کی وساطت کے اوپر عرش معلّٰی پر لیلۃ المعراج کو ہوئی، براہ راست بدون

فرشتہ کے فرمایا، نماز کی اہمیت کا اندازہ یہ ہے کہ:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ بلاشبہ نماز جیسی عبادت بشرطیکہ وہ اپنے شرائط وآداب کے ساتھ سنت کے مطابق ادا کیا جائے تو ایسی نماز بے حیائی سے اور ہر ناپسندیدہ غیر شرعی اعمال سے روکتی اور منع کرتی ہے، آدمی جتنا نماز سے قریب ہوگا وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے قریب ہوتا ہوگا، اور نماز اسے کھینچ کر تمام معاصی اور گناہوں اور جہنمی اعمال سے دور کر کے جنتی اعمال کے ساتھ نزدیک کر کے اسے نجات اخروی سے ہمکنار کردے گی، جس طرح مادی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے مخصوص فوائد وآثار اور خواص پیدا کئے ہیں اسی طرح روحانی اعمال میں بھی طرح طرح کے خواص اور فوائد پیدا فرمائے ہیں، تو نماز میں یہی خواص ودیعت رکھے ہیں کہ وہ ہر طرح کی برائیوں سے آدمی کو بچاتی اور دور کرتی ہے، بشرطیکہ نماز کی ادائیگی شرعی اصولوں کے مطابق بطور عبادت ہو، انکساری اور للٰہیت کے ساتھ ہو جو نماز کی روح کہلاتی ہے۔

رہا یہ شبہ کہ بہت سے لوگ نماز پڑھنے کے باوجود فواحش اور منکرات کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کا جواب ہو گیا کہ نماز اگر بطور عبادت ہو اور تمام شرائط وآداب واخلاص کے ساتھ ہو تب اس کی خاصیت یہی ہوگی، لہٰذا پھر فحشاء ومنکرات سے بچانے کا اثر مطلقاً ہر نماز میں نہیں ہوتا، آپ نے دیکھا ہوگا کہ منافق بھی نماز تو پڑھتے ہیں، اور بہت سے ماتحت لوگ اپنے بڑوں کو راضی اور خوش کرنے کے لئے بھی نماز پڑھتے ہیں، اور آج کل جب انتخابات کا زمانہ آتا ہے تو بہت سارے امیدوار بھی نماز پڑھنا شروع کر لیتے ہیں، تو اس قسم کی نمازوں میں یہ مخصوص صفت کہاں، اور جن لوگوں کی کمائی حرام یا مشکوک ہو ان کی نمازیں جب قبول ہی نہیں ہوں گی تو گناہوں سے انہیں کیا بچائے۔ حدیث میں وارد ہے کہ ایک لقمہ حرام کھانے سے چالیس روز تک نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ [مشكوة، ترمذي]

اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ نماز کم از کم اتنے وقت تک تو گناہوں سے روکتی ہے جتنی دیر نماز میں یا اس کے انتظار میں مشغول رہتا ہے، اور بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے انسان نماز نہیں پڑھ سکتا، نمازی آدمی اس سے ضرور بچے گا، مثلاً پیشاب کر کے یوں ہی اٹھ جائے استنجاء نہ کرے، نمازی آدمی سے ایسا نہیں ہو سکتا، اور کوئی نمازی کبھی آدھا بدن ننگا نہیں پھرتا علیٰ ہذا القیاس۔

بہر حال! نماز کی یہ خاصیت اپنی جگہ مسلم ہے بشرطیکہ نماز صحیح معنی ہی میں نماز ہو، اور اس میں نماز کی روح موجود ہو، محض نماز کی شکل وصورت نہ ہو، اور بے روح مردہ نماز نہ ہو، تمام حکماء وعقلاء کا اتفاق ہے کہ دوا کی تاثیر جب

ہوتی ہے کہ جب نسخہ کے تمام اجزاء مہیا ہوں اور اصلی ہوں، اور پرہیز کا بھی مکمل التزام ہو، اور طریق استعمال بھی صحیح ہو، ورنہ فائدہ نہ ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور دن میں چوری کرتا ہے اور برے کام کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب نماز اس کو برائیوں سے روک دے گی، چنانچہ کچھ روز نہ گزرے تھے کہ اس شخص نے توبہ کی، اور اس کا حال درست ہوگیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کہا تھا وہ ایسا ہی ہوگیا۔ [مظهري، قرطبي]

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے، اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر (یعنی نماز) اس سے بہت بزرگتر ہے، اس کی تاثیر صرف سلبی نہیں ہے کہ برائیوں سے روکے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ (یعنی نماز) نیکیوں پر آمادہ کرنے والی اور سبقت الی الخیرات پر ابھارنے والی بھی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد بجائے خود بہت بڑی چیز ہے، خیر الاعمال ہے، اس سے افضل عمل کوئی نہیں۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا بندہ سب سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ مرتبہ والا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا: یارسول! کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہیں؟ فرمایا: اگر مجاہد اپنی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنے والے لوگ اس سے افضل درجہ والے ہیں۔ [رواه أحمد والترمذي، وقال غريب]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک جل شانہ کے نزدیک سارے اعمال سے بہتر اور پاکیزہ اور ہر عمل سے زیادہ اونچے درجہ پر پہنچانے والا سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے تمہارے لئے بہتر اور اس جہاد سے بھی تمہارے لئے افضل ہے؟ جس میں دشمن کے مقابلہ میں تم دشمنوں کی گردنیں مارو، اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں (ضرور فرمایئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ [رواه أحمد ومالک والترمذي وابن ماجة] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا تمہارے اس کو یاد کرنے سے زیادہ بڑی چیز ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرة: ۱۵۲] (تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا)۔ پس جب

بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا تو لامحالہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو یاد فرمائے گا، اور یہ فضیلت کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو یاد کرے اس بندہ کی یاد سے برتر اور افضل ہے۔ اکثر مفسرین نے اس توجیہہ کو سراہا ہے اور ترجیح دی ہے۔

پس یہ یاد رکھنا چاہئے کہ زبانی ذکر کے ساتھ ذکر قلبی یعنی اللہ تعالیٰ کو دل میں یاد کرنے کی فضیلت ذکر لسانی سے زیادہ ہے، البتہ یہاں ذکر الٰہی کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کی اہمیت وثواب بہت ہی زیادہ ہے جس کو ذکر عملی کہتے ہیں، اس کا دائرہ نماز تک محدود نہیں، بلکہ دوسرے اعمال اور عبادات وطاعات تک توسیع ہے، جب آدمی روزہ رکھتا ہے، یا زکوٰۃ دیتا ہے، یا صدقہ کرتا ہے، یا جہاد کرتا ہے، یا کسی کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے، یا کوئی نیک کام کرتا ہے، کسی مسجد کی تعمیر کرتا ہے، یا اس کی صفائی کرتا ہے تو لامحالہ اللہ تعالیٰ کو یاد ہی کرتا ہے، تبھی تو اس سے وہ نیک عمل صادر ہوتا ہے، اسی طرح جب کسی برائی اور گناہ کے مواقع سامنے آنے پر اس سے پرہیز کرتا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد ہی کا نتیجہ ہوتا ہے، اس لئے یاد الٰہی مؤمن کی پوری زندگی پر حاوی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ایک بار **سبحان اللہ والحمد للہ ولا إلہ إلا اللہ واللہ أکبر** کہہ لوں تو مجھے ساری دنیا سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع کرتا ہے۔ [مسلم] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، ترازو میں بھاری ہوں گے، رحمٰن عزّ وجل کو محبوب ہیں، وہ یہ ہیں:

سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ [رواه البخاري في آخر الكتاب]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سُبۡحٰنَ اللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ وَبِحَمۡدِهٖ کہا، اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ [ترمذي]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا: ارشاد فرمایئے، فرمایا: وہ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ [بخاري]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ اے محمد! (ﷺ) اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا، اور انہیں بتا دینا کہ جنت کی اچھی مٹی ہے، اور میٹھا پانی ہے، اور وہ چٹیل میدان ہے، اور اس کے پودے یہ ہیں: سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكۡبَرُ۔ [ترمذي]

مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہے سب کچھ، مگر اسی کے لئے ہے جو یہاں سے کچھ ذخیرہ حسنات کر کے لے جائے، اور جو شخص عمل سے خالی ہاتھ گیا اس کے لئے چٹیل میدان ہی ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی پورے عالم کی روح پر فتوح ہے، جب تک دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے گا آسمان وزمین، کوہ وجبال، شمس وقمر اور سمندر اور تمام موجودات موجود اور قائم رہیں گے، اور جب یہ سلسلہ ختم ہوجائے گا اور روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں رہے گا تو قیامت قائم ہوجائے گی۔ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کی مثال زندوں کی ہے، اور اسے یاد نہ کرنے والوں کی مثال مردوں کی ہے۔ [مشکوٰۃ]

مطلب یہ ہے کہ ذاکرین زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے، اور غافلین مردے ہیں اور مردوں میں شمار ہوں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ [متفق علیہ] جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ سعیدہ کے جسم اطہر سے جدا ہوتے ہی سجدے میں گر گئے، اور یہ پڑھتے رہے: اللّٰہ اکبر کَبِیْرًا وَالْحَمْدُلِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً۔ [الخصائص]

خوش قسمت لوگ وہ ہیں جو اپنے اوقات کو تلاوت قرآن اور نمازوں اور ذکر واذکار کے ذریعہ قیمتی بنادیتے ہیں، اور ان کے ہونٹ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ذکر الٰہی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں، ربّ العزّت سبحانہ ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں، اور ان کو اپنی معیت کا مژدہ سناتے ہیں۔ [بخاری]

ہمارے سلسلہ مجددیہ چشتیہ کے مشائخ رات دن ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، اور روزانہ ایک لاکھ مرتبہ اسم ذات (اللہ ھو) کا بلاناغہ ورد کرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ فنافی اللہ اور بقاباللہ کے اونچے مقامات پر فائز رہتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ علیم وخبیر جل شانہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو، یعنی ہر شخص کے اعمال خیر اور اعمال شر کا اس کو علم ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق لوگوں کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دے گا، اس کے پاس ہر چیز کا اندازہ موجود ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

اِلَيۡنَا وَاُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمۡ وَاحِدٌ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ ؕ
فَالَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ۚ وَمِنۡ هٰٓؤُلَاۤءِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۷﴾
وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ بَلۡ هُوَ اٰيٰتٌۢ
بَيِّنٰتٌ فِىۡ صُدُوۡرِ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ
اٰيٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ
الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر ایسے طریقہ پر جو اچھا طریقہ ہو، مگر وہ لوگ جو ان میں سے بے انصاف ہیں اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا، اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں ﴿۴۶﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی، سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں، اور کافر لوگ ہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿۴۷﴾ اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شک میں پڑ جاتے ﴿۴۸﴾ بلکہ یہ قرآن بذات خود بہت سے واضح دلائل کا مجموعہ ہے، ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا، اور ہماری آیتوں کا انکار بے انصاف لوگ ہی کرتے ہیں ﴿۴۹﴾ اور ان لوگوں نے کہا کہ اس پر اس کے ربّ کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں؟ آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں ﴿۵۰﴾ کیا یہ بات انہیں کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، جو ان پر پڑھی جاتی ہے؟ بلاشبہ اس میں رحمت ہے، اور نصیحت ہے ایمان لانے والوں کے لئے ﴿۵۱﴾

معارف ومنازل

قرآن حکیم جن علوم سے بحث کرتا ہے ان میں سے ایک علم الجادلہ ہے، گزشتہ آیات میں اہل شرک سے مجادلہ کا ذکر تھا، اب آئندہ آیات میں اہل کتاب سے مجادلہ کا بیان ہے، اور دونوں مجادلوں میں فرق واضح ہے، کیونکہ اصل میں قابلِ مجادلہ اہل کتاب ہیں جو اصل اور بنیاد رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت اور آسمانی کتاب اور پیغمبروں

کے ایک حد تک قائل ہیں، برخلاف مشرکین اور صائبین اور مجوس کے کہ وہ اصل ہی سے باطل محض اور بے بنیاد نظریات شیطانی پر قائم ہیں۔ دراصل یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ کے بنیادی قاعدہ پر مشتمل ہے، اور سورۃ النحل کی آیت ۱۲۵ کے احکام کا تتمہ ہے جو فرمایا: ﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ﴾ [النحل:۱۲۵] (اپنے ربّ کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو)۔

دونوں مقامات پر مجادلہ اہل کتاب مراد ہے، جبکہ پہلی آیت جامع ہے جس میں مجادلہ کے تمام پہلوؤں کا تذکرہ ہے، جبکہ موجودہ آیت میں ان میں سے صرف ایک شق کا بیان ہے، سورۂ نحل والی آیت میں آنحضرت سید الانبیاء ﷺ کو تعلیم دی جارہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہئے، اس کے تین طریقے بتلائے:

(۱) حكمة (۲) موعظة حسنة (۳) جدال بالتي هي أحسن۔

حكمة سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں، جن کو سن کر فہم وادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے، دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے عاجز و بے کس ہو کر ماند پڑ جائیں، اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیات وحی الٰہی کے بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کر سکیں۔ **"موعظة حسنة"** موثر اور رقت انگیز نصیحتوں کا نام ہے، جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت وحسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے اس سے بسا اوقات پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مردوں میں جان پڑ جاتی ہے، ایک مایوس و پژمردہ قوم زندہ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ ترغیب وترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں، اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی وفہیم نہیں ہوتے مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں ان میں موثر وعظ ونصیحت سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جاسکتی ہے، جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ ممکن نہیں۔

ہاں! دنیا میں ایسی جماعت ہمیشہ موجود رہا کرتی ہے جس کا شعار اور پہچان ضد وعناد، جہالت وہٹ دھرمی ہوتی ہے، جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہوتا ہے، یہ لوگ دراصل شیاطین کے گماشتے اور ان کے تلمیذ ہوتے ہیں، اس لئے یہ کسی حکمت کی بات کو قبول نہیں کرتے، اور نہ ہی وعظ ونصیحت کو سنتے ہیں، بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث ومناظرہ کا بازار گرم ہو۔

بعض اوقات اہل انصاف وطالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں، اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی، اس لئے: ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ فرمادیا کہ ایسا موقع اگر پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب وشائستگی حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو، اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو، خواہی نخواہی دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو، سخت بات کا جواب نرمی سے اور غصہ کا جواب بردباری سے، جاہلانہ شوروشغب کا جواب باوقار گفتگو سے باطل کی خصلت اور شیوہ ہے، وہ جو کچھ بولتا اور کہتا ہے اپنے ضمیر کی ترجمانی کرتا ہے، اور اس کا ضمیر چونکہ گند اور نجاست سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو زبان اسی کی ترجمانی کرتی ہے، جبکہ اہل حق کا ضمیر علوم ومعارف اور انوار الٰہی کا مخزن ہے، تو ان کی زبان انہی حکمتوں کا اظہار کرتی ہے، کیونکہ برتن کے اندر جو کچھ ہوگا اس سے وہی ٹپک کر خارج ہوگا۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اے اہل ایمان! تم اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو، کیونکہ انہوں نے اپنی کتابوں کی اکثر تحریف کی ہیں، مگر ان میں کچھ اصلی اور بنیادی باتیں بھی موجود ہیں، لہٰذا بحث کرنے میں احتیاط ضروری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان کی کسی صحیح بات کا بھی انکار کر بیٹھو، یا کسی غلط بات کو تسلیم کرلو، اور اگر وہ سختی کریں تم نرمی کرو، ان کی بدزبانی کا جواب خوش زبانی سے دیدو، اور ہر قسم کی بدمزاجی پر صبر اور درگزر کرو۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ مگر ان میں سے جو ضدی اور بے انصاف ہیں اور کھلم کھلا بے مروت اور شریر ہیں تو وہ تمہاری کسی رعایت کے اہل نہیں، اور ایسے لوگ نرمی کے حقدار نہیں اگرچہ انہیں سختی کے مقابلے میں سختی سے ترکی بہ ترکی جواب دیدیں تو کوئی حرج نہیں۔

﴿وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے، اور اس چیز پر بھی ایمان لائے ہیں جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نہ رسولوں علیہم السلام میں تفریق کرتے ہیں، اور نہ آسمانی کتابوں میں، لہٰذا ہم ایمان لانے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں کوئی تفریق نہیں کرتے، اسی طرح قرآن مجید پر تفصیلاً اور تورات وانجیل اور زبور شریف پر اجمالاً ایمان لاتے ہیں بغیر کسی تفریق کے، البتہ عمل صرف قرآن حکیم کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ قرآن حکیم باقی کتب سماوی کے لئے ناسخ ہے اور وہ سب منسوخ ہیں، اور یہ بات مسلم ہے کہ منسوخ

پر عمل ہوتا نہیں۔

﴿وَالٰهُنَا وَالٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، لہٰذا تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو معبود ماننے میں مجرم ہو، اور تورات وانجیل کے حکموں سے منحرف ہو، اور ہم تو اسی معبود برحق کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اور مکمل فرمانبردار ہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کتاب اس کا نزول اسی طرح برحق ہے جس طرح تورات وانجیل کا نزول برحق تھا۔ ﴿فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ پس وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ وہ آخری برحق عظیم الشان جامع کتاب ہے جس کی صداقت وحقانیت کا بیان تورات اور انجیل میں ہے، یہ لوگ علماء یہود میں سے تھے، جیسے عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی اور چند حضرات رضی اللہ عنہم جو حبشہ سے تشریف لائے تھے۔

﴿وَمِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ﴾ اور ان اہل عرب مشرکین میں سے بھی ایسے منصف مزاج لوگ ہیں جو قرآن پر ایمان لاتے ہیں، یہ سلسلہ قیام قیامت کے قریب تک جاری رہے گا، پچھلے دنوں حجاز مقدس میں ایک ہزار چینی باشندے مسلمان ہوئے جو وہاں مزدوری کے لئے گئے ہوئے تھے، باقی انفرادی طور پر یورپ میں ہر وقت لوگ اسلام قبول کرتے رہتے ہیں۔ ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ہماری اس کتاب کی آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو نافرمان کافر ہیں، جو بڑے ہٹ دھرم اور ضدی ہوتے ہیں۔ آئندہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت اور صداقت پر بہت بڑی دلیل ذکر فرما رہے ہیں:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے، اور نہ کوئی کتاب اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے، یعنی آپ نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا جانتے تھے، اگر آپ پہلے سے پڑھے لکھے ہوتے تو یہ باطل پرست لوگ شک کرتے، اور یہ کہتے رہتے کہ یہ شخص تو لکھے پڑھے ہیں، آسمانی کتابوں اور تاریخی صحیفوں کو دیکھ کر یہ کتاب مرتب کی ہوئی ہے اور مضامین ترتیب دے کر بیان کرتا ہے، مگر آپ نے تو کبھی نہ لکھا نہ پڑھا، نہ کسی تعلیمی ادارہ کا رخ کیا، اور نہ ہی کسی زمینی استاذ یا معلم کے سامنے بیٹھ کر کچھ سنا یا سیکھا، اس کے باوجود آپ قرآن جیسی عظیم الشان کتاب جو کہ فصاحت وبلاغت اور حسنِ ترتیب واعلیٰ نظم میں ہے پڑھتے تلاوت کرتے ہیں، اور عوام کے سامنے علوم ومعارف اور بینظیر حقائق کا سمندر بہاتے

ہیں، یہی تو آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔

نگار من کہ بمکتب نرفت وخط ننوشت ☆ بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

تو حقیقی اور بنیادی بات یہ ہے: ﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ بلکہ یہ قرآن تو کتاب الٰہی کی روشن اور واضح آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں، یہ بھی اس کتاب کے برحق ہونے کی دلیل ہے کہ یہ پوری کتاب بغیر کسی ایک نقطے کی کمی کے ہر زمانہ، ہر قرن، ہر ملک، ہر علاقہ اور ہر شہر، دیہات، ہر بستی میں سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں بچوں بچیوں نوجوانوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کے سینوں میں محفوظ رہا، اوران کے قلوب وارواح کی زینت بنا رہا۔

فرض کرو اگر دنیا کے تمام قرآن کسی طرح نیست اور نایاب ہو جائیں تو حفاظ کرام کے حفظ اور یادداشت سے اس کو مرتب کردینا اور پہلے کی طرح من وعن لکھنا اور لکھوانا نہایت سہل ہوگا، اس کے برعکس تورات اور انجیل کا پورے عالم میں آپ کو شرطیہ ایک حافظ بھی نہیں ملے گا۔ اس وقت کرۂ ارض پر قرآن حکیم کی اوسطاً اندازہ کے ساتھ تین لاکھ تفاسیر موجود ہیں، جبکہ دیگر آسمانی کتابوں کی کوئی ایک شرح یا تفسیر موجود نہیں۔ حفاظ کرام مشرق سے مغرب تک جنوب سے شمال تک کروڑوں میں ہیں۔

برصغیر میں انگریزوں نے قرآن کریم کو دنیا سے ختم کرنے کا منصوبہ بنانا چاہا، مگر انہیں جلدی معلوم ہوگیا کہ یہ ایسی کتاب ہے جو ورقوں اور کاغذوں گتوں اور جلدوں اور الماریوں کی محتاج نہیں، یہ مکمل لوگوں کے سینوں اور قلوب و ارواح میں سرایت کی ہوئی ہے، اور بغیر کتابت کے لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے، ایک واضح حیثیت سے یہ اتنی پختہ ہے کہ کسی طرح اسے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب حکیم جنت میں موجود ہوگی، جبکہ دیگر کتابوں کا جنت میں وجود نہ ہوگا۔ [خطبات حکیم الاسلام]

﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ﴾ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا مگر ظالم لوگ جو حد سے زیادہ گمراہ اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں۔ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کہتے ہیں کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری جاتیں؟ جو پہلے پیغمبروں پر اتاری گئیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کو عصاء اور ید بیضاء کا نشان دیا گیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص کا معجزہ دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں تو ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، پیغمبر کو یہ اختیار نہیں کہ تمہاری خواہش پر جب چاہے کوئی معجزہ پیش کر دے، اور اللہ تعالیٰ قادر مطلق فاعل مختار ہے، وہ کبھی اس کا پابند نہیں کہ ہر ہوا پرست اور بت پرست جو مطالبہ کرے اللہ تعالیٰ اسے پورا کرے۔ ﴿وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور میں تو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور حق کو ظاہر کرنے والا ہوں، کسی ہٹ دھرم مشرک اور ہر ضدی مشرک کی فرمائش پوری کرنے کا نہ مجھے اختیار ہے، اور نہ اس کا پابند ہوں، کیوں نہیں خاص کر ایسے لوگوں کے لئے جن کا مقصد معجزات پر ایمان لانا نہ ہو بلکہ محض تنگ کرنا اور ایذا دینا ہو، کیونکہ ان کے پاس بہت سے معجزات ظاہر ہوئے مگر وہ ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہوئے، فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ کیا ان منکرین کے لئے یہ عظیم الشان نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب مستطاب نازل کی جو دن رات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے، جس کا اعجاز روز روشن کی طرح ہے، اور جس کی ایک چھوٹی سی سورت کی نظیر لانے سے تمہارے شعراء و فصحاء و بلغاء بے بس اور عاجز ہیں، اور یہ عظیم الشان کتاب جز وقتی نہیں بلکہ قیامت تک اپنے چیلنج کے ساتھ باقی اور محفوظ ہے، اور یہ ایک ایسی عظیم ہستی پر نازل ہوئی ہے جو بالکل امی ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بیشک اس کتاب معجز میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب پر ایمان لاتے اور یقین کرتے ہیں، جو کوئی اس کتاب پر عمل کرے اس کو ہر محاذ پر رحمتوں سے واسطہ پڑے گا، اور جو کوئی اس کتاب سے انحراف کرے وہ ہر محاذ پر ذلت کا شکار رہے گا، قوموں اور افراد نیز جماعتوں کا عروج و زوال اسی کتاب سے وابستہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ۔ [مشکوٰۃ] بروایت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ شانہ اس قرآن کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عروج و بلندی اور سرفرازی عطا کرتا ہے، اور بہت سوں کو پستی اور زوال سے دوچار کرتا ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۗ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے، وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے منکر ہو گئے یہی لوگ نقصان والے ہیں ﴿۵۲﴾ اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں، اور اگر مقررہ اجل نہ ہوتی تو ضرور ان کے پاس عذاب آجاتا، اور البتہ ان پر اچانک عذاب آپہنچے گا، اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی ﴿۵۳﴾ یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب آنے کا تقاضا کررہے ہیں، اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ﴿۵۴﴾ جس دن ان کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے ان پر عذاب چھا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ چکھ لو جو کچھ تم کیا کرتے تھے ﴿۵۵﴾

معارف ومنازل

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر اور آپ کی بلند پایہ نصیحتوں پر مشرکین جانتے ہوئے یقین نہیں کرتے تھے، معجزہ شق القمر ایک ایسا عالمگیر معجزہ تھا جس کو دور سے دیکھنے والے ہدایت پا گئے، مگر قرب وجوار کے ازلی بدقسمت محروم رہے، اور سب سے بڑا ابدی معجزہ قرآن مجید صبح شام ان کے سامنے جلوہ افروز رہا مگر وہ اس کے منکر رہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔

سبحان اللہ! غور سے دیکھو، اگر سارا جہاں کسی بات پر گواہی دے تو اللہ تعالیٰ کی گواہی کے مقابلہ میں اس کی ذرہ بھر حیثیت بھی نہ ہوگی۔ فرمایا: اے منکرین توحید ورسالت! خوب سمجھو، پھر مانو یا نہ مانو وہ پاک ذات میری رسالت کا گواہ ہے، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ان سب کو جانتا ہے، جو حق میں تمہارے سامنے پیش کررہا ہوں اسے بھی جانتا ہے، اور جو تکذیب اور انکار تم کرتے ہو اس سے بھی باخبر ہے، جس شقاوت پر تم چل رہے ہو اور اپنی آخرت تباہ کررہے ہو یہ بھی اس کے علم میں ہے، اس کا نتیجہ تمہارے ابدی عذاب کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

﴿قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا﴾ آپ فرمادیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کا گواہ ہونے کے لئے بس اللہ تعالیٰ کافی ہے، اور تم اگر میری رسالت سے منکر ہو اور تکذیب کرتے ہو تو میں اسے اللہ تعالیٰ کی گواہی پر چھوڑتا ہوں۔

﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ میری رسالت سے بھی واقف ہے اور تمہاری تکذیب اور سرکشی سے بھی، لہٰذا میں اپنے اور تمہارے درمیان فیصلے کے لئے اسی کو گواہ بناتا ہوں، اگر تم جانتے ہوئے حق کی تکذیب کرتے ہو تو یاد رکھو:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے منکر ہوئے یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں کہ انہوں نے حق کی ناقدری کی اور اس کے بدلہ میں باطل کو اختیار کیا اور جو لوگ سچ کو چھوڑ کر جھوٹ کو اختیار کرتے ہیں وہ بڑے بدقسمت ہوتے ہیں، اور ان کا حال یہ ہے:

﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ یہ لوگ استہزاءً آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں، اور بار بار کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو ہم پر کوئی عذاب بھیج دے، ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا﴾ [الإسراء: ۹۲] (یا ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی گرادے، جیسا کہ تم خیال کرتے ہو)۔ اور یہ بھی کہتے ہیں: ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [الأنفال: ۳۲] (اے اللہ! اگر یہ دین اور یہ قرآن تیرے پاس سے ہے اور حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، یا اور کوئی دردناک عذاب نازل کردے)۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے جواب ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ﴾ اور اگر ان کے عذاب کی میعاد مقرر نہ ہوتی تو ابھی مطالبہ کے ساتھ ان پر عذاب آجاتا، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کا وقت مقرر ہے، وہ اپنے وقت سے پہلے نہیں آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ عذاب مانگنے والوں کو اپنی رحمت سے مہلت دیتا ہے، پھر جب وہ مقررہ وقت آپہنچتا ہے تو ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا، اور فوراً گرفت شروع ہوجاتی ہے۔ سورۂ اعراف میں اسی کا بیان ہے: ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ [الأعراف: ۳۴] (جب ان کی اجل آپہنچے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں گے نہ آگے بڑھیں گے)۔

جب یہ ناداں عذاب کا مطالبہ کررہے ہیں تو وہ عذاب کو مذاق جانتے ہیں، اگر انہیں عذاب کی صحیح حقیقت معلوم ہوتی تو شاید کبھی مطالبہ نہ کرتے بلکہ پناہ مانگتے۔

﴿وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ آپ پریشان نہ ہوں وہ عذاب ان پر اچانک آجائے گا، اور انہیں پتہ بھی نہ ہوگا، کیا فرعون کو یہ معلوم تھا کہ بنی اسرائیل کے تعاقب کے نتیجے میں میرا خانہ خراب ہوگا، اور میری

پوری فوج پر موت کی یلغار ہوگی، اور سب غرق ہوں گے، اسی طرح جب مکے والوں کا وقت پورا ہوگیا تو ماہ رمضان سن ۸ ھ میں دس ہزار قدسیوں کے فرشتہ سیرت لشکر نے اپنے پیشوا صادق الامین صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اچانک سرزمین مکہ مکرمہ پر قدم رکھنے کے ساتھ بلد الحرام کو فتح فرمایا، اور قیامت تک کے لئے سرزمین عرب سے بت پرستی اور شرک کا خاتمہ کردیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بھی بَغۡتَةً ہوئی، اہل مکہ کو پہلے معلوم نہ تھا کہ ہمارا اقتدار خاک میں ملنے والا ہے۔ فرمایا:

﴿یَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ﴾ یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں، تو انہیں جاننا چاہئے کہ عذاب انہیں کے لئے تیار ہے، اور وہ آکر رہے گا، وہ یہ کہ بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے، بس مرنے کی دیر ہے، فوراً جہنم میں پہنچ جائیں گے، اور ان کی حالت یہ ہوگی:

﴿يَوۡمَ يَغۡشٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ﴾ جس دن وہ عذاب ان کے سروں کے اوپر سے بھی ان کو گھیرے گا اور پاؤں کے نیچے سے بھی ان کو گھیرے گا، یہ ان کے شرک اور اعمال خبیثہ کا بدلہ ہے، کیونکہ کبھی انہوں نے اوپر کی مخلوق سورج سیارے اور کواکب کی پرستش کی، ان کی وجہ سے اوپر کا عذاب ہوگا، اور کبھی انہوں نے نچلی مخلوقات کی پرستش کی تو نیچے والا عذاب انہیں کا حصہ ہوگا، اور انہیں فرشتے یوں کہیں گے:

﴿وَيَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾ کہ چکھو مزہ اس چیز کا جو تم دنیا میں کرتے تھے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِىۡ وَاسِعَةٌ فَاِيَّاىَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ثُمَّ اِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ مِّنَ الۡجَـنَّةِ غُرَفًا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرۡزُقُهَا وَاِيَّاكُمۡ ۖ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! بلاشبہ میری زمین کشادہ ہے، سو تم میری ہی عبادت کرو ﴿۵۶﴾ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے، پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۵۷﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم انہیں ضرور ضرور جنت کے بالا خانوں میں ٹھکانہ دیں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں

ہمیشہ رہیں گے، اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا ﴿۵۸﴾ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے ربّ پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۵۹﴾ اور کتنے ہی چوپائے ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے، اللہ تعالیٰ انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے ﴿۶۰﴾

معارف ومنازل

جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کیا، اور آئے دن طرح طرح کی ایذا رسانی میں اضافہ کرتے رہے، اس موقع پر مسلمانوں کو احکامِ اسلام بجالانا نہایت دشوار ہوگیا، تو حکم نازل ہوا کہ مسلمان مکہ سے ہجرت کرجائیں، اور جہاں ارکانِ اسلام آزادی کے ساتھ ادا کرسکیں وہاں چلے جائیں، اور اپنا دین وایمان بچائیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر مکے میں خدا کی بندگی کرنی مشکل ہورہی ہے تو ملک چھوڑ کر نکل جاؤ، خدا کی زمین کشادہ ہے تنگ نہیں ہے، جہاں بھی تم خدا کے بندے بن کر رہ سکتے ہو اور اس ابتلاء کو بطیب خاطر خندہ پیشانی کے ساتھ سر کرو تم کو قوم ووطن کی نہیں بلکہ اپنے خدا کی بندگی کرنی چاہئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد قوم ووطن اور ملک نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، اگر کسی وقت قوم و وطن اور ملک کی محبت کے تقاضے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے تقاضوں سے ٹکرا جائیں تو وہی وقت مؤمن کے ایمان کی آزمائش کا ہوتا ہے، جو سچا مؤمن ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے گا، اور قوم وطن اور ملک کو لات ماردے گا، اور جھوٹا مدّعی ایمان جو ہوگا وہ قوم ووطن اور ملک کے ساتھ چمٹا رہے گا، اور ایمان کو چھوڑ دے گا۔ یہ آیت کریمہ اس بارے میں صریح ہے کہ ایک سچا خدا پرست انسان محب قوم ووطن تو ہوسکتا ہے مگر قوم پرست اور وطن پرست نہیں ہوسکتا، اس کے لئے خدا کی بندگی سارے جہاں سے عزیز تر اور محبوب ہے، جس پر وہ ہر چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار رہے گا، مگر وہ دین وبندگی حق کو کسی بھی چیز پر قربان ہرگز نہیں کرے گا۔

وطن سے ہجرت کرکے کسی دوسری جگہ جانے میں دو قسم کے خطرات پیش آسکتے ہیں جو آدمی کو ہجرت سے روکتے ہیں: پہلا خطرہ اپنی جان کا ہے کہ ہجرت کرتے وقت یا سفر ہجرت کے موقع پر مشرکین اور کفار مزاحمت کرکے مہاجرین کو شہید کرتے ہیں، اس کا جواب آنے والی آیت: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ میں دیدیا کہ موت ہر حال میں آئے گی، اگر کوئی گھر میں رہے ہجرت ہی نہ کرے تب بھی اسے مرنا ہے، اور موت سے کسی طرح بچاؤ نہیں۔

اور دوسرا خطرہ رزق وروزی کا ہے، جب آدمی قوم ووطن اور دوست واحباب اپنے کاروبار مال وسرمایہ چھوڑ

کر خالی ہاتھ ہجرت کرے گا تو وہاں جا کر کیا کمائے گا اور کیا کھائے گا، اس خطرے کا جواب آنے والی آیت: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا﴾ میں دیدیا کہ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق اور تمام جانداروں کا رازق ہے، اس پر توکل اور اعتماد علی اللہ کی بنیاد پر کسی طرح پریشان نہیں ہونا چاہئے، وہ جب چاہتا ہے تو اسباب ظاہری کے بغیر سب کچھ دیدیتا ہے، فرمایا:

﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ اے میرے ایمان والے بندو! اگر اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو میرے دشمنوں سے الگ ہو جاؤ، اور جس جگہ بسہولت میری عبادت کر سکتے ہو وہاں چلے جاؤ، کیونکہ میری زمین کشادہ ہے، وہاں جا کر خالص میری ہی عبادت کرو، تم دنیا کی ہر چیز کو ایمان پر قربان کرو، اور ایمان کے بدلہ دنیا اور قوم و وطن و ملک کو ترجیح نہ دو، چنانچہ ایسا ہی ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ چھوڑ کر حبشہ گئے، پھر مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کی اور آزمائش میں کامیاب ہوئے، فرمایا:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر نفس ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ پھر بالآخر سب کو چھوڑ کر ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے، یعنی جان کی فکر نہ کرو، یہ تو کبھی نہ کبھی جانی ہے، ہمیشہ رہنے کے لئے تو کوئی بھی دنیا میں نہیں آیا ہے، لہٰذا تمہارے لئے فکر کے لائق مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس دنیا میں جان کیسے بچائی جائے، بلکہ اصل لائق فکر مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کیسے بچایا جائے، اور خدا پرستی کے تقاضے کیسے پورے کئے جائیں، آخر کار تمہیں پلٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے، اگر دنیا میں جان بچانے کے لئے ایمان کھو کر آئے تو نتیجہ برا ہی ہوگا، اور اگر ایمان بچانے کے لئے جان کھو کر آئے تو انجام بہت ہی بہتر اور مبارک ہوگا، پس پورے ذوق وشوق اور خندہ پیشانی کے ساتھ تمام جہاں اور اس کی چیزوں کی قربانی دے کر ایمان بچاؤ، اور جنت کے اونچے اونچے بالا خانوں کے وارث بنو، آنے والی آیات میں اسی کی ترغیب ہے، وہ یہ کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی عمدہ اجر ہے عمل کرنے والوں کے لئے، دنیا کی چیزیں آخرت کی چیزوں کے مقابلے میں ہیچ ہیں، آخرت کی نعمتیں انسانی تصور سے بہت ہی بلند و بالا ہیں۔ جنتی بالا خانوں کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے: يُرىٰ ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ

ظَاهِرِ هَا۔ وہ بالا خانے شیش محل ہوں گے، ان کی اندر کی چیز باہر سے، اور باہر کی چیز اندر سے صاف نظر آئے گی۔ اس پر ایک دیہاتی شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ بالا خانے کن لوگوں کو ملیں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلَّى وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔ [مشکوۃ] یہ ان لوگوں کے لئے ہوں گے جو خوش اخلاقی اور نرمی سے بات کریں گے، اور محتاجوں کو کھانا کھلائیں گے، اور نفلی روزہ رکھیں گے، اور تہجد کی نماز رات کو پڑھیں گے جب لوگ سو رہے ہوں گے۔

﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ جنہوں نے ہجرت کے متعلق ہر قسم کی تکلیفوں کو برداشت کیا، اور صبر کا دامن مضبوط پکڑا، اور جنہوں نے اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اور مصائب پر صبر اور توکل علی اللہ یہ خوش قسمتوں کا سرمایہ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کچھ مؤمن مکہ میں رہ گئے تھے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجاؤ، ان لوگوں نے جواب دیا کہ وہاں نہ ہمارا گھر ہے نہ رشتہ دار ہے اور نہ مال ہے، ہمارے کھانے پینے اور زندگی گزارنے کا انتظام وہاں کون کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ﴾ اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی اپنے اوپر اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ تعالیٰ ہی ان کو روزی دیتا ہے، اور تم کو بھی یعنی بہت سے۔ پرندے، چوپائے، جاندار جو غذا کے محتاج ہیں اپنے ساتھ اپنی پیٹھ پر اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اور نہ کل کے لئے رزق ذخیرہ کرتے ہیں۔ سفیان بن علی بن ارقم نے کہا: سوائے انسان اور چوہے اور چیونٹی کے اور کوئی مخلوق روزی جمع کر کے ذخیرہ نہیں کرتی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ چوپائے اور پرندے جو کمزور ہیں اور اپنی روزی جمع کر کے نہیں رکھتے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ ہی رزق دے دیتا ہے، اور تم تو اشرف المخلوقات ہو، اور طاقتور بھی ہو، پھر ہر قسم کی تدبیروں سے واقف بھی ہو، اس کے باوجود رزق جمع کر کے رکھتے ہو، تو تمہیں رزق دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، روزی کے معاملہ میں تم اور جانور سب برابر ہو، تم بھی رزق کھا کر جیتے ہو وہ بھی رزق کھا کر جیتے ہیں، پھر تم بھی آخر مر جاتے ہو وہ بھی مر جاتے ہیں، پھر ہجرت کرنے کی صورت میں معاش کی طرف سے کیوں پریشان ہو؟

غم روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را ☆ کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ وہی سننے والا جاننے والا ہے، اس نے تمہارا یہ کلام سن لیا کہ اگر ہجرت کریں

گے تو کھائیں گے کہاں سے، اور وہ واقف جاننے والا ہے خشکی اور دریاؤں کی گہرائیوں میں اپنی مخلوقات سے باخبر ہے، اور ان کے رزق کا انتظام کرنے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کیا؟ تو ضرور ضرور جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، سو وہ پھر کہاں اُلٹے جا رہے ہیں؟ ﴿۶۱﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے، اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۶۲﴾ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر زمین کی موت کے بعد پانی کے ذریعہ اس کو زندہ کیا؟ تو وہ ضرور ضرور جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں سمجھتے ﴿۶۳﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں رزق کی تقسیم کا بیان تھا، اور جن مسلمانوں نے کہا تھا کہ اگر ہجرت کریں گے تو کہاں سے کھائیں گے، اب ان آیات میں ان کو مزید تنبیہ ہے کہ جب کفار اور مشرکین اللہ تعالیٰ کو خالق و رازق مانتے ہیں تو تمہیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کی رازقیت میں شک وشبہ کا شکار ہو جاؤ، اور یوں کہو کہ کہاں سے کھائیں گے۔ فرمایا:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اگر آپ ان منکرین توحید سے پوچھیں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر کے کام میں لگا رکھا ہے؟ ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ تو یہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، فرمایا: جب یہ

مانتے ہوتو: ﴿فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ﴾ تو پھر کہاں بہکے جاتے ہیں؟ اور اس اقرار کے بعد کیوں توحید کے منکر ہیں، اور شرک میں مبتلا ہیں؟ فرمایا: ﴿اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ ہی رزق کشادہ کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، اور رزق تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، یہ چیز صرف اسی کے اختیار میں ہے جو اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت بندوں کے رزق میں کشادگی اور تنگی کر دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، وہ ہر کشادگی اور تنگی رزق کی حکمت کو جاننے والا ہے۔ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اگر آپ منکرین توحید سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا ہے؟ ﴿فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا﴾ پھر اس پانی کے ذریعہ مردہ زمین کو نئی زندگی بخشا ہے، اور سرسبز وشاداب بنایا ہے، تو جواب میں کہیں گے:

﴿لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ آپ یوں کہو کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، جب تم سب مل کر اسی کے لئے حمد وثناء کا اقرار کر کے اس کی وحدانیت پر گواہی دیدو اور اسے معبود برحق مانو، لیکن: ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل کو بروئے کار نہیں لاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ حقائق کی معرفت سے محروم رہتی ہے۔

❁ ❁ ❁

وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا
یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَی الْبَرِّ
اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰهُمْ ۚۙ وَلِیَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: اور یہ دنیا والی زندگی نہیں ہے مگر لہو ولعب (کھیل تماشا) اور بلاشبہ آخرت والا گھر ہی زندگی ہے، کاش لوگ جانتے ہوتے ﴿۶۴﴾ سو وہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خوب خالص اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ ان چیزوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہیں، اور تاکہ مزے اڑا لیں، سو وہ عنقریب جان لیں گے ﴿۶۶﴾

☆☆☆

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں فرمایا: ﴿بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ﴾ یعنی اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، دنیا کی ظاہری زیب وزینت پر مفتون اور مغرور ہیں، اگر عقل سے کام لیں تو بآسانی سمجھ جائیں کہ دنیا کی زیب وزینت عارضی ہے، اور دنیا کا پورا کارخانہ روبہ زوال اور فانی ہے، آج تک یہ کارخانہ کسی کا ساتھ نہیں دیا، اور کسی کے ساتھ وفا نہیں کی، اور یہاں سے ہر بڑے عظیم بادشاہ اور قارون جیسے مالدار نمرود شداد جیسے صاحب سلطنت واقتدار کو خالی ہاتھ ہی جانا ہے، فرمایا:

﴿وَمَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا لَهۡوٌ وَّلَعِبٌ﴾ اور نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی مگر جی کا بہلانا، اور کھیل تماشا، جو تھوڑی دیر رونق وخوبصورتی کے ساتھ چلنے کے بعد بے مقصد ختم ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے کھیلوں کے لئے ثبات وقرار نہیں اور کوئی خاص بڑا مقصد ان سے حاصل نہیں ہوتا، تھوڑی دیر ہل چل اور رونق وتماشا چلتا ہے پھر سارا ڈرامہ ختم ہو کر میدان خالی ہو جاتا ہے، یہی حال دنیا کی زندگی کا ہے، ہر شخص اس چیز کا روزانہ مشاہدہ بھی کرتا رہتا ہے۔

﴿وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِىَ الۡحَيَوَانُ﴾ اور تحقیق دار اخرت یعنی اخرت کا گھر حقیقی زندگی ہے جو کہ پائیدار ہے، ابدی ہے، اور وہاں کی نعمتیں اصلی اور حقیقی اور ابدی ہیں، نہ بیماری نہ رنج وغم نہ اور کوئی فتنہ نہ پریشانی، ہر طرف سے راحتیں اور مسرتیں ہیں جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ لفظ حیوان سے مراد حیات ہے جو مصدری معنی میں ہے، فرمایا:

﴿لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ کاش یہ لوگ دنیا اور آخرت کے فرق کو سمجھتے تو دنیا میں اس قدر محو نہ ہوتے، اور آخرت سے غافل نہ ہوتے۔ ﴿فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ﴾ جب کبھی دریا کا سفر کرتے ہیں اور کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور ان کی کشتی طوفان میں گر جاتی ہے تو: ﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ﴾ تو پھر خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اعتقاد رکھ کر مدد کے لئے صرف اسی کو پکارتے ہیں، ایسے وقت میں اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں۔

حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ جب سمندری سفر پر روانہ ہو جاتے تو کئی معبودوں کو ساتھ اٹھا کر لے جاتے، لیکن جب طوفان سے غرقابی کا اندیشہ دامن گیر ہو جاتا تو اپنے معبودوں (بتوں) کو دریا میں پھینک دیتے اور خالص اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کر دیتے، اور پختہ عہد کرتے کہ آئندہ بتوں کی عبادت نہیں کریں گے، اور کسی طرح شرک بھی نہیں کریں گے۔

﴿فَلَمَّا نَجّٰهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ يُشۡرِكُوۡنَ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت سے نجات دیدیتا ہے تو یہ

لوگ پھر شرک کرنے لگتے ہیں، یہ لوگ کتنے بدقول، بدعہد اور مفاد پرست ہوتے ہیں کہ جب ان کے سروں پر مصیبت آپڑتی ہے تو اخلاص اور توحید کے نعرے لگانے لگتے ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں مصیبت سے نجات دیدیتا ہے تو حسب عادت پھر شرک کرنے لگتے ہیں اور بچانے والے ربّ کو بھول جاتے ہیں۔

﴿لِيَكْفُرُوا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ تاکہ وہ انکار کردیں اس چیز کا جو ہم نے انہیں دی ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے احسان کرکے ان کی جان بچائی انہیں چاہئے تھا کہ اس نعمت کا مکمل شکر کرتے، مگر انہوں نے بجائے شکر گزاری کے نافرمانی کی اور پرانے شرک پر ڈٹے رہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے: ﴿وَلِيَتَمَتَّعُوْا﴾ تاکہ وہ فائدہ اٹھالیں اور خوب مزے اڑاتے رہیں۔ یہاں دونوں جگہ یعنی لِيَكْفُرُوْا اور وَلِيَتَمَتَّعُوْا میں لام عاقبت کے لئے ہے، اس لئے کہ کفار کا یہ قصد نہ تھا، بلکہ ان کے فعل کا نتیجہ تھا، جیسا کہ ﴿لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا﴾ [القصص:۸] (تاکہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں) میں لام عاقبت کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے کفران نعمت کا قصد نہیں کیا تھا مگر نجات کی نعمت کا انجام یہ ہوا کہ بجائے شکر کے شرک اور کفر کرنے لگے۔ پھر فرمایا:

﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ سو عنقریب اپنے برے انجام کو جان ہی لیں گے، اور اپنی آنکھوں سے اپنی تباہی کا مشاہدہ کریں گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ
اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ
مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے، اور ان کے گردو پیش کے لوگ اچک لئے جاتے ہیں، کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿۶۷﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے، یا حق کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آجائے؟ کیا دوزخ کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ ﴿۶۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں تکلیفیں اٹھائیں ضرور ہم انہیں اپنی راہیں بتائیں گے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

معارف ومنازل

پہلے اس نعمت کا بیان ہوا جب دریائی سفر کی مشکلات اور تباہیوں سے اللہ تعالیٰ نے کفار کو نجات دیدی، اب ایک دوسری بہت بڑی نعمت کا تذکرہ ہے کہ چاروں طرف بدامنی قتل وغارتگری اور لوٹ مار کے فتنوں میں گری ہوئی قوم قریش پر اللہ تعالیٰ نے بے مثال امن وامان قائم رکھا، اور حرم پاک کے طفیل چاروں طرف لگی ہوئی آگ سے انہیں محفوظ اور امن وامان میں رکھا، وہ بڑے امن وچین اور مکمل سکون سے اپنے شہر میں رہتے تھے۔

اہل عرب اگرچہ مشرک تھے لیکن حرم مکہ کو بہت قدیم سے محترم جانتے تھے، اور اہل مکہ کا بہت اعزاز واکرام کرتے تھے، رحلة الشتاء والصیف کے سفروں میں ہر طرح ان کی خیالداری اور نگہبانی کرتے تھے، ان کو کعبة اللہ کے خادم اور پاسبان جانتے ہوئے مالی اور تجارتی امداد سے نوازتے تھے، اور ان کی مدد کرتے تھے، حق تو یہ تھا کہ اہل مکہ اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے سرور عالم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لے آتے، اور دیگر قبائل عرب کو ایمان واسلام کی دعوت دیتے، لیکن ان ناشکروں اور ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہیں کیا، اور پہلا مسلمان ہونے کی جگہ کافر بن گئے، اور سابق باطل معبودوں کی پرستش میں لگے رہے۔ فرمایا:

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا اور ہماری اس عظیم نعمت کا زندگی بھر مشاہدہ نہیں کیا کہ ہم نے حرم کو امن وامان کی جگہ بنادیا؟ ﴿وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ اور ان کے آس پاس لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے، وہ ہر طرح کے قتل وقتال اور غارت وتباہی کا شکار رہتے ہیں جن کا پرسانِ حال کوئی نہیں۔

﴿اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ﴾ کیا یہ (اب بھی) باطل پر ایمان لاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ اور سب سے بڑی ناشکری کفران نعمت ہے، اور افتراء علی اللہ ہے جو ناقابل معافی ہے۔ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ﴾ اس شخص سے بڑھ کر کون بڑا ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا حق آجانے پر اس کو جھٹلائے؟

﴿اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ﴾ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں؟ (کہہ دو: وہاں کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا) یہ استفہام تقریری ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا اور تکلیفیں اٹھائیں، طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں تو وہ کامیاب رہے، وہ منزل مقصود تک پہنچ گئے، ہم ضرور ضرور انہیں اپنی راہیں بتائیں گے۔ آیت کریمہ میں بہت بڑی جامعیت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی

طرف سے سعادتوں اور کامیابیوں کا بہت بڑا وعدہ بھی ہے، اور عظیم خوشخبری بھی۔ آیت کریمہ کا مفہوم اتنا عام اور جامع ہے کہ دین کے تمام سیکڑوں شعبوں پر مشتمل ہے، اور تمام اعمال ماموزات اور منہیات میں جدو جہد اور محنت اس کا مصداق ہے، لہٰذا دین کے کسی بھی شعبے میں رضائے الٰہی کی خاطر جدو جہد اور محنت کرنے والے کے ساتھ یہ وعدہ محقق رہے گا کہ:

﴿لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا﴾ ہم ضرور ضرور اپنی راہیں اس کے لئے کھول دیں گے، اور کامیابی کے راستوں پر اسے لگائیں گے، اور فوز وفلاح کے مدارج پر اسے ضرور پہنچائیں گے، لہٰذا رضائے الٰہی کی خاطر کام کرنے والوں کو یقین کرنے کے ساتھ خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی رحمت وعنایت کا ہاتھ ان کے سروں پر ہے، اور منزل مقصود تک رسائی ان کی قسمت اور مقدر میں ہے، بشرطیکہ اخلاص میں اور ان کے ارادوں میں تذبذب اور کمی نہ ہو، اور وہ ہمہ تن ایمان اور اسلام اور احسان کے درجات عالیہ پر فائز ہوں، فرمایا:

﴿وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ﴾ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اچھے محسنین کے ساتھ ہے، اچھے محسن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جانتے ہوئے نیکی کا کام محض اس کی رضا کے حصول کے لئے کرتے ہیں، اور تمام معاصی سے محض اس کی رضا کی خاطر دور رہتے ہیں، اخلاص کے ساتھ اعمال بجالاتے ہیں، نماز میں خوب تواضع اور خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں، ریاکاری اور شہرت سے پرہیز کرتے ہیں۔ لفظ احسان ان تمام خوبیوں کو شامل ہے جنہیں شریعت نے لازم کیا ہے، اور سنت میں وہ اہتمام کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے کام کرنے والوں کو خوش ہونا چاہئے کہ ان کی عاقبت درخشاں اور روشن ہے، اور وہ کبھی ناکام نہیں ہوں گے، فوز وفلاح اور ہر طرح کی سعادت ان کے استقبال کے لئے منتظر ہے، چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحاء کی تاریخ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اس پر گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سپاہی کبھی ناکام نہیں ہوا۔ الحمد للہ

سُورَةُ الرُّومِ

مکیۃٌ آیاتہا ۶۰ رکوعاتہا ۶

سورۂ روم مکی ہے، اس میں ساٹھ (۶۰) آیتیں، اور چھ (۶) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ الروم ہے جو اس سورت کی دوسری آیت "الروم" سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت کے اعتبار سے "۳۰" ویں سورت ہے، اور ترتیب نزول کے اعتبار سے ۴۷ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، اور اس کا نزول سورۃ الانشقاق کے بعد ہے۔

تعداد کلمات و حروف:

اس سورت کی ساٹھ (۶۰) آیات، اور چھ (۶) رکوع ہیں، اس سورت میں ۸۱۹ کلمات ہیں، اور یہ ۳۵۳۰ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط و مناسبت:

(۱)- گزشتہ سورت میں توحید، رسالت، اثبات قیامت اور شرک کی مذمت کا بیان ہوا، اس سورت میں بھی انہی چیزوں کا بیان ہے۔

(۲)- دونوں سورتوں کے شروع میں ابتلا کا تذکرہ ہے۔

(۳)- دونوں سورتوں میں محسنین کے نیک انجام، اور مشرکین کے برے انجام کا تذکرہ ہے۔

مختصر موضوع:

غلبۂ اسلام کا اعلان اور دلائل غلبہ اور اصول غلبہ کا بیان، اہل ایمان کے لئے بشارت، تذکیراتِ ثلاثہ، سماع موتی، دنیا کے فساد اور اس کا علاج، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بیان، انسانی پیدائش کا بیان وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ﴿۲﴾ فِيۡۤ اَدۡنَى الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ فِيۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ ؕ
لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَيَوۡمَئِذٍ يَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰهِ ؕ يَنۡصُرُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ
وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۙ﴿۵﴾ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾
يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۷﴾

ترجمہ: الٓمّٓ ① روم والے زمین کے قریب والے حصے میں مغلوب ہو گئے ② اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال میں غالب ہو جائیں گے ③ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور ایمان والے اس دن خوش ہوں گے ④ اللہ تعالیٰ کی مدد کی وجہ سے وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہے، اور وہ زبردست ہے، رحمت والا ہے ⑤ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا، اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ⑥ یہ لوگ دنیا والی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں، اور وہ آخرت سے غافل ہیں ⑦

معارف ومنازل

جو پیشین گوئی اس سورت کی ابتدائی آیات میں کی گئی ہے وہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے، اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رسول برحق ہونے کی نمایاں ترین شہادتوں میں سے ایک ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں دنیا پر دو بڑی زبردست طاقتور سلطنتیں تسلیم کی جاتی تھیں: ایک حکومت فارس جس کا دار الحکومت ایران میں تھا، یہ مذہباً آتش پرست مجوسی مشرک تھے، ان کی حکومت تقریباً آدھی دنیا پر قائم تھی، بشمول ہندوستان کی مختلف ریاستیں، پاکستان افغانستان، چین اور روس، پورا خراسان کے ممالک اور پورا یمن، اگر کوئی علاقائی بادشاہ بھی تھا تو وہ بھی کسریٰ کا باج

گزارتھا۔ دوسری آدھی دنیا پر قیصر روم کی حکومت تھی، پورا مشرق وسطیٰ، یورپ موجودہ، ترکی، مصراور پورے افریقہ پر اس کا تسلط تھا۔ یہ لوگ مذہباً اہل کتاب عیسائی تھے۔

اس زمانے میں قیصر اور کسریٰ کی حیثیت دنیا میں اسی طرح تسلیم کی جاتی تھی جس طرح آج کے زمانے میں امریکہ اور روس یا چین کی بڑی سلطنتیں ہیں۔ بہر حال! رومی عیسائی تھے اور ایرانی مجوسی تھے۔ امام شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اپنی معرکۃ الاراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ احکم الحاکمین کی حکمت بالغہ یہ تھی کہ ان دونوں بڑی سلطنتوں کو (اسلام کی آمد کے ساتھ) ختم کیا جائے، چنانچہ ربّ العزّت سبحانہ نے عرب کے خطے میں اپنے نبی امی سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا، جو نہ رومیوں کے ساتھ ملتے تھے نہ ایرانیوں کے ساتھ، بلکہ خالص عرب تھے (اور قدرت الٰہی نے آپ کی بعثت سے چھ سو سال پہلے سے عرب کے خطہ حجاز کو آزادی کی نعمت سے وازا تھا، چنانچہ کعبہ شریف کی برکت سے حجاز مقدس پر نہ رومیوں کا قبضہ تھا اور نہ ایرانیوں کا، بلکہ یہ خطہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے مکمل آزاد تھا)۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات عالی صفات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ہزاروں سالوں سے قائم بڑی سلطنتوں کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیا، یہ عظیم سلطنتیں خلافتِ فاروقی میں اسلامی شیروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں چکنا چور ہو کر تباہ و برباد ہوگئیں، جنگ یرموک میں عیسائیوں کا رومی لشکر نو لاکھ ساٹھ ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا، ادھر سے فاروقی فوج نے جن کی تعداد چھتیس ہزار تھی رومیوں کو وہ عبرتناک شکست دیدی جس سے ان کی کمر مکمل ٹوٹ گئی، اور ان کے ملک پر مسلمان قابض ہو گئے۔

اور جنگ قادسیہ میں ایرانی مجوسیوں کے بے پناہ لشکر کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ کے لئے ختم کیا، اور کیمورث بادشاہ کسریٰ سے جو حکومت نسلاً بعد نسل قائم تھی وہ ہمیشہ کے لئے تباہ ہوگئی، یہ سب فاروقی خلافت میں ہوا۔ آج اگر شیعہ روافض کے پیٹ میں مروڑ ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نام سے چڑ ہے تو اسی وجہ سے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی مجوسیت کا خاتمہ کرلیا، مرزا احمد علی نے کہا:

دو صد خنجر بر آن سینہ کہ او بغض عمر دارد

سورۂ روم ہجرت مدینہ سے چھ سال پہلے نازل ہوئی، یہ وہ زمانہ تھا کہ ایرانی افواج نے پوری قوت کے ساتھ رومی علاقوں کو روندتے ہوئے مسیحی دنیا پر قیامت ڈھادی، اور بیت المقدس پر قبضہ کر کے نو ہزار لوگوں کو قتل کیا، اور تمام

عیسائی کلیساؤں کو مسمار کر دیا، اور تمام پادریوں کو گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈال دیا، پھر ایرانی فوج مزید پیشقدمی کر کے اُردن فلسطین شام اور جزیرہ نمائے سینا کے پورے علاقہ پر قابض ہو کر مصر تک پہنچ گئی، ہرقل روم کو اس غیر متوقع شکست نے اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ منت سماجت کر کے ایرانی بادشاہ خسرو پرویز کو ایلچی کے ذریعہ نہایت عاجزانہ درخواست کرے کہ میں ہر قیمت پر صلح کرنے کے لئے تیار ہوں، مگر کسریٰ نے جواب دیا کہ اب میں قیصر کو اس وقت تک امان نہ دوں گا جب تک وہ پابزنجیر میرے سامنے حاضر نہ ہو، اور اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر خداوند آتش کی بندگی قبول نہ کرے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ معظّمہ اور اس کے اطراف کے مشرک قبائل سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے رفقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ برسر پیکار تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر چکا تھا۔ جب ایرانیوں نے رومی علاقوں پر قبضہ کر کے انہیں بری طرح شکست دیدی، تو یہ بات مکہ مکرمہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ چونکہ مشرکوں کو ایرانی مجوسیوں سے دلی ہمدردی تھی، کیونکہ وہ دونوں مشرک تھے، ادھر مسلمانوں کو اہل کتاب رومیوں کے ساتھ ہمدردی تھی، اور وہ انہیں مشرکین کے مقابلہ میں اچھا اور برحق سمجھتے تھے، اس لئے رومیوں کی مغلوبیت اور شکست پر ذہنی طور پر مسلمانون کو تکلیف پہنچی، اور مجوسی ایرانیوں کا غلبہ اور فتح پر مشرکین نے بغل بجاتے ہوئے خوشی منائی، اور ساتھ ساتھ مسلمانوں سے کہتے رہے کہ دیکھو! جس طرح رومی عیسائی اہل کتاب مغلوب ہو گئے ہیں اور ہمارے دوست غالب آ گئے ہیں اسی طرح تم اپنے دوستوں کی طرح ہمارے ہاتھوں سے مغلوب ہو کر شکست کھاؤ گے، اور ہم تمہارے اوپر غالب آئیں گے اور تمہارے مٹھی بھر لوگوں کے غلبے کی حسرت کبھی پوری نہیں ہو گی۔

اس دوران جب یہ سورت نازل ہوئی اور اس میں پیشین گوئی کی گئی کہ شکست خوردہ رومی لوگ کچھ عرصہ بعد دوبارہ غالب آ جائیں گے، اور فتح پانے والے ایرانی مغلوب ہو کر شکست کھائیں گے تو مسلمان بڑے خوش ہوئے اور مشرکین نے وحی الٰہی کا اور مسلمانوں کی پوری قوت کے ساتھ تکذیب کی، اور مذاق اڑایا، اور بحث مباحثے پر اتر آئے، یہاں تک کہ ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرط لگائی کہ اگر تین سال کے اندر رومی غالب آ گئے تو میں تم کو دس اونٹ دوں گا، ورنہ دس اونٹ تم کو دینے ہوں گے۔ سرو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم میں ﴿فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ﴾ کے الفاظ آئے ہیں، اور بضع کا اطلاق تین سے نو

تک عدد پر ہوتا ہے، اس لئے تین سال سے نو سال تک کی شرط لگانا چاہئے، چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف سے دوبارہ بات کی، اور بضع کا حوالہ دیا، اور شرط میں اس حد تک ترمیم کردی گئی، اور نو سال کی مدت ہوگی، اور دس اونٹ کی بجائے شرط سو اونٹ ہوگی۔

اس شرط کے تقرر کے چند سال بعد ۶۲۲ء میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی، ادھر قیصر روم قسطنطنیہ (استنبول) کے ایرانی محاصرے سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا، ہرقل پے درپے شکستوں سے سخت مایوس ہوکر افریقہ (تیونس) کی طرف بھاگنا چاہتا تھا کہ دفعتہً اسے ایک تدبیر سوجھی، ہرقل جانتا تھا کہ ایرانیوں کی بحری طاقت کمزور ہے، اس نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کی پشت سے بحری بیڑے کے ذریعے حملے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ اس نے اچانک بھرپور حملہ کرکے ایرانیوں کے قدم اکھاڑ دیئے، پھر دوسرے سال آذربائیجان میں گھس کر ایرانیوں کے سب سے بڑے آتشکدہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور زرتشت کی یادگار کو مٹاکر ختم کردیا، اس طرح قرآنی پیشین گوئی کے مطابق رومی ایرانیوں پر دوبارہ غالب آگئے۔

اس زمانے میں ۲ھ مسلمانوں کو میدانِ بدر میں کفار کے خلاف عظیم فتح حاصل ہوئی، اور اس طرح قرآن پاک کی دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوگئیں، یعنی اول یہ کہ عیسائی رومیوں کو فتح حاصل ہوئی، دوسری پیشین گوئی یہ کہ میدانِ بدر میں باوجود نہتے ہونے کے مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی۔

علماءِ تفسیر کی اکثریت کا قول ہے کہ غلبہ روم کی خبر غزوۂ بدر کے دن آئی، جس سے مسلمانوں کو دو خوشیاں حاصل ہوئیں، اور مشرکوں کو دو غم لاحق ہوئے۔ حضرت ابن عباس اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے، اور ترمذی کی حدیث بھی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خبر صلح حدیبیہ کے دن آئی، مگر صحیح قول پہلا ہے جس کی مطابقت ﴿بِضۡعِ سِنِيۡنَ﴾ کے ساتھ ہے، خوب خوب غور کرو۔

الٓمّٓ ① حروف مقطعات کے بارے میں سورۂ بقرہ کے شروع والے حصہ مطالعہ کرنا چاہئے۔

﴿غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ② فِيۡۤ اَدۡنَى الۡاَرۡضِ﴾ رومی عیسائی مغلوب ہوگئے قریبی زمین میں، اس سے سرزمین عرب مراد ہے، فلسطین اور شام اور ایشیائے کوچک وغیرہ کے علاقے جو عرب سے قریب تھے، جہاں مجوسیوں کا غلبہ ہوا، اور عیسائی مغلوب ہوگئے، لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمادی:

﴿وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ﴾ اور یہ رومی مغلوب ہونے کے بعد عنقریب پھر غالب آجائیں

گے۔ ﴿فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ﴾ اوران کو دوبارہ غلبہ چند سال کے اندر حاصل ہو جائے گا، یعنی تین اور نو سال کے اندر۔

﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں سب اختیار ہے، اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی، یعنی غالب کو مغلوب کرنا اور مغلوب کو غالب کرنا ہر قسم کا تصرف اسی کے ہاتھ میں ہے، کائنات کی تمام اونچ ونیچ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، صبح کا فقیر شام کا بادشاہ، یا شام کا بادشاہ صبح کا اسیر، یہ سب اسی پاک ذات کی قدرتوں کی نیرنگیاں اور کرشمے ہیں۔

﴿وَیَوْمَىٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُ﴾ اور اس روز اہل ایمان خوش ہوں گے۔ ﴿بِنَصْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد سے، اللہ تعالیٰ کی یہ مدد اور اس کی خوشی مسلمانوں کو میدان بدر میں مشرکین کے خلاف فتح پر حاصل ہوئی، اور دوسری خوشی ان کو ایرانیوں کے خلاف رومیوں کی فتح اور مدد (اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مدد فرمائی) سے حاصل ہوئی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ جس روز بدر میں مسلمانوں کو کفار مکہ پر فتح نصیب ہوئی اسی روز جبریل امین علیہ السلام نے آکر رومیوں کی فتح کی خبر دی، تو مسلمانوں کی خوشی دو چند ہوگئی، ایک خوشی اپنے مظفر ومنصور ہونے پر مشرکین مکہ کے خلاف، دوسری خوشی اپنے اہل کتاب بھائیوں کی فتح ونصرت پر مجوسیوں یعنی آتش پرست مشرکین کے خلاف، اس سے قرآن کریم کی دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوگئیں۔

اس وقت ہرقل روم حمص میں تھا، اس نے نذر مان رکھی تھی کہ شام وفلسطین پر دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی صورت میں وہ پیدل چل کر بیت المقدس کی زیارت کرے گا، چنانچہ اس نے اپنی یہ منت پوری کردی، اسی موقع پر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بصریٰ کے گورنر کے توسط سے ہرقل کو موصول ہوا، جس کی تفصیل صحیح البخاری کی کتاب الوحی میں ہے۔

﴿یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ﴾ اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے، اور وہی زبردست ہے، رحم والا ہے جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلت دے، یا کسی کو غلبہ دے اور جس کو چاہے مغلوب کردے۔

﴿وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے، وہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا، بلکہ اس کو پورا کرتا ہے۔ ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو جانتے اور سمجھتے نہیں، اور عام لوگوں کا تو حال یہ ہے:

﴿یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ کہ وہ دنیا کے ظاہری نشیب وفراز کو تو خوب جانتے ہیں، کیونکہ

دنیا کی ہر چیز ان کے سامنے ہے، اور مطلوب بھی ہے، موجودہ اقوام ہوں یا گزشتہ اور یا آئندہ، یہ سب دنیا پرست اور عیش پرست ہیں، دنیا ان کا محبوب و معشوق ہے، وہ اپنے معشوق سے کیسے غافل اور ناانجان ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا وہ ہر لحاظ سے دنیا پر اور اس کی لذتوں پر قربان ہوتے ہیں، البتہ:

﴿وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ﴾ یہ لوگ آخرت کی زندگی سے بالکل غافل ہیں، وہ بیچارے صرف دنیوی عیش وعشرت اور دنیا کی زیب وزینت پر مفتون اور فریب خوردہ ہیں، اہل تصوف ایسے لوگوں کو عنین اور نامرد کہتے ہیں، بظاہر ان کا نکاح اگرچہ دنیا کے ساتھ ہو چکا ہے مگر ان کی معشوقہ دنیا بدستور باکرہ ہے، شاعر نے کہا: ؎

عارفے خواب رفت درفکرے ☆ دید دنیا بصورت بکرے

کرد از وے سوال کاے دلبر ☆ بکر چونی باایں ہمہ شوہر

گفت یک حرف باتو گویم راست ☆ کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست

وانکہ نامرد بود خواست مرا ☆ زان بکارت ہمیں بجاست مرا

ایک عارف ربانی ایک فکر کے ساتھ سو گئے تو دنیا ایک باکرہ لڑکی کی شکل وصورت میں اس کے پاس آئی، عارف نے پوچھا: کیا بات ہے کہ تیرے چاہنے والے شوہر تو بے حساب ہیں مگر تم بدستور باکرہ ہو؟ کہنے لگی: جو حقیقی مرد تھے انہوں نے مجھ سے نکاح ہی نہیں کیا، اور جن اربوں انسانوں نے مجھے چاہا اور میرے ساتھ نکاح کیا وہ سارے عنین اور نامرد تھے، اس لئے میری بکارت بدستور باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی عمر بہت زیادہ ہے، اور وہ بہت بوڑھی ہونے کے باوجود اپنے چاہنے والے عاشقوں کی نگاہ میں چودہ سالہ خوبصورت حسین وجمیل لڑکی معلوم ہوتی ہے، کوئی آدمی ایسا نہیں ملے گا جو اس کے عشق ومحبت میں مجنون کی طرح پاگل و دیوانہ نہ ہو، ہر شخص اس کے استقبال کے لئے اور اسے بغل میں لینے کے لئے حواس باختہ اور بیتاب ہے۔ البتہ جن لوگوں کو قرب الٰہی اور اقبال علی الآخرۃ کا شوق ومحبت حاصل ہو ان کی نظر میں دنیا اور اس کی نزاکتیں ہیچ در ہیچ اور بے حقیقت ہیں، اور کتے وخنزیر سے بدتر ہیں۔

فائدہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف مشرک کے ساتھ جو شرط قائم کی تھی اور سو اونٹ مقرر ہوئے تھے، جب اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے سات سال کے بعد رومی عیسائی غالب آگئے اور مجوسیوں کو شکست ہوئی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جیت گئے اور ابی بن خلف ہار گیا۔ ابی چونکہ مر چکا تھا لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے وارثوں سے سو

اونٹ وصول کر کے حاضر خدمت گرامی ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان اونٹوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سو اونٹوں کو صدقہ کیا، اس وقت تک جوے اور قمار و شرط کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔

اَوَلَمۡ یَتَفَكَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ۟ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ لَكٰفِرُوۡنَ ⑧ اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَعَمَرُوۡهَاۤ اَكۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡهَا وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ؕ⑨ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡٓاٰۤی اَنۡ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا بِهَا یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ⑩

ترجمہ: کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیانی مخلوقات کو پیدا نہیں فرمایا مگر حق کے ساتھ، اور ایک معینہ مدت تک، اور بلا شبہ بہت سے لوگ اپنے ربّ کی ملاقات کے منکر ہیں⑧ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے؟ سو دیکھ لیتے کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے، وہ لوگ قوت کے اعتبار سے ان سے بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو بویا جوتا اور اس سے زیادہ آباد کیا جتنا ان لوگوں نے آباد کیا ہے، اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے، سو اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، اور لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے⑨ پھر جن لوگوں نے برے کام کئے ان لوگوں کا برا انجام ہوا، اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا، اور وہ ان کا مذاق بناتے تھے⑩

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں فرمایا کہ لوگ ظاہری طور پر دنیا کی عیش وعشرت میں اتنے گم اور منہمک رہتے ہیں کہ آخرت کو بھول چکے ہیں، دراصل یہ چیز انہیں اس لئے غفلت میں ڈالتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور ملکوت میں تفکر و تدبر نہیں کرتے، اور صحیح معنی میں عقلمند و دانا وہ لوگ ہیں جو علوی اور سفلی مخلوقات میں تدبر اور غور وفکر کرتے ہیں، اس سے انہیں قدرت کے کمالات معلوم ہوتے ہیں جو کہ ان کے ایمان لانے کا باعث اور سبب ہوگا، اب ان آیات میں ان کو اور ان کے بعد آنے والی پوری دنیا جہاں کے انسانوں کو غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں کو اپنے نفسوں میں یہ سوچنا چاہئے کہ یہ جو آسمان وزمین اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اوران کے درمیان جو کائنات ہے اس کو وجود بخشا، یہ سب کسی بخت واتفاق کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حق کے ساتھ کسی اہم مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے، اوران کی پیدائش میں بڑی مصلحتیں اور بہتر سے بہتر حکمتیں ہیں، اور ان کا وجود دائمی نہیں، بلکہ ایک معینہ مدت کے لئے ہے، اور یہ چیزیں اپنے صانع اور پیدا کنندہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ اوراس کے برحق ہونے پر دلالت کنندہ ہیں، اورانہی چیزوں میں اس کی پہچان ہے جس سے عقلمند فائدہ اٹھاتے ہیں، اور ایمان لاتے ہیں، اور اپنی آخرت کو سنوار کر فوز وفلاح حاصل کرتے ہیں، اور بے عقل و بے سمجھ لوگ ان مخلوقات کے کارخانہ میں غور وفکر نہیں کرتے، اس طرح وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں، اوران کی آخرت تباہ ہوجاتی ہے، فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ کیا ان منکرین قیامت نے اپنے نفسوں میں غور وفکر نہیں کیا؟ سورۃ الذاریات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی توجہ اس کی قریب ترین چیز اس کے نفس کی طرف دلائی ہے کہ دور مت جاؤ، ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو، تمہیں ساری خدائی نظر آئے گی۔

﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ تمہارے نفسوں میں قدرت کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں، تمہارا وجود عالم اصغر ہے جس میں عالم اکبر کا ہر نمونہ موجود ہے، گویا کہ جمیع عالم کا ہر نمونہ اور آخرت کا ہر پیغام خاص کر حیات بعد الموت تمہارے نفسوں میں واضح طور پر موجود ہے، یہ رات کی نینداور صبح کی بیداری عجیب حیات وموت کا پیغام ہے۔

﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اوران کے درمیان والی مخلوقات کونہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ، یہاں پر حق سے مراد حکمت ہے، یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت کا شاہکار ہے، اوراس کی وحدانیت اور حکمت بالغہ پر دلیل ہے، اور یہ سارا نظام ایک مقررہ وقت تک کے لئے ہے، یعنی آسمان وزمین اور درمیانی تمام مخلوقات کی پیدائش ایک معینہ مدت کے لئے ہے، جب وہ وقت پورا ہوگا تو پورے عالم پر تباہی آئے گی، جس کا نام قیامت ہے، اگر یہ منکرین قیامت منکرین توحید اور منکرین نبوت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں اور عجیب وغریب قدرتی مصنوعات اور حکمتوں سے بھری ہوئی مخلوقات میں غور وفکر کرلیتے توان پر ہدایت کا راستہ کھل جاتا، اور اسباب ظاہری سے اعتماد اٹھ جاتا، اور اللہ تعالیٰ شانہ پر اعتماد محکم ہوجاتا۔

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ﴾ مگر بہت سے لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی

ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں وہ اسی جہاں کو آخری منزل سمجھتے ہیں، اور قیامت، حساب وکتاب، زندگی بعد از موت، جنت وجہنم سب کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ وہ تدبر وتفکر سے غافل ہیں، اگر یہ لوگ شیطان کے ناپاک وساوس کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر لیتے، اور قریب سے اپنے وجود اور پیدائش پر کچھ غور کرتے تو نتیجہ برعکس ہوتا، اور انہیں ہدایت نصیب ہو جاتی۔

﴿اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلتے پھرتے تا کہ دیکھتے کہ ان سے پہلے نافرمان قوموں کا کیا انجام ہوا، یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ گزشتہ تباہ شدہ اقوام کمزور تھیں، بلکہ: ﴿كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾ وہ لوگ ان موجودہ لوگوں سے قوت میں بہت زیادہ تھے، وہ تم سے قدوقامت ڈیل ڈول میں اور مال واسباب اور دیگر وسائل میں بڑے طاقتور تھے، جب نافرمانیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے لگے تو ان کی طاقت اور وسائل کچھ کام نہ آئے۔

﴿وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا﴾ انہوں نے زمین میں ہل چلا کر خوب کھیتی باڑی کی، اور پورے خطے میں زراعت کو ترقی دی، اور انہوں نے زمین کو زیادہ آباد کیا، اس سے جو انہوں نے آباد کیا یعنی گزشتہ تباہ شدہ اقوام نے دنیا کی آرائش اور زیبائش اور دیگر طرح طرح کی ترقی میں جو کارنامے انجام دیئے موجودہ لوگ ان ترقیوں سے بے بہرہ رہے۔ اہرام مصر آج بھی متمدن دنیا کو چیلنج کر رہا ہے کہ آؤ ذرا قسمت آزماؤ، میری طرح کا اہرام بناؤ، جہاں پچھتر پچھتر من وزنی پتھر استعمال ہوئے ہیں، اور سیکڑوں گز بلندی پر رکھے ہوئے ہیں، اور طرز تعمیر اتنا مسحور کن دلکش اور صاف وشفاف ہے جسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اسی طرح قوم عاد کے بادشاہ کا محل جو ہزاروں گز اونچا فلک بوس رہا، وہ پانچ ہزار سال تک لوگوں کی سیر وتفریح کا مرکز بنا رہا، اس کے کھنڈرات اب بھی حیران کن ہیں۔

﴿وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ پس ان کے رسول ان کے پاس واضح معجزات اور نشانیاں لے کر آئے، مگر انہوں نے صاف انکار کیا، اور حق کا مذاق اڑایا اور رسولوں علیہم السلام کو مجنون اور جادوگر کہا، اور ان کی تعلیمات کو جادو سے تعبیر کیا، ایک بہت بڑے عرصے تک وہ ڈھیل میں رہے جب مایوسی ہوئی تو آسمانی عذاب سے مکمل تباہ ہوئے، اسی کو فرمایا: ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ سبحانہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا۔

﴿وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی ذات

ہر عیب سے پاک ہے، اور ظلم بہت بڑا عیب اور بڑی بے انصافی ہے، اس سے اس کی ذات منزہ ہے، فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [النساء: ۴۰] (بیشک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا) اور ظلم کے تصور سے بھی پاک ہے۔

﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى﴾ پھر برے اعمال انجام دینے والوں کا انجام بہت ہی برا ہوا، اور یہ ہر شخص کے علم میں ہے کہ نیکی کا انجام خیر وعافیت ہے، اور برائی کا انجام شر وتباہی ہے۔

از مکافات عمل غافل مشو☆ گندم از گندم بروید جوز جو

﴿اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا، وحی الٰہی جو سرچشمۂ فیض وہدایت ہے اس کی تکذیب کی، بلکہ: ﴿وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ اور ان کے ساتھ استہزاء اور ہنسی مذاق کرتے رہے، اس مرض کا انجام اگر تباہی نہ ہو تو پھر کیا ہو؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے قہر وغضب سے محفوظ رکھے۔ آمین

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ⑪ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ⑫ وَلَمْ
يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ⑬ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ
يَّتَفَرَّقُوْنَ⑭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ⑮ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ⑯ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ
حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ⑱ يُخْرِجُ الْحَيَّ
مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ⑲

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے⑪ اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین ناامید ہو کر رہ جائیں گے⑫ اور ان کے شرکاء میں سے کوئی بھی سفارش کرنے والا نہ ہوگا، اور وہ اپنے شرکاء کے منکر ہوں گے⑬ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن لوگ متفرق حالتوں میں ہوں گے⑭ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ باغ میں مسرور ہوں گے⑮ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا سو یہ لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے⑯ سو تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت⑰ اور اسی کے لئے سب تعریف ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور دن کے پچھلے

اوقات میں، اور دوپہر کے وقت اس کی تسبیح بیان کرو⑱ وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے، اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے، اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندگی بخشتا ہے، اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے⑲

معارف ومنازل

ان آیات میں منکرینِ قیامت کی تہدید وتنبیہ کے ساتھ اثباتِ قیامت میں اور موت کے بعد دوبارہ زندگی کا بیان ہے۔ ﴿اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ اللہ تعالیٰ ہی مخلوقات کو ابتداءً پیدفرماتا ہے، پھر مرنے کے بعد دوبارہ اعادہ کرے گا، یعنی دوبارہ زندہ کرے گا۔ ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ دوبارہ زندہ کرکے تمہیں حساب وکتاب کے لئے اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا، اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن یہ تمام مجرم ناامید ہوجائیں گے، کیونکہ ان کے تمام جرائم سامنے آئیں گے، اور وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جائیں گے، اور انکار کی مجال نہ ہوگی، اور جان لیں گے کہ آج عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں، اسی کے ساتھ انہوں نے اپنے شرکاء اور معبودوں سے سفارش کی جو امید باندھ رکھی تھی آج وہ مکمل مایوس ہوجائیں گے، اور معبودوں کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر افسوس کریں گے، اسی کو فرمایا:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا﴾ اور ان کے شرکاء میں سے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا تھا ان میں سے کوئی ان کے لئے شفاعت کرنے والا نہ ہوگا۔ ﴿وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ اور یہ مشرکین اپنے شرکاء کے منکر ہوجائیں گے، اور کبھی یہ مشرک اپنے شرک کا بھی انکار کردیں گے۔ سورۂ انعام میں ہے کہ وہ کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [الأنعام: ۲۳] (اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم تو مشرک نہیں تھے)۔ مگر وہ منظر اتنا سخت اور ہوشربا ہوگا کہ ہر شخص کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے، اور تمام راز کھل جائیں گے، ذرہ برابر کوئی عمل نہیں چھپے گا، جیسا کہ فرمایا: ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ [الطارق: ۹] (اس روز تمام پوشیدہ راز کھل جائیں گے)۔

﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ﴾ اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن سب لوگ جدا جدا ہوجائیں گے، اور ہر طبقہ کے لوگ دوسرے طبقے سے الگ ہوجائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ مؤمن، کافر، منافق،

مشرک، موحد، نیک، بدکار، سودخوار، زانی، شرابی، رشوت خور، چور، اسی طرح علماء، طلباء، مجاہد، وغیرہ ہر طبقہ کے لوگوں کا اجتماع الگ ہوگا، اور کسی صورت میں اچھے اور برے کا ایک جگہ مخلوط اجتماع نہ ہوگا، اور نہ ہی اختلاط ہوگا، جنتی حضرات مختلف جنتوں میں مختلف نیک اعمال کے اعتبار سے متفرق ہوں گے، اور دوزخی دوزخ کے متفرق طبقات میں متفرق بُرے اعمال کے اعتبار سے ڈالے جائیں گے، اسی کو فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ﴾ پس جولوگ دنیا میں ایمان لائے اور نیک اعمال کئے تو وہ باغ جنت میں مسرور وخوشحال ہوں گے، خوشی کا اثر ان کے نورانی چہروں پر چمک دمک کے ساتھ نمایاں ہوگا۔ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَأُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ اور جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا ایسے لوگ پا بجولان زنجیروں میں جکڑے ہوئے عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

جمہور علماء تفسیر کے نزدیک ﴿فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ﴾ سے جنت کی خوشحالی اور تنعّم ونزاکت اور سرور مراد ہے۔ حضرت یحیٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے خوش حالی اور خوش الحانی کے ساتھ، تسبیح وتحمید اور تہلیل کا سماع اور نغمہ مراد ہے، جس کو سن کر اہل جنت کیف اور بے مثال سرور وخوشی میں ڈوب کر لطف اندوز ہوں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اہل جنت کو میری تسبیح، تحمید، اور تہلیل کا دلکش گیت سناؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ تم اپنی بینظیر سریلی آواز اور مسحور کن لہجہ میں اہل جنت کو قرآن کریم سناؤ، پس فرشتے اور داؤد علیہ السلام باری باری کے ساتھ گیت اور تلاوت سنائیں گے، یہ منظر اتنا دلفریب اور دلکش ہوگا، اور یہ لہجے اتنے عجیب وغریب حوصلہ افزا ہوں گے کہ جنتی بے خودی میں جھوم جھوم کر غیر اختیاری طور پر سبحان اللہ، الحمدللہ، لا إله إلا الله پڑھنا شروع کریں گے، اور ابدی طور پر سانس کی طرح بے تکلف۔ اللہ اکبر۔ ان کا یہ مشغلہ اور عمل جاری رہے گا۔ اور یہ انعام صرف اور صرف ان جنتیوں کے ساتھ مخصوص ہوگا جنہوں نے دنیا میں اپنے کانوں کو شیطانی باجوں اور سازوں سے محفوظ رکھا ہوگا۔ مزید تفصیل قرطبی اور مظہری وغیرہ میں دیکھیں۔

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ پس تسبیح بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جبکہ تم شام کرتے ہو، اور جب صبح کرتے ہو اسی کے لئے ہی حمد ہے آسمانوں اور زمین میں، اور تسبیح کرو اس کے لئے اخیر دن میں اور جبکہ تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔

ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد ذریعۂ سعادت اور دوزخ کے عذاب سے نجات کا ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے سے مراد ان تمام عیوب اور نقائص اور کمزریوں سے جو مشرکین اپنے شرک اور انکار آخرت سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس ذات بے ہمتا کے پاک اور منزہ ہونے کا اعلان واظہار کرنا ہے، اس اعلان و اظہار کی بہترین صورت نماز ہے، اسی بنا پر حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ، حضرت ابن زید رضی اللہ عنہم اور دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں تسبیح کرنے سے مراد نماز پڑھنا ہے، اور آیت کریمہ میں اوقات صلوٰۃ پر واضح اشارہ ہے، اور نماز اکثر عبادتوں کا جامع بھی ہے، اس لئے اس آیت کریمہ میں نماز کے چار اوقات کی طرف صاف اشارہ ہے: فجر، مغرب، عصر اور ظہر۔

اس کے علاوہ جو مزید اشارات جو قرآن کریم میں اوقات نماز کی طرف کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾[الاسراء:۷۸] (نماز قائم کرو سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کی تاریکی تک، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو)۔

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ [ھود:۱۱۴] (اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر)۔

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ [طه:۱۳۰] (اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے پہلے، اور رات کی کچھ گھڑیوں میں پھر تسبیح کرو، اور دن کے کناروں پر)۔

ان میں سے پہلی آیت بتاتی ہے کہ نماز کے اوقات زوال آفتاب سے عشاء تک ہیں، اور اس کے بعد پھر فجر کا وقت ہے، دوسری آیت میں دن کے دونوں سروں سے مراد صبح اور مغرب کے اوقات ہیں، اور کچھ رات گزرنے پر سے مراد عشاء کا وقت۔ تیسری آیت میں قبل طلوع آفتاب سے مراد فجر اور قبل غروب سے مراد عصر، رات کی گھڑیوں میں مغرب اور عشاء دونوں شامل ہیں، اور دن کے کنارے تین ہیں: ایک صبح، دوسرے زوال آفتاب، تیسرے مغرب۔ اس طرح قرآن حکیم مختلف مقامات پر نماز کے ان پانچوں اوقات کی طرف راہنمائی کرتا ہے جن پر آج دنیا بھر کے مسلمان متفقہ طور پر تواتر کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ محض ان آیات کو پڑھ کر کوئی شخص بھی اوقات نماز متعین نہیں کرسکتا تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ

کے مقرر کیے ہوئے داعی برحق معلّم قرآن حضرت سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ أرواحنا) خود اپنے قول اور عمل مبارک سے ان کی طرف راہنمائی اور ہدایت نہ فرماتے۔ منکرین حدیث (جو منکرین خدا اور رسول اور منکرین اسلام بھی ہیں) کی اس ناپاک جسارت پر غور کیجئے کہ وہ نماز پڑھنے کا مذاق اڑاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ نماز جو آج مسلمان پڑھ رہے ہیں یہ سرے سے وہ چیز ہی نہیں ہے جس کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ قرآن تو اقامت صلوٰۃ کا حکم دیتا ہے، اور اس سے مراد یہ نماز پڑھنا نہیں جو لوگ مسجدوں میں ادا کرتے ہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ: ''نظام ربوبیت'' قائم کیا جائے۔

ذرا ان سے پوچھئے کہ وہ کونسا نرالا نظام ربوبیت ہے جسے یا تو طلوع آفتاب سے پہلے قائم کیا جا سکتا ہے، یا پھر زوال آفتاب کے بعد سے کچھ رات گزرنے تک؟ اور وہ کونسا نظامِ ربوبیت ہے جو خاص جمعہ کے دن قائم کیا جانا مطلوب ہے؟ ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [الجمعة: ۹] (جب جمعہ کے نماز کے لیے آذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لیے دوڑ کر جاؤ)۔

اور نظامِ ربوبیت کی آخر وہ کونسی خاص قسم ہے کہ اسے قائم کرنے کے لئے جب آدمی کھڑا ہو تو پہلے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں دھولے اور سر پر مسح کرے، ورنہ وہ اسے قائم نہیں کر سکتا؟ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة: ٦] (جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوں تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو، اور اپنے سروں پر مسح کرو، اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو)۔

اور نظامِ ربوبیت میں آخر میں کیا خصوصیت ہے کہ اگر آدمی حالت جنابت میں ہو تو جب تک وہ غسل نہ کرلے اسے قائم نہیں کر سکتا؟ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ [النساء: ۴۳] (نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تم نشے کی حالت میں ہو، جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو، اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک غسل نہ کرلو، اِلّا یہ کہ تم مسافر ہو)۔

قرآن کریم کی یہ آیات اور دیگر بہت سی آیات صاف بتا رہی ہیں کہ اقامت صلوٰۃ سے مراد یہی نماز کو قائم کرنا ہی ہے جو مسلمان دنیا بھر میں ڈیڑھ ہزار سال سے پڑھ رہے ہیں۔ لیکن منکرین حدیث جو الحاد و زندقہ میں

ڈوبے ہوئے ہیں بجائے خود کو بدلنے کے قرآن کے بدلنے پر اصرار کرتے چلے جا رہے ہیں، اور یہ واضح ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ یہ کھیل وہ لوگ کھیل سکتے ہیں جو قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں سمجھتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے نہیں تھکتے، مگر جب اسلام کے شعائر اور بنیادی حقیقی چیزوں سے منکر ہو گئے تو ایسے لوگوں کا الحاد اور کفر واضح ہو گیا، اسی پر علماء امت کا متفقہ فیصلہ سامنے آیا کہ منکرین حدیث کافر ہیں، اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، اس فتوے پر دس ہزار علماء کرام نے دستخط کئے ہیں۔ الحمد للہ

بہر حال! اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ آیت میں عام اور مطلق تسبیح و تحمید کی تلقین مراد ہے، اور اسی بارہ میں ترغیب مقصود ہے کہ ان مذکورہ اوقات میں ذکر الٰہی کا پورے شوق و ذوق سے اہتمام ہو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو اختیار فرمایا، اور صاحب روح المعانی نے بھی اسی کو پسند فرمایا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں نماز پنجگانہ اور ان کے اوقات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ابن عباس، مجاہد، قتادہ، اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے۔ یہ دوسرا قول پہلے قول کے منافی نہیں، اس لئے کہ نماز کا افتتاح بھی تسبیح و تحمید سے ہوتا ہے۔ سبحانک اللّٰھم و بحمدک إلی آخرہ۔ لہٰذا نماز کی تسبیح و تحمید بھی عام تسبیح و تحمید میں داخل ہے، اس لئے کہ عام میں خاص بھی داخل ہوتا ہے۔

فائدہ:

''عشیا'' کا ترجمہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آخر روز سے کیا ہے، اور شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرے پہر سے، اور شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے پچھلے وقت سے کیا ہے، اس لئے یہاں ''عشیا'' سے عصر کی نماز مراد لینا درست اور صحیح ہے۔ پھر فرمایا:

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، جیسے انسان کو نطفہ سے اور مرغی کو بیضہ سے، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے جیسے انسان سے نطفہ اور مرغی سے بیضہ۔ اسی طرح مسلمان ماں باپ سے کافر اولاد کو، اور کافر ماں باپ سے مسلمان اولاد کو، عالم سے جاہل اور جاہلوں سے عالم، یہ رب العزت سبحانہ کی کمال قدرت کی نشانی ہے، اور اس کی حکمت پر مبنی ہے۔

﴿وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اور زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے، وہ ہر طرح کے نباتات، پھول، سبزے اور گھاس وغیرہ سے ہری بھری سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾ اور قیامت کے دن تم سب مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے نکالے جاؤ گے۔ انسان اگر اپنی رات کی نیند اور استراحت پر اور صبح کی بیداری وہشیاری پر غور کرے تو اسے زندگی بعد الموت کے متعلق نہایت واضح طور پر معاملہ سمجھ میں آئے گا، اور اس کے شکوک وشبہات سارے ختم ہو جائیں گے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝٢٠ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝٢١ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝٢٢ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝٢٣ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٢٤ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝٢٥ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝٢٦ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٢٧ۧ

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا، پھر اچانک تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو۲۰ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے (بیویاں) بنائے تا کہ تم ان کے پاس آرام کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا فرما دی، اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۲۱ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں کا پیدا فرمانا، اور زمین کا پیدا فرمانا، اور تمہاری بولیوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے، بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۲۲ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات میں اور دن میں، اور تمہارا تلاش کرنا ہے اس کے فضل (روزی) کو، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۲۳ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر ہوتا ہے اور امید بھی، اور وہ آسمان سے پانی اتارتا ہے، پھر اس کے ذریعہ زمین کو زندہ فرما دیتا ہے اس کی موت کے بعد، بلاشبہ

اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ﴿۲۴﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تم کو پکار کر زمین سے بلائے گا تو تم اسی وقت نکل پڑو گے ﴿۲۵﴾ اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، سب اسی کے حکم کے تابع ہیں ﴿۲۶﴾ اور وہی ہے جو مخلوق کو پیدا فرماتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا، اور وہ اس پر زیادہ آسان ہے، اور اسی کے لئے شان اعلیٰ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہ عزّت والا ہے، حکمت والا ہے ﴿۲۷﴾

معارف و منازل

گزشتہ آیات کی طرح ان مذکورۃ الصدر آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے چھ مظاہر آیاتِ قدرت کے عنوان سے بیان فرمائے گئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں، اجمالی طور پر وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق۔ (۲) مرد وعورت دونوں کی تخلیق جو کہ باعثِ سکون اور محبت و رحمت ہے۔ (۳) آسمان و زمین کی تخلیق اور انسانوں کی شکل وصورت اور زبانوں کا اختلاف، اور انسانوں کے لب ولہجہ وغیرہ کا اختلاف۔ (۴) رات کے سونے اور دن کی بیداری کے فوائد ومنافع کا بیان۔ (۵) بجلی اور بارش کا بیان جس سے مردہ زمین کا سرسبز وشاداب ہونا۔ (۶) آسمان اور زمین کا نظام قیام بقاء کا بیان۔ یہ ہیں کمالات قدرت اور دلائل براہین توحید کا اجمالی بیان، اب ان کی ترتیب اور اسی اجمال کی ترتیب سے ہر ایک کا بیان ہے، تو فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ایک امر یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ ﴿ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾ پھر اچانک تم انسان ہو کر زمین میں پھیل پڑے۔ کہاں حقیر اور سڑی ہوئی مٹی اور کہاں یہ احسن تقویم حسین وجمیل خوبصورت انسان اور اشرف المخلوقات بنی آدم، تو جس طرح انسان کو پہلی دفعہ مٹی سے پیدا کیا اسی طرح اس کو دوبارہ مٹی سے اٹھائے گا، جب تم پہلی تخلیق کو تسلیم کرتے ہو تو دوبارہ زندگی کو تسلیم کرنے میں کونسا امر مانع ہے؟

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ اس کی قدرت کی نشانیوں اور کمالات سے ایک امر یہ ہے کہ اس نے تمہارے سکون وراحت کے واسطے تمہاری جنس اور نفسوں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے، جب

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور انہی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرما کر ان کا جوڑا بنایا، اس سے ان کی وحشت دور ہوگئی اور انہیں بڑا سکون حاصل ہوا، پھر ان کے اختلاط سے بھی جوڑے (ایک لڑکا ایک لڑکی روزانہ) پیدا ہوتے رہے، یہاں تک کہ پوری نوع انسانی وجود میں آئی، اور یہ سلسلہ پورے زور وشور سے قیامت تک جاری رہے گا، تو گویا کہ مرد اور عورت دونوں کی جنس ایک ہی ہے، البتہ ان کی صنف الگ الگ ہے، اور اس جنسی اتحاد میں اتنے بے شمار فوائد ومنافع رکھے ہوئے ہیں جنہیں شمار ہی نہیں کر سکتے، یہ اسی کا کرشمہ ہے جو فرمایا:

﴿لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ تا کہ ان کے ساتھ مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو، اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت میں جو کشش رکھی ہے جس سے ان کو سکون حاصل ہو، اور ہر قسم کا اضطراب وغم دور ہو۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [البقرة: ۱۸۷] (عورتیں تمہارے لئے بمنزلۂ لباس کے ہیں، اور تم ان کے لئے لباس ہو)۔

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ ☆ ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ

بجنس خویش دارد میل ہر جنس ☆ فرشتہ با فرشتہ انس با انس

﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ اور رکھ دیا تمہارے درمیان باہمی محبت اور الفت وہمدردی۔ سبحان اللہ! بسا اوقات پہلے سے کوئی تعلق ورابطہ اور جان پہچان نہیں ہوتی محض عقد نکاح کے ساتھ وہ بے مثال محبت ودوستی قائم ہوجاتی ہے، جو دیگر تمام دوستیوں پر غالب آجاتی ہے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کے لئے جان قربان کرنا بھی سہل ہوجاتا ہے، اور ایسا بھی دیکھا گیا کہ ایک کی طبعی موت کے صدمہ سے دوسرا بھی چل بسا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے قالب میں ایک ہی جان تھی جو پرواز کرگئی۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں، اگر اس ایک ازدواجی مسئلہ میں اور دو مختلف طبیعت اور متفرق خیالات کے جوڑنے میں کوئی غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی صنعت بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہاں تک دوسرے مظاہر قدرت کا بیان تھا، اب تیسرے مظاہر قدرت کا بیان فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ﴾ اور منجملہ قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں کا اور رنگتوں کا مختلف ہونا،

آسمانوں کی بلندی جہاں تک شاید کسی کی رسائی نہ ہو، اور زمین کی پستی اور اس پر لاکھوں مخلوقات کی آبادی اور اسے کارآمد مخلوقات کے لئے بچھونا بنانا بھی، اور تمہاری زبانوں، لغات، طرزِ تکلم، لب ولہجہ کی تبدیلی، یہ سب قدرت کے کرشمے اور کمالات ہیں۔ اس وقت پورے عالم میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں، اور ایک ہی ہندوستان میں تین سو زبانیں مروج ہیں۔ اسی طرح قد وقامت، شکل وصورت، ظاہری بدنی ساخت اور طبعی اور مزاجی طور پر انسانوں میں اختلاف کا وہ سیع وعریض سلسلہ نمایاں ہے کہ آپ کو اربوں انسانوں میں ایک شکل وصورت کے دو آدمی مرد یا عورت بعینہ ایک جیسے کبھی نہیں ملیں گے حتی کہ پوروں اور ہاتھوں اور انگلیوں کی لکیریں اور آنکھوں کی لکیریں اور ان کی ساخت کبھی ایک جیسی نہیں ہوتی، غور وفکر کرنے والے اگر صحیح معنی میں غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے لئے یہی ایک ایک قدرتی شاہکار اور کرشمہ کافی ہے۔

ایک مادہ مٹی اور نطفہ سے غیر متناہی شکل وصورت پر انسانوں کی تخلیق بانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اور اکیلا ہے، اور ہر ہر چیز پر قادر ہے، ایک مادہ سے کھربوں بلکہ کئی کھربوں شکل وصورت پر محض ''کُنۡ فَیَکُوۡنُ'' کہہ کر پورے عالم کے انسانوں کی تخلیق فرمائی، اور اسی طرح طبائع وعقول اور کھربوں انسانی مزاجوں کی تخلیق فرمائی۔

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ﴾ بلاشبہ جو لوگ علم وفہم رکھتے ہیں ان کے لئے یہ نشانیاں کافی ہیں، اور جو لوگ جاہل وبے عقل ہوں انہیں تو کچھ بھی نظر نہیں آتا، وہ صرف اپنے پیٹ اور مفادات کے غلام ہیں، اور عجائبات قدرت سے گونگے بہرے اندھے ہیں، آپ نے اندازہ لگایا کہ روسی، امریکی اور کئی یورپی ملکوں کے سائنسدان، خلانورد خلا میں پہنچ تو گئے اور چاند پر مظاہر قدرت دیکھ بھی لئے، اور وہاں بھی پنجگانہ نمازوں کی اذانیں سنیں، مگر انہیں غور وفکر کا ایسا موقع نصیب نہیں ہوا جس سے ان مظاہر عالیہ کے خالق اور مالک کی شناخت اور معرفت حاصل کریں۔ ایک دیہاتی جھونپڑے میں زندگی گزارنے والے کو ایمان کی دولت تو نصیب ہوئی، مگر چاند پر کمند ڈالنے والا ایمان سے محروم رہا۔

﴿وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَابۡتِغَآؤُکُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ﴾ اور من جملہ آیات قدرت کے تمہارا رات میں اور دن میں سونا ہے، اور یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام زندگی طبعی کے تحت تمام انسان اور جانور (سوائے حشرات الارض کے) رات کے وقت آرام کرتے ہیں، اور دن کے وقت زندگی کے لئے معاشی نظام برابر

کرنے کے لئے مختلف کام کاج انجام دیتے ہیں، مثلاً تعلیم، محنت، مزدوری، تجارت، زراعت، ملازمت اور ہر طرح کے کاموں میں لگے رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق وروزی طلب کرتے ہیں۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ﴾ بیشک اس سونے میں اور روزی کی تلاش وطلب میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جن کی قوت سماعت صحیح اور درست ہے، اور بات اچھی طرح سے سنتے ہیں، اور عمل کرتے ہیں، جس طرح آنکھیں اور عقل ذرائع علم میں سے ہیں اسی طرح کانوں سے سماعت بھی علم کا ذریعہ اور سبب ہے، چنانچہ سننے کے بغیر اکثر وبیشتر علم حاصل نہیں ہوتا۔

شروع سے یہاں تک دلائل انفس کا ذکر تھا، آگے پانچویں نشانی سے دلائل آفاق کا ذکر ہے، فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور منجملہ دلائل قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بادل کے اندر سے بجلی دکھاتا ہے ڈر کے لئے اور امید کے لئے (بجلی میں دونوں چیزیں متوقع ہیں) کیونکہ جب بادل گرجتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے تو اس سے نقصان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اور نزول رحمت کی بھی امید ہوتی ہے۔

قریبی دنوں میں کعبہ شریف کے قریب گرج چمک کے ساتھ آسمانی بجلی وہاں موجود بہت بڑے کرین سے ٹکرائی اور کرین تباہ ہوکر زمین بوس ہوئی، تو ڈیڑھ ہزار کے قریب حجاج کرام شہید اور زخمی ہوئے، جس سے سارا نظام درہم برہم ہوگیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ سبحانہ آسمان کی طرف سے بادل سے پانی نازل کرتا ہے، پھر:

﴿فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ اس پانی سے زمین کو خشکی اور ویرانی ومردگی کے بعد زندہ کرتا ہے، چنانچہ سوکھی زمین زندہ ہوکر لہلہانے لگتی ہے، اور سرسبز وشاداب ہوجاتی ہے۔ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ بیشک اس میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، کیونکہ جو عقل رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ برق وباران، یہ آسمانی بجلی سب قدرت کے کرشمے ہیں، اور زمین کے لئے پیغام حیات ہیں، اور انسانوں کے لئے پیغام خوشحالی وسبب بقاء ہیں۔

اب چھٹی دلیل نظام کائنات کے متعلق فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾ اور منجملہ دلائل قدرت کی نشانیوں کے یہ ہے کہ آسمان بغیر ستون کے نہایت وسعت اور بلندی کے باوجود قائم ہے، اور زمین پانی پر ٹھہری ہوئی بدون اضطرابی حرکت کے کھڑی ہے، ذرا غور سے دیکھا جائے اور اس کائنات کے پورے نظام تکوینی پر غور کیا جائے تو ہر ہر چیز سے مالک

الملک کی خالقیت و مالکیت پر واضح طور پر دلائل قائم ہیں۔

الغرض! ان دلائل کا حاصل یہ ہے کہ تمام نظام عالم جس کا ان آیات قدرت میں ذکر ہوا وہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے چل رہا ہے، اور ایک دن یہ سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ [ابراهيم:۴۸] (جس دن اس زمین کو دوسری زمین میں تبدیل کردی جائے، اور آسمان بھی)۔ اس تبدیلی کا نام قیامت ہے جس کے متعلق ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ﴾ پھر اس وقت یہ ہوگا کہ وہ جب تم کو پکار کر زمین کے اندر سے بلائے گا تو تم سب یکبارگی زمین سے یعنی اپنی قبروں سے نکل پڑو گے، یہ بلاوا صور اسرافیل کے ذریعہ ہوگا۔ ﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، جو کچھ زمین میں ہے سب چیزیں اس کی مخلوق اور اسی کے ملک میں ہیں، اور ہر چیز تکوینی طور پر اسی کی اطاعت گزار ہے، مجال نہیں کوئی اس کے حکم سے سرکشی اختیار کرے۔

البتہ! جو لوگ ظاہری طور پر سرکشی کرتے ہیں مگر اس کے تکوینی حکم کے سامنے وہ بھی مجبور ہیں، اور طوعاً و کرہاً وہ بھی نظامِ الٰہی کے ماتحت ہیں، کبھی غربت، کبھی مصائب اور قدرتی آفات، نیز امراض و پریشانیوں کا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شکار رہتے ہیں، اور تباہیوں سے دوچار رہتے ہیں، جنہیں دم مارنے کی جرأت تک نہیں ہوتی۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ اور وہی اللہ تعالیٰ عزّ وجل ہے جو مخلوقات کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر مار ڈالتا ہے، پھر اس کو دوبارہ زندہ کردے گا، اور وہ دوبارہ پیدا کرنا اس پر بہت آسان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا پہلی بار بغیر نمونے کی تخلیق کرنا دوبارہ اعادہ کرنے سے ذرا مشکل ہوسکتا ہے، مگر جسے پہلی تخلیق پر کوئی دقت پیش نہیں آئی اس کے لئے دوبارہ تخلیق کرنے میں کونسی دشواری پیش آئے گی؟

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اسی کے لئے ہے بلند و بالا عظمت و شان آسمانوں اور زمین میں۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان زمین و آسمان میں بلند ہے، اور اس بلند صفت سے مراد "لا إله إلا الله" ہے کہ اس کی وحدانیت اور خالقیت و مالکیت اور معبود برحق ہونے کا پیغام اور سند ہے، بلکہ یہ کلمہ اس کی تمام صفات اور اسماء حسنیٰ کا ترجمان برحق ہے۔ ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہی غالب ہے، حکمت والا ہے، یعنی اس کے ارادے اور مشیت میں کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی۔

ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ هَلۡ لَّكُمۡ مِّنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ شُرَكَآءَ فِيۡ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ فَاَنۡتُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ تَخَافُوۡنَهُمۡ كَخِيۡفَتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۚ فَمَنۡ يَّهۡدِيۡ مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک مثال بیان فرمائی جو تمہارے نفسوں کے اندر سے ہے جن کے تم مالک ہو، کیا ان میں سے کوئی اس مال میں شریک ہے جو ہم نے تمہیں دیا کہ وہ اور تم اس میں برابر ہو، تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جیسا کہ اپنے نفسوں سے ڈرتے ہیں؟ ہم اسی طرح آیات کو بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ﴿۲۸﴾ بلکہ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ بغیر علم کے اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں، سو جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اسے کون ہدایت دے گا؟ اور کوئی بھی ان کے لئے مددگار نہ ہوگا ﴿۲۹﴾

معارف ومنازل

مشرکین جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلوق کو شریک کرتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر ایک سوال فرمایا، اور وہ یہ کہ تم لوگوں کو ہم نے مال دیا ہے، اس مال میں تمہارے غلام اور نوکر جو تمہارے ہی جیسے انسان ہیں شکل وصورت ہاتھ پاؤں مقتضیاتِ طبعیہ سب چیزوں میں تمہارے شریک ہیں، مگر تم ان کو اپنے اقتدار اور تصرف و اختیار میں اپنے برابر نہیں بناتے کہ وہ بھی تمہاری طرح جو چاہیں کریں، جو چاہیں تصرف کریں، اور اپنی مرضی پر جیسے چاہیں مال خرچ کریں، بالکل اپنے برابر تو کیا بناتے ان کو اپنے مال و اختیار میں ادنیٰ سی شرکت کا حق بھی نہ دیتے ہو، جیسے کسی جزوی اور معمولی شریک سے آپ ڈرتے ہیں کہ اس کی مرضی کے بغیر اگر کوئی تصرف کرلیا تو وہ اعتراض کرے گا، تم اپنے غلاموں نوکروں کو یہ درجہ بھی نہیں دیتے کہ کسی تصرّف میں ان کے اعتراض سے خوفزدہ ہوجاؤ۔

تو خوب غور کرو، یہ تمام مخلوقات، فرشتے، جن، انسان اور پوری کائنات یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور اس کے غلام، نوکر، اور بندے ہیں، پھر کتنی جسارت اور بے شرمی کے ساتھ اس کے ناتواں، بے سہارا اور کمزور بندوں کو تم اس کا شریک اور برابر گردانتے ہو، تمہاری عقلوں پر جہالت اور نادانی کا اور تمہاری آنکھوں پر سرکشی و حماقت کا ایسا تاریک بھیانک پردہ پڑا ہوا ہے جو آسان سے آسان چیزوں کے دیکھنے اور سمجھنے سے بھی عاجز ہو اور قاصر ہو، لگتا ہے کہ بے جان پتھر ہو۔

﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی نفسوں میں سے ہی ایک مثال بیان کی ہے، وہ یہ ہے کہ: ﴿هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ کہ اے آزادلوگو! تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ جس چیز کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی تمہارے لونڈی غلام جو ہماری عطا کردہ روزی میں تمہارا شریک ہو، اور پھر تم اور وہ اس روزی میں برابر ہو جاؤ، تو کیا تم یہ گوارا کرتے ہو؟

مطلب یہ ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تمہارے زرخرید غلام تمہارے ساتھ مال ودولت میں برابر کے حصے دار بن جائیں، تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنی جائیداد میں اپنے غلام کی شراکت کو تسلیم کرنے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا۔ فرمایا: صرف مال میں شراکت تک ہی بات محدود نہیں، بلکہ:

﴿تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ تم ان غلاموں سے بھی اسی طرح خوف کھاؤ جس طرح تم آزاد ایک دوسرے سے ڈرتے ہو اور خوف کھاتے ہو، جب تم ان مجازی غلاموں کو کسی صورت میں بھی اپنے برابر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو پھر مالک وخالق حقیقی اللہ سبحانہ کے ساتھ اس کی مخلوقات کو کیسے شریک ٹھہراتے ہو جو ہر اعتبار سے بلند وبالا وعظمت والا ہے، پس تم سے بڑا ناداں واحمق اور پاگل شاید کوئی نہ ہو جس کے نزدیک کوہ ہمالیہ اور رائی کے دانے میں فرق نہ ہو۔ فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں اپنی نشانیاں اس گروہ کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں مگر ظالم اور سرکش لوگ عقل کے اندھے ہوتے ہیں، انہیں تو تفصیلی نشانیاں نظر نہیں آتیں، اور مظاہر قدرت کے اتباع سے وہ محروم رہتے ہیں۔ فرمایا: ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بلکہ ان مشرک ظالموں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے، اور وہ بھی بغیر کسی علم اور دلیل کے اس گمراہی اور اتباع خواہشات پر اور ظلم وشرک پر، ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے نہ عقلی دلیل۔

﴿فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ﴾ پس اس شخص کو کون ہدایت دے جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا ہو؟ ایسے گمراہوں کی ہدایت کا پورے جہاں والوں کے پاس بھی کوئی ذریعہ وہمت نہیں۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ ایسے لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچائے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: آپ ایک طرف ہوکر اسی دین کی طرف اپنا رخ رکھئے حنیف بن کر، اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کیجئے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے، یہ دین قیم ہے، اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۳۰﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کی فطرت کا اتباع کرو، اور اس سے ڈرو، اور نماز قائم کرو، اور مشرکین میں سے نہ ہوجاؤ ﴿۳۱﴾ جنھوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، اور مختلف گروہ ہوگئے، ہر گروہ اس چیز پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے ﴿۳۲﴾

معارف ومنازل

شرک وکفر کی مذمت کے ساتھ جب اس کی تردید بھی ہوگئی تو حق واضح ہوا، تو اسی پر تفریع کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے متبعین کو خطاب ہوا کہ آپ حضرات اتباعِ حق کے ساتھ پورے یقین واعتماد کے ساتھ سیدھے راستے پر قائم رہیں، اور اپنا رخ دین قیم (ملّت ابراہیمی) کی طرف رکھیں، اور پوری زندگی اسی پر جمے رہیں، اور حنیف بن کر تمام مذاہب اور دینوں سے ہٹ کر یکسو ہوکر اسی دین قیم کے ساتھ منسلک اور لگے رہیں، جو دین اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھیجا ہے اور پسند کیا ہے یہی دین الٰہی بھی ہے اور ذریعہ نجات اخروی بھی ہے، اس کے علاوہ سارے ادیان باطل اور شیطانی ہیں، ان سے اعراض کریں۔

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا﴾ اے پیغمبر! آپ اور آپ کے پیروکار متبعین اپنے چہروں کو (رخ کو) دین الٰہی کی طرف سیدھا رکھیں (قائم کریں) حنیف بن کر، یعنی تمام باطل ادیان سے ہٹ کر صرف دین الٰہی اسلام کی طرف متوجہ ہوں، جیسے آپ ساری جہات سے ہٹ کر صرف کعبہ شریف کا رخ کرتے ہیں، اسی طرح دنیا کے سارے نظریات (ادیانِ باطلہ) سے ہٹ کر صرف دین الٰہی پر قائم ہوں، اسی کو فرمایا: ﴿حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ﴾ [الحج: ۳۱] (اللہ کے لیے یکسو ہوکر، اس کے ساتھ شرک کرتے ہوئے نہیں)۔ پھر فرمایا:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں (بنی آدم) کی

تخلیق فرمائی ہے، آپ اور آپ کے متبعین اسی کا التزام کریں، اور اسی فطرت پر زندگی گزاریں۔

''الفطرۃ'' فطرت مضاف، لفظ اللہ مضاف الیہ، تخلیق، بناوٹ وغیرہ۔ پروفیسر عبدالرؤف مصری نے لکھا ہے کہ فطرت ان خصوصی صفات کو کہتے ہیں جن سے کسی قوم یا فرد کی اچھی یا بری شخصیت بنتی ہے، مثلاً شجاعت، قوت، ذہانت، دانشمندی، مکاری، خیانت وغیرہ۔ امام راغبؒ نے لکھا ہے: فطرت اللہ سے مراد ہے: انسان کی وہ پیدائشی (تخلیقی) قوت واستعداد جس سے ایمان کا حصول ہوتا ہے۔

یہاں آیت کریمہ میں فطرت اللہ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دین اسلام مراد ہے، مگر یہ قول کمزور ہے، کیونکہ متصل ارشاد ہے: ﴿لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ﴾ اس کے معنی یہ ہیں کہ فطرت اللہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، وہ ہر شخص کے ساتھ موت تک قائم ہے، حالانکہ اسلام کی تبدیلی پیدائش سے اتنی بکثرت ہے کہ کھربوں پدموں انسان فطرت اسلام پر پیدا ہونے کے باوجود مشرک اور کافر ہو چکے ہیں، اور ہو رہے ہیں، اور آنے والی صحیحین کی حدیث میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ ہر مولود کی پیدائش فطرت پر ہے، لیکن والدین فطرت پر پیدا شدہ بچوں کی فطرت تبدیل کر کے انہیں غیر مسلم یعنی یہودی، نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں۔

لہٰذا فطرت سے اسلام مراد لینا بہتر نہ ہوگا، بلکہ جمہور علماء کرام نے جو فرمایا وہ صحیح اور بیداغ ہے، وہ یہ ہے کہ فطرت سے مراد صلاحیت، قابلیت اور قبول حق کی استعداد ہے، اور قوت واستعداد قبول حق موت تک ہر شخص کے ساتھ قائم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسا کہ چوپایہ کا بچہ بالکل صحیح سالم بے عیب پیدا ہوتا ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس کا کوئی حصہ کٹا ہوا نہیں تھا؟ اس کے بعد لوگوں نے اس کے کان کٹوا کر نشان لگائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ﴿فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِيۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ﴾ [متفق علیہ]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں قبول حق کی صلاحیت وقابلیت اور استعداد رکھی ہے، جو کبھی سلب نہیں ہوگی، اور موت تک بھی ہر کافر کو یہ استعداد حاصل رہے گی، اور اتمامِ حجت کا سب سے بڑا ثبوت یہی استعداد ہے، یہ قابلیت بلوغ کے زمانہ سے لے کر سکرات الموت تک باقی رہتی ہے، اگر انسان اپنے ماں باپ یا معاشرہ کے ماحول میں کافر ومشرک ہوگیا تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی استعداد دب گئی، اور اس پر پردہ لگ گیا، مگر اس کے باوجود اگر ساٹھ

سال کا فرانہ زندگی گزارنے کے بعد بھی اگر اپنی عقل کو کام میں لائے اور کسی جبری یا دنیاوی رکاوٹ سے مجبور نہ ہو تو استعداد کی موجودگی کی وجہ سے حق کو قبول کر لے گا، اور دین حق پر آئے گا، تو فطرت سے مراد یہی استعداد ہے، اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ:

﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ مطلب یہی استعداد ہے کہ اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش باقی نہیں، اور یہ استعداد نہ بدلتی ہے اور نہ ضائع ہو جاتی ہے، بلکہ مدار تکلیف ہے، اور اتمام حجت کی بنیاد ہے، کیسا ہی مشرک و کافر ہو اگر اپنی عقل سے کام لے، اور غور و فکر کرے تو اسلام قبول کرنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا، اسی استعداد نے تو فرعون جیسے مدّعی اُلوہیت کو غرق ہوتے وقت سہارا دیا اور: ﴿اٰمَنْتُ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہنے پر مجبور و آمادہ کیا، وہ اور بات ہے کہ ایسے وقت پر ایمان لانا کارآمد نہیں ہوتا۔

آیت کریمہ: ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ کا جملہ اگرچہ نفی کے معنی میں جملہ خبر یہ ہے مگر بعض حضرات کے نزدیک یہ جملہ انشائیہ بمعنی نہی کے بھی ہے کہ فطرت والوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ہر وہ چیز جو فطرت سلیمہ کے لئے مضر ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے، اور غلط کاموں، غیر شرعی اور مخالف فطرت امور کو اختیار نہ کرو، اور تمام برے اور باطل لوگوں کی صحبت ہرگز اختیار نہ کرو۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یہ دین قیم ہے سیدھا راستہ ہے، جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ [الأنعام:۱۶۱] (ایسا دین جو سیدھا ہے، ابراہیم کی ملّت، جو یکسو ہیں)۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور اکثر لوگ مقاصد فطرت کو نہیں جانتے اور غور و فکر کی نعمت سے بھی محروم رہتے ہیں، پھر فرمایا: ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ﴾ آپ فطرت الٰہی کا اتباع اور التزام کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، وہ اس طرح کہ: ﴿وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور تقویٰ اختیار کرو، اور نماز قائم کرو۔

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو، اور: ﴿مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا﴾ شِیَع جمع ہے شیعہ کی، بمعنی جماعت کے، جو لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل میں اور شیطانی خیالات اور بوالہوسی میں اپنے دین میں فرقہ بندی اور تفرقہ ڈال کر اصل فطرت اور توحید سے ہٹ گئے، کیونکہ اصل بنیاد توحید ہے، اور موحدوں پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا مبارک ہاتھ رکھا ہوا ہے، اور جب لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید سے منکر و بے گانہ ہو جاتے ہیں تو ان کے سروں سے ربّ العزّت کی رحمت کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے، جس کے بعد ان پر شیطان کا

تسلط مضبوط ہوجاتا ہے، اور انہیں طرح طرح کے تفرقے اور اختلافات میں ڈال دیتا ہے جس سے گروہ بندیوں کا وہ خطرناک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے کہ ہر گروہ خود کو حقیقی سمجھتا ہے اور دوسروں کو گمراہ۔

امام دارمیؒ نے بحوالہ ابراہیم بن اسحاقؒ بروایت عبداللہ بن مبارکؒ امام اوزاعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ابلیس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ تم اولادِ آدم کے پاس بہکانے کے لئے کس طریقے سے جاتے ہو؟ دوستوں نے کہا: یہ بات بہت مشکل ہے، کیونکہ موحد لوگ بار بار استغفار کرتے ہیں، اور ہمارے وسوسے اور چالوں کو ناکام بناتے ہیں، ابلیس نے کہا: میں ان کے اندر ایسی چیز پھیلا دوں گا جس سے وہ کبھی استغفار نہیں کریں گے، کیونکہ اس چیز کو وہ گناہ ہی نہیں خیال کریں گے بلکہ حق سمجھیں گے، چنانچہ ابلیس نے اولادآدم کے اندر خواہشات اور بدعات کا اختلافات پھیلا دیا۔ [دارمي]

ہمارے زمانہ کے اہلِ بدعت اسی شیطانی حربے کا شکار ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرورعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لوگ بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوگئے، جبکہ میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقہ کے باقی سب جہنمی ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ وہ جنتی فرقہ کونسا ہوگا؟ فرمایا: جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں، یہ فرقہ ناجیہ ہوگا۔ [ترمذی]

اور یہ واضح ہو کہ مشرکین، کفار، ہندو، کمیونسٹ، یہود ونصاریٰ، پارسی، قادیانی، پرویزی، اسماعیلی، اہل بدعت، خوارج، روافض وغیرہ سے ہمارے اہلسنت والجماعت کے اختلاف عقائد ونظریہ کی بنیاد پر نظریاتی ہیں، اور یہ سب فرق باطلہ ہیں، البتہ فروعات اور مسائل میں اختلاف جیسے حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی یہ عین رحمت ہیں، اور کسی طرح یہ ضرر رساں نہیں، بلکہ رحمت الٰہی کی علامت ہے۔

﴿ وَكَانُوا شِيَعًا ﴾ اور یہ لوگ گروہ در گروہ جہنمی ہوکر تقسیم ہوگئے اور وہ اس حال میں ہیں۔ ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ ان میں سے ہر ہر گروہ اپنے زعم باطل میں خوش ہے، اور یہی سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں، اور میرا مسلک صحیح اور برحق ہے۔ دراصل یہ سارے جہنمی فرقے ہیں، اور فطرت اسلامی سے کہیں دور ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ
مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ

أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً
فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے ربّ کو پکارتے ہیں، اس کی طرف رجوع ہو کر، پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھا دیتا ہے تو اچانک ان میں سے بعض لوگ اپنے ربّ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں ﴿۳۳﴾ تاکہ وہ اس کے منکر ہو جائیں جو ہم نے انہیں دیا ہے، سو مزے اڑا لو، عنقریب جان لو گے ﴿۳۴﴾ کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے؟ سو وہ ان سے اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو وہ شرک کرتے ہیں ﴿۳۵﴾ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا کچھ مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں، اور اگر ان کے اعمالِ بد کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو اچانک وہ ناامید ہو جاتے ہیں ﴿۳۶﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں توحید کے متعلق بیان ہوا کہ توحید خالص فطری امر ہے، اور ہر مولود میں توحید کو تسلیم کرنے کی صلاحیت فطری طور پر موجود ہے، اب ان آیات میں انسانوں کی فطرت سے ہٹ کر ناشکری اور خودغرضی اور مفاد پرستی کا بیان، اور توحید سے انحراف پر ان کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے، فرمایا:

﴿وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُم مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ﴾ جب کسی انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں، اور مصیبت میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس موقع پر اپنے باطل معبودوں کو چھوڑ دیتے اور بھول جاتے ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مصیبت دور کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، اور کوئی مشکل کشا نہیں بن سکتا۔ جس طرح دریائی طوفان کے وقت سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کرتے ہیں مگر یہ چیز ان کے عقیدہ کا حصہ نہیں، کیونکہ:

﴿ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُم مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ﴾ پھر جب ہم ان کو اپنی رحمت اور مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں اور انہیں اس مصیبت سے نجات دیدیتے ہیں تو بجائے شکرگزاری اور احسان مندی کے وہ الٹا ناشکری اور احسان فراموشی پر اتر آتے ہیں، اور اپنے محسن حقیقی کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں، باوجود اس کے کہ وہ بہتر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں، اگر انہیں غیر اللہ سے کسی نفع کی امید ہوتی تو وہ ہرگز مصیبت کے

وقت انہیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہوتے، پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرمایا:

﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا﴾ تا کہ ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے ان کو عطا کی، یہ لام عاقبت اور نتیجے کے لئے ہے، یعنی ہم نے تو ان کو مصیبت سے نجات دیدی تا کہ ہماری اس نعمت کا شکرادا کریں، مگر انجام یہ ہوا کہ بجائے شکر کے ناشکری پر اتر آئے، اچھا تم ایسے کرنے سے نہیں بچو گے خوب مزے اڑالو عیش کرو، مگر یادرکھو:﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ تمہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا، جب تم عذاب میں ہمیشہ کے لے مبتلا ہوجاؤ گے۔

﴿اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ﴾ کیا ہم نے ان لوگوں پر کوئی دلیل اور برہان اتاری ہے؟ پس وہ انہیں بول کر خدا کے ساتھ شریک کرنا بتلاتی ہے، فرمایا: ایسی کوئی دلیل نہیں اتاری، بلکہ یہ لوگ اپنے لئے باطل دلیل تلاش کر کے جہنم خرید رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی سلطان یعنی سند نہیں آئی، یعنی کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی جس نے انہیں شرک کا بتایا ہو، یا تعلیم دی ہو، یا ان کے شرک کی تائید وتحسین کی ہو، ان باتوں میں سے کوئی نہیں۔ شرک کے درست ہونے کے متعلق ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل موجود ہے اور نہ عقلی دلیل، لہٰذا ان کا دین باطل اور بے بنیاد ہے اور صریح گمراہی میں ہیں۔ پھر ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی دوسری حالت بیان فرمائی ہے:

﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا﴾ اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوش ہوجاتے ہیں۔ ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ﴾ اور اگر ان کے اعمالِ بد کے بدلہ میں جو ان کے ہاتھوں نے انجام دیئے ہیں انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ فوراً مایوس ناامید ہوجاتے ہیں، اور خدا کا شکوہ شروع کرتے ہیں، انہیں چاہئے کہ برے اعمال سے تائب ہوں، اور گناہوں سے اور اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں سے تائب ہوں، اس طرح عذاب اور مصیبتوں سے بھی محفوظ رہیں گے، اور ناامیدی ومایوسی کا خود بخود سدّ باب ہوجائے گا، اور ہر مصیبت سے محفوظ رہیں گے، گویا مصیبت کا آنا اور نہ آنا ان کے اپنے ہاتھ میں ہے، اگر اچھا عمل کریں گے تو مصیبت نہ آئے گی، اور اگر برے عمل کا ارتکاب کریں گے تو خوار وذلیل ہوں گے۔

یہ کافروں کا حال بیان ہوا، مگر اہل ایمان ایسے نہیں ہوتے، وہ نعمتوں پر شکرادا کرتے ہیں، اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں، اور مصیبتوں کو برے اعمال کا نتیجہ سمجھ کر برائیوں کو ترک کردیتے ہیں، اور مایوس نہیں ہوتے، ہر وقت رحمت الٰہی کے طلبگار رہتے ہیں امیدوں کے ساتھ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا
الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ
زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ رزق فراخ کرتا ہے جس کے لئے چاہے، اور تنگ کر دیتا
ہے؟ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿۳۷﴾ سو اے مخاطب! تو رشتہ دار کو اس کا حق
دیدے، اور مسکین کو، اور مسافر کو، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں
جو کامیاب ہیں ﴿۳۸﴾ اور جو بڑھنے والی چیز تم دو گے تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھ جائے، سو وہ اللہ تعالیٰ
کے نزدیک نہیں بڑھے گی، اور جو بھی زکوٰۃ تم دو گے جس کے ذریعہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جو
بڑھانے والے ہیں ﴿۳۹﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر
تمہیں زندہ فرمائے گا، کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ اللہ تعالیٰ ان
کے شرک سے پاک ہے، اور برتر ہے ﴿۴۰﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں نافرمان لوگوں کا بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، اور مصیبتوں پر صبر کے بجائے مایوس ہو جاتے اور شکوہ کرتے ہیں، بخلاف اہل ایمان کے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو شکر کرتے ہیں، اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو صبر کا دامن تھام لیتے ہیں، اور اسی کے ساتھ وہ ہر قسم کی خوشحالی اور تنگی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں، اور اسی طرح رزق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی جانتے ہیں۔

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے اس کے رزق میں اسے وسعت دیتا ہے، اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ بیشک اس میں ایمان والوں کے لئے ہماری قدرت اور حکمت کی

نشانیاں ہیں، رزق کی فراخی کا تعلق محنت اور علم وفہم اور ہوشیاری کے ساتھ نہیں، اور رزق کی تنگی کا تعلق بھی بے علمی اور سادگی اور بے ہنری کے ساتھ نہیں، ہم مشاہدہ کررہے ہیں کہ بے عقل اور اکثر بے علم و بے ہنر لوگ سرمایہ دار ہیں، دوسری طرف بڑے عقلمند اور دیندار و ہوشیار لوگ تباہ حال اور خوار ہیں، پس معلوم ہونا چاہئے کہ رزق کی فراخی اور تنگی کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ جسے چاہے مالدار بنائے اور جسے چاہے مفلس بنائے، انسانی جدو جہد کا اس کے ساتھ تعلق نہیں۔

اسی طرح عزّت وذلّت اور خوشحالی و پریشانی اور صحت و بیماری، یہ سارے مافوق الاسباب کے ساتھ متعلق اشیاء ہیں، جوسب کے سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ فقط۔ ساٹھ ستر سال سے دنیا کے لئے شب وروز محنت کرنے والے لوگ نانِ شبینہ کے محتاج ہیں، اور ایک سال کے کاروباری بڑے بڑے شاہوکار ہیں، اسی طرح بڑے بڑے عقلاء مفلس اور محتاج ہیں، اور پرلے درجے کے نکمے لوگ سرمایہ دار ہیں، تو واضح ہوا کہ یہ تقسیم صرف قدرت کے ہاتھ میں ہے، اس میں انسانی عمل کا کوئی دخل نہیں۔ البتہ انسانی جدوجہد ضرور اسباب کے درجے میں ہے، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، پس جن لوگوں کے رزق وسیع اور فراخ ہوں انہیں چاہئے کہ اس رزق کی زیادتی کو اپنا کمال و ہنر نہ سمجھیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھیں، اور اسی کے حکموں کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں اس کی رضا کی نیت اور ارادے سے کارخیر اور مستحق جگہوں میں خرچ کریں، جن کا بیان یہ ہے:

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ لہٰذا صاحب قرابت لوگوں کو انکا حق دیدیں، اور صلہ رحمی کریں، اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق دیں، قرابت داروں میں سب سے پہلے ذوی الفروض ہیں، دوسرے نمبر پر عصبات ہیں، اور تیسرے نمبر پر ذوی الارحام ہیں، یہ مضمون سورۃ البقرہ آیت: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ [البقرة:۱۷۷] (نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق اور مغرب کی طرف رخ پھیرو)۔ اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ [الإسراء:۲۶] (اور رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دے دو) کے ذیل میں، اور اسی طرح سورۂ بقرہ رکوع ۳۶، اور ۳۷ کی تفسیر دیکھ لیں۔

﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار ہیں۔ ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ

﴿اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ﴾ تم جو کچھ بڑھنے والی چیز (سود) دو گے تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہوکر بڑھ جائے سو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھے گی، کیونکہ غیر شرعی طریقہ حرام کے ذریعہ سے جو مال آئے وہ ظاہر میں ضرور بڑھتا ہے مگر حقیقت میں بے برکت ہوکر گھٹتا ہے، جیسے رشوت وغیرہ۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں سود لینے کی ممانعت بیان فرمائی ہے، اور اس کی بے برکتی کو واضح فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی کو قرض کے طور پر مال دو گے تاکہ وہ دوسروں کے مال میں شامل ہوکر زائد مال لے کر آئے تو اگرچہ تمہارے خیال میں اس سے مال میں اضافہ ہوا یا ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہ ہوگا، اور سود لینے کی نیت سے دینا ہی حرام ہے، پھر جو زائد مال مل گیا وہ بھی حرام ہے، اور جو بظاہر زیادہ ہوا ہے تو وہ صرف تمہاری نظروں میں زیادہ ہوا ہے، حقیقت میں یہ حرام ہونے کی وجہ سے زیادہ ہوا نہیں، شرعاً اس زائد مال کا واپس کرنا واجب ہے، اور عدم واپسی کی صورت میں بے برکت ہوگا اور ختم ہوجائے گا، اس کے ساتھ حرام خوری کا گناہ بھی سر پر ہوگا، جیسے ارشاد ہے: ﴿یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرۃ:۲۷۶] (مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سبحانہ سود کو، اور بڑھاتا ہے خیرات کو)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک سود اگرچہ بہت ہوجائے مگر اس کا انجام زوال اور کمی ہے۔ [مشکوۃ]

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ اس بخشش اور عطیہ کے بارہ میں ہے جس میں مال دینے والے نے یہ نیت کی ہو کہ جن لوگوں کو عام حالت میں یا خاص مواقع پر شادی بیاہ اور دیگر موقعوں پر جو کچھ دے رہا ہوں، پھر کسی موقع پر وہ مجھے کچھ زائد دیں گے، جیسے بعض علاقوں میں یہ مروج ہے اور اسے "نوتہ" کہتے ہیں، چنانچہ اپنے کسی عزیز وقریب کو یا کسی استاد وشیخ کو یا کسی دوست کو جو بھی کچھ پیش کرے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، دوسری طرف سے مال ملنے اور زیادہ حاصل کرنے کی نیت ہرگز نہ ہو، ورنہ یہ رضاء الٰہی کے لئے نہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھے گا، اور نہ قبول ہوگا، اور بے برکت ہی ہوگا، اور ثواب بھی نہیں ملے گا، لہٰذا مناسب اور بہتر یہ ہے کہ ہدیہ دیتے وقت صرف رضائے الٰہی کا ارادہ ہو، اور کسی زیادتی کے وصول کرنے کا قطعاً ارادہ نہ ہو۔

ہاں! اگر کوئی از خود ہدیہ دینے والے کو اخلاقی طور پر کچھ دینا چاہے تو مضائقہ نہیں، سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گرامی میں اگر کوئی شخص ہدیہ پیش کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا بدلہ عطا کرتے، اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے کہ حسب استطاعت ہدیہ کا بدلہ دیا کرو، اگر مالی استطاعت نہ ہو تو "جزاک اللہ خیراً" دعا ہی کرلو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خیر

اور بہتر بدلہ عطا فرمائے، اس قسم کا بدلہ جائز ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ دینے والا زیادہ لینے کا ارادہ نہ کرے، اور نیت صحیح رکھے۔

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ اور جو کچھ زکوٰۃ اور خیرات کے ارادے سے تم مستحقین کو دیتے ہو، اور تمہیں رضائے الٰہی کی طلب ہوتی ہے، تو ایسے لوگ ہیں جو اپنے اجر و ثواب کو دوگنا چوگنا کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اخلاص کی بنیاد پر محض رضائے الٰہی کی خاطر فی سبیل اللہ کچھ خرچ کرے گا تو یہ اجر و ثواب سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ بڑھے گا، چنانچہ ایک آدھے کھجور کا ثواب اخلاص کی بدولت پہاڑوں جتنا بڑھ جائے گا۔ [عمدة القاري]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک نیکی کا ثواب بیس لاکھ گنا ہوگا۔ [در منثور]

﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ کا مطلب بھی یہی ہے جو ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ کے ساتھ ہے۔ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ خدائے برحق وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو رزق و روزی دی، پھر تم کو موت دے گا، پھر قیامت کے دن تم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ بھلا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے؟ پس یہ بات ظاہر ہے کہ ان کاموں میں سے کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا، کرنا تو دور کی بات ہے تمہارے شرکاء میں کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا، تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ان کو شریک کیوں کرتے ہو؟ وہ ذات واحد لاشریک لہ پاک ہے، ان کے شرک سے اور برتر و اعلیٰ ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ
مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ

يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ظاہر ہو گیا فساد خشکی میں اور دریا میں لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے تاکہ وہ لوگ باز آئیں ﴿۴۱﴾ آپ فرما دیجئے: زمین میں چلو پھر و دیکھو، ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو تم سے پہلے تھے، ان میں سے اکثر مشرک تھے ﴿۴۲﴾ سوائے مخاطب! تو اپنا رخ دین قیم کی طرف رکھ، اس دن کے آنے سے پہلے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا، اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے ﴿۴۳﴾ جو شخص کفر اختیار کرے گا تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا، اور جو شخص نیک کام کرے گا تو ایسے لوگ اپنی ہی جانوں کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں ﴿۴۴﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، بلاشبہ وہ کفر اختیار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ﴿۴۵﴾

معارف ومنازل

گزشتہ آیتوں میں کفر اور شرک اور معاصی پر تہدید تھی، اب ان مذکورہ آیات میں کفر اور معصیت کی نحوست کا بیان ہے کہ یہ ایسی بری منحوس چیزیں ہیں کہ اکثر و بیشتر دنیا ہی میں ان بداعمالیوں کی وجہ سے طرح طرح کی آفتیں، مصائب، امراض، بدامنی وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے، اور بہت سی مخلوقات مختلف دنیاوی عذابوں میں ہلاک ہو جاتی ہیں، جیسے قحط، سیلاب، زلزلے، طاعون، بدامنی، قتل و غارتگری وغیرہ، اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سزا کا کچھ حصہ چکھا دیا جاتا ہے، باقی پوری سزا تو آخرت میں ہی ملے گی۔

اور ان دنیاوی مصائب اور ہلاکتوں کے نازل کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی بداعمالیوں پر متنبہ ہوں، اور گناہوں سے تائب ہوں، اور بداعمالیوں سے باز آجائیں، اور اس کے ساتھ گزشتہ اقوام کی تباہی اور ہلاکتوں سے بھی عبرت حاصل کریں کہ وہ شرک اور کفر و معصیتوں کے ارتکاب کے نتیجے میں ہلاک ہو گئے، فرمایا:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے، یہ جملہ خبریہ اپنے عموم کے ساتھ قیامت تک دریاؤں اور خشکیوں میں آنے والے تمام فتنوں کی خبر دے رہا ہے، اور آج اس قرآنی آیت کی صداقت سب لوگوں کے سامنے ہے کہ دنیا بحیثیت مجموعی طرح طرح کے تباہ کن جرائم اور فتنوں کی زد میں ہے، شہروں، صحراؤں، دیہاتوں اور سمندروں میں وہ بے پناہ فتنے جنم لے رہے ہیں کہ ان پر قابو پانا انسانی طاقت سے بالاتر ہے، کوئی گھر

ان تباہ کن فتنوں سے محفوظ نہیں ہے، اور پوری انسانیت اس کی زد میں ہے، یہ کیوں:

﴿بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت لوگوں پر جو مصائب ان کے برے اعمال کی وجہ سے آئے انہیں ان کے کچھ اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں چکھا دے بطور تنبیہ: ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تا کہ وہ مصائب کو دیکھ کر شاید اپنے برے اعمال سے باز آجائیں۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ تم اپنے برے اعمال کی وجہ سے ایسے ایسے مصائب میں مبتلا ہو جاؤ گے جنہیں تمہارے عقلمند لوگ دیکھ کر حیران ہو جائیں گے۔ [مشکوۃ] سورۃ الشوری میں ارشاد ہے: ﴿ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوری:۳۰] (تمہیں جو بھی مصائب پہنچتے ہیں وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے کرتوتوں سے درگزر فرما کر تمہیں معاف فرماتا ہے) اور بہت سے گناہوں کی سزا آخرت کے لیے مؤخر فرماتا ہے۔

سورۂ فاطر میں فرمایا: ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ ﴾ [فاطر: ۴۵] (اگر لوگوں کے ہر ہر گناہ پر اللہ تعالیٰ انہیں سزا دیدیتے تو زمین کے اوپر کوئی ایک جاندار بھی باقی نہ رہتا) بلکہ سب ہلاک ہو جاتے۔

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو، سیاحت کرو کہ تم سے پہلے بُرے لوگوں کا کیسا حشر ہوا، وہ صفحۂ ہستی سے اس لئے مٹ گئے اور ہلاک ہوئے کہ ان کی اکثریت مشرک تھی۔ آگے نجات کے اسباب کا بیان ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ﴾ آپ اپنے رخ کو دین قیم کے لئے قائم کریں۔ مطلب یہ ہے کہ پوری توجہ اور رجوع دینِ اسلام پر مرکوز رکھیں۔ ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ پہلے اس کے کہ وہ دن آجائے خدا تعالیٰ کی طرف سے جسے کوئی ٹال یا روک نہیں سکتا، اس سے قیامت کا دن مراد ہے، جس کا آنا پختہ اور یقینی ہے، جسے کوئی روکنے والا نہیں، اور وہ دن تفریق کا ہوگا۔ ﴿يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ﴾ جس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے، ایک فریق جنت میں دوسرا فریق جہنم میں ہوگا، ارشاد ہے: ﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ [الشوری:۷] (ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا)۔

﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ﴾ جس نے دنیا میں کفر کیا تو اس پر کفر کا وبال ہوگا، وہ سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

﴿وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ﴾ جس نے دنیا میں نیک اعمال بجالائے پس یہ لوگ اپنے نفسوں کے لئے راحت کا سامان کر رہے ہیں، یعنی جنت کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ﴿لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِهٖ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو اپنی خاص مہربانی سے بدلہ دے دے، کسی کو اپنے اعمال پر اعتماد نہیں ہونا چاہئے، اصل چیز اللہ تعالیٰ سبحانہ کا فضل وکرم ہے، تو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ بیشک وہ پسند نہیں کرتا کافروں کو، اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بے پناہ فضل وکرم سے محروم ہی رہیں گے، چنانچہ یہ بات مسلم ہے کہ بڑی بڑی کافر سلطنتیں جیسے امریکہ چائنا، برطانیہ، فرانس، جرمنی، وغیرہ، اسی طرح فرعون، نمرود، شداد، ہامان، قارون وغیرہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور ملعون ہیں، اور ایک نہایت فقیر ومحتاج مسلمان کلمہ گو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور مرحوم ہے۔

....

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ الۡـفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا
مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ
فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ
سَحَابًا فَيَبۡسُطُهٗ فِى السَّمَآءِ كَيۡفَ يَشَآءُ وَيَجۡعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ
اَصَابَ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ
قَبۡلِهٖ لَمُبۡلِسِيۡنَ ﴿۴۹﴾ فَانۡظُرۡ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰهِ كَيۡفَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡىِ
الۡمَوۡتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا رِيۡحًا فَرَاَوۡهُ مُصۡفَرًّا لَّظَلُّوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں تا کہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے، اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے جاری ہوں، اور تا کہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو، اور تا کہ شکر ادا کرو ﴿۴۶﴾ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، سو وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے، پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لے لیا جنہوں نے جرم کئے، اور اہل ایمان کو غالب کرنا ہمارے ذمہ ہے ﴿۴۷﴾

اللہ تعالیٰ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو جو اٹھاتی ہیں بادلوں کو، پھر وہ اس کو آسمان میں پھیلا دیتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے، اور وہ بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر اے مخاطب! ۰ تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتی ہے، پھر وہ اس مینہ کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے، پھر وہ خوشی کرنے لگتے ہیں۴۸ اگرچہ وہ اس سے پہلے کہ ان پر پانی اتارا جائے ناامید ہو گئے تھے۴۹ سو دیکھ لو! اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار کو، وہ کیسے زندہ فرماتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد بلاشبہ وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۵۰ اور اگر ہم ان پر دوسری قسم کی ہوا چلادیں، پھر یہ اپنی کھیتی کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ پیلی (زرد) پڑ گئی ہو، سو یہ ناشکری کرنے لگیں گے۵۱

معارف و منازل

ان آیات کریمہ میں مزید دلائل قدرت کا بیان ہے: اول ہواؤں کا تذکرہ ہے کہ ہواؤں کے چلنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بارش آنے والی ہے، یہ ہوائیں بارش آنے سے پہلے بارش کی خوشخبری دیتی ہیں، تو فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ بارانِ رحمت کی خوشخبری دینے والی ہیں تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔ ﴿وَلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا مزہ چکھائے، وہ یہ کہ تمہاری کھیتیاں آباد ہوں اور زمین سرسبز و شاداب ہو۔

﴿وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ﴾ اور تاکہ ان ہواؤں کے ذریعہ کشتیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری اور رواں ہوں، اور تم اللہ تعالیٰ کے فضل یعنی دریائی سفر میں تجارت کی غرض سے رزق و روزی تلاش کر سکو۔

﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا﴾ اور اے پیغمبر اعظم! ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا۔ ﴿فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا﴾ پس وہ رسول اپنی قوموں کے پاس معجزات واضحہ لے کر آئے، اور جو لوگ مجرم بنے رسولوں کی تکذیب کی، تو ہم نے مجرموں سے انتقام لے لیا، اور انہیں تباہ اور ہلاک کیا، اور دنیا ہی میں انہیں تکذیب کی سزا دیدی، اور اہل ایمان کی نصرت کی کہ انہیں ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا کیا فرمایا۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور حسب وعدہ ہم پر اہل ایمان کی مدد کرنا لازم تھا۔ ان آیات

میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے، اور مشرکین مکہ کو تنبیہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے مجرموں کا حشر گزشتہ قوموں کے مجرموں سے مختلف نہ ہوگا، پھر ارشاد فرمایا:

﴿اللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے، پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر پھیلاتا ہے اللہ تعالیٰ اس بادل کو فضاء میں جس طرح چاہتا ہے۔ ﴿وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ﴾ اور بناتا ہے اس کو تہہ بر تہہ، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اس کے درمیان سے نکلتی ہے۔ ﴿فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ﴾ پھر جب پہنچاتا ہے بارش اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اور جہاں جہاں چاہے: ﴿اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ تو اچانک وہاں کے لوگ خوش ہو جاتے ہیں، اور قحط سالی کے خطرات ٹل جاتے ہیں۔

﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ﴾ اگرچہ بارش کے نزول سے پہلے وہ مایوس اور ناامید ہو چکے تھے، اور قحط سالی سے ڈرتے رہتے تھے، مگر احکم الحاکمین عزّ وجل نے جب بارش برسانے کا فیصلہ فرمایا تو ساری ناامیدیاں یکسر خوشحالی سے بدل گئیں، جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ﴾ [الشوری:۲۸] (اللہ تعالیٰ وہی ذات پاک ہے جو اتارتا ہے بارش ناامیدیوں کے بعد، اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت)۔ صرف بارش کا مسئلہ نہیں، انسانوں کے دیگر بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کے پورے ہونے کی امید ٹوٹ چکی ہوتی ہے، مگر مالک حقیقی کے فیصلے سے وہ سب سرانجام پاتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم نے بار بار ناامیدی جیسے خیالات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا، اور امید رکھنے کی ترغیب دی۔

فائدہ:

قرآن کریم میں ہواؤں کے لئے آٹھ الفاظ استعمال ہوئے ہیں: چار رحمت وعنایت کے معنی میں، اور چار عذاب کے معنی میں، جو چار رحمت کے معنی میں ہیں وہ یہ ہیں: (۱) ﴿مُبَشِّرٰتٍ﴾ یعنی خوشخبری سنانے والی۔ (۲) ﴿نُشْرًا﴾ بادلوں کو اٹھانے والی۔ (۳) ﴿مُرْسَلٰتِ﴾ یعنی چھوڑی ہوئی۔ (۴) ﴿ذٰرِيٰتِ﴾ غبار اڑانے والی۔

جو چار عذاب کے لئے ہیں وہ یہ ہیں: (۱) ﴿عَقِيْمِ﴾ بے خیر و بے فائدہ، قوم عاد پر بھیجی گئی ہوا۔ (۲) ﴿صَرْصَرًا﴾ بہت تند و تیز تباہ کن ہوا۔ (۳) ﴿عَاصِفٍ﴾ یہ بھی تیز ہوا کا نام ہے۔ دراصل عقیم کا دوسرا نام ہے، اور اس کو ﴿عَاقِبَةِ﴾ بھی کہتے ہیں۔ (۴) ﴿قَاصِفٍ﴾ توڑنے والی۔ پھر فرمایا:

﴿فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ پس تو اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت کی طرف نظر کر دیکھ جو تجھے اور پورے عالم پر سائباں کی طرح سایہ افگن ہیں، اور مشاہدہ کر کہ وہ خالق و مالک کس طرح زمین کو افسردگی اور پژمردگی کے بعد زندہ کر دیتا ہے، اور وہ اسی طرح:

﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ قیامت کے دن وہ مردوں کو اسی طرح زندہ کرے گا، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اسی پر قیاس کر کے کہہ دیں کہ وہ مردہ دلوں کو بھی کتاب وسنت کے انوار و برکات سے زندہ کرنے پر قادر ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾ [الأنعام: ۱۲۲] (آیا وہ شخص جو مردہ تھا پس ہم نے اسے زندہ کر دیا، اور اس کے لیے ایک مقرر کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے)۔ جو شخص مردہ تھا اس کا دل سیاہ ہو چکا تھا، شرک اور کفر کی وجہ سے مرا ہوا تھا، ہم نے اس کو زندہ کیا، اور ایمان وہدایت سے نوازا، اس کا باطن منور اور روشن ہوا، اب اس نے زندہ ہو کر خیر و شر کی پہچان حاصل کر کے ابدی سعادت حاصل کی۔

﴿وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا﴾ اگر ہم ایسی ہوا چلا دیں جس سے کھیت سوکھ جائیں زرد پڑ جائیں،

﴿لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ﴾ تو اس کے بعد لوگ ناشکری کرنے لگتے ہیں، اور کیا کیا غلط باتیں منہ سے بکنے لگتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اگر خدا پرست ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر راضی رہے گا، اگرچہ ظاہری طور پر اس کا نقصان ہو، لیکن نفس وشیطان پرست انسان اپنے مفادات کا بندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکموں پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرے گا (العیاذ باللہ)۔

❁ ❁ ❁

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ
بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، اور نہ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں، جبکہ وہ پشت پھیر کر چل دیں ﴿۵۱﴾ اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر ہدایت نہیں دے سکتے، آپ اسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے، سو وہ ماننے والے ہیں ﴿۵۲﴾

☆☆☆

معارف ومنازل

اللہ تعالیٰ نے قبولیتِ حق کی صلاحیت اور استعداد سے سب لوگوں کو نوازا، مگر کچھ لوگوں نے اس فطری استعداد کو عمداً اور قصداً ضائع کر دیا، یہ آیت کریمہ انہی لوگوں کے بارہ میں ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ کے جو مخاطبین ہیں آپ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں، اور ان کے سامنے دلائل پیش کرتے ہیں، یہ بے جان پتھر کی طرح اپنی استعداد کھو چکے ہیں، یہ نہ آپ کی بات سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، اور نہ ہی قبول کرتے ہیں، جس طرح آپ بہروں اور مردوں کو نہیں سنا سکتے جبکہ یہ بہرے پیٹھ پھیر کر چل دیں، اور اشارہ کو بھی نہ دیکھیں یہ مشرکین بعینہ اسی طرح ہیں، انہیں سننے کا ارادہ ہی نہیں ہے، مردوں کی طرح ہیں، اور پھر یہ اندھے بھی بنے ہوئے ہیں ان کا حال یہ ہے: ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ [الأعراف: ۱۷۹] (ان کے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں، اور ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں، اور ان کے لیے کان ہیں جن سے سنتے نہیں)۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۷۱] (یہ گونگے، اندھے اور بہرے ہیں، یہ اپنے کفر سے پھرنے والے نہیں)۔ البتہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر اور آپ کے معجزات پر اور مظاہر قدرت پر ایمان ویقین رکھتے ہیں آپ بلاشبہ انہیں سنا سکتے ہیں اور سمجھا سکتے ہیں۔ ان آیات میں آپ کو تسلی ہے کہ ان پتھر بنے ہوئے لوگوں کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کریں، اور ان سے ایمان لانے کی امید بھی نہ رکھیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۃ النمل میں گزر چکی وہاں دیکھیں۔ فرمایا:

﴿فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ بیشک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو۔ ﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ اور نہ آپ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پشت پھیر کر جا رہے ہوں۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ﴾ اور آپ اندھوں کو بھی ان کی گمراہی سے ہدایت کی طرف نہیں لا سکتے ہیں۔ ﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ آپ تو صرف انہیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہ فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ
مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں ضعف کی حالت میں پیدا فرمایا، پھر ضعف کے بعد قوت پیدا کردی، پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا پیدا فرمایا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، وہ خوب جاننے والا ہے، بڑی قدرت والا ہے ﴿۵۴﴾

معارف ومنازل

دلائل قدرت میں سے جو چیز ہر وقت ہمارے سامنے ہے اور تمام انسانوں نے اس کا خوب غور سے مشاہدہ کیا ہے وہ انسان کی تدریجی پیدائش اور نشوونما ہے جو کہ قوت وضعف کے مختلف مراحل پر مشتمل ہے، ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ایسی حالت میں پیدا فرمایا کہ تم کمزور تھے، یعنی بچے اور ناتواں تھے، پھر اس مرحلہ کے بعد تمہیں قوت عطا فرمائی، وہ اس طرح کہ انسان پہلے دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے جو کسی چیز قابل نہیں ہوتا، پھر ہاتھ حرکت دیتا ہے، نظریں گھماتا دیکھتا ہے، اپنے والدین کو پہچانتا ہے غیر شعوری طور سے، پھر لیٹے لیٹے پلٹیں کھانا شروع کردیتا ہے، پھر ٹیک لگا کر بیٹھنے کے قابل ہوجاتا ہے، پھر آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل چلنے کے ساتھ اٹھتا رہتا ہے، اور سہارا لے کر کھڑا ہوتا ہے اور چلتا بھی ہے، یہاں تک کہ ضعف کے سارے مراحل سے تدریجاً گزر کر جوانی میں داخل ہوجاتا ہے، یہ زمانہ ۳۳ سال تک قوت وہمت، محنت اور مشقت اٹھانے، عقل وفہم، سوچ وفکر اور ہنر وعلم اور دنیاوی امور سیکھنے وغیرہ کا ہوتا ہے، اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ ضعف کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ بال سفید ہوجاتے ہیں، اور تمام تر بدنی اعضاء پر ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، حتی کہ بڑھاپا اور ارزل العمر گھٹیا ترین نکمی زندگی شروع ہوجاتی ہے، اور بچپن والا ضعف آجاتا ہے، اور موت کے آثار سامنے آجاتے ہیں۔ فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا کمزوری سے، یعنی کمزوری کی حالت میں تمہیں پیدا فرمایا۔ ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾ پھر ضعف کے مراحل کے بعد تم میں قوت پیدا کردی ج، وانی اور بلوغ کے مدارج کا آغاز ہوگیا، اور شباب کی قیمتی منازل شروع ہوگئے۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے قوت وجوانی کے بعد کمزوری اور بڑھاپے

کو طاری کر دیا۔ علماء صلحاء کرام فرماتے ہیں کہ کسی انسان کی کُل زندگی ساٹھ سال فرض کی جائے تو اس کی حقیقی کارآمد زندگی بیس سال ہی ہوتی ہے، تو ظاہر ہے کہ انسان نے آدھی زندگی یعنی تیس سال تو راتوں کو سو کر گزار دیئے، باقی تیس سال میں سے دس سال ابتدائی بچپن کے کھیل و کود اور غفلت میں گزر گئے، جو بچ گیا وہ صرف بیس سال کا مختصر عرصہ جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے، یہی قیمتی عرصۂ حیات کہلائے گا، اگر اس میں نیکی کمالی تو وہ اپنی دائمی اخروی زندگی کے لئے راحت کا سامان کمالیا، اور اگر یہ مدت بھی کھیل وکود، کفر وشرک اور بدعات ومعاصی میں گزاری تو گویا اس نے پوری زندگی ضائع کر دی، اور ہمیشہ کے لئے تباہی خرید لی۔ فرمایا:

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ﴾ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہے، وہ سب کچھ جاننے والا ہے، کامل قدرت والا ہے، وہ تمہیں نطفہ سے لے کر آخری عمر تک پلٹیاں دے دے کر اپنی قدرتوں کا مشاہدہ کرا رہا ہے، تا کہ تم ان مختلف تخلیقی اور تربیتی مراحل میں غور کرو اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرو۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ
لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین قسم کھائیں گے کہ ایک گھڑی سے زیادہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے، وہ اسی طرح سے دنیا میں الٹے چلائے جاتے تھے ﴿۵۵﴾ اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے کہ بلاشبہ تم اللہ تعالیٰ کے نوشتہ میں بعث کے دن تک ٹھہرے ہو، سو یہ بعث کا دن ہے، اور لیکن تم نہیں جانتے ﴿۵۶﴾ سو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہ دے گی، اور نہ انہیں اس کا موقع دیا جائے گا ﴿۵۷﴾

معارف ومنازل

روزِ محشر جب مجرموں کو بارگاہِ الٰہی میں جوابدہی کے لئے پیش کیا جائے گا تو قسمیں اٹھا اٹھا کر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں ایک گھڑی برابر رہے ہیں، ہم سے اتنا سخت محاسبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ ان کی یہ صریح کذب بیانی قطعاً تعجب انگیز نہیں، کیونکہ ان کا تو یہ پرانا دستور ہے کہ وہ ہر بات میں جھوٹ بولتے ہیں، اور واضح عقائد اور حقائق کا انکار کرتے

ہیں، یہاں تک کہ جس شرک وکفر پر پوری زندگی جمے رہے تھے جب میدان محشر میں ہر طرف سے ان پر تباہی آئے گی تو اپنے کفروشرک سے انکار کر کے قسمیں کھائیں گے، ہم نے شرک کا تو ارتکاب ہی نہیں کیا۔ ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ - [الأنعام:۲۳] (خدا کی قسم ہم تو شرک نہیں کیا کرتے تھے)۔مگر ان کا انکار ہرگز مفید نہ ہوگا، ان کے اعضاء، منہ، ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھیں سب ان کے خلاف گواہی دیں گے، سورہ یٰسٓ میں ارشاد ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [یس:۶۵] (آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور پھر ان کے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کے متعلق بول کر گواہی دیں گے)۔فرمایا:

﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ﴾ اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ ﴿يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ اس دن مجرمین قسم اٹھا کر کہیں گے: ﴿مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ﴾ ہم دنیا میں گھڑی بھر کے سوا زائد نہیں ٹھہرے۔

﴿ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ﴾ یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے۔مطلب یہ ہے کہ جب ان سے کہا جائے گا کہ تم گناہوں کے اتنے بڑے انبار لے کر آئے ہو بھلا بتاؤ وہاں کتنا عرصہ زندگی بسر کی؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم تو بس زیادہ سے زیادہ ایک گھڑی بھر ٹھہرے ہیں، اتنے تھوڑے وقت میں ہم پر کوئی حجت قائم نہیں ہوتی، لہٰذا ہمیں محاسبہ اعمال سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ﴾ اور صاحب علم اور صاحب ایمان گواہی دیں گے کہ مشرک مجرمو! تم غلط کہتے ہو، حقیقت یہ ہے: ﴿لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق تم یوم البعث تک ٹھہرے ہو، اللہ تعالیٰ کی کتاب سے مراد لوح محفوظ یا اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

﴿فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ﴾ آج دوبارہ زندہ ہونے کا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں موت دینے کے بعد آج دوبارہ زندہ کیا ہے، اور تم اس دن تک دنیا اور برزخ کی زندگی میں ٹھہرے ہو۔ ﴿وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ مگر تم دنیا میں بعث بعد الموت کو نہیں جانتے تھے، اور آج تمام حقائق واضح ہو گئے، لہٰذا تمہارا انکار مفید نہ ہوگا۔

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ اس دن ظالموں کے لئے ان کی معذرت نافع نہیں ہوگی، اور نہ ہی ان کو وہاں راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کو منانے اور راضی کرنے کا موقع مجرموں کو حاصل نہیں رہے گا، دنیا میں انہیں جو قیمتی وقت منانے کیلئے عطا ہوا انہوں نے اس کو ضائع کیا، آج سوائے ندامت کے ان کے پاس اور کچھ نہ ہوگا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ: اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے عمدہ مضامین بیان کر دیئے ہیں، اور اگر آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے کر آئیں تب بھی وہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم لوگ صرف باطل والے ہو۵۸ جو لوگ نہیں جانتے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ یوں ہی مہر کر دیتا ہے۵۹ سو آپ صبر کیجئے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، اور جو لوگ یقین نہیں کرتے وہ لوگ آپ کو بے برداشت نہ بنا دیں۶۰

معارف ومنازل

''مثل'' سے کہاوت مراد ہے، یعنی ہر ایسا واقعی بیان جس میں نُدرت ہو، فرمایا:

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ اور ہم نے لوگوں (کی ہدایت کے لئے) اس قرآن کریم میں ہر طرح کے عمدہ مضامین بیان کئے ہیں جو توحید، رسالت، قیامت اور اسی طرح تمام احکامِ شریعت کے بیان میں ہیں۔ ﴿وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ اگر آپ ان کے سامنے کوئی آیت لے آئیں یا کوئی معجزہ دکھائیں:

﴿لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ﴾ تو یہ کافر سرکشی اور عناد کی وجہ سے کہیں گے کہ آپ بیہودہ اور باطل ہو، یہ دشمنانِ حق آپ کو اور آپ کے متبعین کو جھوٹے شمار کریں گے۔ ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر لگاتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے، پس آپ ان کی ایذارسانیوں پر صبر کریں، جیسے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے صبر کیا تھا۔

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ سو آپ صبر کریں، بیشک اللہ تعالیٰ نے اظہارِ دین وغلبۂ اسلام کا آپ سے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے، اور جو لوگ خدا کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے باید کہ وہ آپ کو آپ کے یقین اور پختہ اذعان سے دور نہ رکھیں، اور مذبذب نہ کریں، یعنی یہ لوگ آپ میں بے اعتمادی پیدا نہ کریں پریشان کر کے۔

سُورَةُ لُقْمٰن

مکیۃٌ آیاتہا ۳۴ رکوعاتہا ۴

سورۂ لقمان مکی ہے، اس میں چونتیس (۳۴) آیتیں، اور چار (۴) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ لقمان ہے، اس سورت کی آیت ۱۲ میں یہ لفظ موجود ہے اسی سے یہ نام ماخوذ ہے۔
یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۳۱ ویں نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول کے اعتبار سے ۵۷ ویں نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مکی ہے، اس کا نزول قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں ہوا، اور اس کا نزول سورۂ صافات کے بعد ہے۔

کلمات اور حروف:

اس سورت میں چار رکوع ہیں، اس کی آیات ۳۴، اور کلمات ۵۵۴، اور یہ ۲۲۱۷ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط و مناسبت:

(۱) گزشتہ سورت کے آخر میں صداقتِ قرآن مجید کا ذکر تھا، اور اس سورت کے شروع میں صداقتِ قرآن کا ذکر ہے۔ (۲) گزشتہ سورت اور اس سورت دونوں میں توحید و رسالت، قیامت اور مجازاتِ اعمال کا یکساں تذکرہ ہے۔ (۳) دونوں سورتوں میں وعدۂ الٰہی کا اور اس کے برحق ہونے کا بیان ہے۔

☆☆☆

مختصر موضوع:

صداقت قرآن، ایمان کے ارکان کا بیان، والدین کے ساتھ حسن سلوک، توحید الٰہی، اخلاقِ حسنہ کی تعلیم، قدرتِ الٰہی اور کمالاتِ ایزدی کا بیان، شرک وکفر کی مذمت اور تذکیراتِ ثلاثہ، حضرت لقمان کے پند ونصائح کا تذکرہ اور مجازاتِ اعمال کا بیان، اور علم غیب کے بارے میں تصریح کہ یہ صرف اور صرف خاصۂ خداوندی ہے، وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ۙ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّلۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰۤـئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: الٓمّٓ ﴿۱﴾ یہ قرآن حکیم کی آیات ہیں ﴿۲﴾ جو اچھے کام کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے، اور رحمت ہے ﴿۳﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ﴿۴﴾ یہ لوگ اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہیں ﴿۵﴾

معارف ومنازل

حروف مقطعات پر تفصیلی کلام سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔

﴿تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ﴾ یہ قرآن حکیم کی پر حکمت آیات ہیں۔ ﴿هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّلۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ یہ قرآن اچھے کام کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ قرآن کریم دراصل سارے جہاں والوں کے لئے رحمت اور ہدایت ہے، لیکن محسنین کی تخصیص اس لئے ہے کہ قرآن مجید سے استفادہ کرنے والے اور ہدایت حاصل کرنے والے یہی لوگ ہیں جو صفت ایمان سے اور صفت احسان اور طہارت قلوب سے متصف ہیں، اور قرآنی احکام وہدایت پر عمل کرنے والے اور صراط مستقیم پر چلنے والے یہی لوگ ہیں، اور جو لوگ قرآن کی تعلیمات کو قبول نہیں کرتے وہ لوگ ہدایت اور رحمت سے محروم رہتے ہیں، اور تارک قرآن کہلاتے ہیں، گویا کہ وہ قرآن کی رحمتوں سے محروم رہے۔ آگے محسنین کی صفات کا بیان ہے:

﴿الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز قائم

کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ازالۃ الخفاء کتاب میں ان اوصاف حسنہ سے متصف لوگوں کو سعداء مفلحین کے نام سے یاد کیا ہے، اور ان کے بعد مذکور لوگوں کو أشقیاء خاسرین کا لقب دیا ہے، چنانچہ سعداء مفلحین کے متعلق ارشاد ہے:

﴿أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے عظیم ہدایت پر ہیں، اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، یہاں تک سعداء مفلحین کا بیان تھا، جو اصحاب الیمین کہلاتے ہیں، اب آگے ان کے مقابل أشقیاء خاسرین، أصحاب الشمال کا بیان ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ
وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٦ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ
مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝٧

ترجمہ: اور بعض ایسے لوگ ہیں جو ان باتوں کو خریدتے ہیں جو کھیل کی باتیں ہیں تاکہ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے راستے سے (لوگوں کو) ہٹائیں، اور اللہ تعالیٰ کی راہ کا مذاق بنائیں، ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۝٦ اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتا ہے، گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے، سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۝٧

معارف ومنازل

سعداء مفلحین کے بالمقابل أشقیاء خاسرین، أصحاب الجحیم کا بیان ہو رہا ہے، جنہوں نے قرآن حکیم کی خوشبو کے مقابلہ میں لہو ولعب اور سامانِ ضلالت خرید کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹانے اور انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ تک نضر بن حارث کے بارہ میں نازل ہوئی، جو تجارت کرتا تھا، ملک شام، حیرہ وغیرہ سے قصص اور تاریخی لغو کتابیں خرید کر لاتا تھا جن میں ملوک فارس، رستم، اسفندیار وغیرہ کے قصے، واقعات اور لہو ولعب کی داستانیں ہوتی تھیں، یہاں قریش اور اہل مکہ کو قرآن مجید سے روکنے کے لئے یہ داستانیں

پڑھتا اور محفلوں میں انہیں سناتا، اور کہتا کہ محمد (ﷺ) تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار اور شاہانِ فارس کے عیش وطرب اور مستی وبیہوشی اور جنگوں کے عجیب قصے سناتا ہوں، اور کچھ گانے والی لونڈیاں بھی خرید کر لایا تھا جن لوگوں کو اسلام کی طرف مائل اور راغب دیکھتا تو ان کو بلا کر لے آتا اور اپنی لونڈیوں کا گانا سنواتا، اور شراب پلاتا، اور کھانا کھلاتا، اور کہتا: دیکھو! یہ کتنا بہتر اور دلکش گانا ہے یا وہ جس کی طرف محمد (ﷺ) تم کو دعوت دیتا ہے کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو اور جہاد کر کے اپنی جان تلف کرو۔ مقصود اس کا یہ تھا کہ لوگ یہ قصے کہانیاں سن کر قرآن چھوڑ دیں، اس پر یہ آتیں نازل ہوئیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور جابر بن عبداللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم سے منقول ہے کہ یہ آیت گانے بجانے، مزامیر اور لغو وبیہودہ کہانیوں اور مخرب اخلاق ناولوں کے بارہ میں نازل ہوئی۔ [قرطبي]

اسی طرح تابعین کرام حضرات عکرمہ، اور سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، عمرو بن شعیب، علی بن بذیمہ اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی منقول ہے کہ آیت کا نزول غنا ومزامیر کے بارہ میں ہے۔ [ابن کثیر]

الغرض! اس آیت کریمہ میں لہو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان خواہ کسی قسم کا ہو مراد ہے، جیسے ڈھول، سرنا، باجا، بانسری اور آلات موسیقی، سرود اور سارنگی اور مضحکہ خیز ہر قسم کی خرافاتی باتیں، مصنوعی منگھڑت قصے ناول، افسانے اور گانے بجانے والی عورتیں، رقاصے یہ سارے لہو الحدیث کے عمومی مفہوم میں داخل ہیں، اور یہ گندے بدکار لوگوں کے پسندیدہ ناروا اور ناپاک اعمال اور کردار ہیں، دیندار متقی، نمازگزار اور پاکیزہ لوگ ان مخرب اخلاق چیزوں سے بیزاری اور نفرت کرتے ہیں، کیونکہ یہ چیزیں تمام ملتوں میں اور سارے ادیان میں حرام اور ممنوع رہی ہیں۔

اسی طرح صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، محدثین، ائمہ مجتہدین اور فقہاء وعلماء راسخین کے اتفاق واجماع سے یہ سب چیزیں حرام ہیں، اور نفسانی اور شہوانی اور شیطانی اعمال کہلاتے ہیں، سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے غنا ور باب، مزامیر وطبلہ اور دیگر تمام مخرب اخلاق چیزوں کے مٹانے اور ختم کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ [مشکوۃ]

دراصل آپ کی بعثت تمام غیر شرعی چیزوں کے ختم کرنے اور دنیا کو ان برائیوں سے پاک کرنے کے لئے

ہے، اور تمام اخلاقی اعمال اور نیکیوں کے پھیلانے کے لئے ہے، اسی کا نام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جو کہ وصف بشیر ونذیر کا ہم پلہ عمل ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے: اَلْجَرْسُ مَزَامِیْرُ الشَّیْطَانِ۔ گھنٹیاں شیطان کے باجے ہیں، اور یہ بھی ارشاد فرمایا: لَاتَصْحَبُ الْمَلٰئِکَۃُ رَفْقَۃً فِیْھَا کَلْبٌ وَلَاجَرْسٌ۔ جن لوگوں کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو رحمت کے فرشتے ان کے ساتھ نہیں رہتے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: مَعَ کُلِّ جَرْسٍ شَیْطَانٌ۔ [مشکوۃ، مسلم، وغیرہ] ۔ یعنی ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

حدیث ذیل سے اچھی طرح اندازہ لگائیں وہ یہ ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لڑکی داخل ہونے لگی اس کے پاؤں میں بجنے والا یعنی آواز کرنے والا زیور تھا، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس لڑکی کو میرے پاس ہرگز نہ لائیں جب تک اس کے جھانجن نہ کاٹ دیئے جائیں، میں نے سرور عالم ﷺ سے سنا ہے کہ جس گھر میں گھنٹی ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ [مشکوۃ]

بات یہ ہے کہ گانا بجانے کا دھندا شیطانی دھندا ہے، اور جو لوگ یہ دھندا کرتے ہیں انہیں شیطان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم کر دیتا ہے، اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بہت ہی دور ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کے مندروں اور عیسائیوں کے گرجوں میں اور ان تمام موقعوں میں جہاں شیطان کا راج ہوتا ہے وہاں گانے بجانے کا زور وشور سے انتظام ہوتا ہے۔ پیروں، فقیروں اور سیدوں کے مزاروں پر خاص کر ان کے غیر شرعی عرسوں کے موقع پر وہی کچھ ہوتا ہے جس کا ایک دیندار نمازی اور متبع سنت آدمی تصور کرنے سے ڈوب مرتا ہے، اور شرمندگی سے سر اٹھا کر نہیں چل سکتا۔

تقریباً ایسے لوگ بجائے اس پیر کے ابلیس کے کارندے اور عقیدتمند و مرید شمار ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی اور مرید اگر نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ جبکہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں گانے بجانے کے سامان کو مٹانے کے لئے آیا ہوں، اسلام میں جب بجتا ہوا زیور گوارا نہیں اور جانوروں کے گلے میں جو گھنٹی ڈالی جاتی ہے وہ بھی برداشت نہیں تو عرسوں پر اور دیگر تقریبات کے موقع پر گانے بجانے کا انتظام واہتمام کرنا اور اس کے لئے باقاعدہ جمع ہونا کیسے گوارا ہو سکتا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محسن کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو اس پر مصائب وآفات کا نزول ہوگا لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) وہ پندرہ باتیں کیا کیا

اور کونسی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ یہ ہیں: (۱) جب مال غنیمت کو دولت سمجھ لیا جائے گا یعنی لوگ مال کے لئے جہاد کریں گے۔ (۲) جب امانت کو غنیمت سمجھ کر لوگ اس میں خیانت کریں گے۔ (۳) جب زکوٰۃ کا مال ڈانڈ (چھٹی، بوجھ و تاوان) سمجھا جائے گا۔ (۴) جب مرد اپنی بیوی کا فرمانبردار بن جائے گا۔ (۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔ (۶) اور اپنے دوست سے اچھا سلوک کرے گا۔ (۷) اور اپنے باپ پر زیادتی اور ظلم کرے گا۔ (۸) اور جب مسجدوں میں آوازیں اٹھنے لگیں گی۔ (۹) اور سب سے رزیل کمینہ آدمی قوم کا سردار بن جائے گا۔ (۱۰) اور شریروں کے شر سے بچنے کی خاطر لوگ ان کا احترام کریں گے۔ (۱۱) اور شراب پینا عام عام ہو جائے گا، اور علم دنیا کے لئے ہوگا۔ (۱۲) اور مرد ریشمی کپڑے پہننے لگیں گے۔ (۱۳) اور عورتیں گانے پر اتر آئیں گی (گانے کا رواج عام ہوگا)۔ (۱۴) باجے، طبلہ ڈھونک، موسیقی، رقص و سرود استعمال ہوں گے۔ (۱۵) بعد والے لوگ گزشتہ اسلاف یعنی گزرے لوگوں پر لعنت بھیجیں گے۔ ایسے وقت میں لوگوں کو سرخ آندھی اور زمین میں دھنسائے جانے کا انتظار کرنا چاہئے، اور ایسا ضرور ہوگا۔ [ترمذي] فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ﴾ اور بعض لوگ وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کردیں نادانی اور بے علمی کے ساتھ۔

﴿وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ﴾ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت ناک عذاب ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لہوالحدیث سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت میں رکاوٹ ہو، پس یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سے جائز کام ایسے ہوتے ہیں جو کہ باعثِ تضیع اوقات بھی ہوتے ہیں، اور طاعات و عبادات کے راستے میں خلل انداز اور رکاوٹ بھی بنتے ہیں، تو یہ لہوالحدیث میں شمار ہوں گے۔

موجودہ زمانہ میں ہمارا معاشرہ اتنا بگڑ چکا ہے کہ گھر گھر میں ریڈیو، ٹیلیویژن، وی سی آر اور دوسرے تباہ کن غیر شرعی عریانی فحاشی وغیرہ کا دور دورہ اور عروج ہے، اس معاشرے میں اگر کوئی مسلمان قرآن وسنت پر اور احکام شریعت پر عامل رہے گا تو اس کا شمار یقیناً عباد اللہ الصالحین میں ہوگا، اور اس کا ٹھکانہ اونچی جنتوں میں ہوگا، یہ تباہ کن جرائم یہودیوں، عیسائیوں، دہریوں، ہندوؤں کی تہذیب کے برے حصے تھے، اور انہیں شیطان نے غلط راستوں پر ڈال کر یہ تہذیب بد سکھائی تھی، مگر بدقسمتی سے آج مسلمان بھی ان کے دوش بدوش اس شیطانی تہذیب کے ممبر بن چکے ہیں، اور اپنی اسلامی پاکیزہ تہذیب سے منحرف اور دست بردار ہو چکے ہیں، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

وضع میں ہو تم نصاریٰ اور تمدن میں ہنود ☆ یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائے یہود

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا﴾ اور جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر وغرور کے ساتھ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے، گویا کہ اس نے اس کو سنا ہی نہیں ہے۔

﴿كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا﴾ گویا کہ اس کے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں، اور کانوں میں گرانی کی وجہ سے سماعت سے یکسر محروم ہے۔ ﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سناؤ، یہاں خوشخبری کا لفظ تحکم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو عذاب الٰہی کی اطلاع دے کر بتاؤ کہ تمہارے لئے دائمی اور ابدی عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے، جس سے نجات اور خلاصی کسی طرح ممکن نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے نعمتوں والے باغ ہیں۝۸ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے سچا وعدہ فرمایا ہے، اور وہ عزیز ہے، حکیم ہے۝۹

معارف ومنازل

ایمان وہ نعمتِ عظیمہ ہے جس کا مقام پوری کائنات سے بلند وبالا ہے، گویا کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد ومنشاء ایمان ہی ہے۔ حدیث جبریل میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے سوال کیا: فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ؟ مجھے بتائے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ ارشاد فرمایا: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ [متفق علیہ] ایک شخص مؤمن تب ہو سکتا ہے جب وہ ان تمام باتوں پر ایمان لائے اور یقین کرے، اور کافر ہونے کے لئے ان سب کا انکار کرنا ضروری نہیں، پس ان میں صرف ایک کا انکار بھی کافی ہے، اس کے بعد جب ایمان مضبوط اور مستحکم ہو گیا تو سمجھو کہ ایمان کا درخت مکمل ہو گیا تو اس کی شاخوں کا تحفظ کرنا بھی ضروری ہوا، فرمایا:

﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور ایمان کے بعد انہوں نے نیک اعمال انجام دیئے، نیک اعمال تو بے شمار ہیں

تاہم بنیادی طور پر ان سے مراد فرائض سر فہرست ہیں، اس کے علاوہ بدنی اور مالی قربات ہیں جو توفیق الٰہی کے ساتھ اکثر لوگ انہیں انجام دیتے ہیں، اس سلسلے میں علماء کرام دوسرے لوگوں سے پیش پیش رہتے ہیں، یہ قرآن وحدیث کے فیض وبرکت کا چشمہ اور بنیادی اثر ہے جو انہیں حاصل ہے۔

﴿لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ﴾ ان کے لئے نعمتوں کے باغات ہیں۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی کہیں منتقل ہونا پسند کریں گے، جہاں نہ غم وپریشانی کا نام ونشان ہوگا، اور نہ کثرت قیام کی وجہ سے اکتانے کا صدمہ ہوگا۔ ﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو چکا ہے جو سچا ہے، اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ وہ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون پیدا فرمایا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور زمین میں پہاڑ ڈال دیئے کہ وہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہو، اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے، اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا، سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے اچھے پھل اگا دیئے ۝۱۰ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں، سو تم مجھے دیکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا جو اس کے علاوہ ہیں؟ بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ۝۱۱

معارف ومنازل

اللہ تعالیٰ کے عزیز اور حکیم ہونے کی دلیل پیش کی جارہی ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ آسمان کا یہ وسیع اور بلند وبالا گنبد جسے تھامنے کے لئے کوئی ستون نہیں، اور کوئی سہارا نظر نہیں آتا، اسی طرح یہ کشادہ زمین اور اس میں گڑے ہوئے بے شمار فلک بوس مختلف رنگوں کے پہاڑ، اسی طرح ہزاروں قسم کے گونا گوں جانور، اسی طرح مناسب اوقات پر بارش کا نزول، رنگارنگ فصلوں، درختوں، سبزیوں، بوٹیوں کا اگنا پھلنا پھولنا، اور ان کے علاوہ جو کچھ تمہیں نظر آرہا

ہے اسے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تخلیق فرمایا ہے، اور تم بھی اس کے انکار کی جرأت نہیں کرسکتے، اب یہ بتاؤ جن جھوٹے کمزور وناتواں، گونگے، اندھے اور بہرے خداؤں کی پوجا پاٹ میں تم روز وشب مشغول رہتے ہو، اور انہیں معبود تسلیم کرتے ہو، انہوں نے آخر اپنی قدرت اور حکمت کا کونسا کمال دکھایا ہے کہ تم ان کو بھی خدا مانتے ہو اور ان کی پوجا کرتے ہو؟ شرک کے بطلان پر یہ کتنی زبردست اور عام فہم دلیل ہے۔

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ بغیر ستون کے آسمان پیدا کئے جنہیں تم دیکھتے ہو۔ ''تَرَوْنَهَا'' کی ضمیر کے دو مرجع بیان کئے گئے ہیں: (۱) آسمان (۲) عمد اور ستون۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا فرمایا ہے، یہ تم مشاہدہ کررہے ہو کہ آسمان ستونوں کے بغیر قائم ہیں۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کے لئے ایسے ستون نہیں بنائے جو تمہیں نظر آئیں، ہوسکتا ہے کہ وہاں ستون ہوں، لیکن غیر مرئی ہوں، جنہیں تم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ [تنویر المقیاس]

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ دونوں قول لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ ہے جس کے سہارے یہ عالم افلاک اپنے اَن گنت روشن ستاروں بیکران وسعتوں اور بلندیوں کے ساتھ قائم ودائم ہے۔

﴿وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ اور زمین میں بڑے بڑے بوجھل پہاڑ رکھ دیئے تا کہ وہ کسی طرف جھک نہ جائے، اضطرابی حرکت نہ کرے، اور ڈولنے نہ لگے، ایک عام مثال ہے کہ اگر کشتی میں ایک طرف بوجھ زیادہ ہو تو وہ چلتے وقت اس طرف کو ڈھلک جائے گی، لہٰذا اس کو متوازن بنانے کے لئے دوسری طرف بھی بوجھ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح زمین بھی پانی کے اوپر ہے اس کی جنبش کو رکوانے کے لئے اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھا گیا تا کہ پہاڑوں کے ثقل سے زمین کو استقرار حاصل ہو۔

زمین از تپ ولرزہ آمد ستوہ ☆ فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

حضرت امام شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جگہ جگہ پہاڑ نصب کر کے میدانی لوگوں کو اضطراب سے محفوظ کردیا ہے، پہاڑوں میں بے شمار پتھر، درخت، جڑی بوٹیاں اور طرح طرح کی معدنیات ہوتی ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی

علاقوں کے رہنے والے لوگ بہت سی چیزوں سے محروم ہوجاتے جو ان کے لئے وجہ اضطراب بنتی، تو شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زمین کے ڈولنے کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کے بغیر زمین کے رہنے والے مضطرب ہوجاتے، اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین کے اضطراب کو نہیں بلکہ لوگوں کے اضطراب کو دور کردیا۔ [تفہیمات الٰہیہ]

﴿وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں جو ہزاروں انواع پر مشتمل ہیں جن کی شکل وصورت اور صفات وخواص اور دیگر حالات مختلف ہیں، اور یہ تمام جانور انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔

﴿فَأَنۢبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ﴾ پھر ہم نے زمین میں اس پانی کے توسط سے قسم قسم کے عمدہ عمدہ نباتات اگائے جو جوڑے جوڑے اور قسم قسم کے ذائقہ، رنگ، مزاج وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

﴿هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ﴾ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، آسمان، زمین، پہاڑ، نباتات، معدنیات، حیوانات سب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں، اب بتلاؤ کہ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو اپنا معبود ومسجود، حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھا ہے انہوں نے کیا کچھ پیدا کیا ہے؟ جب ان میں یہ صفتِ خالقیت اور تدبیر نہیں تو انہیں معبود بنانے کا کوئی جواز نہیں سوائے حماقت کے۔

مشرکین جو بتوں کو پوجتے ہیں، یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو، نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، مجوسی آگ کو، صابی ستاروں کو اور ہندو دیوتاؤں کو، آپ ان سے پوچھیں کہ کبھی تمہارے معبود بڑی چیز نہ سہی ایک کمزور وضعیف مکھی پیدا کرسکتے ہیں؟ وہ واضح طور پر یہی جواب دیں گے کہ نہیں، پس وہ لاجواب ہوگئے، تو انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں انہیں چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، فرمایا:

﴿بَلِ الظَّٰلِمُونَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ﴾ بلکہ یہ ظالم ومشرک کھلی گمراہی میں ہیں، یہ سب کچھ جانتے ہوئے سرکشی اور ضد کی بنا پر شرک وکفر میں مبتلا ہیں، اور حق قبول کرنے سے باغی اور منحرف ہیں۔

........❁........❁........❁........

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا

الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ
الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا
مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور جو شخص شکر ادا کرے سو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے ادا کرتا ہے، اور جو شخص ناشکری کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، حمد کا مستحق ہے ﴿۱۲﴾ اور جب لقمان نے نصیحت کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹے! تم اللہ تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے ﴿۱۳﴾ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کر دی، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اسے پیٹ میں رکھا، اور اس کا دودھ چھوٹنا دو سال میں ہے، یہ کہ تو میرا شکر ادا کر، اور اپنے والدین کا بھی، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ﴿۱۴﴾ اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کی تیرے پس کوئی دلیل نہیں تو ان کی فرمانبرداری نہ کرنا، اور ان کے ساتھ دنیا میں خوبی کے ساتھ رہنا، اور جو شخص میری طرف متوجہ ہو اس کا اتباع کرنا، پھر تم سب کو میری طرف لوٹنا ہے، سو میں تمہیں ان اعمال سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے ﴿۱۵﴾

معارف ومنازل

لقمان حکیم کون تھے، کس زمانہ میں تھے، کس بستی اور کس ملک میں تھے، اور ان کا پیشہ کیا تھا، آزاد آدمی تھے یا غلام تھے، عربی تھے یا عجمی، ولی تھے یا نبی، بادشاہ تھے یا عام آدمی تھے، ان تمام باتوں کے قائلین موجود ہیں۔ اور اس بارے میں اصحاب سیر، مؤرخین اور علماء تفسیر نے طرح طرح کی جو غیر مستند باتیں لکھی ہیں وہ سب اسرائیلیات میں سے ہیں، اور بعض باتیں تو نہایت عجیب اور خرافات میں شمار ہوتی ہیں۔

صاحب روح المعانی نے جو محاکمہ کیا ہے وہ اقرب الی الصواب اور عالمانہ تحکیم ہے، وہ فرماتے ہیں: وَلَا وُثُوْقَ لِیْ بِشَیْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْاَخْبَارِ غَیْرَ اَنِّیْ اَخْتَارُ اَنَّهٗ كَانَ رَجُلًا صَالِحًا حَكِیْمًا وَلَمْ یَكُنْ نَبِیًّا۔ [روح: جلد ۲۱] یعنی ان باتوں میں سے کسی بات پر بھی وثوق نہیں کیا جا سکتا، اور میں یہ مانتا ہوں کہ وہ رجل صالح تھے، حکیم تھے، اور نبی نہیں تھے اھ۔ جب نبی نہیں تھے تو ان کو جو خطاب ہے وہ بذریعہ الہام تھا، یا ان کے زمانہ کے نبی کے

ذریعہ سے تھا۔ واللہ اعلم

بعض روایات میں ہے کہ لقمان حکیم بنی اسرائیل کے قاضی تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں تھے، اور ان سے قریب تھے۔ حضرت لقمان سے بہت سی حکمت کی باتیں منقول ہیں، بعض علماء نے انہیں کتابی شکل میں جمع فرما کر شائع کیا ہے، جیسے شیخ سعدی شیرازیؒ کا رسالہ اس موضوع پر مستند اور مشہور ہے۔

موطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے دریافت کیا گیا کہ یہ جو آپ کو علم اور فضل ملا ہے اس کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تین باتوں پر عمل کرنے سے یہ مقام مجھے حاصل ہوا: (۱) سچائی یعنی سچ بولنا۔ (۲) امانتداری (۳) لایعنی بے فائدہ اور فضول باتوں سے پرہیز کرنا۔ [مشکوٰۃ]

امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمان سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ، آپ نے حکم کی تعمیل کی، بکری ذبح کر کے اس کا دل اور زبان حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا، کچھ وقفہ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کا ردی اور ناکارہ حصہ میرے پاس لاؤ، حضرت لقمان نے بکری ذبح کر کے اس مرتبہ بھی اس کا وہی دل اور زبان پیش کر دیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے بہترین میں جو پیش کی وہی بدترین میں بھی پیش کیا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز بدترین بھی ہو اور بہترین بھی؟

حضرت لقمانؑ نے جواب دیا کہ تمام بہترین اعمال، کردار اور گفتار انہی دو کی پیداوار ہیں، اور تمام برائیوں اور خرابیوں کی بنیاد بھی یہی دونوں ہیں، چیز وہی ایک ہے صرف استعمال کا فرق ہے، ایمان و اعمال ہوں یا کفر و معاصی دونوں کا مرکز اور سرچشمہ یہی دونوں چیزیں ہیں، تو حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمان کی دانشمندی اور حکمت کی تعریف کی اور اسے سراہا۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾ البتہ تحقیق ہم نے حضرت لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔ حکمت کا لفظ قرآن حکیم اور احادیث میں بکثرت موجود ہے، حکمت کے تمام معانی سورۂ بقرہ میں بیان کر چکے ہیں وہاں دیکھا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حکمت سے علم، عقل، فہم اور دانشمندی مراد ہے۔ امام راغبؒ نے فرمایا کہ اس سے موجودات کی معرفت اور اچھے کام کرنا مراد ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ علم کے مطابق عمل کرنا مراد ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حکمت سے مراد ہے علم و عمل دونوں کی پختگی۔ [روح المعاني] دراصل یہ چاروں معانی

قریب قریب ہیں، اوران کا مآل ایک ہی ہے۔

قرآن کریم نے حکمت کو بڑا سرمایہ اور خیر کثیر کہا ہے، ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ [البقرة: ۲۶۹] (اور جس کو حکمت دی گئی تو اسے زیادہ خیر دی گئی)۔ اسی بنیاد پر علماء محققین نے کہا ہے کہ یہ عظیم نعمت خیر کثیر کافر کو اور منافق کو اور بدعقیدہ اہل بدعت کو نہیں نصیب ہوتی، یہ اہل حق کی قسمت کی چیز ہے۔

﴿اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾ اور انہیں حکم دیا کہ اے لقمان! اس عظیم نعمت کی بخشش وانعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر، کیونکہ: ﴿وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ جو کوئی شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے کرتا ہے، شکر کرنے کا فائدہ اور نعمت کی مزید زیادتی اور پختگی کا فائدہ اسی کو ملے گا، جیسے فرمایا: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراهيم: ۷] (اگر تم نے شکر ادا کیا تو میں تمہیں زیادہ دوں گا)۔

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ اور جس شخص نے ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ شانہ بے نیاز ہے، تعریفوں کا مالک اور مستحق ہے، اس کو ساری خلقت کے شکر سے کوئی فائدہ نہیں، البتہ ناشکری سے بندوں کا خود اپنا نقصان ضرور ہے، جیسے ارشاد ہے: ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراهيم: ۷] (اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب بڑا سخت ہوگا)۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سب ذاتی ہیں، وہ بے نیاز ہے اور تعریفوں والا ہے، اسے کسی کے شکر یا ناشکری کی کوئی پروا نہیں، وہ ہر حالت میں حمید ومحمود تعریفوں والا ہے، کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے وہ اپنی کمالات و صفات کا مالک ہے، ہر عیب سے پاک ہے۔

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، اس حال میں کہ آپ اس کو نصیحت فرما رہے تھے: اے میرے پیارے بیٹے! کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا، کیونکہ:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ بیشک شرک بڑی بے انصافی اور ناقدری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ۔ ﴿وَهُوَ يَعِظُهٗ﴾ کا مطلب یہ بتلاتے ہیں: ''کسی کی ذہنی تاریکی کو معرفت کے نور سے دور کرنا''۔ [الخير الكثير] اور یہ مقصد ترغیب اور ترہیب دونوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، پس واعظ حضرات کو چاہئے کہ دونوں چیزوں پر برابر زور دیں، لوگوں کو ترغیب بھی دیں اور ترہیب بھی، جیسا کہ قرآن کریم کا جامع طرز بیان ہے، اور تمام ذخیرۂ حدیث اسی مطلب پر دُرافشاں ہے۔

یاد رکھیں یہ احتمال کہ حضرت لقمان کا بیٹا مشرک تھا، والد نے اسے توحید اختیار کرنے اور شرک سے تائب

ہونے کی نصیحت کی، صحیح نہیں، بلکہ واقعی بات یہ ہے کہ موحد بیٹے کو نصیحت فرمارہے ہیں کہ آئندہ ہرگز شرک کا ارتکاب نہ کرنا، اور اپنے ایمان وتوحید پر جمے رہنا، جیسا کہ آج کوئی شخص اپنے نمازی بیٹے کو نماز کی اہمیت سے آگاہ کرے، اس طرح کے وعظ مسجدوں میں صبح شام ہوتے رہتے ہیں۔

باقی رہا شرک کو ظلم کہنا اس لئے ہے کہ بے شمار جرائم اور بڑے بڑے مہلکات گناہ شرک کے ایک ادنیٰ ذرہ کے ساتھ برابر نہیں ہوسکتے، یہی وجہ سے کہ قیامت کے روز پہاڑوں جتنے گناہوں کی مغفرت کا امکان تو ہے مگر ذرہ برابر شرک کی مغفرت کا کوئی امکان نہیں۔ ویسے تو سارے معاصی پر ظلم کا اطلاق قرآن وسنت میں ہو چکا ہے مگر شرک ان سب سے بڑا ہے، اس لئے اسے ظلم عظیم کہا گیا۔ لقمان حکیم نے بیٹے کو شرک سے بیزاری کی نصحیت کی مگر والدین کے بارے میں اسے کچھ نہ کہا، کیونکہ اس میں اپنی غرض کا احتمال تھا، تو اللہ تعالیٰ نے وصایائے لقمان کے ضمن میں بطور جملہ معترضہ والدین کی شکر گزاری اور حسن سلوک کا اسی لئے ذکر فرمایا:

﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ﴾ اور ہم نے انسان کو وصیت کی ماں باپ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کی۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا﴾ تیرے پروردگار نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آو۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ تو سرور عالم ﷺ نے تین مرتبہ ماں کا نام لیا اور چوتھی مرتبہ باپ کا ذکر کیا۔ [مشکوۃ] یہاں بھی والدہ کا خصوصی تذکرہ ہے، فرمایا:

﴿حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ﴾ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرکے اس کو نو ماہ تک دورانِ حمل اٹھایا، اور جب سخت تکلیف کے بعد بچہ پیدا ہوگیا تو: ﴿وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ﴾ اور اس کا دودھ چھڑانا دو برس میں ہوا، ان دو برس میں بدستور اسے قدم قدم پر تکالیف اور پریشانیوں سے واسطہ پڑا، اس آیت کریمہ میں اور سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ﴾ [البقرۃ: ۲۳۳] (اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں) یعنی بچے کی دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اڑھائی سال ہے۔ مزید تفصیل اور وضاحت سورۂ احقاف کی آیت: ﴿وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا﴾ کے تحت آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ

﴿وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا﴾ اگر تیرے والدین تجھے مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک بناؤ جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کرو، اور ان کی بات نہ مانو۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے صرف شرک کے معاملہ میں والدین کی اطاعت سے منع فرمایا، مگر صاحب تفسیر مظہری اور دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر والدین شریعت کے کسی بھی حکم کے خلاف مجبور کریں تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی، مثلاً فرض، واجب، سنت مؤکدہ وغیرہ کے ترک پر مجبور کریں تو پھر ان کی اطاعت جائز نہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ: لَا طَاعَةَ لِمَخۡلُوۡقٍ فِي مَعۡصِيَةِ الۡخَالِقِ۔ اللہ تعالیٰ خالق جل شانہ کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری جائز ہی نہیں ہے۔ ہاں! اگر کسی مباح کے چھوڑنے پر مجبور کریں تو کوئی حرج نہیں، پس ان کی بات پر عمل جائز ہوگا۔

﴿وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا﴾ البتہ دنیاوی زندگی میں ان کے ساتھ بہتر سلوک اور اچھا برتاؤ کرو، اگر وہ فقیر محتاج ہوں تو انہیں مال دیدو، اگر بیمار ہوں تو انہیں علاج کی سہولت پہنچاؤ، اگر ضعیف ہوں تو ان کی جسمانی خدمت کرو، بہرحال ان کی خدمت میں ہر حال کمر بستہ رہو، اور اپنے ساتھ ان کی نیکیوں کو یاد کرو کہ انہوں نے کن نامساعد حالات میں آپ کی پرورش کی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی مشرکہ ماں ان کے پاس آئی، انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ آئی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے بھلائی کرو، اس کا احترام کرو، اگرچہ وہ کافرہ ہے مگر تیری ماں ہے۔ مفسر قرآن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی والدہ آخر عمر تک اپنے باطل مذہب ہندومت پر قائم رہی، مگر حضرت سندھیؒ نے اس کی خدمت کے معاملہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک آپ ہجرت فرما کر افغانستان چلے گئے تو ان کی والدہ یہاں رہ گئی پھر یہیں مرگئی۔

﴿وَاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ﴾ آپ اس شخص کے راستے کی اتباع کرو جو میری طرف رجوع رکھتا ہے، آپ مشرکوں کا، کافروں، منافقوں اور خدا سے برگشتہ لوگوں کا ہرگز اتباع نہ کریں، بلکہ جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں، اور جن کا عقیدہ، عمل، اخلاق اور رویہ درست اور صحیح ہے آپ ایسوں کا اتباع کریں، اور انہیں لوگوں کا ساتھ دیں۔

حضرت عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ﴾ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں، کیونکہ جب یہ اسلام لائے حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، عبد اللہ بن عوف، سعد بن ابی وقاص

رضی اللہ عنہم بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، جب ان سب نے کہا کہ اس شخص نے سچ کہا اور تم اس پر ایمان لاتے ہو؟ تو فرمایا: جی ہاں! یہ صادق ہیں، تم بھی اس پر ایمان لے لاؤ، پھر وہ سب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے سب اسلام لے آئے۔ [معالم التنزیل]

﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے، پس اس وقت میں تم کو آگاہ کروں گا کہ تم کیا عمل کرتے تھے، قیامت کے دن تمہاری ساری کارگزاری تمہارے سامنے آئے گی، اور تمام حقوق کا انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔

یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ
یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۝۱۶ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۷ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝۱۸ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَ
اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۝۱۹

ترجمہ: اے میرے بیٹے! بیشک بات یہ ہے کہ اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر وہ پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو، یا زمین میں ہو اللہ تعالیٰ اس کو حاضر کر دے گا، بلاشبہ وہ لطیف ہے، خبیر ہے ۝۱۶ اے بیٹے! نماز قائم کرو، اور بھلائی کا حکم کرو، اور برائی سے منع کرو، اور تجھے جو تکلیف پہنچ جائے اس پر صبر کرو، بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ۝۱۷ اور تو لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر، اور زمین پر اترا کر مت چل، بلاشبہ تکبر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ۝۱۸ اور تو اپنی چال میں درمیانہ طریقہ اختیار کر، اور اپنی آواز کو پست کر، بلاشبہ سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھوں کی آواز ہے ۝۱۹

معارف ومنازل

جب حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی اور توحید کے متعلق اس کو سمجھایا، اس پر بیٹے نے باپ سے دریافت کیا کہ اگر میں ایک ایسے مقام پر گناہ یا نیکی کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا، اور اس

پر اجروثواب یا سزا دیدے گا؟ تو لقمان نے جواب دیا:

﴿یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ اے بیٹے! اگر رائی کے دانہ کے برابر کوئی نیکی یا برائی ہو، اور پھر وہ کسی سخت پتھر کے اندر چھپا ہوا ہو، اور وہ پتھر ایسا ہو کہ اس میں کوئی سوراخ بھی نہ ہو، یا وہ عمل آسمانوں میں ہو یا زمین کی گہرائیوں میں ہو، زمین سے پست کوئی چیز نہیں، اور آسمان سے بلند کوئی شئ نہیں۔ صخرہ سے کوئی سے کوئی مخفی چیز نہیں اس لئے ان تین چیزوں کا ذکر کیا، اور مثال رائی کی کہ اس سے کوئی چھوٹی چیز نہیں۔

غرض یہ کہ یہ ادنی چیز ہر طرح مخفی اور پوشیدہ ہو مگر قیامت کے روز محاسبہ اعمال کے وقت اللہ تعالیٰ اس رائی جتنے عمل کو لے کر حاضر کرے گا، اور اس پر جزا وسزا مرتب ہوگا، اس لئے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ باریک بین خبردار ہے۔ سورۃ الزلزال میں فرمایا: ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۞ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۞﴾ [الزلزال] (چنانچہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھے گا) جبکہ ذرہ رائی کے دانہ سے بہت ہی چھوٹا ہے۔

یاد رہے کہ یہ رائی کا دانہ اور ذرہ دونوں جواہر ہیں جن کا وجود مرئی اور جہت بھی معلوم ہے، طول وعرض وعمق بھی معلوم ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا علم محیط وہ خصوصی صفت کاملہ ہے کہ اس نے اعراض کا بھی مکمل احاطہ کیا ہوا ہے، وہ علیم بذات الصدور ہے، دلوں کے ارادوں سے بھی باخبر ہے، جبکہ ارادہ محض عرض ہے، اس کی کوئی جہت نہیں ہے۔

﴿یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھو، یہ نماز تمام عبادات سے افضل ترین عبادت ہے، یہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر شریعت میں لازم رہی ہے، اور یہ معراج المؤمنین کی حیثیت کا حامل ہے، اور حشر والے دن تمام اعمال میں سب سے پہلے اسی کے متعلق سوال ہوگا۔

روز محشر کہ جان گداز بود ☆ اولین پرسش نماز بود

[سعدی]

نماز کی اہمیت کا اس طرح اندازہ لگائیں کہ نماز کا قرآن حکیم میں ایک بیالیس (۱۴۲) مرتبہ ذکر ہے، ایک سو نو (۱۰۹) مرتبہ تنہا، اور تینتیس (۳۳) مرتبہ زکوٰۃ کے ساتھ۔ نماز کے حکم دینے کے ساتھ حضرت لقمان نے یہ نصیحت

فرمائی: ﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ دوسروں کو پسندیدہ اور نیک باتوں کا امر کرو، اور ناپسندیدہ باتوں اور برائیوں سے لوگوں کو منع کرو، چنانچہ اس سلسلے میں آپ کو ضرور تکلیف ہوگی، اور لوگ پوری قوت سے آپ کی مخالفت کریں گے، مگر تو ایسے مرحلے پر مضبوطی سے صبر کا دامن تھامے رکھ۔

شروع میں بیٹے کو شکر کی تعلیم دی، اور آخر میں صبر کی، اس لئے کہ تقویٰ کی گاڑی انہی دونوں پہیوں پر چلتی ہے، اور متقی مسلمان ہر لمحہ شکر اور صبر کے مراحل سے گزر کر قرب الٰہی تک پہنچنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

﴿اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے، یعنی اقامت صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مصائب میں صبر کرنا شریعت کے پختہ اور تاکیدی احکام کا حصہ ہے، اور باہمت و باکمال لوگوں کا طریقہ کار ہے، فرمایا: ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کو حقیر جانتے ہوئے خود کو بڑا سمجھ کر اس طرح کمینہ پن کا اظہار نہ کرو کہ ان سے اپنا رخسار موڑ کر منہ پھیر دو، جیسا کہ شیخی کرنے والے جہلاء کا طریقہ ہے کہ وہ منہ اور گردن موڑ کر بات کرتے ہیں۔

دراصل صَعِّرْ اونٹوں کا ایک مرض ہے، اونٹ کی گردن ایک طرف مائل ہوجاتی ہے، دوسری طرف گردن نہیں موڑ سکتا، اسی کے ساتھ مغرور انسان کی تشبیہ ہے۔

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ اے بیٹے! زمین پر اتراتے ہوئے سینہ تان کر مت چلو، کیونکہ یہ غرور اور شیخی کی علامت ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ تکبر اور شیخی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، البتہ ایسے لوگ شیطان کے پسندیدہ اور محبوب کہلاتے ہیں، اور شیطان انہیں بہت پسند کرتا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ [الإسراء:۳۷] (نہ تو زور سے پاؤں مار کر زمین کو پھاڑ سکتا ہے، نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کے برابر ہوسکتا ہے)۔

﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو، جیسا کہ مغرور آدمی زمین پر اکڑ کر سینہ تان کر چلتا ہے، اور پاؤں زور زور سے مارتا ہے مگر تم ایسا نہ کرنا، تم عاجزانہ اور متوازی چال اختیار کرنا۔ جس میں غرور بھی نہ ہو اور ریاکارانہ بیماروں کی چال بھی مت چلو جیسا کہ بے علم جہلاء ریاکار اس کو پسندیدہ سمجھ کر بیماروں کی چال چلتے ہیں۔

﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ اے میرے بیٹے! جب بولنے لگو تو آواز پست رکھو، شریفانہ انداز میں بات

کرو، شور و شغب اور بغیر ضرورت اونچی آواز میں گالوں کو مت پھلاؤ، بلکہ سنجیدگی اور متانت سے بولو۔

﴿اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِيۡرِ﴾ بیشک آوازوں میں سے قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حیوانات میں گدھے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ہر حیوان کی آواز اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہے، مگر گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے کے سبب ہوتی ہے، اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب گدھے کی آواز سنو تو: اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ پڑھو، اس لئے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھ کر آواز لگائی ہے، اور چیخ اٹھا ہے۔ پھر قرآن کریم نے جہنمیوں کے فریاد اور چیخ کو گدھے کی آواز کی طرح بیان کیا ہے: ﴿لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّشَهِيۡقٌ﴾ [هود:١٠٦] (دوزخ میں ان کی چیخنے چلانے کی آوازیں آئیں گی)۔ لغت میں زفیر و شهیق گدھے کی بلند اور پست آواز کو کہتے ہیں۔

۞ ۞ ۞

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ
وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا
مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ الشَّيۡطٰنُ يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ
السَّعِيۡرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنۡ يُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنۡ كَفَرَ فَلَا يَحۡزُنۡكَ كُفۡرُهٗ ؕ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ فَنُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ مسخر فرمالیا جو آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے، اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور انڈیل دی ہیں، اور لوگوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں ﴿۲۰﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم تو اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، کیا باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگر چہ ان کے باپ دادوں کو شیطان عذاب دوزخ کی طرف بلا رہا ہو ﴿۲۱﴾ اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنادے اور وہ مخلص بھی ہو، تو اس نے

مضبوط کڑے کو اچھی طرح سے پکڑ لیا، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب کاموں کا انجام ہے ﴿۲۲﴾ اور جو کوئی شخص کفر اختیار کرے تو اس کا کفر آپ کو رنجیدہ نہ کرے، ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے، سو ہم انہیں وہ عمل بتا دیں گے جو انہوں نے کئے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں ﴿۲۳﴾ ہم انہیں چند روز عیش دیں گے، پھر انہیں سخت عذاب کی طرف مجبور کریں گے ﴿۲۴﴾

معارف ومنازل

حضرت لقمان حکیم کے نصائح کے بعد حسب سابق ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور جود ونوال کا ذکر کر کے شکر اور توحید کی طرف متوجہ فرما رہے ہیں، ارشاد ہے:

﴿اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہے، اور پوری کر دیں تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں جیسے سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، بادل وغیرہ اور زمین میں جیسے پہاڑ، دریا، درخت، سبزے، کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو تمہارے لئے مسخر بنایا، یعنی تمہارے لئے پیدا کیا، اور تمہارے کام اور خدمت میں لگا دیا، ان میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جو انسان کے حکم کے تابع ہیں، اور جو تابع نہیں ہیں وہ بھی انسان کی آبادی اور خوشحالی کے لئے ہیں، تو گویا ایسی چیزوں سے لوگوں کا مستفید ہونا ان کے لئے تسخیر ہے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا﴾ [البقرة:۲۹] (تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا فرمایا جو زمین میں ہیں)۔ اور سورۃ الجاثیہ میں فرمایا: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ﴾ [الجاثية:۱۳] (آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے لیے مسخر فرمایا ہے) ۔ یعنی اپنے حکم اور قدرت سے، نیز اپنے جود وکرم اور عنایت سے کائنات کی تمام مخلوقات کو تمہارے لئے مسخر فرمایا، اور سارے علویات وسفلیات کو تمہارے کام اور خدمت پر لگا دیا، مجال نہیں کوئی مخلوق اپنے تخلیقی مقصد سے انحراف کرے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ☆ تا تو نانے بکف آری بغفلت نہ خوری

ہمہ از بحر تو سرگشتہ وفرمان بردار ☆ شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نہ بری

[عارف سعدی]

جب اللہ تعالیٰ نے پورے عالم کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے تو انصاف اور قدر شناسی اور ادب اسی میں ہے کہ تم سارے اس کے کام میں لگ جاؤ، اور اپنے لئے دنیاوی نعمتوں کی طرح اخروی نعمتوں کا حصول ممکن بناؤ، اور قدم قدم پر اس کی بے شمار نعمتوں کا قولاً اور فعلاً ظاہراً باطناً شکر بجالاؤ۔

ظاہری اور کھلی نعمتیں وہ جو حواس سے مدرک ہوں یا وہ جو بے تکلف سمجھ میں آجائیں اور باطنی وہ جو عقلی غور و فکر سے دریافت کی جائیں، یا ظاہری سے مادی معاشی اور باطنی سے روحانی نعمتیں مراد ہوں، یا ظاہری سے دنیوی اور باطنی سے اخروی نعمتیں مراد ہوں، گویا پیغمبر بھیجنا، کتاب اتارنا، نیکی کی توفیق دینا سب باطنی نعمتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم

پس ظاہری اور باطنی بے شمار نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انسان زندگی بھر اپنے منعمِ حقیقی رب العٰلمین کے حضور سر بسجود رہتا اور شکر کرتا رہتا، لیکن اس ناعاقبت اندیش جھگڑالو انسان نے سب کچھ بھلا دیا۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ﴾ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ بجائے تسلیم وانقیاد کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ توحید الٰہی کو چھوڑ کر لوگ شرک میں مبتلا ہوجاتے ہیں مگر علم، ہدایت اور روشن کتاب میں سے اپنے شرک کے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ پہلی چیز علم ہے، اس سے مراد دلیل عقلی ہے، دوسری چیز ہدایت ہے، اس سے مراد دلیل نقلی ہے، تیسری چیز آسمانی کتاب ہے، مثلاً تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال میں دائماً بکثرت یہ تینوں چیزیں رطبُ اللسان ہیں، جبکہ مشرکین کے شرک کے اثبات میں ان تینوں میں سے کوئی بھی نہ ان کی دلیل ہے، اور نہ شرک کی حمایتی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ان کا شرک سراسر منگھڑت اور بلا دلیل ہے، اور خالص ان کی بری خواہشات کی پیروی اور تکمیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کے پاس مذکورہ تین دلائل میں سے کوئی دلیل بھی نہیں ہے، اور اس کے برخلاف ربّ العزّت سبحانہ کی توحید پر لاکھوں کروڑوں عقلی اور نقلی اور کتابی دلائل موجود ہیں کہ وہ وحدہ لاشریک ہے۔

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَـتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا﴾ جب ان مشرکین

سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، یعنی قرآن پر ایمان لاؤ، اور اس کے احکام کا اتباع کر کے ان پر عمل کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، انہوں نے اس اندھی تقلید کو اپنا سہارا بنا کر روشن ہدایت اور واضح کتاب کا انکار کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ اگر چہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو، تو کیا پھر بھی انہی کے نقش قدم پر چلو گے؟ یہ تو بڑی بدبختی کی بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے آباء واجداد کا راستہ شیطان کا ہی راستہ ہے، اور شیطان کا راستہ دوزخ کا راستہ ہے، لہٰذا ان کو بھی اسی جہنم میں جانا ہوگا جس میں شیطان نے ان کے تمام باپ دادوں کو پہنچا دیا ہے، کاش یہ اپنی عقل سے کام لیتے اور کسی عقلی یا نقلی دلیل کی بنیاد پر عمل پیرا ہوتے، اور اندھی تقلید اور اس کے نقصانات سے بچ جاتے۔

﴿وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ جس نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے تابع کر دیا، اور وہ ہو بھی مخلص اور نیکی کرنے والا، تو یقین کر لو کہ اس نے مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا، جس کا اوپر والا حصہ خلد بریں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اور یہ رسی اسے جہنم کے حصے یعنی زمین سے اوپر کھینچ کر رضائے الٰہی کے مرکز تک پہنچائے گی، یہ حلقہ اتنا مضبوط ہے کہ لوگوں کے ہاتھ سے چھوٹ تو سکتا ہے، مگر ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ حلقہ کیا ہے؟ یہ قرآن حکیم ہے، یہ اخلاص اور توحید ہے، یہ اتباع حق جنہیں قرآن نے سکھایا اور پورے عالم میں متعارف کرایا۔

خوش قسمت لوگ وہ ہیں جو اس رشتہ سے جڑے ہوئے ہیں، اور بدقسمت وہ ہیں جو باپ دادوں کی تقلید میں جڑے ہوئے ہیں جو تارِ عنکبوت یعنی مکڑی کے جال سے بھی کمزور ہے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ کسی اونچے ستون پر چڑھے ہوئے ہیں، اور اوپر سے نیچے لٹکے ہوئے ایک کڑے (حلقہ) کو ہاتھ میں پکڑا ہوا تھام لیا ہے، جب انہوں نے یہ خواب آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا ہے تم اہل جنت میں سے ہو۔ [بخاري]

اور یہ بات سورۂ بقرہ میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے، فرمایا: ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة:۲۵۶] (دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا،

اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا، جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں، اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے)۔ پس جو شخص شیاطین اور بتوں کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو سمجھو کہ اس نے نہ ٹوٹنے والے حلقہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا۔

﴿وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ سب کاموں کا آخری انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے، وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، اور ظاہر و باطن بھی، جب قیامت قائم ہو جائے گی، تو ازل سے لے کر ابد تک کے امور سب میدان محشر میں حساب و کتاب کے لئے پیش ہو جائیں گے۔ ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ﴾ اور جو شخص کافر ہوا عروۂ وثقیٰ اور توحید سے منکر ہوا، اور سب آسمانی احکام کا انکار کیا، تو آپ ایسے لوگوں کی بغاوت سے پریشان نہ ہوں، کیونکہ:

﴿اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ ﴿فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا﴾ سو ہم ان کو ایک ایک ذرہ بتلا دیں گے جو کچھ وہ دنیا میں کرتے تھے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ سینوں کے راز اور دلوں کے احوال سے باخبر ہے، ظاہری اعمال اور پوری زندگی کی کارگزاریوں سے لے کر دل کے ارادوں تک کو بھی جانتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سمجھانے کے باوجود حق قبول نہیں کرتے ہیں آپ ان کے بارے زیادہ فکرمند نہ ہوں، کیونکہ:

﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ ہم انہیں چند دنوں کے لئے فائدہ اٹھانے اور عیش کرنے کی مہلت دیں گے، اس دنیاوی زندگی کی رنگینیوں سے استفادہ کا موقع دیں گے، مال و دولت اور اقتدار تک پہنچائیں گے، پھر انہیں تباہ کن سخت اور ناقابل برداشت عذاب میں اوندھے منہ ڈال دیں گے، یعنی دوزخ کی زنجیروں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے عذاب میں ڈالیں گے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي
الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ

يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا؟ تو وہ ضرور ضرور یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۲۵﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بلاشبہ وہ بے نیاز ہے، سب خوبیوں والا ہے ﴿۲۶﴾ اور زمین میں جتنے بھی درخت ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے اس کے بعد سات سمندر اور اس میں شامل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے، حکیم ہے ﴿۲۷﴾ نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور موت کے بعد اٹھانا مگر ایک ہی جان کی طرح، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، دیکھنے والا ﴿۲۸﴾ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا، ہر ایک اپنے وقت مقررہ تک چلتا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو ﴿۲۹﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ حق ہے، اور بلاشبہ یہ لوگ اس کے علاوہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہیں، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ عالی شان ہے، اور بڑا ہے ﴿۳۰﴾

معارف ومنازل

امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں، جن میں سے دو پر تو تمام مذاہب والے (سوائے قلیل تعداد دہریوں گے) متفق ہیں، اور باقی دو درجات میں اختلاف کر کے کافر اور مشرک بن جاتے ہیں۔

توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے، یعنی وہ ایسی ذات ہے جس کا وجود خود بخود ہے، نہ کہ کسی کا عطا کردہ ہے: هُوَ وَاجِبُ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ الْمُبَرَّأُ مِنَ الشِّرْكِ وَ النَّقْصِ وَالزَّوَالِ۔ جو جملہ صفات کمال کی حامل ہے، اور شرک اور ہر نقص وزوال سے مکمل پاک ہے۔ فارسی زبان میں واجب الوجود کا ترجمہ ''خدا'' ہے، یعنی ایسی ہستی جو خود بخود ہے، توحید کے اس درجے پر تمام اہل مذاہب متفق

ہیں، سوائے دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے جو مادہ پرست ہیں۔

توحید کا دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق ہے، یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا بھی، اللہ تعالیٰ ہی ہے کائنات کی ہر چیز جواہر ہوں یا اعراض، تمام اہل مذاہب کا اتفاق ہے کہ ان سب کا خالق صرف اللہ تعالی ہی ہے، الغرض یہ دو درجے متفق علیہ ہیں۔

توحید کا تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کی صفت تدبیر ہے، یعنی پوری کائنات صرف اسی ذات پاک تدبیر وانتظام سے رواں دواں ہے، اس درجہ میں بہت سے لوگ اختلاف کر کے شرک کے مرتکب ہوجاتے ہیں، یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو، اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو، صابی مذہب والے ستاروں کو، مجوسی آگ اور سیارچوں کو، اور مشرکین بتوں کو، اولیاء کرام پیروں گدی نشینوں کو، اور مشرکین وکفار بتوں کو، دیوتاؤں کو، بتوں کو اللہ تعالیٰ کی صفت تدبیر میں حصہ دار اور شریک سمجھتے ہیں، تب ہی تو ان کی پرستش اور عبادت کرتے ہیں، انہیں نفع نقصان کا مالک قرار دیتے ہیں، انہیں مشکل کشا اور حاجت روا گردانتے ہیں، بہت سارے مافوق الاسباب امور میں ان کے تصرف پر عقیدہ رکھتے ہیں جو کہ سراسر ظلم وزیادتی اور کفر ہے۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے جس کی تعلیم نہایت اہم ہے، اور سورۃ الحمد شریف جو نماز کی ہر رکعت کی زینت ہے اس میں اسی عظیم عمل کی تعلیم ہے: ﴿اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ﴾ [الفاتحة:۴] (ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)۔ ایک مؤمن کا عقیدہ تو یہی ہوتا ہے کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جو واجب الوجود، الخالق اور المدَبّر ہے، مگر بہت سے لوگ اس دائرۂ توحید سے نکل کر کسی نبی، ولی، فرشتے، پیرو بزرگ یا جن کو بھی خدا تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں، ان کا عقیدہ خود قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے: ﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى﴾ [الزمر:۳] (کہ ہم ان کی عبادت تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں) یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں، ہماری عبادت ان کی عبادت کے ساتھ مل کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے، اور یہ بھی ہے کہ یہ بڑی ہستیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں شفاعت کنندہ ہیں، قرآن کریم نے بہت سے مقامات پر جگہ جگہ ان باطل عقائد ونظریات کی مدلل تردید وابطال پر کلام کیا ہے اور انہیں رد فرمایا۔

﴿وَلَىِٕنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ﴾ اگر آپ ان منکرین توحید سے سوال کریں کہ بتلاؤ کہ ان آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا

ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کا شرک عدمِ علم کی وجہ سے نہیں، بلکہ عناد کی بنا پر ہے، پس ﴿قُلِ﴾ ان کے اس اقرار پر آپ یہ کہئے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، شکر ہے کہ مشرکین پر الزام قائم ہوگیا، اور وہ خود اقرار کر گئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم اور نادان ہیں، جب وہ اللہ تعالیٰ کو تمام جہاں کا خالق مانتے ہیں تو چاہئے کہ صرف اس کی عبادت کریں، مگر یہ لوگ جہالت کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتے، یہ ان کی اکثریت کا حال ہے۔ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز اور تعریفوں والا ہے، کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے، وہ اپنی ذات اور صفات میں تعریفوں والا ہے، کائنات کا ہر ذرہ اس کی مدح خواں اور ثنا خواں ہے، اور اس کی صفات ذاتی ہیں، اسی بات کی دلیل یہ ہے کہ:

﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ﴾ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی بن جائے، اس کے بعد مزید سات سمندر اس کی مدد کے لئے آجائیں۔

مطلب یہ ہے کہ پوری زمین میں جتنے بھی درخت ہیں اگر ان سب کی شاخوں اور ٹہنیوں سے قلم بن جائیں جو کھربوں کھربوں میں ہوں گے، بلکہ اور زیادہ، اور سمندر کو روشنائی بنایا جائے، جب ایک سمندر ختم ہوجائے تو سات سمندر اور اس میں شامل کیے جائیں، یعنی ان کی بھی سیاہی بنائی جائے، پھر پوری کائنات کے فرشتے اور انسان اور جنات قیامِ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات کو لکھنا شروع کرلیں، تو سارے قلم گھس جائیں گے، سارے سمندروں کا پانی خشک ہوجائے گا، سارے لکھنے والے تھک جائیں گے، ان کے ہاتھ شل ہوجائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، کیونکہ وہ کلمات غیر متناہی ہیں، اور یہ متناہی قلم اور سیاہی غیر متناہی کو ختم نہیں کرسکتا۔

سات دریا جو فرمایا حصر کے لئے نہیں، یہ فرضی مثال ہے، حقیقت میں کروڑوں دریا بھی اس نظامِ کلمات کو سر کرنے سے عاجز ہیں، بلکہ یہ چیز ممکنات میں نہیں۔ دراصل یہ مثال ہرگز کسی مبالغہ پر مبنی نہیں، بلکہ مثال حقیقی ہے، جو آسانی سے سمجھ میں آتی ہے، اور ہر شخص جانتا ہے کہ متناہی چیز کسی غیر متناہی چیز کے احاطہ کرنے سے عاجز ہوتی ہے، یہی مضمون سورۂ کہف کے آخر میں بیان ہوا تھا۔

کلماتِ ربی سے مراد کیا ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت قدیم کلام نفسی مراد

ہے، جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے، اور انسانوں کی سمجھ سے بلند و بالاتر ہے۔ بعض حضرات نے اس سے اللہ تعالیٰ کی معلومات اور مقدورات مراد لی ہیں، اور بعض حضرات نے اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ مراد لی ہیں، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے کمالات کو لکھا جائے تو کروڑوں دریا و سینکڑوں کھربوں قلم ختم ہو جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کمالات نہ لکھے جا سکیں گے اور نہ ہی ختم ہو جائیں گے، اور نہ ان کا احاطہ ہو سکے گا۔

یہ بڑا سورج جو تیرہ لاکھ مرتبہ زمین سے بڑا ہے یہ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار سے رواں دواں ہے، یہ اللہ پاک واحد الاحد الفرد الصمد جل شانہ کے چہرۂ انور کے نور کے مقابلہ میں ایک ذرہ سے بھی کمتر ہے، پس ربّ العزّت سبحانہ کے کمالات غیر متناہیہ کا احصا قطعاً ممکن نہیں، اور کسی متناہی مخلوق بلکہ تمام مخلوقات کے بس سے باہر ہے، اسی کو فرمایا:

﴿مَا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے، اس کی حکمت اور عزّت کائنات کے ہر ذرہ کے ساتھ متعلق ہے۔ فتبارک اللہ رب العلمین۔ ﴿مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور نہیں ہے موت کے بعد تمہارا دوبارہ اٹھانا مگر ایک نفس کی طرح، اس کی قدرت کاملہ اور حکم کن سے جہاں ایک نفس بآسانی پیدا ہو سکتا ہے وہاں تمام مخلوقات کی دوبارہ پیدائش اسی طرح عمل میں آئے گی، اس قادر مطلق کے ہاں کثرت وقلت کا قطعاً فرق نہیں۔

﴿كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ کے کلمہ سے اسی غیر متناہی قدرت پر تنبیہ ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ بَصِيۡرٌ﴾ بیشک وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے، اس کے سننے کا یہ عالم ہے کہ بیک وقت ساری کائنات کی آوازیں الگ الگ سن رہا ہے، اور کوئی آواز اس کی سماعت کو اس طرح مشغول نہیں کرتی کہ اسے سنتے ہوئے وہ دوسری آواز نہ سن سکے، بلکہ وہ برابر سب کو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے، وہاں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا، یہی حال اس کے دیکھنے کا بھی ہے، اور وہ تمام کائنات کے سننے پر مکمل قادر بھی ہے اور بیزار بھی نہیں ہوتا۔

﴿اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَيُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں، گرمیوں میں رات کا کچھ حصہ دونوں طرف سے کم ہو کر دن میں داخل ہو جاتا ہے، جس سے دن لمبا ہو جاتا ہے، اور سردیوں میں دن کا ایک حصہ اول و آخر سے کم ہو کر رات میں داخل ہو جاتا ہے جس سے رات لمبی ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اظہار قدرت کے تحت انسانوں کے

مفاد اور موسموں کی تبدیلی کے لئے ہے۔

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، تمہاری خدمت میں لگا دیا، ہر ایک ایک وقت مقررہ تک یعنی دنیا میں قیامت تک چلتا رہے گا، اور جب دنیا کی عمر پوری ہو جائے گی تو پھر اس عجیب وغریب نظام پر ایسا زوال آئے گا جس سے سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا، اسی طرح انسانوں پر قیامت قائم ہوگی، اور تمام کمی بیشی قیامت کے دن پوری کر دی جائے گی، رات دن کی طرح۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ بیشک جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ یہ سب کچھ اس کی دلیل اور ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے، اور یہ نظام اسی کی قدرت وحکمت کا کرشمہ ہے، اور اس کی وحدت کی نشانی اور علامت ہے جو ہمیشہ یکساں جاری ہے۔

﴿وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ﴾ اور اس کے علاوہ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سراسر باطل اور بے بنیاد ہیں جن کی نہ حقیقت ہے، اور نہ ہی اصلیت۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی بلند و بالا اور سب سے بڑا ہے، لہٰذا عبادت کا صرف وہی حقدار ہے، اور فرمان اور حکم صرف اسی کا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ
صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ
اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝۳۲

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ کشتی اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ سمندر میں چلتی ہے، تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیوں میں سے دکھلائے، بلاشبہ اس میں ہر ایسے شخص کے لئے نشانیاں ہیں جو خوب صبر کرنے والا، خوب شکر کرنے والا ہے ۝۳۱ اور جب انہیں دریا کی موج ڈھانپ لیتی ہے جو سائبانوں کی طرح ہوتی ہے، تو خالص اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتے ہیں تو ان میں سے بعض لوگ راہ اعتدال پر چلتے ہیں اور ہماری آیتوں کا ہر وہی شخص انکار کرتا ہے جو عہد کا بہت جھوٹا بہت ناشکرا ہو ۝۳۲

☆☆☆

معارف ومنازل

ان آیات میں ربّ العزّت سبحانہ کے بعض صفات کمال کا ذکر ہے، اورروز مرہ کے مشاہدے میں آنے والے بعض حقائق کا تذکرہ ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت کاملہ کا پوری طرح پتہ چلتا ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ بلاشبہ سمندر میں کشتیاں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے چلتی ہیں۔ جغرافیہ والے کہتے ہیں پورے کرۂ ارض پر صرف ایک چوتھائی خشکی ہے، جبکہ اس کے اردگرد چودہ کروڑ مربع میل پر پانی ہی پانی ہے، جہازوں اور کشتیوں کا سلسلہ جو دنیا میں وسیع پیمانہ پر جاری ہے، یہ بہت قدیم ہے، البتہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ میں جہازوں کا جو حیران کن نظام ہے، یہ قابلِ عبرت بھی ہے اور باعث شکر بھی کہ بڑے بڑے پہاڑوں جیسے مال بردار جہاز جو لاکھوں ٹن وزنی ہیں، پھر لاکھوں ٹن سامان اور تیل ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک نہایت امن وسکون اور آرام کے ساتھ چلتے اور مال پہنچاتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی عنایت ہے۔

﴿لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے، اوران حقائق کو دیکھ کر تم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین آجائے۔ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزاروں کے لئے۔ یہ بات واضح ہے کہ نعمت ہو یا زحمت سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہیں، پس زحمتوں پر صبر کرنا اور نعمتوں پر شکر کرنا عقلمند اور متقی لوگوں کا شیوہ ہے، اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے کہلاتے ہیں۔ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن آدمی کی حالت بہت خوب ہے کہ جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، اور جب راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے، اس کے لئے دونوں حالتیں بہتر ہوتی ہیں۔ [مشکوۃ]

﴿وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ اور جب ان کشتی والوں کو دریا کی کوئی موج مثل سائبان کی ڈھانپ لیتی ہے تو اس وقت مشرک لوگ نہایت ہی اخلاص وعقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں، اور اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر وہاں اسی دریائی سفر میں کوئی معبود یعنی بت یا اس کی شبیہ ساتھ ہو تو اسے اپنے ہی ہاتھوں سے دریا میں پھینک دیتے ہیں تاکہ مکمل توجہ اور آہ وفغان صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔

﴿كَالظُّلَلِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں سمندر کی موجیں بادلوں کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں اور جب

سمندر میں طوفان اٹھ رہا ہوتا ہے، جب کشتی ہچکولے کھا رہی ہو اور اوپر سے بادلوں نے سایہ تان کر رکھا ہو، ایسی حالت میں ہر آن ڈوبنے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہوتا ہے۔ انسان کی عادت ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غافل رہتا ہے مگر کسی حادثہ میں جب ظاہری اسباب اور مادی وسائل منقطع ہو جاتے ہیں تو اس کی ساری نظریں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف لگ جاتی ہیں، اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پھر کیا ہوگا؟ وہ ہے:

﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ﴾ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو غرق سے نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے بعض میانہ روی پر رہتے ہیں۔ مطلب متوسط اور میانہ روی کا یہ ہے کہ جب طوفان سے نجات پا کر خشکی پر آ گئے تو جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا باقی نہ رہا، البتہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ اس حالت پر نہ رہے مگر بالکل غافل بھی نہ رہے، پھر ان کے دل گواہی دے گا کہ بچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، جبکہ دوسرے ایسے نہیں ہوتے۔

﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ﴾ اور ہماری آیات کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عہد شکن اور ناشکر گزار ہوتا ہے۔ ''ختار'' کے معنی ہیں: غدار، مکار اور عہد شکن۔ جب طوفان میں گر گئے تھے تو اخلاص و عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا، اور وعدہ کیا تھا کہ آئندہ تائب رہیں گے، مگر جب نجات پا گئے تو پھر وہی کفر و شرک اور معاصی اور باپ دادوں کی غلط تقلید وحماقت۔ بہر حال! آیت کریمہ کا منشا ناشکر اور عہد شکن انسانوں کا حال بیان کرنا اور ہمارے لئے عبرت کا سبق فراہم کرنا ہے کہ دریائی سفر ہو یا عام مصیبت، بیماری، سیلاب، زلزلہ، قحط اور دوسرے مسائل ان سب پریشانیوں کا دور کرنے والا صرف حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہے، پس چاہئے کہ جس طرح مصیبت کے وقت اسے پکارتے ہو تو مصیبت دور کر کے جب تمہیں خوشحالی عطا کرے تو کبھی اس کی عنایت سے بھی غافل نہ ہوں، اور خوشحالی میں اسے ایسا پکارا کرو جیسے مصیبت کے وقت پکارا تھا، اور عہد شکنی و ناشکری سے مکمل تائب ہو جاؤ۔

ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقعہ پر بھاگ گئے تھے جہاز پر سوار ہو گئے حبشہ جانا چاہتے تھے مگر کشتی طوفان میں گر گئی، جب کشتی کو بچانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو ملاح نے اعلان کیا کہ اب اللہ تعالیٰ کے سوا ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا، تم سارے مل کر صرف اسی کو پکارو اور دعائیں مانگو، اس پر عکرمہ رضی اللہ عنہ کے دماغ پر چوٹ لگی، دل میں کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ جس سے بھاگے تھے وہی نجات دہندہ ثابت ہوا، آج تک تو ہم لات ومنات اور عزیٰ کو پکارتے رہے مگر آج وہ بھی پس منظر میں چلے گئے۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی دعوت بھی

یہی رہی جسے ہم نے مسترد کیا، اگر آج کے طوفان سے اس کے ربّ نے بچالیا تو سیدھا اس کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوجاؤں گا، اور اس کے دستِ رحمت پر بیعت کر کے اپنے باپ کے برعکس ابدی اس کا غلام بنوں گا، یہ سبق تو وہی دیتے ہیں کہ بچانے والا وہی واحد لاشریک ہے، چنانچہ نجات پانے کے بعد آئے اور اسلام قبول کر کے صحابیت کے مقام پر فائز ہوئے، اور آئندہ تمام جہادی معرکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ خلافت فاروقی میں ملک شام کے جہادی معرکوں میں شہید ہوئے۔ رضي الله عنه [زادالمسير]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ
وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اے لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو، اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا، اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بدلہ دینے والا ہوگا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، سو تمہیں دنیا والی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے، اور ہرگز تمہیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بڑا دھوکہ باز (شیطان) دھوکہ میں نہ ڈالے ﴿۳۳﴾

معارف ومنازل

ان آیات کریمہ میں اسباب نجات کا بیان ہے، اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح دریا میں نجات دہندہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اسی طرح خشکی میں بھی وہی نجات دہندہ ہے، مگر اسباب نجات کے ساتھ پہلا سبب ایمان ہے، دوسرا تقویٰ ہے، اور تقویٰ اپنے وسیع معنی کے اعتبار سے تمام حسنات کے اختیار کرنے پر اور تمام سیآت سے اجتناب کرنے پر مشتمل ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ اے لوگو! خواہ تم کشتی میں ہو یا خشکی میں، ہرحال اپنے پروردگار سے ڈرو، اور اس کی نافرمانی سے بچو۔ ﴿وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ﴾ اور اس دن کا خوف کھاؤ جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کسی کام نہ آسکے گا، اور اسی طرح: ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر باپ پر مصیبت آئی تو بیٹا اس کو اپنے اوپر نہیں اٹھائے گا، اور

اگر بیٹے پر تباہی آئی تو اسے باپ اپنے اوپر نہیں ڈالے گا، کوئی عزیز ورشتہ دار اپنے دوست کا کام نہیں آئے گا۔

اس آیت کریمہ میں بنیادی چیز قیامت کی شدت اور سختی کو واضح کرنا ہے، اور مجرموں کو خبردار کرنا ہے جیسے سورۂ زخرف میں ارشاد ہے: ﴿اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾[الزخرف:۶۷] (اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، سوائے پرہیز گاروں کے)۔ متقین دونوں مقامات پر مستثنٰی رہیں گے، اور شفاعتوں سے فائدہ اٹھائیں گے، بخلاف مجرمین کے۔ اس وقت توحید وایمان اور اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے۔ سورۂ عبس میں فرمایا: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ۝۳۴ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ۝۳۵ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ۝۳۶﴾ [عبس] (جس دن انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا۔ اور اپنے ماں باپ سے بھی۔ اور اپنے بیوی بچوں سے بھی) یعنی اس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے دور بھاگے گا کہ کہیں میرے خلاف گواہی نہ دے، یا کسی حق کا دعویٰ دائر نہ کرے، یا مجھ سے کوئی نیکی طلب نہ کرے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور برحق ہے کہ قیامت ضرور قائم ہوگی اور حساب وکتاب ضرور ہوگا۔ ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ سو یہ دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش وزینت تمہیں دھوکہ نہ دے، اس عارضی چار روزہ زندگی پر فریفتہ ہو کر ابدی زندگی کو برباد نہ کرو۔ ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ اور نہ ہی بڑا دھوکہ باز شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکے میں نہ ڈال دے، یہ اور تمہارا نفس دونوں بدخواہ اور دشمن ہیں، یہی وہ سرکش مجرم ہے جس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکالا، کبھی اس کے کہنے میں نہ آؤ، یہ دنیا اور اس کی عیش وعشرت کو اور تمام معاصی پر خوبصورت لیبل لگا کر تمہیں دھوکہ دے گا، اور راہ حق سے بیگانہ کر کے کفر وشرک اور بدعات ومعاصی میں مبتلا کرے گا۔

....

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۳۴

ترجمہ: بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کا علم ہے، اور وہ بارش کو نازل فرماتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو ماؤں کے ارحام میں ہے، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کرے گا، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کس زمین میں موت آئے گی، بلا شبہ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، باخبر ہے ۝۳۴

معارف ومنازل

اس آیت کریمہ میں ہزاروں امور غیبیہ میں سے خصوصیت کے ساتھ صرف پانچ کا ذکر فرمایا ہے یہ کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل اس آیت کا نزول حارث بن عمرو بن حارثہ بن محارب بن حفصہ کے بارے میں ہوا، یہ دیہات سے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں آیا اور قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا، اور یہ بھی کہا کہ ہماری زمین خشک ہوچکی ہے بارش کب آئے گی؟ اور یہ بھی کہا کہ میری بیوی حاملہ ہے بتائے کیا پیدا ہوگا؟ اور جس زمین پر میں پیدا ہوا تھا تو وہ مجھے معلوم ہے، لیکن میں کس جگہ مروں گا؟ اور کل میرا کیا حال ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [معالم التنزیل]

سورۂ نمل کی آیت: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [النمل:٦٥] (کہہ دیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا)۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں ہے: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾ [الأنعام:٥٩] (اور اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی چابیاں، جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، پس کسی اور کے لئے علم غیب ثابت کرنا سوائے کفر وگمراہی کے کچھ نہیں۔

علم غیب کے معنی ہیں: براہ راست بغیر کسی آلہ اور اطلاع کے مخفی چیزوں کو معلوم کرنا، لہٰذا اگر انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو بہت سی چیزوں کا علم بذریعہ وحی ہوا تو یہ علم غیب نہیں ہوا، یہ أنباء الغیب کہلاتا ہے کہ پیغمبر کو وحی کے واسطہ سے معلوم ہوا۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت ہے، فرمایا: أوتِيتُ مَفَاتِيحَ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا الْخَمْسَ۔ [أخرجه الإمام أحمد، ابن كثير] اس میں لفظ "أُوتِيتُ" نے صاف صاف خود واضح کر دیا کہ جن غائبات کا علم سرور عالم ﷺ کو حاصل ہوا، اور انہیں دیا گیا وہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ دیا، تو یہ علم غیب کی تعریف میں شامل نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی، اور اولیاء کرام کو بذریعہ الہام جو غیب کی چیزوں کا علم عطا ہوتا ہے وہ غیب نہیں بلکہ أَنْبَاءُ الْغَيْب یعنی غیب کی خبریں کہلاتی ہیں، جیسا کہ ایک شخص مکہ مکرمہ میں سب کچھ احکام حج کو خود دیکھ کر جب واپس وطن پہنچے تو لوگوں کو بتائے، یہ اخبار بالغیب ہے، اسے علم غیب کہنا جہالت اور نادانی ہے۔

قرآن کریم نے اسی چیز کو یوں بیان فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ [آل عمران:٤٤]

(یہ خبریں غیب کی ہیں جو آپ کو وحی کے ذریعہ بتاتے ہیں)۔ پس واضح ہوا کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے، اور انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں وہ ان کا ذاتی علم نہیں، بلکہ وہ انباء الغیب کے قبیلے سے ہیں جن کو غیب نہیں کہا جاتا، اور ان پانچ چیزوں کا علم بذریعہ وحی انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی نہیں دیا گیا، چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا۔ ﴿وَیُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ﴾ اور وہ بارش نازل کرتا ہے۔ ﴿وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ﴾ اور وہی جانتا ہے کہ ارحام میں کیا ہے، اور: ﴿وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا﴾ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا، یا کس حال میں ہوگا، اور کیا کچھ اس کو پیش آئے گا۔ ﴿وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ﴾ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کب اور کہاں واقع ہوجائے گی۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، اور ہر چیز کا خبر رکھنے والا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

سوال یہ ہے کہ سائنسدانوں نے ایسے ایسے آلات ایجاد کئے ہیں جو بارش کے متعلق کئی گھنٹہ پہلے اعلان کرتے ہیں کہ فلاں فلاں علاقوں میں بارش ہوگی، اسی طرح سمندری طوفان کا اور سورج چاند گرہن کا پیشگی اطلاع دیتے ہیں، حال میں امریکہ نے زلزلہ کے متعلق آلہ ایجاد کیا ہے جس سے زلزلہ کا حال معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ٹی وی اور ایکسرے کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ نر ہے یا مادہ (رحم مادر میں) ایک یا دو علیٰ ہذا القیاس، جب ان امور غیبیہ کا پتہ چلانا انسانوں کے ساتھ مخصوص ہوا تو انسان عالم غیب کہلائے؟

جواب یہ ہے کہ یہ علم غیب کا حصہ نہیں، کیونکہ ان چیزوں کی شناخت انسان کو براہ راست نہیں بلکہ آلات اور اسباب کے ذریعہ اور واسطہ سے ہے، اور علم غیب وہ ہے کہ جس میں کسی آلہ اور سبب کا واسطہ نہ ہو۔ اس کے علاوہ یہ آلات صرف ایک ہی چیز بتاتے ہیں، جبکہ اس کی تفصیلات کا علم ان کے پاس نہیں، مثلاً یہ کہ یہ بچہ کب پیدا ہوگا، زندہ یا مردہ، اور کتنی عمر پائے گا، کیا کچھ سیکھے گا، غنی ہوگا یا فقیر، اس پر کن کن امراض کا حملہ ہوگا، فرمانبردار ہوگا یا نافرمان، جنتی ہوگا یا دوزخی، علیٰ ہذا القیاس بہت سی دیگر چیزیں ہیں جو اس بچے کے متعلق ہیں جن کی شناخت قیامت تک انسانی آلات کے ذریعہ ممکن نہیں ہے، اور سوائے اللہ تعالیٰ کے ہرگز کسی کو معلوم نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح بارش کی تفصیلات کا حال ہے۔

سُورَةُ السَّجْدَةِ

مکیۃ آیاتھا ۳۰ رکوعاتھا ۳

سورۂ سجدہ مکی ہے، اس میں تیس (۳۰) آیتیں، اور تین (۳) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورۃ السجدہ ہے، آیت نمبر ۱۵ میں لفظ سجدۃ مذکور ہے اسی سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔ یہ سورت ترتیب تلاوت میں ۳۲ نمبر پر ہے، اور ترتیب نزول میں ۷۵ نمبر پر ہے۔

تعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں ۳ رکوع، ۳۰ آیات، اور ۳۷۴ کلمات ہیں، اور یہ سورت ۱۵۷۰ حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

(۱) گزشتہ سورت اور اس سورت دونوں کی ابتدا حقانیتِ قرآن سے ہے۔ (۲) سورۂ لقمان میں آسمان وزمین کی پیدائش کا بیان تھا، اس سورت میں تدبیر عالم اور نظام خلائق کا بیان ہے۔ (۳) دونوں سورتیں توحید، مظاہر قدرت، حقانیتِ رسالت اور صداقتِ قرآن، نیز اثباتِ قیامت پر مشتمل ہیں۔ (۴) دونوں سورتوں میں علم غیب کا بیان ہے۔

مختصر موضوع:

توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، آخرت کا بیان، اچھے اور برے اعمال کے اچھے اور برے انجام کا بیان،

تذکیراتِ ثلاثہ کا بیان، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی بقاء ودوام کا بیان، خصوصی عبادات اور سجدہ کے فضائل وبرکات کا بیان۔

فائدہ:

آنحضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب سونے سے پہلے سورۃ السجدہ اور سورۃ الملک پابندی سے پڑھا کرتے تھے۔ [أحمد، ترمذی، دارمي]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ① تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ② اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ
مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ③ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ
مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا شَفِیۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ④ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ
اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ⑤

ترجمہ: الٓمّٓ ① یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں، ربّ العٰلمین کی طرف سے ہے ② کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے جھوٹ بنالیا ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ آپ کے ربّ کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ ہدایت پر آجائیں ③ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا، پھر عرش پر مستوی ہوا، تمہارے لئے اس کے سوا نہ کوئی ولی ہے، نہ کوئی سفارشی، کیا تم نہیں سمجھتے؟ ④ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے، پھر ہر امر اس کے حضور میں ایک ایسے دن میں پہنچ جائے گا، جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہوگی ⑤

معارف ومنازل

﴿الٓمّٓ﴾ حروف مقطعات پر سورۂ بقرہ کا شروع دیکھا جائے۔ ﴿تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ﴾ یہ نازل

کردہ کتاب ہے جس میں ذرہ برابر شک نہیں۔ ﴿مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ اور یہ ہے پروردگار عالم کی طرف سے۔

دراصل کتاب کہلانے کے مستحق صرف یہی ہے، اول تو اس لئے کہ سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے، دوسرے یہ کہ اس کا نظم وعبارت اور فصاحت و بلاغت اور طرز بیان اتنا بدیع اور نرالا ہے کہ اس میں ذرہ برابر شک نہیں، اور جو لوگ اس میں شک کرتے ہیں وہ راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے مخبوط الحواس ہیں۔

﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ﴾ وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے از خود گھڑ لیا اور بنایا ہے، یہ کتنی بیہودہ اور لغو بات ہے۔ ﴿بَلۡ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىهُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ﴾ بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق ہے، بالکل سچی ہے، اور ہر کمی اور عیب سے پاک ہے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم (بنو اسماعیل عرب) کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نبی نہیں آیا۔ ﴿لَعَلَّهُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ﴾ تاکہ یہ لوگ ہدایت حاصل کریں، سرور عالم ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام آئے وہ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے مگر وہ سارے بنی اسرائیل کے انبیاء تھے، جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں صرف سید الکونین خاتم الانبیاء ﷺ ہیں۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَا فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ رب العلمین عزّ شانہ نے جو برحق کتاب نازل فرمائی اس کی شان یہ ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے صرف چھ دن کے مختصر وقفے میں پیدا کیا، زمین کی برابری ہمواری اور تخلیق چار دن میں اور آسمانوں کی تخلیق دو دن میں مکمل ہوئی، اس کے بعد: ﴿ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ﴾ پھر اس نے عرش پر استویٰ فرمایا، قائم اور جلوہ افروز ہوا، یہ استویٰ علی العرش سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بیان ہو چکا ہے، اور یہ متشابہات میں سے ہے۔ اِسۡتِوَاءً یَلِیۡقُ بِشَانِهٖ۔ ایسا استواء جو اس کی شان کے لائق ہے، جو انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے، اور اس کی کیفیت کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر چیز سے وراء الوریٰ ہے۔

یاد رہے عرش بمعنی سریر و کرسی کے ہیں، اور وہ کائنات کا حصہ ہے مخلوق ہے، جبکہ رب العزت سبحانہ وتعالیٰ ازلی اور قدیم ہے۔

﴿لَیۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ﴾ علماء امت کا اجماع ہے کہ یہ استواء بلا کیف، بلا مکان، بلا جہت، بلا زمان ہے، مزید ہدایات سورۂ اعراف کے ضمن میں ہیں۔ ﴿مَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ﴾ یہ خوب سمجھ لو کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی کارساز دوست اور حمایتی ہے، اور نہ کوئی سفارشی، پس کیا تم سوچتے

اور غور کرتے نہیں، نصیحت پکڑتے نہیں، لہٰذا شرک وکفر کو ترک کر کے غیر اللہ سے مکمل بیزاری کا عہد کر کے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، وہی ہے: ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾۔ یہاں تک آسمان وزمین کی خلقت کا بیان ہوا ،اب آئندہ ان کی تدبیر کو بیان کرتے ہیں:

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ جو آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک تمام امور کی تدبیر خود کرتا ہے۔ ﴿ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ پھر وہ عروج کرتا ہے یعنی وہ چڑھتا ہے اس کی طرف ایک ہی دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم عرش سے اترتا ہے، اور ساتویں زمین تک پہنچتا ہے، جیسے ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۱۲] (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور ان کی مثل زمین کو پیدا کیا ہے، ان کے درمیان سے حکم نازل ہوتا ہے)۔ اس سے مراد وہ بڑے بڑے امور ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، اور پھر ان کی تکمیل ہوتی ہے، اور متعلقہ فرشتوں کے ذریعہ ان کے نتائج اوپر چڑھتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو وہ نافذ ہوجاتے ہیں، پھر ہزار سال تک ان پر عملدر آمد ہوتا ہے، اور اس کے نتائج برآمد ہو کر اوپر چڑھتے ہیں، اور پھر دوسرا حکم نافذ ہوجاتا ہے۔ یہ مضمون دوسرے مقام پر بھی موجود ہے: ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ [الحج: ۴۷] (تمہارے پروردگار کے ہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوگا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر چھوٹی بڑی چیز کا وہ خود انتظام فرماتا ہے، ہر چیز اس کے امر کے ساتھ اور خصوصی لطف وکرم کے ساتھ نشوونما اور پرورش پارہی ہے، کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف انجام نہیں پاسکتا۔ اس کی نظر اور علم محیط ہر چیز پر محیط اور حاوی ہے، پھر جب قیامت قائم ہوگی تو تمام امور اس کے حضور پیش ہوں گے، اور وہ ان کے متعلق فیصلہ فرمائے گا، وہ دن کوئی ایک ہزار سالوں کے برابر ہوگا، انسانی اندازہ میں۔

بعض مفسرین نے اس مقام پر اس طرح کلام کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیاوی امور کا انتظام سماوی اسباب یعنی ملائکہ وغیرہ کے ذریعے سے کرتا ہے، جن کے آثار زمین تک آتے ہیں، پھر جب دنیا فنا ہوجائے گی حاکموں کا حکم اور اقتدار والوں کا اقتدار ختم ہوجائے گا، اور یہ اس روز ہوگا جس کی مقدار ہزار برس کے برابر ہوگی، دونوں آیتوں کے

درمیان تعارض کوختم کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ مدت کا اختلاف اشخاص اور احوال کے تاثر کی وجہ سے ہے، بعض لوگوں کے لئے پچاس ہزار سال کا دن ہوگا، اور بعض کے لئے ایک ہزار برس کا، اور بعض کے لئے مختصر وقت جیسے عصر وظہر کا درمیان، اور بعض کے لئے اس سے بھی کم مدت کا۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ مؤمن کے لئے اس دن کی مقدار اتنی ہوگی جتنی اس نے دنیا میں فرض نماز پڑھی ہوگی۔

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مؤمنوں کے لئے قیامت کے دن کا طول اتنا ہوگا جتنی مدت ظہر اور عصر کے درمیان ہوتی ہے۔ ابن ابی ملیکہؒ نے بیان کیا ہے کہ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بن فیروز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس آیت: ﴿خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ [المعارج: ۴] (پچاس ہزار سال) کے بارے میں دریافت کیا، حضرت حبر الامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جن ایام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں، اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کے کلام میں کچھ کہنا ہرگز مناسب نہیں سمجھتا۔ [معالم] حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے قول کے مطابق ہے۔ اس سلسلے میں مفسرین حضرات کے بہت سے اقوال اور تشریحات ہیں، یہاں تک کہ صاحب روح المعانی نے اس آیت کو متشابہات کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم

❁ ❁ ❁

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٦ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ
الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝٧ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝٨ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ
مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۝٩ وَقَالُوا أَإِذَا
ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُونَ ۝١٠ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ
مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ۝١١

ترجمہ: وہی پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، زبردست ہے، رحمت والا ہے ۝٦ اس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی ۝٧ پھر اس کی نسل کو ذلیل پانی سے نکالی ہوئی چیز بنایا ۝٨ پھر اس کو ٹھیک طرح بنادیا، اور اس میں اپنی روح پھونک دی، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنادیئے، تم کم شکر

ادا کرتے ہو⑨اور انہوں نے کہا: کیا یہ واقعی بات ہے کہ جب ہم مٹی میں رَل مل جائیں گے تو نئے طور پر کیسے پیدا ہوں گے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ کی ملاقات کے منکر ہیں⑩آپ فرما دیجئے: ملک الموت تمہاری روحوں کو قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر ہے، پھر تم اپنے ربّ کی طرف لوٹائے جاؤ گے⑪

معارف ومنازل

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے بیان کے بعد اس آیت میں علم محیط کا بیان ہورہا ہے، فرمایا:﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ یہی ذات ہے کہ اس کا علم پورے عالم کے پوشیدہ اور ظاہر چیزوں پر سب پر محیط ہے، غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسانوں سے پوشیدہ ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کوئی غیب نہیں، اس کے لئے کائنات کے تمام ذرات ظاہر ہیں اور مشاہدہ ہیں، سورۂ یونس میں ارشاد ہے:﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ [یونس: ۶۱] (تیرے پروردگار سے تو ارض وسما میں ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے)۔

﴿الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ سب پر غالب ہے، کمال قدرت کا مالک ہے اور نہایت رحم والا ہے۔﴿الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ کہ اس نے جس چیز کو پیدا کیا اس میں اپنی قدرت وحکمت کا وہ بے مثال صنعت وکاریگری کا کرشمہ دکھایا، جس کی نظیر نہ ہو، اس نے جس چیز کو پیدا کیا اس کے مقصد تخلیق کے نقطہ نظر سے از حد حسین وجمیل جاذب نظر کامل ومکمل تخلیق فرمایا، درخت ہو یا پھول، پہاڑ ہو یا حیوانات، مچھر ہو، مکڑی ہو، یا شاہین، چیونٹی ہو یا ہاتھی، آپ ان میں لاکھ مرتبہ نظر دوڑائیں مگر آپ ان میں ذرہ برابر ترمیم کی گنجائش نہیں پائیں گے، ہر چیز اسی طرح ہے جس طرح ہونی چاہئے تھی، نباتات، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، حیوانات اور جمادات تک جس چیز کو جس شکل وصورت، وضع قطع، بلندی وپستی، حجم وعمق میں پیدا فرمایا، اس سے عمدہ اور بہتر شکل وصورت کا تصور تک ممکن نہیں، خاص طور پر انسان کے متعلق فرمایا:﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ [التین: ۴] (ہم نے انسان کو بہترین سرشت میں پیدا فرمایا)۔

انسان کی ظاہری شکل وصورت، قدوقامت، رنگت، کھال، بال، ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، کان، ناک، پیشانی، گردن، اور حواس باطنہ، عقل، فہم، سوچ، دانشمندی، صنعت وحرفت اور قوت گویائی وغیرہ وہ کمالات ہیں جنہیں دیکھ کر

خود انسان اپنے وجود کو کائنات کا پر مغز کرشمہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور خالق جل شانہ کی حکمت وقدرت کا قائل ہو جاتا ہے، پھر ارشاد ہوا:

﴿وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ﴾ اور انسان کی ابتدائی پیدائش مٹی سے فرمائی، یہ قدرت کی حکمت کا کتنا بڑا کارنامہ اور بے مثال کرشمہ ہے کہ مٹی سے انسان کو پیدا فرما کر پوری کائنات کا حاکم اور تاجدار بنایا، اور اپنے کمالات کا ایک حصہ اس کے وجود میں ودیعت فرما کر اسے خلافت کا اعزاز بخشا۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ پھر اس کی نسل کو ایک حقیر قطرۂ آب کے خلاصہ اور نچوڑ سے آگے چلایا، اب نسل انسانی قیامت تک اسی قطرۂ آب کی مرہون منت اور پیداوار ہے۔ آپ ذرا اس مردار قطرہ پر نظر دوڑاؤ، پھر اس سے پیدا شدہ خوبصورت پری پیکر انسان پر نظر کرلو، اور نوع انسانی جن جن بیش بہا اور محیر العقول کمالات کا حامل ہے پھر اس پر نظر کرنے کے بعد آپ بخوشی بلا اختیار بول اٹھیں گے: ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ [المؤمنون: ۱۴] (برکت والا ہے اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)۔

﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ﴾ پھر رحمِ مادر میں اس کا قالب اعضاء وجوارح کو درست کیا، اعظاء ظاہرہ وباطنہ میں تناسب رکھا، پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ یہاں اس مقام پر اور حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے متعلق جو روح پھونکنے کا بیان ہے اس میں اضافت تشریفی ہے، جیسے کعبۃ اللہ اور ناقۃ اللہ میں، مطلب یہ نہیں کہ ''روح'' اللہ تعالیٰ سے جدا ہوا۔ العیاذ باللہ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اپنے حکم سے روح ڈال دی۔

روح الٰہی یہ ایک لطیف چیز ہے جو حمل کے بعد چوتھے مہینے یعنی تین چلّے کے بعد عالم بالا سے آکر انسان میں داخل ہوتی ہے۔ دراصل روح عالم ارواح سے آتی ہے، یہ نہایت لطیف ہے مادی نہیں، اور ''حیات'' اس کی آمد کا نام ہے، جبکہ ''موت'' اس کی جدائی کا نام ہے، مؤمنوں کی ارواح طیبہ کہلاتی ہیں، اور کافروں کی ارواح ''ارواحِ خبیثہ'' کہلاتی ہیں، مؤمنوں کی ارواح کا مستقر علیین ہے، جو ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے، اور کفار کی ارواح کا مستقر سجین ہے جو ساتوں زمینوں کے نیچے ''ہاویہ'' میں ہے جو کہ جہنم کا ایک طبقہ ہے۔ پھر فرمایا:

﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تمہارے فائدہ کے لئے تمہارے جسم میں کان سننے کے لئے اور آنکھیں دیکھنے کے لئے اور سلطان البدن دل سمجھنے کے لئے عطا فرمائے، انہیں

قیمتی اعضاء کی بدولت تم پوری کائنات پر حکومت کرتے ہو، پھر ذرا غور کرو اور سوچو کہ یہ قیمتی اعضاء جانوروں میں بھی ہیں جس طرح انسانوں میں ہے، مگر آسمان وزمین جتنا فرق ہے، کہاں گائے اور اونٹ اور ہاتھی کا دل کہاں ایک عام آدمی کا دل، کوئی مناسبت نہیں، پھر انسانوں کے قلوب میں بھی اسی طرح کا تفاوت ہے، مگر تم بہت کم شکر کرتے ہو یعنی شکر نہیں کرتے ہو، تمہارے اندر شکر کرنے والے چند ہی لوگ ہوں گے زیادہ نہیں۔ ان اعضاء کا شکر یہ ہے کہ ان کو طاعات، عبادات اور اطاعت و یادالٰہی میں لگادو، مگر ناشکرے انسان بجائے یادالٰہی کے انکار الٰہی میں لگ گئے، اور کہنے لگے:

﴿وَقَالُوٓا ءَإِذَا ضَلَلۡنَا فِي ٱلۡأَرۡضِ ءَإِنَّا لَفِي خَلۡقٖ جَدِيدِۭ﴾ کیا جب ہم زمین میں مٹی کی طرح ریزہ ریزہ ہوکر رل مل جائیں گے اور آٹے کی طرح زمین کے اجزاء میں خلط ملط ہوجائیں گے تو کیا ہم پھر نئی پیدائش کے ساتھ دوبارہ زندہ ہوجائیں گے؟ سورۃ المؤمنون میں ہے: ﴿هَيۡهَاتَ هَيۡهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ﴾ [المؤمنون: ۳۶] (کافروں نے کہا کہ کہاں ہوسکتا ہے کہاں ہوسکتا ہے جو تم سے وعدہ ہو رہا ہے)۔ یہ مضمون قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر مذکور ہے، تقریباً سو کے قریب تمام تر انکار کے ساتھ۔

﴿بَلۡ هُم بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ كَٰفِرُونَ﴾ بلکہ یہ لوگ عناد و اور سرکشی سے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے بالکل منکر ہیں، اور دوبارہ زندگی سے قیام قیامت سے اور حساب و کتاب کے لئے اللہ کے سامنے حاضری سے، یہ لوگ ان تمام چیزوں سے منکر ہیں اور کہتے ہیں: ﴿إِنۡ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا ٱلدُّنۡيَا نَمُوتُ وَنَحۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوثِينَ﴾ [المؤمنون: ۳۷] (اور کچھ نہیں ہے یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا، مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور مرنے کے بعد ہم کو پھر اٹھنا نہیں)۔ سورۂ بنی اسرائیل میں منکرین قیامت کو جواب دیا جارہا ہے: ﴿قُلۡ كُونُواْ حِجَارَةً أَوۡ حَدِيدًا ۝٥٠ أَوۡ خَلۡقٗا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِي صُدُورِكُمۡ﴾ [الإسراء] (اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ تم پتھر یا لوہا بن جاؤ، یا ایسی مخلوق جو تمہارے دلوں میں اس سے بھی زیادہ بڑی ہو) تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو زندہ کر کے اپنے سامنے لاکھڑا کرے گا، تمہاری ان بوسیدہ ہڈیوں کے ساتھ تو پھر بھی حیات کا تعلق رہا ہے، مگر لوہے اور پتھر میں تو حیات ہے ہی نہیں، اگر تم اتنی سخت چیز میں تبدیل ہوجاؤ تو پھر بھی تم کو دوبارہ زندگی عطا کی جائے گی، اور یہ اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم و علیم و خبیر و قدیر کے لئے نہایت آسان ہے، کوئی مشکل نہیں۔

﴿قُلۡ يَتَوَفَّىٰكُم مَّلَكُ ٱلۡمَوۡتِ ٱلَّذِي وُكِّلَ بِكُمۡ﴾ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ موت کا فرشتہ

تمہاری جان اور روح کو تمام اعضاء بدن سے کھینچ کر پوری طرح قبض کر کے اس جہاں سے دوسرے جہاں میں لے جا کر پہنچا دیتا ہے، اور یہ موت کا فرشتہ وہ ہے کہ تمہارے نہ چاہتے ہوئے تمہیں مار دیتا ہے، تم ہر صورت اس کے سامنے بے بس ہو، اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ہمارے اختیار میں ہے، جب تم نہ چاہتے ہوئے حکم کے سامنے بے بس ہو کر زندہ ہو جاتے ہو، اب یہ فرشتہ تمہاری جان قبض کر کے تمہیں ہمارے پاس ہی پہنچانے والا ہے۔

﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ پس تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے، اور جس خالق و مالک نے پہلی بار تمہیں مٹی سے بغیر کسی سابق مادہ اور بغیر کسی نقشہ کے پیدا فرمایا وہ تمہیں ایک آنکھ کے اشارہ سے بھی مختصر وقت میں پیدا فرمائے گا، اور تم سے حساب لے گا۔

ملک الموت کا مختصر بیان اور کارگزاری:

مقرب فرشتوں میں ایک ملک الموت ہے جن کا نام عزرائیل ہے، یہ تمام انسانوں کی روح کے قبض کرنے پر مامور ہے، یہ اپنے عمل اور ڈیوٹی میں اکیلا نہیں، اس کے پاس بہت ہی بڑی فوج ہے، جو اس عمل پر ان کی سربراہی میں مصروف کار ہے، اس وقت دنیا کی آبادی سات ارب کے قریب ہے، اس اندازے کے مطابق روزانہ مرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، یہ سارا نظام حضرت ملک الموت کے ہاتھ میں ہے، کوئی مجال نہیں کہ اس نظام میں کوئی فروگزاشت یا تقدیم و تاخیر ہو۔ امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ساری دنیا ملک الموت کے سامنے ایسی ہے جیسے کسی انسان کے سامنے ایک کھلے طشت میں دانے پڑے ہوں، وہ جس کو چاہے اٹھا لے، یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے۔ [تذکرۃ القرطبي]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی کے سرہانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے صحابی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو، ملک الموت نے جواب دیا کہ آپ مطمئن رہیں، میں ہر مؤمن کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں، اور فرمایا کہ جتنے آدمی شہروں میں یا دیہات میں یا جنگلوں اور صحراؤں میں یا دریاؤں میں آباد ہیں، میں ان میں سے ہر ایک کو دن میں پانچ مرتبہ دیکھتا ہوں، اس لئے میں ان کے چھوٹے بڑے سے بلا واسطہ واقف ہوں، پھر فرمایا کہ اے حضرت محمد! میں جو کام انجام دیتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، ورنہ میں اگر ایک مچھر کی روح بھی قبض کرنا چاہوں تو مجھے اس پر قدرت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا امر اس کے بارے میں نہ آئے۔

ملک الموت انسانوں کی ارواح کو قبض کرتا ہے، جانوروں کی نہیں:

مذکورہ روایت حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھر کی روح بھی بحکم خداوندی ملک الموت ہی قبض کرتے ہیں، حضرت امام مالکؒ نے ایک سوال کے جواب میں بھی یہی فرمایا ہے، مگر بعض دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ قبض روح انسانوں کے ساتھ اور جنات کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی شرافت وکرامت کے لئے، باقی جانوروں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ باذنِ خداوندی بغیر واسطہ فرشتے کے مرجائیں گے۔ [قرطبي ابن عطيه]

یہی مضمون ابوالشیخ عقیلی دیلمی وغیرہ نے خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہائم اور حشرات الارض سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں (یہی ان کی زندگی ہے) جب ان کی تسبیح ختم ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کی روح قبض ہوجاتی ہے، اور وہ مرجاتے ہیں، جانوروں کی موت ملک الموت کے سپرد نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [مظهري]

موت کے اسباب بکثرت ہیں:

ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو ساری دنیا کی موت کا معاملہ سپرد فرمایا تو عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! آپ نے ایسی خدمت مجھے سپرد کی کہ سب بنی آدم ساری دنیا میں مجھے برا کہیں گے، اور مجھے برے ناموں سے یاد کریں گے، گویا کہ میں ان کا دشمن ہوں، اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا تدارک اس طرح کیا ہے کہ دنیا میں موت کے ظاہری بہت سے اسباب وامراض رکھ دیئے ہیں، جن کے سبب سب لوگ موت کو انہی اسباب وامراض کی طرف منسوب کریں گے، آپ ان کی بدگوئی اور لعن طعن سے محفوظ رہیں گے۔ [قرطبي، التذكره]

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ

اِنَّا نَسِيۡنٰكُمۡ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۝۱۴

ترجمہ: اور اے مخاطب! اگر تو اس موقعہ کو دیکھے جبکہ مجرم لوگ اپنے ربّ کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے تو عجیب منظر دیکھے گا، یہ لوگ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے ربّ! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، سو ہم کو واپس بھیج، ہم نیک عمل کریں گے، بلاشبہ ہمیں یقین آ گیا۝۱۲ اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دیدیتے، اور لیکن میری طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جو اس میں اکٹھے ہوں گے۝۱۳ سو تم آج کے دن کی ملاقات کو بھول جانے کی وجہ سے عذاب چکھ لو، بلاشبہ ہم نے تمہیں بھلا دیا، اور تم جو اعمال کیا کرتے تھے ان کی وجہ سے ہمیشگی والا عذاب چکھ لو۝۱۴

معارف ومنازل

ان آیات میں منکرین قیامت کی تباہی اور پریشانی کا حال بیان ہو رہا ہے، فرمایا:

﴿وَلَوۡ تَرٰٓی اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ﴾ اگر تو اس وقت کو دیکھے کہ جب منکرین حشر جو اصلی مجرمین ہوں گے اپنے پروردگار کے سامنے کمال خجالت وندامت کے ساتھ سر جھکائے ہوئے ہوں گے تو عجیب خوفناک منظر دیکھے گا جس کی شدت کا کوئی اندازہ نہ ہوگا، اس وقت یہ مجرمین غایت شرمساری کے عالم میں یہ کہیں گے:

﴿رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا کہ قیامت حساب کتاب اور تیرے حضور حاضری سب کچھ برحق ہے، اور انکار حشر ونشر پر ہمیں جو سرزنش سنائی گی، وہ بھی ہم نے سنی اور معلوم کیا کہ آپ کا ہر فرمان برحق تھا، اور ہم ہی گمراہ اور ظالم رہے، اب ہماری درخواست ہے کہ ہمیں براہ کرام ایک موقعہ عطا فرمائیں، ایک مرتبہ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دیں ہم وہاں جا کر اس دفعہ خوب اعمالِ صالحہ کا اکتساب کریں گے، اور کسر پوری کر کے دوبارہ آپ کے پاس مسرتوں اور خوشیوں کے ساتھ آ جائیں گے، کیونکہ اب ہمیں یقین آ چکا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اس بے ڈھنگ سوال کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں:

﴿وَلَوۡ شِئۡنَا لَاٰتَيۡنَا كُلَّ نَفۡسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّیۡ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ﴾ اگر اس طرح ہم تم کو ہدایت دینا چاہتے تو پہلے ہی سے دنیا میں ہر نفس کو اس کی ہدایت دیتے، مگر یہ تو زبردستی ہدایت پر چلانے والی بات ہوگی۔ سورۂ انعام میں فرمایا: ﴿وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمۡ عَلَى الۡهُدٰى﴾

[الأنعام: ۳۵] (اور اگر اللہ چاہتا ان سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا)۔ اور سورۂ ہود میں ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ [ھود:۱۱۸] (اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سارے لوگوں کو ایک گروہ بنا دیتا)۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے اختیار اور صوابدید پر ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ہدایت والا راستہ اختیار کرے گا یا کفر والا، اور یہ بات متحقق ہے کہ اضطراری اور جبری ایمان قبول نہیں ہے، اسی لئے فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو سب کو ہدایت پر لے آتے، اور یہ ہمارے ازلی فیصلے کے خلاف ہوتا۔

﴿وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ مگر میری طرف سے حق اور پختہ بات یہ ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سب سے جہنم کو بھر دوں گا، یہ وہ ازلی فیصلہ ہے جہاں شیطان نے اللہ تعالیٰ کی حضور جسارت کر کے قسم کھائی کہ میں آدم کی اولاد کو گمراہ کر کے رہوں گا، تو ربّ العزّت سبحانہ نے اسے خبردار کر کے فرمایا: ﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا﴾ [الإسراء:۶۳] (اللہ نے کہا: جا پھر ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا تو جہنم ہی تم سب کی سزا ہوگی، مکمل اور بھرپور سزا)۔

اور شیطان کے جواب میں یہ بھی فرمایا: ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ [ص: ۸۵] (میں تجھ سے اور ان سب سے جو ان میں سے تیرے پیچھے چلیں گے جہنم کو بھر کر رہوں گا)۔ جب مجرمین نے دوبارہ دنیا میں واپسی کی درخواست کی تو دوسرے مقام پر انہیں جواب ملا کہ تم جھوٹے اور عہد شکن ہو، فرمایا: ﴿كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا﴾ [المؤمنون:۱۰۰] (ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے)۔ اور سورۂ انعام میں فرمایا کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں: ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ [الأنعام:۲۸] (اگر ان کو واپس بھیجا جائے تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور یقیناً یہ پکے جوٹے ہیں)۔

بالفرض اگر ان کو واپس دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ لوگ پھر وہی گناہ کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا ہے، لہٰذا ان کا واحد علاج یہ ہے جو فرمایا:

﴿فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ پس تم عذاب کا مزہ چکھو، اس وجہ سے کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا، بلکہ سرکشی کر کے سرے سے انکار کیا تھا، اور دنیاوی زندگی کو اصلی زندگی کہہ کر آخرت کا مذاق اڑایا تھا۔ ﴿اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ﴾ آج ہم بھی تمہیں نظر انداز کر کے بھلا دیں گے، اور اپنی رحمت سے دور کریں گے اور کچھ بھی نہیں سنیں گے۔ ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ تم لوگ اپنے اعمال کی پاداش میں ہمیشہ

کا عذاب چکھو، آج نہ کوئی تمہارا حامی ہوگا نہ کوئی تمہاری نصرت کو آئے گا۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۱۵ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۱۶ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۷

ترجمہ: ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور اپنے ربّ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، جس کے ساتھ حمد بھی ہوتی ہے اور وہ تکبر نہیں کرتے ۝۱۵ ان کے پہلو لیٹنے کی جگہوں سے جدا ہوتے ہیں، وہ ڈرتے ہوئے اور امید باندھتے ہوئے اپنے ربّ کو پکارتے ہیں، اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۝۱۶ سو کسی شخص کو اس کا علم نہیں ہے جو ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے، یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا جو دنیا میں کیا کرتے تھے ۝۱۷

معارف ومنازل

ان آیات میں عباد الرحمن کا تذکرہ ہے جو لوگ مخلصین صادقین ہوتے ہیں انہیں کے اوصاف کا بیان ہورہا ہے، فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا﴾ بیشک ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر وہ لوگ کہ جب ان کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں یعنی ہماری آیات کے ذریعہ انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو:

﴿خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ تو وہ فوراً سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور اپنے ربّ کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے ہیں۔ آیات سے مراد قرآنی آیات احادیث اور دلائل توحید اور احکام الٰہی اور تمام امور دین اور مظاہر آخرت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دین وایمان میں اتنے سنجیدہ اور بیدار ہیں کہ جب ان کے سامنے قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں اور تسبیح وتحمید شروع کرتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا کہ تسبیح سے مراد نماز ہے، ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ یہ ان کی تیسری صفت ہے کہ تکبر جیسی شیطانی خصلت سے وہ بہت دور رہتے ہیں، یہی وہ مذموم وناپاک خصلت ہے جس نے ابلیس کو راندۂ درگاہ ٹھہرایا، آج یہ خصلت جہاں کہیں موجود ہو وہاں سجدہ ریز ہونا ممکن نہ ہوگا۔

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ ان کے پہلو رات کو بستروں سے دور رہتے ہیں۔ ''مضاجع'' ''مضجع'' کی جمع ہے، وہ بستر جہاں لوگ رات کو سوتے ہیں، یہ لوگ رات کو سوتے نہیں بیدار رہتے ہیں، ان کی رات تسبیح تہلیل، تحمید، استغفار اور محبوب حقیقی کے منانے اور ہم کلامی میں گزر جاتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بہت اچھا کہا: ؎

ہر جا کہ بود درے بشب در بندند ☆ الا در دوست را کہ بشب باز کنند

عطار ہو رومی ہو سعدی ہو غزالی ہو ☆ کچھ ہاتھ نہیں آتا جز آہ سحر گاہی

بستروں کو چھوڑ کر کیا کرتے ہیں؟ ﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ وہ لوگ اپنے ربّ کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں، ذرا اس کی تفصیل:

یہ لوگ کون ہیں اور یہ نماز کونسی ہے؟ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، ہم مغرب کی نماز پڑھ کر گھروں کو نہیں جاتے تھے، یہاں تک کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشا کی نماز ادا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس آیت کا نزول کچھ صحابہؓ کے متعلق ہوا تھا جو مغرب کی نماز پڑھ کر عشا کی نماز تک مسجد میں رہتے تھے۔ ابن ابی حازم اور منکدر کی روایت ہے کہ دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ الاوابین ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ فرشتے ان لوگوں کی جماعت کو ڈھانپ لیتے ہیں جو مغرب اور عشا پڑھ کر گھروں کو جاتے ہیں (یعنی مغرب پڑھ کر صلوٰۃ اوابین پڑھتے ہیں، پھر عشاء تک مسجد میں ہوتے ہیں، جب عشا پڑھتے ہیں تو ابھی گھروں کو جاتے ہیں۔

حضرت عطاؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مغرب کے بعد سوتے نہیں یہاں تک کہ عشاء نہ پڑھ لیں۔ حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوذر، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم عشاء اور فجر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جماعت سے پڑھتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا آدھی رات نماز پڑھی، اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا پوری رات نماز میں گزاری (یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں شریک ہونے کا ثواب جانتے، اور پھر بغیر قرعہ اندازی اذان دینا اور پہلی صف میں شریک ہونا ان کو

میسر نہ آتا تو وہ ضرور قرعہ ڈالتے، اور اگر ظہر کی نماز (باجماعت) کا ثواب ان کو معلوم ہو جائے تو وہ دوڑتے ہوئے پہلے پہنچنے کی کوشش کریں، اور اگر عشاء اور فجر کی نماز باجماعت کا ثواب ان کو معلوم ہو جائے تو گھسیٹ کر سرینوں کے بل پہنچیں۔ زیادہ مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے تہجد کی نماز مراد ہے، سونے کے بعد اٹھ کر نماز پڑھنا بہت بڑا دشوار اور مشقت طلب عمل ہے مگر اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے، آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں جس نماز کا ذکر ہے اس سے مراد نماز تہجد ہے۔ [قرطبي]

حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم رات کے قیام کو لازم پکڑو، کیونکہ یہ صالحین کا طریقہ رہا ہے، اور تمہارے لئے سبب قرب الٰہی ہے، اور سبب مغفرت بھی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دو آمیوں کو بہت پسند فرماتا ہے: ایک وہ جو اپنے بستر و لحاف اور محبوب بیوی بچوں کو چھوڑ کر نماز پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو! میرے بندے نے خواب استراحت کو اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر امید و خوف کی کیفیت سے میرے حضور کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہا ہے۔

دوسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، پھر شکست کھا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوتا ہے، پھر سوچتا ہے کہ جہاد سے بھاگنا بڑا جرم ہے، لہٰذا واپس آ کر جہاد شروع کرتا ہے، یہاں تک کہ شہید ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو! ثواب کے لئے عذاب سے بچنے کی خاطر اس نے جان کی بازی لگا کر شہادت حاصل کر لی، یہ دونوں لوگ پسندیدہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ تعالیٰ کے مہینے محرم کے روزے ہیں، اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ [مسلم]

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا اندرون باہر سے اور بیرون اندر سے نظر آتا ہے (شیش محل) اللہ تعالیٰ نے یہ ان لوگوں کے لئے تیار کیے ہیں جو بولنے میں نرمی اختیار کرتے ہیں، اور حاجتمندوں کو کھانا کھلاتے ہیں، اور بلا ناغہ روزے رکھتے ہیں، اور رات کو نماز پڑھتے ہیں جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ حدیث اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [بيهقي شعب الايمان] اس مضمون کی تفصیل سورۃ المزمل کی تفسیر میں دیکھیں۔

﴿خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ یہ دونوں اہل ایمان کے مخصوص اوصاف حمیدہ ہیں، بلکہ: اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ۔ مؤمن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے جلال و بے نیازی سے خوفزدہ ہوتا ہے، اسی لئے وہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہے، اوراس کی رحمت وشفقت کی وجہ سے مغفرت اور بخشش کی امید رکھتا ہے، اس لئے وہ مغفرت حاصل کرتا ہے۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ یہ اہل ایمان کی چوتھی صفت ہے، ہم نے انہیں جو کچھ رزق عطا کیا ہے اس میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں، فرضی اور نفلی دونوں صدقات مراد ہیں۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ پردۂ غیب میں جو پوشیدہ رکھی گئی ہے ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کرکے رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے، نہ کسی کان نے سنی ہیں، اور نہ کسی دل نے سوچا، اور پہنچانا ہے، نہ تصور کیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت کی۔ [بخاري]

کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ بہت سی آیات اور بے شمار احادیث کے ذریعے کسی قدر تفصیل کے ساتھ جنتوں کا اور جنتی نعمتوں کا بیان اور پہچان ہوگئی، اسی طرح سماعت بھی ہوگئی، اور دل میں بھی کھٹکا سا پیدا ہوگیا وغیرہ۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام تفصیلات ہیچ در ہیچ ہیں، یہ تمام تفصیلات جنتی نعمتوں کے مقابلے میں ایسے کم اور کمزور ہیں جیسے ایک بہت بڑے دریا کے مقابلہ میں صرف ایک قطرۂ آب، یا بہت بڑے پہاڑ کی نسبت ایک رائی کا دانہ۔ جنت اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر ہے، پس جس طرح اس کی رضا ہوگی اسی طرح جنت ہوگی جس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ واللہ اعلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کہ اگر جنت کی نعمتوں میں سے اتنی تھوڑی سی کوئی چیز دنیا والوں پر ظاہر ہوجائے جسے ناخن پر اٹھا سکتے ہوں تو آسمان اور زمین کے کناروں میں جو کچھ ہے وہ سب مزین ہوجائے، اور اہل جنت میں سے کوئی شخص دنیا کی طرف اگر جھانک لے جس سے اس کی کنگن ظاہر ہوجائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کردے، جیسا کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کردیتا ہے۔ [ترمذي، مشكوة] اور یہ بھی فرمایا کہ اگر جنتی حور اپنا لعاب سمندر میں گرادے تو سمندر کا پانی میٹھا ہوجائے شہد کی طرح، اگر جنتی حور اپنا دوپٹہ دنیا میں پھینک دے تو مشرق ومغرب سارا جہاں اس کی خوشبو سے معطر ہوکر مہک اٹھے۔

بہر حال! جنت اللہ تعالیٰ شانہ کی رضا اور خوشی کا ایک ایسا پسندیدہ مقام ہے جن کے متعلق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کا فرمان ہے کہ جنت میں ایک بالشت جگہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے بہتر ہے۔ [بخاري]

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًا ۢبِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: سو جو شخص مؤمن ہو کیا وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ برابر نہیں ہیں ﴿۱۸﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے باغ ہوں گے ٹھہرنے کی جگہوں میں، یہ بطورِ مہمانی اُن اعمال کے بدلے ہوں گے جو دنیا میں کیا کرتے تھے ﴿۱۹﴾ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اسی میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھ لو جس کو تم جھٹلاتے تھے ﴿۲۰﴾ اور ضرور ضرور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے قریب والا عذاب چکھا دیں گے تاکہ وہ باز آجائیں ﴿۲۱﴾ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اس کے ربّ کی آیات یاد دلائی جائیں، پھر وہ اُن سے اعراض کرے، بلاشبہ ہم مجرمین سے بدلہ لینے والے ہیں ﴿۲۲﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں مؤمنین کے انجامِ خیر اور فاسقین کے انجامِ شر کا بیان ہے۔ مؤمن وہ لوگ ہیں جو خدائے واحد پر ایمان لاکر اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے بتائے ہوئے احکام کی پیروی کرتے ہیں، جبکہ ان کی ضد وہ فاسقین ہیں جو خدا کے باغی اور نافرمان ہیں، یہ دونوں نہ دنیا میں برابر ہو سکتے ہیں نہ برزخ میں اور نہ قیامت کے دن، بلکہ پوری ملّت کفر کے کھربوں فاسق ایک ادنیٰ مؤمن کے ساتھ برابر نہیں ہو سکتے، اسی کو فرمایا:

﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ﴾ بھلا بتلاؤ یہی کہ جو شخص ایماندار ہے، کیا وہ اس شخص کے برابر یا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے کہ جو بے ایمان ہے؟ پھر خود جواب ارشاد فرمایا کہ دونوں کسی صورت برابر

نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی ان کا انجام ایک جیسا ہوگا، کیونکہ مؤمن کا ٹھکانہ جنت ہے، اور فاسق کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، آگے اسی کا بیان ہے:

﴿اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰی ۫ نُزُلًۢا بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام بھی کیے بطور مہمانی ان کے لئے دائمی باغات ہوں گے جہاں وہ ابدی اور ہمیشہ کے لئے رہائش پزیر ہوں گے، یہ ان کے اچھے اعمال کے بدلے میں ہوں گے جو انہوں نے دنیا میں کیے۔ یہ مختصر الفاظ میں صرف جنتیوں کے لئے بشارت ہے، باقی جنت اور اس کی بے شمار نعمتوں کا بیان گزشتہ آیتوں میں گزر چکا ہے۔

﴿فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ﴾ کے تحت دیکھا جائے۔ ﴿جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰی﴾ کے معنیٰ ہیں: رہائش کے باغات، یہ اس لئے کہ کوئی محض سیر و تفریح کا گمان نہ کرے، بلکہ یہ باغات ابدی طور پر اہل جنت کے مسکن اور ٹھکانہ ہوں گے۔ ﴿وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ﴾ اور جو لوگ فسق و فجور اور نافرمانی میں مبتلا ہوئے سو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، یہاں فاسق سے مراد مشرک اور کافر ہے جن کا ابدی ٹھکانہ دوزخ ہے، وہ ایسا برا ٹھکانہ ہے کہ:

﴿کُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا﴾ یہ لوگ جب بھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے، تو پھر ذلّت و خواری کے ساتھ زبردستی اُسی میں دھکیل دیئے جائیں گے، اور انہیں کسی صورت دوزخ سے نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی، اور فرشتے انہیں زجر و توبیخ سے کہیں گے:

﴿وَ قِیۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِهٖ تُکَذِّبُوۡنَ﴾ اور ان سے کہا جائے گا کہ اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کی تم ہمیشہ تکذیب کرتے رہے، یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا۔ البتہ اہل مکہ کو ایک وقتی طور پر دنیا ہی میں تنبیہ ہے جو فرمایا: ﴿وَ لَنُذِیۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰی دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَکۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم اہل مکہ کو دنیا میں بھی قریبی عذاب چکھائیں گے، یعنی غزوات میں قتل کا، جیسے غزوۂ بدر میں انہیں عبرتناک شکست دے کر ان کی کمر توڑ دی، اور ان کے تمام صنادید اپنے کیفر کردار کو پہنچے، یا ان پر بڑا سخت قحط مسلط ہوا۔ یہ سب دنیاوی اور قریبی عذاب کی مثالیں ہیں جو آخرت کے عذاب اکبر سے پہلے ہیں، اور جب آخرت کا عذاب عظیم ان پر مسلط ہوگا تو وہ دنیا کے تمام مصائب و آلام وغیرہ کو بھول جائیں گے۔

فرمایا: یہ دنیوی مصائب اس لئے ہیں کہ شاید وہ سدھر جائیں، سمجھ سے کام لیں، اپنا غرور چھوڑ کر ایمان لائیں، اس طرح دونوں جہانوں کی کامیابی حاصل کریں۔ یہی مطلب ہے: ﴿لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ﴾ کا۔ مگر یہ بڑے

ظالم ہیں، یہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے والے نہیں ہیں۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴾ اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جسے اپنے ربّ کی آیتوں سے نصیحت کی جائے، یعنی اسے اللہ تعالیٰ کا حکم، پیار اور حکمت سے سمجھایا جائے، اور ہدایت کی دعوت دی جائے، اور وہ اسے بجائے سننے اور قبول کرنے کے اعراض کرے، اور طرح طرح کا مذاق واستہزاء کرے، پس اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، اور یہی سب سے بڑا ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنے پر آمادہ ہے۔

تو انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے، اور انہیں ان کے تمام جرائم کی سزا دیں گے، جس درجہ ان کا جرم بڑا ہوگا اسی قدر اس کی سزا ہوگی، اور یہ متحقق ہے کہ ظلم کی سزا آخرت پر موٴخر نہیں ہوتی، بلکہ دنیا ہی میں ظالم کو انتقام سے ضرور دو چار ہونا پڑے گا۔ [تفسیر طبري بروایة معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ
اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ ۲۳ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ڜ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يُوْقِنُوْنَ ۝ ۲۴ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ۲۵

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجیے، اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت بنایا تھا ۲۳ اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے، جبکہ انہوں نے صبر کیا، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے ۲۴ بلاشبہ آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ۲۵

معارف ومنازل

تورات کے فضائل ہیں، اور اسی طرح قرآن مجید کی حقانیت کا بھی ضمناً بیان ہو رہا ہے، فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ﴾ اور تحقیق ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت جیسی عظیم الشان کتاب دی، جیسے آپ کو عظیم کتاب قرآن کریم دی، پس آپ اس کے ملنے سے شک اور شبہ

میں نہ رہیں، یعنی موسیٰ علیہ السلام کو تورات ملنے کے بارہ میں کوئی شک اور تردّد نہ کریں۔ یہ معنیٰ امام مجاہد اور زجاج رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے۔[قرطبی: ج ۱۴] مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول ہوا اسی طرح آپ پر قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ یہ خطاب اگرچہ بظاہر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے، مگر اصل مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ قرآن مجید تورات کی طرح برحق ہے، اس کی حقانیت میں تمہیں کوئی شک وشبہ نہیں کرنا چاہیے۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ نے شب معراج کو آسمان اور زمین دونوں میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی ہے، اس سے آپ شک میں نہ پڑیئے، وہ ایک حقیقت تھی، اور بیداری میں یہ ملاقات ہوئی، اور یہ خواب کا کوئی واقعہ نہیں۔ اسی طرح آپ نے شب معراج بیداری کے عالم میں سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسی دنیا کی زندگی میں آپ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے کرائیں گے، چنانچہ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو بار بار دیکھا، جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچاس نمازوں کی کمی کے متعلق مشورہ دیتے رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

﴿وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور کر دیا ہم نے اس کتاب (تورات) کو بنی اسرائیل کے لئے ذریعہ ہدایت، اسی طرح آپ کی کتاب بھی ذریعہ ہدایت رہے گی ساری خلقت کے لئے قیامت تک۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ پھر ہم نے بنی اسرائیل میں سے مقتدا اور پیشوا بنائے جو ہمارے حکموں کے مطابق لوگوں کو ہدایت دیتے تھے، اور اس سلسلے میں جب انہیں لوگ ایذا دیتے تو صبر کرتے اور برداشت کرتے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے تشبیہ دیتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے محمد! جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطاء کی اور ان کے لوگوں کو ائمہ رشد وہدایت بنایا، جو لوگوں کی ہدایت کا راستہ ہموار کریں اور انہیں صبر اور یقین کی نعمتوں سے نوازیں، اسی طرح آپ کو قرآن حکیم عطاء فرما کر اس کو بھی ذریعہ ہدایت بنایا، اور آپ کے اصحابؓ میں ائمہ رشد وہدایت بنایا، جنہوں نے آپ کے دین کی اشاعت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور ہدایت ویقین اور صبر کے تمام تقاضے بخوبی پورے کیے۔

اسی بات کی تائید میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم". رواه الدار قطني وابن عبد البر من حديث ابن عمر رضي الله عنه، وروى أيضاً بمعناه عن أنس ابن مالك رضي الله عنه، و في أسانيده مقال، لكن يشد بعضها بعضاً۔ [ظفر الأماني علامة لكهنوى رحمه الله]

خلفائے راشدین خصوصاً، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموماً، اور تابعین حضرات اور تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور کبار علماء ومشائخ جو اس امت کے مایہ ناز وباکمال لوگ گزرے ہیں بلاشبہ یہ سب ﴿اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ کے مصداق تھے، ان کا اتباع موجب رشد وہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ عزّ شانہ کی خصوصی نظر عنایت اس امت پر رہی ہے، اور اب بھی ہے، اس امت میں بے شمار ائمہ رشد وہدایت ہر زمانے میں ایسے گزرے ہیں جن کی دینی خدمات مثالی ہیں، اور انہوں نے بکثرت وہی دینی خدمات انجام دی ہیں جو بنی اسرائیل کے انبیاء کرام علیہم السلام نے انجام دیئے تھے۔ اس کے ساتھ اس آیت کریمہ میں ائمہ رشد وہدایت کے تین اوصاف بیان ہوئے:

﴿يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ دوسرے: ﴿لَمَّا صَبَرُوْا﴾ تیسرے: ﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ لہٰذا امامت کے استحقاق کیلئے یہی تینوں صفات ضروری ہیں، اگر کسی عالم میں یا مذہبی مبلغ یا داعی میں یہ صفات نہ ہوں تو وہ پیشوائی کا ہرگز مستحق نہ ہوگا۔ ؎

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

(سعدی)

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ البتہ تیرا رب ہی قیامت کے دن ان کے اختلاف کا فیصلہ فرمائے گا جن چیزوں میں انہوں نے اختلاف کیا، جب قیامت قائم ہوجائے گی تب حق اور باطل کا واضح طور پر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سب کچھ معلوم ہوجائے گا، یہاں تک کہ انسانی اعضاء خود گواہی دیں گے، اور مجرمین کے جرائم کو ظاہر اور ثابت کریں گے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ
اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ

لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: کیا ان لوگوں کو اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں، بلا شبہ اس میں نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ نہیں سنتے ﴿۲۶﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم سوکھی زمین کی طرف پانی کو روانہ کرتے ہیں، پھر اس کے ذریعہ کھیتی نکالتے ہیں، جس میں سے ان کے مویشی اور خود یہ لوگ کھاتے ہیں، کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے؟ ﴿۲۷﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہوگی اگر تم سچے ہو؟ ﴿۲۸﴾ آپ فرما دیجیے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان نہ نفع دے گا، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ﴿۲۹﴾ سو آپ ان سے اعراض کیجئے، اور انتظار کیجئے، بیشک وہ بھی منتظر ہیں ﴿۳۰﴾

معارف ومنازل

کفار مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ گزشتہ نافرمان اقوام کی تباہی سے عبرت حاصل کر کے اپنی مشرکانہ زندگی پر نظر ثانی کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو، ورنہ تم پر بھی عذاب کے آنے میں دیر نہیں ہوگی، فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ﴾ کیا یہ بات ان کیلئے واضح نہیں ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کیا؟ یہ لوگ ان ہلاک شدہ اقوام کی رہائش گاہوں میں چلتے پھرتے ہیں، وہ لوگ کیسے طاقتور اور مالدار تھے، عجیب وغریب شان و شوکت کے مالک تھے، اپنی نافرمانیوں کی پاداش میں ہلاک کیے گئے۔ یہ لوگ یعنی اہل مکہ اپنے تجارتی سفروں میں ان کی تباہ شدہ بستیوں پر سے گزرتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ اپنے انجامِ بد کے لئے سوچیں، بیشک اس میں نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ نہیں سنتے؟ جب یہ لوگ سننے اور دیکھنے سے منکر ہیں تو کوئی بعید نہیں کہ عنقریب ان پر بھی وہی عذاب نازل ہو۔

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا﴾ کیا ان لوگوں نے مشاہداتی دلائل قدرت کو نہیں دیکھا کہ ہم بادل سے پانی خشک زمین پر چلاتے ہیں، تو پھر ہم اس خشک اور مردہ زمین سے اسی پانی کے ذریعہ کھیتی نکالتے ہیں، پھل، پھول، اناج، چارہ، وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔

﴿تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ﴾ اس کھیتی سے ان کے مویشی کھاتے ہیں، اور یہ خود بھی بطور خوراک

استعمال کرتے ہیں، یہ قدرتی نظام ہر موسم، صبح وشام ان کے مشاہدہ میں ہے، اور اگر آپ ان سے سوال کریں گے کہ آسمان سے پانی برسانے والا اور مردہ زمین کو کھیتی، سبزہ وغیرہ کے ذریعہ زندہ کرنے والا کون ہے؟ تو یہ سارے جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ﴾ کیا یہ منکر اور نافرمان لوگ روزمرہ مشاہدہ کر کے اس نشانی کو دیکھتے نہیں؟ ﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡفَتۡحُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ﴾ کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتلاؤ کہ فیصلے کا وہ دن کب آئے گا؟ جب تم کامران وکامیاب رہو گے اور ہم خوار وذلیل ہو جائیں گے۔ ﴿قُلۡ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ لَا یَنۡفَعُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِیۡمَانُهُمۡ وَلَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ﴾ آپ فرمادیجئے کہ فیصلے کے دن کافروں کا ایمان لانا ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔

بعض علماء ﴿یَوۡمُ الۡفَتۡحِ﴾ سے فتح مکہ یا یوم بدر مراد لیتے ہیں، جب دونوں مواقع میں فتح اہل اسلام کے حق میں ہوئی، اور کفار ومشرکین یوم بدر اور یوم فتح مکہ دونوں میں خوار وذلیل ہوئے، اور ان کی شان وشوکت ہمیشہ کے لئے تباہ ہوئی، مگر یہ تاویل صحیح نہیں، کیونکہ: ﴿لَا یَنۡفَعُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِیۡمَانُهُمۡ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ فتح کے روز نہ ان کا ایمان کارگر ہوگا، اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت ملے گی، حالانکہ فتح مکہ کے روز ہزاروں لوگوں نے ایمان کی سعادت حاصل کی، اور بہت سے لوگوں کو مہلت بھی مل گئی، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ: ﴿یَوۡمُ الۡفَتۡحِ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن جب ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مشاہدہ کریں گے تو ایمان بالغیب کا مرحلہ ختم ہوگا، اور اس وقت کا ایمان جیسے فرعون کے لئے فائدہ مند نہیں ہوا، اسی طرح ان سب کفار کے لئے بھی نافع نہ ہوگا۔

﴿وَلَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ﴾ اور نہ ہی ان کو مزید مہلت دی جائے گی۔ سورۂ روم میں گزر چکا کہ اس دن ظالموں کو ان کی معذرت مفید نہ ہوگی، اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کو منا لینے کا موقع ملے گا۔

آخر میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَانۡتَظِرۡ﴾ آپ ان کفار ومشرکین کی ایذارسانیوں پر دلگیر اور پریشان نہ ہوں، بلکہ درگزر کریں، یہ آپ کے مقابلے میں ہر محاذ پر شکست سے دوچار رہیں گے، آپ کو صبر جمیل اور اعتماد علی اللہ کا پھل دنیا وآخرت دونوں میں ملے گا، جبکہ یہ خسر الدنیا والآخرۃ کے گہرے دریا میں غرق ہو جائیں گے، اس سلسلے میں آپ انتظار فرمائیں اور دیکھیں۔ ﴿اِنَّهُمۡ مُّنۡتَظِرُوۡنَ﴾ بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

فائدہ:

یہ تین رکوع کی تیس آیات والی سورت ہے، سورت الملک کی بھی تیس آیات ہیں۔ حدیث شریف میں ان دونوں سورتوں کی بڑی فضیلت آئی ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک بہت بڑا گنہگار تھا مگر ان دونوں سورتوں کی تلاوت سے اس کی بخشش اور نجات ہوئی۔ [روح المعاني] ان دونوں سورتوں کی تلاوت خاص کر عذاب قبر سے بچنے کے لئے اکسیر ہے، اور پڑھنے والوں پر قبر میں سایہ افگن ہوں گی۔ [روح المعاني، البدور السافرة]

سُورَةُ الْاَحْزَابِ

مكية آياتها ۷۳ ركوعاتها ۹

سورۂ احزاب مکی ہے، اس میں تہتر (۷۳) آیتیں، اور نو (۹) رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام:

اس سورت کا نام سورة الأحزاب ہے، جو اس سورت کی آیت نمبر (۲۰) میں موجود ہے۔ یہ نام اُسی سے مأخوذ ہے۔ ترتیب تلاوت کے اعتبار سے (۳۳) ویں سورت ہے، اور ترتیب نزول کے اعتبار سے (۹۰) نمبر پر ہے۔

نزول:

یہ سورت مدنی ہے، اس کا نزول سورۂ آل عمران کے بعد ہے۔

تعداد آیات، وحروف، وکلمات:

اس سورت میں (۷۳) آیات، (۹) رکوع، (۱۲۱۰) کلمات ہیں، اور یہ (۵۹۰۹) حروف پر مشتمل ہے۔

ربط ومناسبت:

یہ سورت گزشتہ سورت کا تتمہ ہے۔ گزشتہ سورت کے آخر میں کافروں کی ایذاؤں پر صبر کا حکم دیا، اور فتح کا وعدہ فرمایا، اور کافروں اور منافقوں نے بطور طعن کہا تھا: ﴿مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ﴾ کہ وہ قیامت کا فیصلہ کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر جواب دیا، فرمایا: ﴿فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴾ اب اللہ تعالیٰ نے متصل

اس سورت میں غزوۂ احزاب کا ذکر فرمایا، جس میں اللہ تعالیٰ کی فتح اور نصرت کا ظہور اس معجزانہ طور پر ہوا کہ اس میں اسباب ظاہری کا کوئی دخل نہیں تھا، اور جو کچھ اس غزوہ میں ظاہر ہوا، وہ تمام غیبی کرشمہ اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل تھا۔

مختصر موضوع:

انبیاء کرام علیہم السلام کے خصوصی عہد کا بیان، کافروں اور منافقوں کی شرارت اور گٹھ جوڑ کا بیان، مؤمنین صادقین کی مدح، اور منافقین وکاذبین کی مذمت، اعتماد اور توکل علی اللہ کی برکات کا بیان، نکاح اور طلاق کے مسائل، درود شریف کے فضائل، قیامت کی حقانیت، آداب مجلس نبوی کے احکام، ختم نبوت اور دیگر معاشرتی مسائل کا بیان وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعۡ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۳﴾

ترجمہ: اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے ① اور آپ اس کا اتباع کیجئے جو آپ کے ربّ کی طرف سے آپ پر وحی کیا جاتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو ② اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے، اور وہ کافی ہے، کارساز ہے ③

معارف ومنازل

یہاں سے سورۂ احزاب شروع ہو رہی ہے۔ اَحزاب حزب کی جمع ہے، جو گروہ کے معنی میں آتا ہے۔ سنہ ۵ھ میں ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں قریش مکہ اور بہت سے قبائل اور جماعتیں مل کر پندرہ ہزار کے قریب لوگ مدینہ منورہ پر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے چڑھ آئے تھے، چونکہ یہ مختلف قبائل اور مختلف گروہوں کا لشکر تھا، اس لئے یہ اَحزاب کہلائے، اور غزوہ بھی غزوۂ احزاب کے نام سے مشہور ہوا، اور سورت کا نام بھی سورۂ احزاب معروف ہوا۔ اور چونکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر خندق کھودی گئی تھی، اور ظاہری اسباب میں وہی تمام گروہوں کے حملہ سے

محفوظ ہونے کا ذریعہ بنی، اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔اور اس کا شمار شدید ترین غزوات میں ہے۔

تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الاحزب کا سبب نزول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل مکہ میں سے ولید بن مغیرہ، اور شیبہ بن ربیعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ اپنی دعوت نبوت کو چھوڑ دیں تو ہم آپ کو اپنا آدھا مال دے دیں گے، اور اُدھر مدینہ طیبہ کے یہودیوں اور منافقوں نے یہ دھمکی دی کہ آپ نے اگر اپنی بات نہ چھوڑی تو ہم آپ کو مارڈالیں گے۔اس پر یہ سورۃ الاحزاب نازل ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہی آیات میں تقویٰ اور توکل علی اللہ کا نسخہ بتلا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفایت کا وعدہ ہوا۔

مفسرین کرام نے کئی طرح سے سورت کا شان نزول بیان کیا ہے، مگر مآل سب کا ایک ہی ہے، صرف کافروں کے نام بدل ہیں۔فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اے نبی! مفسرین کرام ایسے خطابات سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نام لے کر خطاب ہوا ہے، جبکہ پورے قرآن حکیم میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام لئے بغیر نبی، رسول، مزمّل، مدثّر کے القاب سے خطاب کیا گیا ہے۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبیت اور عظیم قدر ومنزلت کی علامت ہے، اور بغیر خطاب پورے قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی (محمد) چار جگہ مذکور ہے۔خطاب کے بعد ارشاد ہے:

﴿اتَّقِ اللهَ﴾ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور خوف خدا پر مداومت کے ساتھ رہ کر اس کی اطاعت کریں، کیونکہ اطاعت الٰہی، خوف الٰہی کے لوازمات میں سے ہے۔﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ آپ کافروں اور منافقوں کہنا نہ مانیں۔مکی زندگی میں کفار و مشرکین، اسی طرح مدنی زندگی کی ابتداء میں کفار ومنافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سودے بازی کرنا چاہتے تھے کہ آپ اپنے دین کی دعوت میں کچھ نرمی اگر اختیار کرلیں تو ہم بھی کسی قدر تمہارے حق میں نرم پڑجائیں گے، اس طرح ہمارا اور تمہارا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔سورۃ القلم میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد دلایا ہے: ﴿وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾ [القلم: ۹] (کافر چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرم پڑجائیں تو وہ بھی نرم پڑجائیں گے)۔

اس کے علاوہ کفار و مشرکین اور کئی طرح کی پیش کش کرتے رہے، اور طرح طرح کی لالچ دیتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جواب دے کر سختی سے مایوس کیا، اور فرمایا کہ اگر تم میرے ہاتھوں میں چاند وسورج رکھو، اور میرے پاؤں پر روئے زمین کا مال وزر نچھاور کرو، میں ہرگز اپنے رب کے حکم اور دعوت پہنچانے سے باز نہیں آؤں گا،

اور تمہارے جھوٹے معبودوں کو اچھا اور تمہارے لئے شفاعتی تسلیم نہیں کروں گا۔

میرے ہاتھوں میں لا کر چاند وسورج بھی اگر رکھدیں ☆ میرے پاؤں تلے روئے زمین کا مال وزر رکھدیں
خدا کے حکم سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا ☆ یہ بت جھوٹے ہیں، میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، اور حکمت والا ہے، اور اس کا کوئی حکم اور فرمان حکمت سے خالی نہیں۔ ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ آپ اس چیز کی اتباع کریں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کی جانب وحی کی جاتی ہے۔ یہ خطاب براہِ راست آپ ﷺ کو ہے، پھر آپ ﷺ کی وساطت سے پوری اُمت کو شامل ہے، جیسے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ [الأعراف:۳] (اے ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کا اتباع کرو، اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا اتباع ہرگز نہ کرو)۔ اگر قرآن وحدیث کو چھوڑ کر لوگوں کا اتباع کروگے، پھر تو گمراہ ہو جاؤ گے، اور اس کے نتیجے میں خوار و ذلیل ہی ہو جاؤ گے۔

چنانچہ یہ ذلت آج ہمارے سامنے ہے۔ پورے عالم اسلام میں ساٹھ کے قریب مسلمان ممالک میں کوئی ایک ایسا ملک نہیں جہاں قرآن کا قانون نافذ ہو، اور پورے عالم اسلام میں کوئی ایک ایسا لیڈر یا حکمران نہیں جو قرآن وسنت سے عقیدت رکھتا ہو۔ اس سے بڑا صدمہ اور بڑا زوال کیا ہو سکتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کے قانون سے تو وفاداری ہو، اور پیغمبر اسلام ﷺ کے آئین وشریعت سے دشمنی ہو، اور بے اعتمادی ہو۔ اسی کافرانہ نظام کی سزا پورا عالم اسلام بھگت رہا ہے، اور مزید بھگتے گا۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ بیشک اللہ تعالیٰ شانہ تمہارے ہر کام کی خبر رکھتا ہے، کوئی ادنیٰ ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ اپنے مشن کو جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرو، کیونکہ سارے اسباب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، اور ہر طرح کی فلاح وکامیابی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ وہ کافی ہے، اللہ تعالیٰ کارساز۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو وہ یہ پڑھ رہے تھے: ﴿حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، وہی بہترین بڑا کارساز ہے۔
جو شخص اس وِرد کو روزانہ چار سو پچاس مرتبہ پڑھے گا اس کا ہر کام بغیر رکاوٹوں کے پورا ہوتا رہے گا۔ سورۃ المزمل میں فرمایا: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾ [المزمل:۹] (وہ مشرق ومغرب کا مالک

ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے اسی کو کارساز بنالو)۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روزانہ رات کو سورۂ مزمل ایک مرتبہ پڑھا کرو، اور جب اس آیت کو پہنچو تو (۲۵) مرتبہ ﴿حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ﴾ پڑھ کر باقی سورت پڑھ کر ختم کرو، یہ عجائبات میں سے ہے، اگر کسی کو اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

.......✿.......✿.......✿.......

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ وَمَا
جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوۡلُ الۡحَـقَّ وَهُوَ يَهۡدِى السَّبِيۡلَ ۝۴
اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَمَوَالِيۡكُمۡ ؕ
وَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ۙ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝۵

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دِل نہیں بنائے، اور تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنایا، اور جو تمہارے منہ بولے بیٹے ہیں ان کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا، یہ تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے، اور راستہ دکھاتا ہے ۝۴ تم انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے، سو اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور تمہارے دوست ہیں، اور جو کچھ تم سے خطا ہو جائے اس کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، اور لیکن جس کا تمہارے دل قصداً ارادہ کر لیں، اور اللہ غفور ہے، رحیم ہے ۝۵

معارف ومنازل

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ﴾ اس آیت کریمہ کا نزول زمانہ جاہلیت کے ایک بیہودہ عام تاثر کی تردید میں ہوا۔ جاہلیت میں عام تاثر یہ ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر ذہین، عقلمند یا سمجھدار ہوتا تو اس کے متعلق لوگ کہتے کہ اس شخص کے سینے میں دو دل ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں بھول گئے، تو بعض منافق کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو دِل ہیں: ایک دل کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ایک دل سے مخلص مسلمانوں کی طرف۔ اسی طرح ابو معمر جمیل بن معمر فہری جو قریش میں رہتا تھا، اور وہ

کہتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح میرے دو دل ہیں، اور میں دانشمندی میں اس سے زیادہ ہوں، اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

اسی طرح آیت کریمہ میں اس کے علاوہ جاہلیت کے دیگر دو رسوم کی تردید بھی ہے: ایک یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو کہہ دیتا کہ تو مجھ پر ماں کے برابر ہے تو اس سے اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے، اور یہ کہنا طلاق شمار ہو جاتا، کیونکہ اس طرح کہنے سے وہ عورت اس کی ماں بن جاتی۔ دوم یہ کہ اگر کوئی کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا کہتا تو وہ واقعی اس کا بیٹا بن جاتا، اور اس سے میراث پاتا، وغیرہ۔ تو اس آیت کریمہ میں جاہلیت کے ان تینوں عوامی تاثرات کی تردید ہے۔ فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ اس میں پہلی بات کی تردید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مرد کے اندر پیٹ میں دو دل نہیں رکھے کہ ایک دل سے شک میں رہے، دوسرے دل سے یقین میں، یا ایک سے خوش رہے، دوسرے سے پریشان رہے، یا ایک سے مسلمانوں کے ساتھ رہے، اور دوسرے سے کافروں کے ساتھ۔

﴿وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ اس میں دوسری رسم بد کی تردید ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان عورتوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، اور زبانی ان کو ماں کہتے ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو سچ مچ تمہاری مائیں نہیں بنادیا، کیونکہ ماں کی اور بیوی کی حقیقت الگ ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ المجادلہ میں ہے۔

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ﴾ یہ تیسری بات کی تردید ہے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے لڑکوں کو حقیقۃً تمہارا بیٹا نہیں بنادیا کہ وہ تمہارے وارثوں میں شمار ہوں، اور تم سے میراث پائے۔

﴿ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ یہ محض تمہارے منہ سے نکلی ہوئی بے حقیقت باتیں ہیں، جن کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ منہ سے کسی کو بیٹا کہنے سے حقیقۃً بیٹا نہیں بنتا، ورنہ نسب درہم برہم ہو جائے گا، پس یہ جھوٹ اور لغو باتیں ہیں۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھو کہ کسی عورت کو ماں کہنے سے وہ ماں نہیں بنتی کہ پھر اس سے نکاح حرام ہو، یا کسی عورت کو بہن یا بیٹی کہنے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی، اور برعکس بھی اگر کہنے والی عورت ہو، ان چیزوں سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی صحیح برحق بات کہتا ہے، اور وہی سیدھی راہ بتاتا ہے، لہٰذا تم ہر بات میں اللہ تعالیٰ ہی کے فرمان اور حکموں پر چلو۔ ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾

تم کو چاہئے کہ اپنے لے پالک بیٹوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارو، یہی بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری مبنی بر انصاف ہے۔

﴿فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَمَوَٰلِيكُمْ﴾ اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو کہ وہ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، تم اسی نسبت سے ان کو پکارو، البتہ اگر تم سہو وخطا سے انہیں قدیمی نسبت سے پکارو تو خطا وسہو پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔ ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ اگر فرضی باپ کی طرف نسبت کر کے غلطی سے پکارا تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا تم پر، لیکن گناہ اس چیز میں ہے کہ جس کا تمہارے دل قصد کریں۔ یعنی اگر قصد وارادہ کے ساتھ دوسروں کی جانب نسبت کرو گے تو گناہ لازم ہوگا۔

﴿وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ خطا کاروں کو بخشنے والا ہے، اور بہت مہربان ہے۔ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے رہتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دراصل غلام نہ تھے:

یہ مسئلہ دراصل سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں پیدا ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام اسی سورت میں آگے آرہا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے بھی پہلے کا واقعہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھتیجے حکیم بن حزام سے کہا کہ وہ عکاظ کی منڈی میں جاکر ان کے لئے کوئی اچھا سا غلام خرید کر لائے، جس سے روزمرہ ضروریات زندگی میں خدمت لے سکیں، جب وہ منڈی میں گئے تو ان کی نظر حضرت زید رضی اللہ عنہ پر جم گئی، جو اس وقت چھوٹے بچے تھے، اور بہت ذہین معلوم ہوتے تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حقیقت میں غلام نہیں تھے، بلکہ بڑے وسیع قبیلے کلب کے چشم وچراغ تھے۔ اتفاق سے یہ اپنے ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے، رات کو وہاں ڈاکہ پڑا، تو ڈاکو باقی چیزوں کے ساتھ زید رضی اللہ عنہ کو بھی لوٹ کر لے گئے، اور غلام بنالیا، اور اس طرح آپ رضی اللہ عنہ بحیثیت غلام عکاظ کی منڈی میں لائے گئے۔

بہر حال! حکیم بن حزام نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو خرید کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کردیا، پھر جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے لئے طلب کیا، جسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بخوشی منظور کرلیا، اور اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور ہوگئے۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ بڑے ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجارت کے سلسلہ میں شام کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا، وہاں ان کو ان کے والد حارثہ اور چچا نے پہچان لیا کہ یہ تو ہمارا بچھڑا ہوا بچہ ہے۔ ان کو یہ بھی علم ہو گیا کہ آپ خاندان قریش میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ جب سفر سے واپس آ گئے تو آپ کے والد حارثہ اور چچا بھی مکے میں پہنچے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، کسی وجہ سے غلامی کے چکر میں پھنس گئے ہیں، آپ اُسے چھوڑ دیں، ہم اس کا تاوان ادا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تاوان کی ضرورت نہیں ہے، اگر زید تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو میری طرف سے مکمل اجازت ہے۔ چونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بڑے ذہین اور سمجھدار تھے، غلاموں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے، اور وہ عرصہ سے اپنے آقا و محسن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور صداقت و شرافت کا اچھی طرح خوب مطالعہ کر چکا تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو ہزاروں، لاکھوں آزادیوں پر ترجیح دینے کے لئے تیار تھے۔ جب ان کے والد اور چچا نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ اپنے والدین اور اعزہ کے ساتھ آزاد زندگی کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی پر ترجیح نہیں دیتا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو پوری کائنات کی آزادی اور خوشحالی پر ترجیح دیتا ہوں، وہ لوگ اس بات سے سخت مایوس ہو گئے۔

اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ میں نے زید کو آزاد کر کے اپنے منہ بولا بیٹا بنالیا ہے، اب یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث۔ اس پر زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا بے حد خوش ہو گئے کہ زید رضی اللہ عنہ نے بہت بڑا منصب پالیا، اب ہمیں مکمل اطمینان حاصل ہو گیا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کرادیا تھا، مگر میاں بیوی کا آپس میں نباہ (اتفاق، رضامندی) نہ ہوسکا، پس حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیدی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم الٰہی ایک رسم بد کو ختم کرنے کے لئے خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ مشرکین کے نزدیک منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح جائز نہیں تھا، اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو خوب اچھالا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بدنام کرنے کی خاطر طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کیں کہ انہوں نے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا اور ان آیات کے ذریعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا، یہ تو تمہاری اپنی زبانوں کی بات ہے، اور تم کو کیا اختیار ہے کہ

حلال کو حرام قرار دو؟ یہ تحلیل و تحریم کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اور یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی منظوری سے ہوا ہے، چنانچہ عنقریب اس کا بیان ہوگا۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ
اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

ترجمہ: مؤمنین سے نبی کا تعلق اس سے زیادہ ہے جو ان کا اپنے نفسوں سے ہے، اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، اور رشتہ دار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں بنسبت دوسرے مؤمنین مہاجرین کے، مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ اچھا سلوک کرنا چاہو، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے ۶

معارف و منازل

اس آیت میں چار باتیں بتائی ہیں:

اوّل یہ کہ رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مؤمنین سے جو تعلق ہے وہ اس تعلق سے کہیں زیادہ ہے جو مؤمنوں کو اپنی جانوں سے ہے۔ مؤمن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے، اس نورِ اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت حضرت رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئے، بناء برین مؤمن بحیثیت مؤمن اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پہلے پیغمبر کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی، اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہی ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے، اور اگر اس روحانی اور نورانی تعلق کی بناء پر کہہ دیا جائے کہ مؤمنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے ہیں، بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے، تو بالکل بجا ہوگا۔

چنانچہ سنن ابی داود میں ارشاد ہے: "اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ"۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں اس طرح ہے: ﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ﴾ کا جملہ اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔

باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے،

اور باپ کی تربیت وشفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے۔لیکن نبی اور اُمتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمانی وروحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتَو اور ظل ہوتا ہے،اور جو شفقت وتربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے،ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔

باپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے دنیاوی عارضی زندگی عطا فرمائی تھی،لیکن نبی کے طفیل ابدی اوردائمی حیات ملتی ہے۔آنحضرت ﷺ ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت ومرحمت اور تربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارے نفس کبھی بھی ایسا نہیں کرسکتا۔اس لئے نبی اکرم ﷺ کو ہماری جان ومال میں تصرف کرنے کا وہ حق حاصل ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی نائب ہے اللہ تعالیٰ کا۔اپنی جان ومال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔اپنی جان کو دہکتی آگ میں ڈالنا جائز نہیں،اور اگر نبی حکم دیدے تو فرض ہوجائے گا۔ان ہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ،بیٹے اور سب آدمیوں،بلکہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں۔نبی کریم ﷺ مؤمنوں کے لئے ان کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق ورحیم ہیں،اوران کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں۔ان کے ماں باپ،ان کے بیوی بچے ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں،ان کے ساتھ خود غرضی برت سکتے ہیں،ان کو گمراہ کرسکتے ہیں،ان کو جہنم میں دھکیل سکتے ہیں،مگر نبی کریم ﷺ ان کے بارے میں صرف وہ بات کرتے ہیں جس میں ان کی حقیقی فلاح اور سعادت ہو۔

اور جب معاملہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا بھی مسلمانوں پر حق ہے کہ وہ آپ ﷺ کو اپنے ماں باپ اور اولاد اور اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز رکھیں،دنیا کی ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ سے محبت رکھیں اور اپنی رائے پر آپ ﷺ کی رائے کو،اور اپنے فیصلے پر آپ ﷺ کے فیصلے کو مقدم رکھیں،اور اپنی ہر خواہش کو آپ ﷺ کے فرمان پر قربان کریں،اور آپ ﷺ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

دوسری بات یہ ہے: ﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ کہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں۔ یعنی ان کا احترام واکرام قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر فرض ہے،اور یہ امت کے لئے اتنا بڑا انعام واعزاز ہے کہ اس کا شکر بجا طور پر فرض ہے۔اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوسکتی ہے کہ آپ ﷺ امت کے روحانی باپ

ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن امت کی مائیں ہیں۔ اور یہ فیصلہ ربّ العزّت سبحانہ کی طرف سے ہے۔ زہے سعادت۔ اس مسئلہ کی تشریح آئندہ تفصیلاً آنے والی ہے، جب اس کی جزئیات کا بیان ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے: ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ اور رشتہ دار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بنسبت دوسرے مؤمنین مہاجرین کے زیادہ قریب تر ہیں۔ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان اسلامی مؤاخات و بھائی چارے کا نظام جاری فرمایا تھا، جو بہت ہی کامیاب اور ہمت افزا رہا۔ اس بھائی چارے کی وجہ سے ایک دوسرے سے ان کی خصوصی رعایت اور خدمت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے، یہاں تک کہ ایک کی فوت شدگی کی صورت میں دوسرا اس کا وارث بن جاتا، دوسرے وارثوں کے ساتھ میراث کا حقدار ہو جاتا۔ اس آیت میں اور سورۂ انفال کی آخری آیات میں اس اخوت والی (غیر نسبی) میراث کو منسوخ فرما دیا، اور یہ فرمایا کہ آپس میں نسبی رشتہ داریاں جو ہیں، آئندہ انہی پر میراث تقسیم ہوگی۔

چوتھی بات یہ ارشاد فرمائی: ﴿اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو جو بہت اچھا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ میراث کا دارومدار قدرتی اور نسبی رشتہ پر ہوگا، نہ کہ اسلامی برادری پر، مگر یہ کہ تم اپنی زندگی میں اپنے دوستوں کے ساتھ بطور وصیت کچھ سلوک اور احسان کرنا چاہو تو یہ جائز ہے، اور تم کو اس کی اجازت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے رشتہ داروں کے علاوہ کسی اور مسلمان مہاجر یا انصاری کے ساتھ سلوک کرنا چاہے، اور اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، جس کی حد ثلث (تہائی حصہ) مال تک ہے، اگر حالت مرض ہو، باقی اوقاتِ صحت میں یہ قید نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں پہلے سے طے شدہ ہیں اور لوح محفوظ میں باقاعدہ درج ہیں۔

❁ ❁ ❁

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

ترجمہ: اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن

مریم سے، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لے لیا ۞ تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال فرمائے، اور اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار فرمایا ہے ۞

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کو اتباع حق کا، اور کفار و منافقین کی مخالفت کا حکم تھا۔ ابھی یہ حکم ہوتا ہے کہ ہم نے اسی قسم کا عہد انبیاء سابقین علیہم السلام سے بھی لیا ہوا ہے، تو یوں فرمایا:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ آپ یہ فرمادیجئے، اور یاد کیجئے: جب ہم نے تمام پیغمبروں سے بوقت عطائے نبوت یا بوقت عہد اَلست واثق اور پختہ میثاق لیا کہ تم وحی الٰہی کا خوب اتباع کروگے، اور کافروں اور منافقوں کے مشوروں کو یک سر مسترد کروگے، اور تمام غیر شرعی جہالت کے رسم ورواج کو ختم کروگے۔ اور بعض آثار و روایات میں یہ بھی ہے کہ اپنی اپنی اُمتوں میں یہ اعلان کروگے کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ و ازواجہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری برحق نبی ہیں۔ [روح المعاني، قرطبي، ابن كثير] جیسے سورۂ آل عمران میں ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ﴾ [آعمران:۸۱] (اور جب اللہ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا) بطور خاص فرمایا۔

﴿وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ہم نے آپ سے، اور نوح علیہ السلام سے، اور ابراہیم علیہ السلام سے، اور موسیٰ علیہ السلام سے، اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے بھی عہد لیا کہ اتباع وحی اور تبلیغ دین اور دعوت الی اللہ کے مبارک عمل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ یہ پانچ مبارک نام جو آیت میں مذکور ہیں، یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ ﴿وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾ اور ہم نے ان انبیاء کرام علیہم السلام سے نہایت محکم اور انتہائی مضبوط اور پختہ عہد لیا، اور یہ اس لئے کہ:

﴿لِّيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ﴾ تاکہ روز محشر اللہ تعالیٰ سچوں سے، یعنی انبیاء کرام علیہم السلام سے اور اہل توحید سے جو اپنے ایمان واعمال میں سچے رہے، ان کی راستی اور سچائی کے متعلق دریافت کرے، تاکہ ان کا صدق اور سچائی ودیانت تمام اہل محشر کے سامنے واضح ہو، اور ان کے نہ ماننے والے، اور تصدیق نہ کرنے والوں پر حجت قائم ہو۔ اسی طرح کفار اور مشرکین کی تکذیب بھی ظاہر ہو، جو: ﴿وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ کے مصداق ہیں۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پیغمبروں علیہم السلام سے سوال کرے گا کہ جب تم نے اپنی قوم کو ہمارا پیغام پہنچایا تو قوم

کے لوگوں نے تمہیں کیا جواب دیا؟ بظاہر یہ سوال پیغمبروں علیہم السلام سے ہے، تاکہ قوم کی تصدیق یا تکذیب کا حال معلوم ہوجائے۔ جیسے سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے: ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [الأعراف: ٦] (پس ہم ضرور ان لوگوں سے پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجا گیا، اور ہم ضرور رسولوں سے بھی پوچھیں گے)۔ اور سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ [المائدة: ١٠٩] (جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا پھر کہے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟)۔

غرض یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے ابلاغ کے متعلق پوچھا جائے گا، اور یہ بھی سوال ہوگا کہ لوگوں نے تمہاری تصدیق کی یا تکذیب؟ اور قوم سے یہ سوال ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام تمہارے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام تمہیں پہنچایا تو تمہارا ردعمل کیا ہوا؟ تم نے تصدیق کی یا تکذیب کی؟ تو صادقین اور کاذبین دونوں گروہ حاضر ہوجائیں گے۔ صادقین فلاح پائیں گے، اور کاذبین ہمیشہ کے لئے دردناک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ پوری تفصیل سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

❁ ❁ ❁

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمت تمہیں ملی ہے، اسے یاد کرو، جبکہ تمہارے پاس لشکر آگئے، سو ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جنہیں تم نے نہیں دیکھا، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو ۝ جبکہ وہ لوگ تمہارے اوپر سے آچڑھے اور تمہارے نیچے سے بھی، اور جبکہ آنکھیں پھٹی رہ گئیں، اور دل گلوں کو پہنچ گئے، اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے ۝ اس موقعہ پر مؤمنین کی جانچ کی گئی، اور انہیں سخت کے ساتھ جھنجھوڑ دیا گیا ۝

معارف ومنازل

اس رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے، جسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس کی

ابتداء اس طرح ہوئی کہ سید الانبیاء ﷺ نے یہودی قبیلہ بنو نضیر کو ان کی سرکشی اور شرارتوں کے بعد مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا، تو انہوں نے وہاں سے خیبر جا کر اپنی شرارتوں کو انتقامی حربے کے طور پر ابھارا، اور وہ اس سلسلے میں مسلمانوں کے خلاف ایک نئے محاذ کھولنے کی خاطر مشرکین قریش کو بھڑکانے کے لئے مکہ معظمہ پہنچے، اور قریش مکہ سے کہا کہ آؤ، ہم اور تم مل کر پوری قوت کے ساتھ داعی اسلام حضرت سید کائنات ﷺ کے خلاف جنگ کریں۔ قریش مکہ نے کہا کہ تم لوگ اہل کتاب ہو، سچ بولو کہ ہمارا دین برحق ہے یا محمد (ﷺ) کا دین؟ یہودیوں نے کہا کہ ان کے دین سے تمہارا دین بہتر ہے، اور برحق بھی ہے۔ اس ڈھٹائی اور بے ضمیری پر مبنی جواب کو سن کر قریش کے لوگ بڑے خوش ہوئے، اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

اس کے بعد یہودیوں کے سردار قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا دیکھو، محمد (ﷺ) سے ہم نے جنگ کرنا ہے، قریش مکہ نے ہمارے ساتھ دینے کا بھرپور وعدہ کیا ہے، تم لوگ بھی ہمارا ساتھ دیدو، تاکہ پورے علاقے سے اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ یہ بنی غطفان اور دیگر بہت سے قبائل جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

دشمنوں سے حفاظت کی تدبیر، اور خندق کی کھدائی:

جب سرور عالم ﷺ کو مشرکین کے ارادۂ بد کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشورہ کیلئے طلب فرمایا، چنانچہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے باہر خندق کھود لی جائے۔ انہوں نے بتایا کہ اہل فارس دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ خندق کی کھدائی کا فیصلہ ہو گیا، اور کھدائی کا کام شروع ہو گیا۔

یہ خندق مدینہ منورہ کی اس جانب تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا اندیشہ تھا۔ اس خندق کی پوری کھدائی میں سید دو عالم ﷺ بہ نفس نفیس خود بھی شریک ہوئے۔ سردی کا موسم تھا، اور ہر طرف سے خوف ہی خوف تھا۔ سرور عالم ﷺ نے خود ہی خط کھینچ کر خندق کی حدود مقرر فرمائیں، اور دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کا رقبہ کھودنے کے لئے دیا۔

بعض حضرات نے اس خندق کی لمبائی ساڑھے تین میل بتائی ہے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو تین ہزار نفوس تھے، بے جگری اور محنت سے کام شروع کر کے آرام نہیں کیا، اور مسلسل محنت کے ساتھ بڑی تندہی سے چھ روز کے اندر اس ساڑھے تین میل کی خندق کو مکمل کر لیا۔ جب دشمنوں کی جماعتیں مدینہ منورہ کے قریب

خندق کے علاقے میں پہنچیں، جن کی تعداد بارہ سے پندرہ ہزار تک بتائی گئی ہے، تو وہ خندق کو دیکھ ششدر رہ گئے اور تعجب وحیرانی میں ڈوب گئے، اور کہنے لگے یہ تو عجیب دفاعی تدبیر ہے، جسے اہل عرب نہیں جانتے تھے۔ وہ لوگ خندق کے اُس طرف رہ گئے، اور شکستہ دل ہو کر مرعوب ہو گئے، اور سرورِ عالم ﷺ خندق کے اِس طرف تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ جبل سلع کی طرف پشت کر کے قیام پذیر ہو گئے، اور عورتوں اور بچوں کو محفوظ جگہوں اور قلعوں میں چھوڑ گئے۔

سخت چٹان کا آپ ﷺ کی ضرب سے ریزہ ریزہ ہونا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے زور وشور سے کھدائی کی، اس درمیان کھدائی کے اندر ایک بہت عظیم الجثہ سخت چٹان آگئی، جس کو توڑنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لئے مشکل اور دشوار ہو گیا۔ یہ چٹان اتنی سخت تھی جس نے ہمارے لوہے کے اوزاروں کو توڑ دیا اور ناکارہ بنا دیا۔ ہم نے کہا سلمان! ذرا اوپر چڑھ کر سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، اور اس چٹان کی کیفیت عرض کرو، وہ جو بھی حکم دیں گے اس پر عمل کریں گے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اوپر چڑھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور پورا ماجرا بیان کیا، اور یہ بھی کہا کہ ہم آپ کے ڈالے ہوئے خط سے ہٹنا پسند نہیں کرتے کہ تھوڑا راستہ تبدیل ہی کر لیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں پہنچ کر خندق میں اتر گئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، اور ان کے نو ساتھی بھی خندق میں موجود تھے۔ پھر آپ ﷺ نے سلمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک سخت ضرب لگائی، فوراً پتھر میں شگاف ہو گیا، اور پتھر سے ایک ایسی چمک نکلی جس سے مدینہ منورہ کے دونوں کنارے روشن ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی تاریک ترین کوٹھڑی میں چراغ روشن کر دیا گیا ہو۔ سید الانبیاء ﷺ نے تکبیر فتح کہی، مسلمانوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی، پتھر سرمہ کی طرح بہنے لگا، اور ایک بجلی چمکی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے چمک اٹھے، ایسا معلوم ہوا جیسے کسی تاریک کوٹھڑی میں چراغ روشن کیا گیا ہو۔ آپ ﷺ نے تکبیر فتح کہی، اور مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ سرورِ عالم ﷺ نے ایک تیسری زوردار ضرب لگائی اور سلمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر خندق سے اوپر چڑھ آئے۔

سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں نے آج ایک بات دیکھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ سرورِ عالم ﷺ نے لوگوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا: تم نے دیکھا، سلمان کیا کہہ رہے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں، صحیح کہہ رہے ہیں۔ فرمایا: میں نے پہلی ضرب جو ماری تھی، اور تم نے اس سے

بجلی پیدا ہوتی دیکھی تھی، اس کی روشنی میں حیرہ (یعنی شاہان عراق، جن کا تخت گاہ حیرہ تھی) کے محلات (اور کسریٰ کی تخت گاہ مدائن) میرے سامنے آ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتوں کے نوکیلے دانت ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ میری امت وہاں تک، یعنی حیرہ اور مدائن تک غالب آئے گی۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا، دور فاروقی خلافت میں یہی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر ہوئے۔ اللہ اکبر)۔

پھر میں نے دوسری ضرب لگائی، جس کی بجلی کی چمک تم نے دیکھی، اس کی چمک میں، میں نے رومی بادشاہوں کے محلات دیکھے، جیسے کتوں کے نوکیلے دانت ہوں، اور جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ میری اُمت ان کے سرخ محلات پر قابض ہو جائے گی، تم کو اس کی خوشخبری ہو۔ (یہ پیشینگوئی بھی خلافت فارقی میں پوری ہوئی)۔

یہ کلام سن کر مسلمانوں کے چہرے کھل گئے، اور ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اور سب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حمد وثنا ہے، جس نے ہمیں فتح ونصرت کی بشارت سنائی اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ اور منافق کہنے لگے کہ تمہارے لئے یہ بات حیران کن اور نہ ہونے کے برابر ہے، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سے جھوٹ کہہ رہا ہے کہ یہاں کی ضرب سے حیرہ اور مدائن نظر آ رہے ہیں، اور ملوک وسلاطین کی تخت گاہیں دکھائی دے رہی ہیں، اور ان سب پر تمہارا قبضہ ہوگا۔ تمہارے اندر اتنی طاقت تو ہے نہیں کہ میدان میں نکلو، دشمن کا مقابلہ کرو، تم ڈر کے مارے خندقیں کھود رہے ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ اس پر یہ آیات اتری:

﴿وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ اور اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ [ال عمران:۲۶] (کہو کہ: اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کی طرف تشریف لے گئے، صبح سردی تھی، مہاجرین اور انصار خود خندق کھود رہے تھے، خادم غلام ان کے پاس کام کرنے کے لئے نہیں تھے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بھوک کا اندازہ کر کے فرمایا:

اَللّٰھمَ لَا عَیشَ اِلَّا عَیشُ الْاٰخِرَۃِ «» فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ

درحقیقت زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اے اللہ! انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سنا تو جواب میں کہا:

نَحنُ الَّذِینَ بَایَعُوا مُحَمَّدًا «» عَلَی الجِھَادِ مَابَقِینَا اَبَدًا

ہم تو وہی ہیں جو حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، جب تک زندہ ہیں جہاد پر۔ [بخاري]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنگ احزاب کے موقع پر آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس کھدائی فرمارہے تھے، اور مٹی نکال رہے تھے، اور غبار کی وجہ سے شکم مبارک کی جلد گرد آلود ہو کر چھپ گئی ہے، اور آپ ﷺ مٹی اٹھاتے ہوئے بطور رجز (جیسا کہ عربوں کی عادت ہے) حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھ رہے تھے:

اَللّٰھُمَ لَوْ لَا أَنتَ مَا اھْتَدَیْنَا «» وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَـانْزِلَـنْ سَکِینَۃً عَلَـیْنَا «» وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ اِنْ لَاقَـیْنَا

اِنَ الْأُوْلٰی قَـدْبَـغَـوْا عَلَـیْنَا «» اِذَا أَرَادُوا فِـتْـنَۃً أَبَـیْـنَا

اے اللہ تعالیٰ! اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے، نہ زکوٰۃ دیتے، نہ نماز پڑھتے۔ ہم پر طمانینتِ خاطر نازل فرما۔ اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدموں کو جمائے رکھنا۔ ان کفار نے ہم پر زیادتی کی ہے، جب انہوں نے کفر اختیار کیا تو ہم نے انکار کیا۔

کفار کی چالبازی، اور بنو قریظہ کے ساتھ گٹھ جوڑ:

قریش اور ان کے حلیفوں کا لشکر جس سرکشی اور غرور کے ساتھ آیا تھا، وہ غرور یہاں پہنچنے پر ایک حد تک دم توڑ چکا تھا۔ اوّل اس لئے کہ وہ اگرچہ مسلح تھے اور تعداد میں زیادہ تھے، کھانے پینے کے سلسلے میں خود کفیل تھے، مگر نبوت کے رعب نے انہیں آگھیرا تھا۔ دوم یہ کہ وہ قبیلہ بنو قریظہ کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کو اپنی کامیابی میں بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ تیسری بات یہ کہ خندق اور اس کا نقشہ سرے سے کفار کے جنگی نقشے میں تھا ہی نہیں کہ انہیں اس موسم سرما میں مدینے کے باہر ایک بڑی خندق سے سابقہ پیش آئے گا، اور ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہیں گے، کیونکہ اہل عرب اس طریق دفاع سے ناآشنا تھے۔ ناچار انہیں جاڑے کے زمانے میں ایک طویل محاصرے کے لئے تیار ہونا پڑا، جس کے لئے وہ گھروں سے تیار ہو کر نہ آئے تھے، اور یہ طریقہ دفاع ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، لاچار وہ مجبور ہوئے، اور لمبی لمبی میٹنگوں میں سوچنے لگے، یہاں تک کہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ صرف ایک ہی تدبیر ہے جو ہمارے لئے کارگر ہے، اور وہ یہ کہ بنو قریظہ کے یہودی قبیلے کو مسلمانوں کے ساتھ غداری اور عہد شکنی پر آمادہ کریں، جو مدینہ طیبہ کے جنوب مشرقی گوشے میں رہتا تھا، چونکہ اس قبیلے سے مسلمانوں کا باقاعدہ حلیفانہ معاہدہ تھا، جس کی رُو سے مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کرنے کا پابند تھا، اس لئے مسلمانوں نے

اس طرف سے بے فکر ہوکر اپنے بال بچے ان گڑھیوں میں بھجوادیئے تھے جو بنوقریظہ کی جانب تھیں، اور ادھر مدافعت کا کوئی انتظام نہ کیا تھا۔

کفار نے اسلامی دفاع کے اس کمزور پہلو کو بھانپ لیا، ان کی طرف سے بنونضیر کے یہودی سردار حی بن اخطب کو بنوقریظہ کے پاس بھیجا گیا تاکہ انہیں معاہدہ توڑ کر جنگ میں شامل ہونے پر آمادہ کرے۔ ابتداء میں بنوقریظہ کے سرداروں نے انکار کیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے معاہدہ ہے، اور آج تک کبھی ہمیں ان سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی ہے، لیکن جب حی بن اخطب نے ان سے کہا کہ دیکھو میں اس وقت عرب کی متحدہ طاقت اس شخص پر چڑھا لایا ہوں، یہ اسے ختم کرنے کا نادر موقع ہے، اس کو اگر تم نے کھودیا تو پھر دوسرا کوئی موقع نہ مل سکے گا۔ تو یہودی ذہن کی اسلام دشمنی اخلاق کے پاس و لحاظ پر غالب آگئی، اور بنوقریظہ کے سردار عہد توڑنے پر آمادہ ہوگئے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معاملے سے بھی بے خبر نہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بروقت اس کی اطلاع مل گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً انصار کے سرداروں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس تحقیق حال اور فہمائش کے لئے بھیجا۔ چلتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ہدایت فرمائی کہ اگر بنوقریظہ عہد پر قائم رہیں تو آکر سارے لشکر کے سامنے علی الاعلان یہ خبر سنا دینا، لیکن اگر وہ نقض عہد کرچکے ہوں اور اس پر مصر ہوں تو صرف مجھ کو اشارۃً اس کی اطلاع دیدینا، تاکہ عام مسلمان یہ بات سن کر پست ہمت نہ ہوجائیں۔

یہ حضرات وہاں پہنچے تو بنوقریظہ کو پوری خباثت پر آمادہ پایا، اور بنوقریظہ کے سردار نے برملا ان حضرات سے کہہ دیا کہ: "لَا عَقْدَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ وَلَا عَهْدَ"۔ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ اس جواب کو سن کر وہ لشکر اسلام میں واپس آئے اور اشارۃً سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کردیا۔ یہ خبر بہت جلدی مدینہ کے مسلمانوں میں پھیل گئی، اور کئی لوگوں کا غم کے مارے کلیجہ منہ میں آیا، اور منافقوں نے عید منائی، اور عام لوگوں کے اندر سخت مایوسی، دکھ اور اضطراب پیدا ہوگیا، کیونکہ اب لوگ، یعنی مدینہ والے دونوں طرف سے گھیرے میں آگئے تھے، اور ان کے شہر کا وہ حصہ خطرے میں پڑگیا تھا جدھر دفاع کا کوئی بھی انتظام نہ تھا، اور سب کے بال بچے بھی اسی جانب تھے۔

اس پر منافقین کی سرگرمیاں خوب تیز ہوگئیں، اور انہوں نے اہل ایمان کے حوصلے پست کرنے کے لئے

طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کیں۔ کسی نے کہا کہ ہم سے تو وعدۂ قیصر و کسریٰ کے ملک وتخت فتح ہوجانے کے کئے جارہے تھے اور حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے۔ کسی نے یہ کہہ کر خندق کے محاذ سے جانے کی رخصت مانگی کہ اب تو ہمارے گھر ہی خطرے سے دوچار ہیں، ہمیں جا کر اس کی حفاظت کرنی ہے۔ کسی نے یہاں تک خفیہ پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ حملہ آوروں سے اپنا معاملہ درست کرلو، اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے حوالہ کردو۔

یہ اس شدید آزمائش کا سخت پریشان کن وقت تھا، جس میں ہر اس شخص کا پردہ فاش ہوگیا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نفاق موجود تھا۔ صرف صادق ومخلص اہل ایمان ہی تھے جو عزم وحوصلے اور صبر واستقلال کے پہاڑ بنے ہوئے تھے، اور جرأت وشجاعت کے پیکر بنے ہوئے تھے، اور اپنے ربّ کے وعدوں پر ایسے مضبوط ومستحکم نظر آتے تھے کہ ان کی شجاعت پر فرشتے رشک کرنے لگے تھے، اور اپنے پیشوا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشاروں پر جان دینے کے منتظر رہتے تھے۔

جان زتن بردی ودر جانی ہنوز ☆ دردہا دادی ودرمانی ہنوز
قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ☆ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ☆ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نازک موقع پر بنوغطفان سے صلح کی بات چیت شروع کی، اور ان کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ مدینہ منورہ کے پھلوں کی پیداوار کا تیسرا حصہ (۱/۳) لے کر واپس چلے جائیں۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاروں سے مشورہ کرنا چاہا اور انہیں طلب کیا، اور یہ بات ان کے سامنے رکھ دی۔ یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اس صلح کی بابت گفتگو فرمائی۔ وہ دونوں محبت واطاعت کے پیکر تھے، تب تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ کی خواہش ہے کہ ہم ایسا کریں، یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہمارے لئے اُسے قبول کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے؟ یا آپ صرف ہمیں بچانے کے لئے یہ تجویز فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا میں صرف تم لوگوں کو بچانے کے لئے ایسا کررہا ہوں، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سارا عرب متحد ہوکر تم پر پل پڑا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو اس طرح کرکے ایک دوسرے سے توڑ دوں، اور انہیں الگ الگ کرکے بے اتفاق کرلوں۔

اس پر دونوں سرداروں نے بالاتفاق کہا کہ اگر آپ ہماری خاطر یہ معاہدہ کررہے ہیں تو اُسے ختم کردیجئے، یہ قبیلے ہم سے اس وقت بھی ایک حبہ خراج کے طور پر کبھی نہ لے سکے تھے جب ہم مشرک تھے، اور اب تو اللہ اور اس کے

رسول ﷺ پر ایمان لانے کا شرف ہمیں حاصل ہے، کیا یہ اب ہم سے خراج لیں گے؟ ہمارے اوران کے درمیان اب صرف تلوار ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارا اوران کا فیصلہ کردے۔ یہ کہہ کر انہوں نے معاہدے کے اس مسودے کو چاک کردیا جس پر ابھی فریقین کے دستخط نہ ہوئے تھے۔

اسی دوران میں قبیلہ بنوغطفان کی شاخ اشجع کے ایک خوش قسمت سردار نعیم بن مسعود مسلمان ہوکر سرور عالم ﷺ کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ابھی تک کسی کو بھی میرے قبول اسلام کا علم نہیں ہے، آپ مجھ سے اس وقت جو بھی خدمت لینا چاہیں میں اسے انجام دے سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم جا کر دشمنوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوئی کامیاب تدبیر کرو۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا: "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ"۔ جنگ ایک دھوکہ اور حیلہ ہے۔ جنگ کے معاملہ میں دھوکہ جائز اور کارگر ہے۔

چنانچہ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ پہلے بنوقریظہ کے پاس گئے، جن سے ان کا بہت پرانا میل جول تھا اور تعلقات بھی تھے، اوران سے کہا کہ قریش اور غطفان تو محاصرے سے تنگ آکر واپس بھی جاسکتے ہیں، ان کا کچھ نقصان ہی نہ ہوگا، اور یہ بھی یادرکھو کہ مسلمانوں کو کچھ بھی نہ ہوگا، اور تمام عرب اگر منظم ہوکر آجائیں تو مسلمانوں کو کبھی ختم نہیں کرسکتے۔

یادرکھو! یہ باہر سے آنے والے ایک دوروز میں واپس جائیں گے، مگر تمہیں مسلمانوں کے ساتھ اسی جگہ رہنا ہے، وہ لوگ جب چلے گئے تو تمہارا کیا بنے گا؟ اس بات پر خوب غور کرو، کہیں بنونضیر سے بھی بدتر حشر تمہارا نہ ہوجائے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اس وقت تک جنگ میں حصہ نہ لو جب تک ان باہر سے آئے ہوئے قبائل کے چند نمایاں آدمی تمہارے پاس گروی اور یرغمال کے طور پر نہ بھیج دیئے جائیں۔ یہ بات بنی قریظہ کے دل میں اتر گئی اور انہوں نے متحدہ محاذ کے قبائل سے یرغمال طلب کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

پھر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ وہاں سے رخصت ہوکر قریش اور غطفان کے سرداروں کے پاس گئے، اوران سے کہا کہ بنوقریظہ کچھ ڈھیلے پڑتے نظر آرہے ہیں، بعید نہیں کہ وہ تم سے یرغمال کے طور پر کچھ نمایاں آدمی مانگیں اور انہیں محمد (ﷺ) کے حوالے کرکے اپنا معاملہ صاف کرلیں، اس لئے ذرا ان کے ساتھ ہوشیاری سے معاملہ کرنا۔ اس سے متحدہ محاذ کے لیڈر بنوقریظہ کی طرف سے کھٹک گئے، اور انہوں نے قریظی سرداروں کو پیغام بھیجا کہ اس طویل محاصرے سے اب ہم تنگ آگئے ہیں، اب ایک فیصلہ کن لڑائی ہونی ضروری ہے، کل تم اُدھر سے حملہ کرو، اور ہم اِدھر سے یکبارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

بنوقریظہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ لوگ جب تک اپنے چند نمایاں آدمی یرغمال کے طور پر ہمارے حوالہ نہ کردیں، ہم جنگ کا خطرہ مول نہیں سکتے۔اس جواب سے متحدہ محاذ کے سرداروں اور لیڈروں کو یقین آگیا کہ نعیم کی بات سچی تھی۔انہوں نے یرغمال دینے سے انکار کردیا،اوراس سے بنوقریظہ نے سمجھ لیا کہ نعیم نے ہم کوٹھیک مشورہ دیا تھا۔یہ جنگی چال بہت کامیاب ثابت ہوئی،اوراس نے دشمنوں کے کیمپ میں زبردست پھوٹ ڈال دی۔

دشمنوں کا خندق پار کرنے سے عاجز ہونا:

دشمن جب خندق کے پاس آئے تو وہاں میدان پر ٹھہرے، چونکہ مسلمان جا بجا خندق پر پہرہ دے رہے تھے،تاکہ دشمن خندق کو پار کر کے ان تک پہنچ نہ پائے، چنانچہ یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔باقاعدہ کوئی جنگ نہیں ہوئی، البتہ جزوی طور پر چھ سات مشرک مارے گئے، جن میں قریش کا نامور پہلوان جو ہزار آدمیوں پر بھاری تھا عمر بن عبدود جسے شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خاک وخون میں تڑپا کر جہنم رسید کیا۔اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے پانچ آدمی تیر لگنے سے شہید ہوگئے، جن کے نام یہ ہیں:

☆ حضرت انس بن اوس ☆ حضرت عبداللہ بن سہل ☆ حضرت طفیل بن نعمان ☆ حضرت ثعلبہ بن غنمہ ☆ اور حضرت کعب بن زید۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اس لمبے عرصے میں مسلمانوں پر جو کچھ گزرا وہ اگرچہ نہایت ناقابل برداشت مصائب تھے، بھوک، پیاس، بے سروسامانی اور نہایت سخت سردی، مگر انہوں نے یہ سب کچھ بطیب خاطر اللہ تعالیٰ شانہ کا امتحان سمجھ کر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔انہوں نے کہا کہ جب غم اور پریشانی کی یلغار ہوتی، اور بھوک کا نیزہ مستقبل کی کیفیت کا ہجوم ہوتا تھا،تو فوراً سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور ملاحظہ کرتے ہی سب کچھ کافور ہوجاتا، اور غم سکون میں تبدیل ہوجاتا، اور وہ پوری مدت ہمارے ساتھ ہوتے۔

یہاں تک کہ ایک دن حالات بڑے خراب ہوئے، اس کشمکش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوگئیں، کیونکہ کشیدہ حالات میں ادائیگی نماز میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ظہر،عصر،مغرب، اور عشاء۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا ایک حصہ گزر جانے پر ان کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے قضا ہوئی تھیں۔عشاء اگرچہ اپنے وقت پر پڑھی، مگر عام معمول سے کچھ تاخیر کے ساتھ۔

آنحضرت ﷺ کی دعا، اور دشمن کی ہزیمت:

آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر مشکل اور پریشانی کے موقع پر کثرت سے نماز پڑھ پڑھ کر خوب عجز و نیاز اور خشوع وخضوع سے دعائیں کرتے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر دشمن کے بھاگنے سے پہلے تین راتیں آپ ﷺ نے مسلسل نماز اور دعا میں گزاریں۔ وہ دعا یہ تھی: "اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتٰبِ مُجْرِيَ السَّحَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ هَازِمَ الْأَحْزَابِ اَهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ"۔ اِس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مختصر دعا سکھائی: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" اے اللہ تعالیٰ! ہماری آبرو کی حفاظت فرما، اور ہمارے خوف کو ہٹا کر امن عطا فرما۔

آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے متحدہ قوموں پر گزشتہ اُمتوں کی طرح کسی آسمانی عذاب کا آنا حسبِ فرمان الٰہی چونکہ ممکن نہ تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اُن کی ہزیمت کی دعا کی اور ہلاکت کی نہیں کی۔ وہ ارشاد یہ ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ [الأنفال: ٣٣] (اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو عذاب دے اور آپ ان میں موجود ہوں)۔

آج کی دنیا ہمارے سامنے ہے۔ شرک وکفر کا یہ عالم ہے کہ ایک طبقہ مسلمان علماء کا شب وروز حطامِ دنیا کے حصول کی خاطر باقاعدہ منظم طور پر شرک وبدعت کی تبلیغ کر رہا ہے، اور شرک وسرکشی کے وہ بھیانک طرز وطریقے انجام دے رہے ہیں جو مشرکین مکہ کے رکارڈ توڑ چکے ہیں۔ وہ کیا جانتے تھے کہ عرس کیا ہوتا ہے، اور گیارہویں کیا چیز ہے؟ اور اسی طرح اس وقت چند نہتے موحّد مسلمانوں کے علاوہ چھ ارب لوگ یورپ، مکمل ایشیا، افریقہ وغیرہ ممالک کے لوگ یا مشرک، عیسائی، یہودی، ہندومت، بدھ مت، کمیونسٹ، صابی، سکھ، مجوسی، پارسی وغیرہ اقوام ہیں۔ اگر گزشتہ ہلاک تباشدہ اقوام کے تمام عمر کے گناہوں کو دیکھا جائے، تو آج کے کفار کے صرف ایک گھنٹہ گناہوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو برابر نہیں ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ﴿وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ کی لاج رکھتے ہوئے انہیں ہلاک نہیں کرتا۔

اب محاصرہ ایک ماہ تک طویل ہو چکا تھا، سردی کا زمانہ تھا، اور اتنے بڑے لشکر کے لئے سامان خورد ونوش، اسی طرح ان کی سواریوں کے لئے پانی چارہ مہیا کرنا بڑا مشکل رہا۔ پھر بنو قریظہ اور ان متحدہ لشکر والوں میں پھوٹ پڑنے سے مزید حالات ابتر ہو گئے۔ ان تمام عوامل کے ہوتے ہوئے یہ لوگ جمے اور ڈٹے رہے تھے۔ جب آپ ﷺ کی مسلسل دعا کا سلسلہ جاری رہا، تو اجابت میں دیر نہ ہوئی، یکا یک رات کو ایک سخت آندھی نے سارا نظام درہم برہم کر دیا۔ اس آندھی میں خوب سردی اور کڑک، اور زوردار چمک تھی۔ بھگانے والی آندھی تھی، تباہ کن نہ تھی، اور

خوب اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آندھی نے انہیں اور ان کے سواری کے اونٹوں کو بھاگنے پر مجبور کیا، اور ان کے تمام خیموں کو اُڑا کر اُلٹ دیا، رسیاں توڑ کر دور دور جا کر پھینک دیں۔ جن ہانڈیوں میں کچھ پکا رہے تھے آندھی نے انہیں بھی اُلٹ کر ان کے بستروں کو آگ لگا دی۔ تقریباً وہ منظر قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھا۔ اس افراتفری میں سب کے سب میدان کو اور کئی طرح کے سامانوں کو بھی چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو، دونوں لشکروں کا درمیانی فاصلہ زیادہ سے زیادہ ایک کلومیٹر ہے۔ خندق سے اُس طرف طوفانی ہوا کا راج ہے، اور دوسری طرف مسلمانوں کے ہاں کچھ بھی نہیں، درخت کا پتہ بھی حرکت نہیں کرتا۔ نہ کوئی ہوا، نہ افراتفری۔ صبح جب مسلمان اٹھے تو میدان خالی تھا، جہاں ایک دشمن بھی نہ تھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فتح مبین اور دشمن کے جرار لشکر کے بے نیل ومرام ناکامی کے ساتھ واپسی کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: "اَلْئٰن نَغْزُوهُم وَلَا يَغْزُونَنَا"۔ یہ ان کی مدینہ کی طرف آخری آمد تھی، آئندہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمیں ان کے پاس جہاد کی خاطر جانا ہوگا، وہ ہمارے پاس آنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہاں تک کہ اس واقعہ سے تین سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان سنہ ۸ھ میں مدینہ سے دس ہزار قدسیوں کا لشکر لے کر بلا مقابلہ مکہ معظّمہ فتح کیا، اور کفر ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا۔

کھانے کا معجزہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر خندق کے اندر موجود چٹان پر ضرب لگائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیٹ مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چار دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ میں نے یہ دیکھ کر بے صبری کے عالم میں گھر جانے کی اجازت مانگی، جو مجھے دیدی گئی، میں جب گھر پہنچا تو بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس کھانے کے لئے کیا کچھ ہے؟ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیٹ مبارک پر پتھر دیکھ کر بے صبری میں بھاگ آیا ہوں، بیوی نے کہا کہ تین سیر کے قریب جَو موجود ہے، اور بکری کا ایک بچہ ہے۔

میں نے بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کے حوالہ کیا کہ یہ گوشت ہانڈی میں پکاؤ۔ بیوی نے اس جَو کی پسائی شروع کی۔ چنانچہ میں خندق کے پاس خدمت اقدس میں پہنچا، آہستہ سے عرض کیا کہ مختصر کھانا ہے، آپ اور چار پانچ حضرات کو کافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: کتنا ہے؟ میں نے بکری کے بچہ اور صاع جَو کا حوالہ دیا، تو فرمایا: یہ بہت ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اہل خندق کو بلاؤ کہ جابر نے کھانے کی دعوت کی ہے، سب آجاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے روانہ ہوئے، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک ہانڈی میں ڈالا، اور آٹے میں بھی، یہاں تک کہ پورے لشکر نے سیر ہو کر کھایا، اور بہت سارا طعام، گوشت، روٹی، سالن بچ بھی گیا۔ [بخاري]

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھے تقریباً پندرہ بیس کھجوریں دے کر روانہ کیا کہ جا کر اپنے والد اور اپنے ماموں کو دیدو، ہمارے گھر میں اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، جب میں خندق کے پاس پہنچا تو اسی اثناء میرا گزر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا، پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کھجور ہے۔ فرمایا: مجھے دیدو، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کھجوروں کو چادر پر پھیلا کر سارے لشکر میں اعلان کیا، اور سب کو کھلایا، سب نے سیر ہو کر کھایا، اور کھجور ختم نہیں ہوئی۔ کھانے والے ہزار سے زیادہ تھے۔ [ابن کثیر]

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو۔

﴿اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ﴾ جب تمہاری بیخ کنی، اور صفحۂ ہستی سے بزعم خود مٹانے کے لئے ہر طرف سے فوجیں چڑھ کر آئیں۔ ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا﴾ پس ہم نے ان پر ایک تیز طوفانی ہوا بھیجی، جس نے انہیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ہوا اتنی سخت ٹھنڈی تھی کہ لوگ اسے برداشت نہ کر سکے، یہاں تک کہ افراتفری کے عالم میں بھاگ گئے، اور کفار کے لئے عذاب ثابت ہوئی، جبکہ مسلمانوں کے لئے نعمت ثابت ہوئی۔

﴿وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اور تم پر تمہاری مدد کے لئے ایسا لشکر بھیجا جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے، جبکہ وہ کافروں کو اٹھا اٹھا کر دھکے کے ساتھ میدان سے بھگا رہے تھے، اور اس کے ساتھ تمہارے دلوں پر سکینہ، حوصلہ اور اطمینان اتار رہے تھے۔ ﴿وَكَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے، اور اسی بنیاد پر تمہارے حق میں فیصلہ کرنے والا ہے، جب تم نے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ کر ایک سخت پتھریلی زمین پر ساڑھے تین میل لمبا اور ڈھائی گز چوڑا، اور گہرا خندق صرف چھ دنوں میں ہزاروں مشکلات کے باوجود تیار کیا، اور اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موت وزیست اور بھوک وسردی برداشت کر کے ایک ماہ تک اطاعت وفرمانبرداری کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ دیکھ کر اور قبول فرما کر تمہاری نصرت فرمائی، تمہیں نئی زندگی عطاء فرمائی، اور اس بڑے بے رحم لشکر کے ظلم واستبداد، اور قتل وغارت سے تمہیں اور تمہارے بیوی بچوں کو بچایا۔ تم زندگی بھر اس نعمت عظیمہ کو یاد کیا کرو، اور اپنے ربّ کا شکر ادا کرو۔

﴿وَاِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ جب دشمن تم پر اوپر کی طرف سے چڑھ آئے، اور نچلی طرف سے بھی۔ مدینہ منورہ کی مشرقی جانب اونچی ہے، اور مغربی حصہ نیچے ہے۔ دشمن دونوں طرف سے حملہ آور ہوئے تھے۔ تمہاری عورتیں اور بچے شہر میں تھے، جن کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں تھا، کیونکہ سارے مجاہدین تین ہزار تھے، جو سارے خندق کے پاس مورچہ زن تھے۔

﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾ جبکہ خوف اور دہشت کی وجہ سے تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں (خیرہ ہوگئیں) اور دل اچھل کر گلوں تک آرہے تھے (کہتے ہیں کلیجہ منہ میں آگیا)۔ اس موقعہ پر سارے مسلمانوں کا وظیفہ یہ رہا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

﴿وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾ اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ مسلمانوں کا گمان یہ تھا کہ کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور حفاظت ہمیں حاصل رہے گی، اور لشکر اسلام فتح حاصل کرے گی، اور منافقوں کا گمان یہ تھا کہ اب اسلام اور مسلمانوں کے زوال اور ختم ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔

﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾ ایسے ہی شدید اور پریشان کن وقت میں اہل ایمان امتحان اور ابتلاء میں جانچے گئے، تاکہ مؤمن خالص اور منافقین کی پہچان ہو، اور سچوں اور جھوٹوں میں امتیاز ہو، یا یہ کہ صادقین اور کاذبین کی شناخت ہو۔ فرمایا: اس موقعہ پر اہل ایمان خوب متزلزل کئے گئے، جھنجھوڑے گئے، مگر وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے محفوظ اور فاتح رہے، ان کا دشمن جو چھ گنا ان سے زیادہ تھا بے نیل ومرام اور ناکامی کے ساتھ واپس ہوگیا۔

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ اور اس شدت اور دہشت کو دیکھ کر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مگر محض دھوکہ اور فریب کے طور پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہمارے ساتھ جو فتح ونصرت کا وعدہ کرچکے ہیں یہ سب دھوکہ اور فریب ثابت ہوا۔ دیکھو! ہم لوگ کتنے بڑے دشمن کے نرغے میں محصور ہوئے، نہ کوئی مدد آئی، اور نہ کوئی نصرت آئی۔ اسی کو فرمایا:

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾
وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ

النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ
عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ
كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ
يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ کا وعدہ کر رکھا ہے ﴿۱۲﴾ اور جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے، لہٰذا تم واپس ہو جاؤ، اور ان میں سے ایک فریق نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا، یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، یہ لوگ صرف بھاگنے کا ارادہ کر رہے تھے ﴿۱۳﴾ اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس جائے، پھر ان سے فتنہ کا سوال کیا جائے، تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے، اور گھروں میں نہیں ٹھہریں گے، مگر بس ذرا سی دیر ﴿۱۴﴾ اور اس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ ہم پیٹھ نہیں پھیریں گے، اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا اس کی باز پرس ہوگی ﴿۱۵﴾ آپ فرما دیجئے: اگر تم موت سے، یا قتل سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمہیں نفع نہ دے گا، اور اس وقت بس تھوڑے ہی دن جیو گے ﴿۱۶﴾

معارف و منازل

منافقین ایک طرف سے خوش ہو رہے تھے کہ مسلمانوں پر بڑا نازک وقت آ چکا ہے، اور دوسری طرف سے بڑے پریشان تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فاتح رہیں گے، لہٰذا وہ مسلمانوں میں غلط پر پیگنڈہ کر رہے تھے۔ فرمایا:

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ منافقین، اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے کہ نہیں وعدہ کیا ہے ہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مگر محض دھوکہ اور فریب کے طور پر۔ ایک ماہ مکمل محاصرہ میں رہے، ابھی بھی انتظار کر رہے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائیں گے، یہ سراسر دھوکہ اور خوش فہمی ہے۔

﴿وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ﴾ جب ان منافقین میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے یثرب کے رہنے والو! یہاں دشمن کے مقابلہ میں مورچہ بند ہو کر بیٹھنا تمہارے لئے بہتر نہیں ہے، تم یا اپنے گھروں کو واپس جاؤ، یا اپنے سابق آبائی دین کفر کی طرف لوٹ جاؤ۔ ﴿فَارْجِعُوْا﴾ یعنی میدان چھوڑ کر واپس جاؤ۔

یثرب مدینہ منورہ کے جاہلیت کے زمانہ کا نام ہے۔ اب یہ مبارک شہر مَدِیْنَۃُ الرَّسُوْل سے مشہور اور موسوم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اب مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی اجازت نہیں۔ [مظهري، روح]

﴿وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ﴾ اور ان میں سے ایک فریق اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ سے گھر جانے کی اجازت مانگتا تھا۔ یہ لوگ مکر و حیلہ بازی کے ذریعہ جھوٹ بول کر محاذ سے بھاگنا چاہتے تھے، اور یہ کہتے تھے:

﴿يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ﴾ کہ ہمارے گھر غیر محفوظ، بے پردہ ہیں، ہمیں خطرہ ہے کہ دشمن یا اور کوئی بدخواہ ہمارے گھروں میں آ کر ہماری عورتوں کی بے احترامی نہ کریں، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے تردید فرما کر ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ﴾ یہ جھوٹ بولتے ہیں، ان کے گھر غیر محفوظ نہیں، درحقیقت بات یہ ہے:

﴿اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا﴾ یہ جھوٹ، حیلے، اور بہانوں سے راہ فرار اختیار کر کے میدان جہاد سے بھاگنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے، نیز مسلمانوں کے سخت بدخواہ ہیں۔

﴿وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا﴾ یہ منافق بڑے فتنہ پرور ہیں۔ اگر کفار کا لشکر مدینہ میں یکبارگی تمام اطراف سے داخل ہو جائے، اور یہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں محفوظ ہوں، پھر یہ کفار ان منافقین سے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا کر لڑنے اور فتنے کا مطالبہ کریں، تو فوراً مان جائیں گے، اور مسلمانوں کے مارنے پر بخوشی تیار ہو جائیں گے۔

﴿وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا﴾ اس سلسلے میں کوئی تاخیر روا نہیں رکھیں گے۔ یعنی کوئی تاخیر نہیں کریں گے، سنتے ہی مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔ یہ اس کا واضح ثبوت و علامت ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن اور بدخواہ ہیں اور کفار و مشرکین کے ہمنوا، اور خیر خواہ ہیں۔ ﴿وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ﴾ اور البتہ تحقیق یہ لوگ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کی حمایت اور معیت میں کافروں کے ساتھ جنگ کریں گے، اور پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے۔ جب جنگ اُحد کے موقعہ پر ان کی سرزنش ہوئی تو انہوں نے آئندہ کے لئے مضبوط عہد کیا کہ کافروں سے لڑیں گے اور میدان چھوڑ کر نہیں جائیں گے، مگر جنگ احزاب کے موقعہ پر انہوں نے سب کچھ بھلا دیا، اور طرح طرح کی سازشیں شروع کیں۔

﴿وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی، اور محاسبہ ہوگا۔ اگر ان لوگوں نے یہ سمجھا ہو کہ بھاگنے میں ہماری سلامتی اور نجات ہے تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ﴾ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگنا چاہتے ہو تو یہ بھاگنا ہرگز تمہیں نفع نہیں دے گا۔ ﴿وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ تو پھر بھی تمہیں بہت کم ہی فائدہ دیا جائے گا۔ دنیا میں بالفرض اگر چند دن زندہ رہو گے اور بھاگ کر جان بچاؤ گے، مگر ہمیشہ زندہ نہیں رہو گے، موت سے کسی جاندار کو خلاصی نہیں، جب طبعی موت پر مرو گے تو ابدی دوزخ میں رہو گے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ
اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٨﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ
حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي
الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢٠﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچا دے گا؟ اگر وہ تمہارے بارے میں کسی بُری حالت کا ارادہ فرمائے، یا تم پر فضل فرمائے اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایت کرنے والا مددگار نہ پائیں گے ﴿۱۷﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو رکاوٹ ڈالتے ہیں، اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ، اور یہ لوگ لڑائی میں کم آتے ہیں ﴿۱۸﴾ یہ لوگ تمہارے بارے میں بخیل بنے ہوئے ہیں، پھر جب خوف پیش آجاتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ آپ کی طرف تک رہے ہیں، ان کی آنکھیں اس طرح چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کے وقت بیہوشی طاری ہو رہی ہو، پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تم کو تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں، مال کے حریص بنے ہوئے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے، اور یہ اللہ تعالیٰ شانہ کے لئے آسان ہے ﴿۱۹﴾ وہ سمجھتے ہیں کہ جماعتیں واپس نہیں گئیں، اور اگر جماعتیں آجائیں تو یہ لوگ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش ہم دیہاتوں میں ہوتے، تمہاری خبریں دریافت کر لیا کرتے، اور اگر وہ

تمہارے اندر موجود ہوں تو وہ لڑائی نہ لڑیں گے، مگر ذرا سی ۝۲۰

معارف و منازل

یہ ساری آیتیں منافقین کی بدعہدی، اور شرارتوں کے بارے میں ہیں، فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ اے پیغمبر! آپ ان منافقین سے کہہ دیجیے کہ بتلاؤ وہ کون ہے جو تم کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچائے؟ ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے، یا تمہارے ساتھ کسی رحمت کا ارادہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ بُرائی ہو یا ذلّت وخواری، یا قتل و ہلاکت، اسی طرح رحمت وعنایت اور فتح ونصرت یہ سب قادر مطلق جل شانہ کے اختیار میں ہیں۔ وہ جو بھی چاہے گا اسی طرح ہوگا۔

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ جب سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے تو میدان جہاد سے تمہارا بھاگنا کوئی فائدہ مند نہیں وہ چاہے، تو گھروں میں بھی تمہیں موت دے سکتا ہے، کیونکہ: ﴿وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾ اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ شانہ کے سوا کوئی حمایتی، دوست یا مددگار پائیں گے۔ اس مسئلہ کا تعلق قضاء وقدر سے تھا۔ آگے مزید منافقین کی بزدلی اور مکروفریب کا بیان ہے۔

﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ﴾ تحقیق تم میں سے جنگ سے روکنے والوں کو اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے، جو لوگوں کو جہاد میں جانے سے ڈراتے اور روکتے ہیں۔ ﴿وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا﴾ اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آجاؤ، اور جنگ میں مت جاؤ، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر کوئی جنگ میں مارا جاتا تو منافق یہ کہتے: ہائے افسوس! اگر یہ ہمارے ساتھ ہوتا تو بچ جاتا۔

﴿وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ نہیں آتے ہیں منافق لڑائی میں مگر کم، اور وہ بھی بامر مجبوری، صرف دکھانے کے لئے۔ ﴿اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ﴾ درآنحالیکہ یہ منافقین تمہاری جانی اور مالی مدد کرنے میں بڑے بخیل اور کنجوس ہیں۔ ﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ پھر جب خوف آئے، کوئی خطرہ درپیش ہو تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق آپ کی طرف تکتے ہیں گھور کر، دہشت زدگی کی حالت میں دیکھتے ہیں، اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جس طرح کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو۔

﴿فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ﴾ اور جب خوفزدگی دور ہو جائے اور خطرہ ٹل جائے تو آپ کو تیز زبانوں سے کاٹتے ہیں، طعن اور ملامت کرتے ہیں، اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مال پر حریص ہوتے ہیں، یعنی فتح کے بعد بڑھ چڑھ کر اپنی بہادری بیان کرتے ہیں، اور مال غنیمت میں حصہ مانگتے ہیں، حالانکہ لڑائی لڑنے پر انہوں نے مسلمانوں کی مذمت کی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انتہاء درجہ کے بزدل بھی ہیں، اور حریص بھی ہیں۔

﴿أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ﴾ یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال اکارت، یعنی ضائع کئے۔ ﴿وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جن اعمال اور صاحب اعمال میں تقویٰ اور اخلاص ہو گا وہ بار آور ہوں گے، ان کی قدردانی ہوگی، اور جن اعمال میں یہ وصف نہ ہو جیسے منافقین تو بار آور نہیں ہوں گے، اکارت اور ضائع ہوں گے، جب ان کا عقیدہ درست نہیں تو اعمال کیسے قبول ہوں گے؟

﴿يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا﴾ یہ منافقین خوف اور دہشت کی وجہ سے گمان کرتے ہیں کہ کافروں کی جماعتیں احزاب اور ان کی فوجیں نہیں گئیں، اور یہاں موجود ہیں۔ ﴿وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ﴾ اور اگر بالفرض کافروں کی یہ فوجیں دوبارہ چڑھ آئیں تو یہ منافقین خوف کے مارے: ﴿يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ﴾ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم مدینہ میں نہ ہوتے، بلکہ یہاں سے دور کسی دیہات میں ہوتے، بدویوں کی طرح صحرانشین ہوتے اور وہاں سے بیٹھ کر: ﴿يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ﴾ تمہاری خبریں پوچھتے رہتے کہ کیا ہوا؟ کیسا ہوا؟ کون مرا؟ کون زخمی ہوا؟ فتح کس کی ہوئی؟ آگے فرمایا: اگر یہ لوگ دیہات میں نہ ہوں، تمہارے پاس ہوں، پھر ان کا حال یہ ہوگا: ﴿وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا﴾ اگر بجائے دیہات کے یہ لوگ تمہارے پاس رہیں اور تمہارے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو یہ لوگ نہیں لڑیں گے مگر کم۔ یعنی قتال نہیں کریں گے مگر برائے نام لڑائی میں شامل ہوں گے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ صداقت، شجاعت، ہمت و دلیری جب ہی پیدا ہو جاتی ہے جب انسان میں اتباع رسول ﷺ کا جذبہ موجزن ہو، فرمایا:

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ

اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا
خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

ترجمہ: تمہارے لئے، یعنی اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے اور آخرت سے ڈرتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو، رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا ﴿۲۱﴾ اور جب ایمان والوں نے جماعتوں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ہے وہ جس کا ہم سے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، اور ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں ترقی ہی ہوگی ﴿۲۲﴾ اہل ایمان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنا وہ عہد سچ کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا، سو ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کرلی، اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں، اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں کی ﴿۲۳﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو عذاب دے، اگر چاہے، یا ان کی توبہ قبول فرمائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے ﴿۲۴﴾ اور کافروں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے غصہ کے ساتھ واپس لوٹا دیا، انہوں نے کوئی خیر نہ پائی، اور قتال کی جانب سے مؤمنین کے لئے اللہ تعالیٰ خود ہی کافی ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ قوت والا ہے، عزّت والا ہے ﴿۲۵﴾

معارف ومنازل

آیت کریمہ اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے نہایت جامع ہے، اور اس کا وسیع معنی پورے اسلامی معاشرہ پر مشتمل ہے، اور مطلب واضح ہے۔ فرمایا جارہا ہے کہ ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور اپنی زندگی کو شریعت کے سانچے میں ڈالنا چاہتا ہو، یہ تب ممکن ہوگا جب وہ زندگی کے ہر نشیب وفراز میں، سفر وحضر میں، علم و عمل میں، جہاد ہو یا تبلیغ، اجتماعیت ہو یا وحدت، طاعات وعبادات ہوں یا معاملات، الغرض زندگی کے ہر موڑ پر ادنیٰ عمل سے لے کر اعلیٰ تک وہ سرور عالم ﷺ کی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائے، اور ہر مسئلہ میں آپ ﷺ کے عمل کو نمونہ کے طور پر اپنا کر اسی پر بلا چوں وچرا اور بغیر کسی کمی بیشی کے عمل پیرا رہے، اور اس پر گامزن رہے، فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ تحقیق تمہارے لئے اکرم الخلق افضل البشر سید الانبیاء

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے۔تم اس کی زندگی کو کئی زمانوں سے مطالعہ کرتے رہے ہو، صبر میں، شکر میں، زہد وریاضت میں، سخاوت اور تواضع میں، سفر وحضر میں، جہاد ومعرکوں میں، مستقل مزاجی اور استقلال میں، ان کی زندگی تمہارے لئے نمونہ ہے۔فی الحال واقعہ خندق ہی دیکھ لیں کہ وہ پیٹ پر پتھر باندھ کر فاقے کے باوجود تمہارے شانہ بشانہ کام کررہے ہیں، بڑی بڑی چٹانوں پر کاری ضرب لگا کر انہیں توڑ رہے ہیں، خندق کی کھدائی میں حصہ لے رہے ہیں، مٹی اٹھا کر دور لے جارہے ہیں، ساتھ ساتھ تمہاری حوصلہ افزائی فرمارہے ہیں۔ایک ماہ تک تمہارے ساتھ رات دن ساتھ رہے ہیں، اور پورے دین کے، نیز تمہارے اور تمہارے بیوی بچوں کا غم اپنے دل ودماغ اور کندھوں پر محض رضائے الٰہی کی خاطر اٹھارہے ہیں۔

پس تمہیں چاہئے کہ اس کی زندگی کو عملی نمونہ بنا کر اس پر عمل کرو، اور بال برابر اس کی سنت سے کنارہ کشی کو حرام اور گناہ سمجھو۔تمہاری فلاح وکامیابی کا راز اسی کی اتباع میں پوشیدہ ہے۔چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو پہلے سے مقام صدیقیت پر فائز تھے، اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد ان کے اعمال، گفتار وکردار، غزوات وغیرہ قابل دید رہے، جن کی مدح وثنا کا آئندہ آیتوں میں اثبات ہے۔

﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ یہ نمونہ ان خوش قسمت لوگوں کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں، اور قیامت کے دن پر بھی ان کو یقین ہے، اور کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔تو واضح فرمایا کہ جو شخص ان تینوں پسندیدہ صفات کے ساتھ متصف ہوگا وہی اس مقام عالی پر فائز ہوگا، اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال حسنہ کو اسوۂ حسنہ بنا کر ان پر گامزن ہوگا۔کثرت ذکر کا اسی سورت میں آئندہ بیان آنے والا ہے۔حدیث میں ارشاد ہے: ”اِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتٰبُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ“۔[مشکوٰۃ] بہترین کتاب اور بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور بہترین نمونہ اور سیرت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے۔سارے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں کے لئے نمونہ تھے، مگر آج نہ ان کی کتابیں اپنی اصلی حالت پر موجود ہیں، اور نہ ان کی سیرت کا وجود ہے۔سرور عالم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مطہرہ کا ایک ایک حرف قیامت تک اُمت کی راہنمائی کرتا رہے گا۔اور ان کو شرف بخشے گا۔

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ جب مؤمنین مخلصین نے کفار کے بڑے لشکروں کو آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ وہی شے ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم

سے وعدہ کیا تھا۔ ﴿وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ؗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے، اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا تھا۔ یہ اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو چند وقت پہلے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تمہارا امتحان ہونے والا ہے، تم پر دشمن ایک بہت بڑا حملہ کرنے والا ہے، مگر وہ ناکام ہوں گے۔ سورۂ آل عمران جس کا نزول سورۂ احزاب سے پہلے ہے، وہاں ارشاد ہے: ﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا﴾ [آل عمران:۱۸۶] (تمہیں اپنے مال و دولت اور جانوں کے معاملے میں آزمایا جائے گا، اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے)۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر باہر سے آنے والے لوگ خیبر کے یہود اور مشرکین دونوں تھے، جب مسلمانوں نے اس کثیر التعداد لشکر کو دیکھا تو بجائے بے حوصلہ ہونے کے وہ ہر قسم کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے، فرمایا:

﴿وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ کفار کی آمد نے مسلمانوں کے ایمان اور تسلیم میں اضافہ کیا، ان کا یقین بڑھ گیا، اور فرمانبرداری اور جان نثاری میں اضافہ ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ان کا یقین بہ نسبت پہلے کے مزید مضبوط ہوگیا، چنانچہ پوری مدت بے شمار مشکلات کے باوجود میدان جنگ پر جمے رہے۔ انہی لوگوں کے متعلق فرمایا: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ ان مؤمنین مخلصین میں سے کچھ مردانِ خدا ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا اس بات کو جس کا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا۔

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ ان میں سے بعض تو وہ ہیں کہ انہوں نے اپنی نذر پوری کر لی ہے، اور جان کی بازی لگا کر شہادت کا درجہ پالیا ہے، مثلاً غزوۂ اُحد کے موقع پر حضرت انس ابن النضر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ کی طرف جا رہے تھے، کسی نے پوچھا کہاں جانا ہے؟ کہنے لگے: اُحد پہاڑ کی اس طرف مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، میں ادھر جا رہا ہوں۔ میدان جنگ میں پہنچ کر دشمن کا خوب مقابلہ کیا اور شہید ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جسم پر اتنے مختلف ہتھیاروں کے زخم آئے تقریباً سو کے قریب کہ شناخت نہیں ہو رہی تھی، بالآخر ان کی ہمشیرہ نے انگلیوں سے ان کی شناخت کر لی۔ [بخاري]

فرمایا: بعض تو وہ ہیں جنہوں نے عہد و پیمان اپنا پورا کر لیا۔ ﴿نَحْبَهٗ﴾ کے معنی ہیں: عہد و پیمان اور میثاق۔ ان لوگوں میں حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما بھی سرفہرست ہیں۔ فرمایا: بعض تو وہ ہیں جو:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ﴾ اور بعض وہ ہیں جو انتظار میں بیٹھے ہیں کہ ہماری باری کب آئے گی۔ اہل صدق

اور اہل وفا تو ایسے ہوتے ہیں کہ محبوب کے حکم پر ایک جان تو کیا اگر سو جان ہوں تو قربان کرنے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب اسی طرح کے جان نثار تھے۔

﴿وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ اور انہوں نے ذرہ برابر اپنا عہد و پیمان بدلا نہیں۔ صادقین مخلصین ہمیشہ ایسے ہوتے ہیں، نہ عہد توڑتے، نہ بدلتے ہیں، نہ فراموش کرتے ہیں۔

﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے، اور:

﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ اور اگر چاہے تو منافقین کو سزا دے، یا ان کو توبہ کی توفیق دے، تو ان کی توبہ قبول فرمائے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ بیشک اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے، جس کو سزا دے، جس کو معاف فرمائے، جس کو توبہ کی توفیق دے، یہ سب اس کی مشیت پر موقوف ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا﴾ اور اس عظیم لشکر کشی کا انجام یہ ہوا کہ ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد ان تمام سرکش قوموں اور جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے سرزمین مدینہ سے ان کے غیظ و غضب سمیت بے نیل و مرام خالی ہاتھ واپس کر دیا، جیسے غصے میں بھرے ہوئے آئے، اسی طرح غصے میں شرمندگی اٹھا کر واپس ہوئے ناکامی کے ساتھ۔

﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر یہ احسان فرمایا کہ انہیں جنگ سے بچایا اور تحفظ دیا، اور بغیر لڑائی ان کو فتح دی اور دشمن کو ناکامی کے ساتھ ان کی بستی سے نکال باہر کیا۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا﴾ اور اللہ تعالیٰ قوت والا ہے، کمال قدرت کا مالک، زبردست ہے۔

❁ ❁ ❁

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ
دِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی مدد کی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا، اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، تم ایک جماعت کو قتل کرنے لگے، اور ایک جماعت کو قید کرنے لگے ﴿۲۶﴾ اور تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا، اور ان کے مالوں کا، اور اسی زمین کا مالک بنا دیا جس پر تم نے قدم نہیں رکھا

تھا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۷﴾

معارف ومنازل

مختصر واقعہ غزوۂ بنی قریظہ:

اس غزوہ کا مختصر حال یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ مدینہ منورہ کے قریب آباد تھے، اور ان کا ایک مضبوط قلعہ تھا، اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ جنگِ احزاب کے موقع پر جب مشرکین عرب کے مختلف قبائل مدینہ پر چڑھ آئے، تو یہود بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے بنی نضیر کے سردار حی بن اخطب کے کہنے پر مسلمانوں سے بدعہدی کی، اور احزاب کی معاونت کی، اور ان کے ساتھ مل گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے باد صبا اور فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد کی، اور احزاب والے بے نیل ومرام واپس بھاگ گئے، تو یہود بنی قریظہ اپنے مضبوط قلعوں میں محصور ہو گئے، اور وہ سمجھ گئے کہ اب ہماری باری ہے، شاید مسلمانوں کا رخ ہماری طرف ہوگا۔ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ ان کا محاصرہ کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احزاب سے فارغ ہو کر گھر پہنچے، اور غسل میں مشغول ہو گئے۔ اسی موقعہ پر حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لے آئے اور ان کے چہرہ پر غبار کا اثر تھا۔ فرمایا: یارسول اللہ! آپ نے تو ہتھیار اتار لئے، اور فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ فوراً بنی قریظہ پر حملہ کریں اور مجھ کو یہ حکم ہے کہ میں جا کر ان کو متزلزل کروں، اور ان کے دلوں میں رعب بھر دوں، انہیں بزدل بناؤں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے فوراً منادی ہوئی کہ ہتھیار لے کر عصر تک بنی قریظہ پہنچو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بغیر کسی توقف کے بنی قریظہ پہنچے اور ان کے قلعے کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ یہ محاصرہ پچپن (۵۵) دن تک جاری رہا۔ جب محاصرہ سے یہودی تنگ آ گئے تو خدمت گرامی میں پیغام بھیجتے رہے، اور کسی فیصلہ پر راضی ہونے کا عندیہ پیش کرتے رہے۔ آخر بات یہ ٹھہری کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو جاہلیت میں یہود کے حلیف تھے ہمارے حق میں جو فیصلہ کرے وہ ہمیں منظور ہے۔ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام پہنچا تو وہ خود تشریف لائے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتادیا کہ یہود بنی قریظہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم اور فیصلہ کنندہ تسلیم کر چکے ہیں، اور ہماری طرف سے بھی تم منصف ہو، لہٰذا تم ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرلیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا فیصلہ یہ

ہے اللہ انہوں نے عہد شکنی کی، غدر اور دھوکہ کیا، مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ دیا، وغیرہ۔ فیصلہ یہ ہے کہ ان کے لڑنے والے مرد قتل کئے جائیں، ان کے بیوی، بچے سب غلام اور کنیز بنائے جائیں، اور ان کے مال وجائیداد، مملوکہ اراضی وغیرہ مال غنیمت (مال فئ) کے طور پر مسلمانوں میں تقسیم کئے جائیں۔

اور یہ بھی کہا کہ یہ فیصلہ برحق ہے، میں اپنے فیصلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بعینہ یہی ہے کہ تم نے اسی کے موافق فیصلہ کیا، چنانچہ اسی فیصلے پر عمل ہوا۔ جس میں نوسو کے قریب لوگ مارے گئے۔

شروع میں ان کے سردار نے انہیں مشورہ دیا کہ تم خوب جانتے ہو، اور تورات میں پڑھتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کا برحق آخری نبی ہیں، ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم سب مل کر ان پر ایمان لائیں، اسی میں دنیا وآخرت دونوں کی فلاح ہے۔ مگر سارے یہودی مل کر کہنے لگے: ہم دوزخ کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں، اور کسی صورت ایمان لانے پر تیار نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، صرف چند لوگوں نے اسلام قبول کیا، باقی سب مارے گئے۔ فرمایا:

﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ﴾ جن اہل کتاب نے احزاب کی مدد کی، اور ان کے پشت پناہ بنے اور مؤمنین سے عہد شکنی کر کے ان کو خوفزدہ بنایا، پچپن دن کے محاصرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے قلعوں سے اتار کر نیچے لے آیا، اور وہ شکست تسلیم کر کے ذلیل ہوئے اور:

﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ایسا ڈال دیا کہ وہ حرکت تک نہ کر سکے، اور جھکے رہے۔ ﴿فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا﴾ تم ان میں سے ایک فریق کو قتل کرتے تھے، اور ایک فریق کو قید کرتے تھے، باوجود اس کے کہ ان میں ہزار کے قریب لڑنے والے مسلح لوگ تھے، اگر وہ تمہارے ساتھ لڑتے اور مقابلہ کرتے تو سب کچھ کر سکتے اور بڑا معرکہ برپا کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب ڈال کر انہیں مُردوں سے بدتر بنا دیا۔ اس موقع پر جب ان کی مشکیں باندھیں گئیں، اور ان کی گردن زدنی کے لئے کھائیاں کھودی گئیں اور گڑھے کھودے گئے، تو انہیں کسی سرکشی کی کوئی جرأت نہیں ہوئی، اور نہ ہی ایمان لانے پر آمادہ ہوئے۔ فرمایا:

﴿وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان غداروں کی زمین کا، اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا مالک اور وارث بنا دیا، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سرزمین کا

وارث بھی بنایا جس کو ابھی تک تم نے پامال نہیں کیا، یعنی اس پر قدم نہیں رکھا تھا۔ اس سے آئندہ فتوحات کی طرف اشارہ ہے کہ بنو قریظہ کے یہودیوں کی سرزمین کے بعد خیبر کی سرزمین بھی تمہاری ملکیت میں آجائے گی۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ اس سے فارس اور روم کی سرزمین مراد ہے۔ اور امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے سب زمینیں مراد ہوں، جو آئندہ چل کر فتح ہوئیں، کاشغر، چین تک اور اندلس کے آخری شہر تک، اور ہند وسندھ و کشمیر تک، سب پر مسلمانوں کی فتوحات ہوئیں، اور دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ مسلمانوں نے فتح کیا۔

اگر بنوامیہ کے فاسق وغدار نہ ہوتے تو آج پورا چین اور ملحقات اور پورا یورپ حلقہ بگوش اسلام نظر آتا، اور روئے زمین پر سب سے بڑی آبادی مسلمانوں کی ہوتی، لیکن مروان کی اولاد نے سب کچھ ضائع کیا، اور قرآن وسنت سے غداری کی۔

﴿وَكَانَ اللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ اسی کی قدرت کا نتیجہ ہے کہ بڑے بڑے لشکروں کو بے مقصد و بے مرام واپس کیا، اور تمہارے خلاف غدر کرنے والوں پر تمہیں فتح و نصرت عطا فرمایا۔ الحمد للہ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ
وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللهَ
اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ
يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم دنیا والی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں فائدہ پہنچاؤں اور تمہیں خوبی کے ساتھ چھوڑ دوں ﴿۲۸﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو، اور اس کے رسول کو چاہتی ہو، اور دار آخرت کو، تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے جو تم میں اچھے کام کرنے والی ہوں، بڑا اجر تیار فرمایا ہے ﴿۲۹﴾ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بیوی بیہودگی کرے گی، اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے ﴿۳۰﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نزول آیت کے وقت جن کی تعداد نو تھی، جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) عائشہ بنت الصدیق۔ (۲) حفصہ بنت عمر۔ (۳) اُم حبیبہ بنت ابی سفیان۔ (۴) اُم سلمہ بنت ابی امیہ۔ (۵) سودہ بنت زمعہ۔ (۶) زینب بنت جحش۔ (۷) میمونہ بنت حارث۔ (۸) صفیہ بنت حی بن اخطب۔ (۹) جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن۔

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی طرف سے جو ایک غیر اختیاری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی ایذاء اور تکلیف پہنچی، یہاں اسی کا تذکرہ ہے، جو اس سورت کے عظم اور بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ اور وہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کچھ مزید نان ونفقہ کا مطالبہ کیا، سو یہ مطالبہ بھی ایک قسم کی ایذاء تھا، اگرچہ ان کا ارادہ ایذاء دینے کا نہ تھا، مگر یہ مطالبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی اور ناخوشی کا سبب بنا۔ [قرطبی]

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوۂ بنی نضیر اور غزوۂ بنی قریظہ کے بعد جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سنا کہ لوگ خورد ونوش ودیگر معاملات میں آسودہ اور خوشحال ہو گئے، تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش وآرام کی زندگی بسر کریں، اس لئے انہوں نے مل کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رزق وروزی کی فراوانی کا مطالبہ کیا، اور بڑی محبت وناز کے انداز میں دنیوی خوشحالی کے متعلق گفتگو کا آغاز کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فقر وسادگی کے پیکر اور خوگر تھے، اس مطالبے سے بڑے دلگیر اور پریشان ہوئے، کیونکہ یہ ایک قسم کی دنیوی رغبت وچاہت تھی، حق تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے ایسا مطالبہ نہ ہوتا، مگر جب ہو چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت ناگوار اور بے محل معلوم ہوا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ چاہتے تھے کہ یہ بیویاں صبر، فقر وفاقہ اور ہر طرح کی تنگی معاش کے سلسلے میں یہ پوری اُمت کی عورتوں کے لئے نمونہ ہوں، مگر ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض ہو کر قسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا، چنانچہ مسجد شریف کے ساتھ بالاخانہ میں فروکش ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت بڑا اضطراب اور غم محسوس ہونے لگا، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشہور ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، صرف تنبیہ کے لئے ایک مہینہ تک ان کے پاس جانے سے قسم کھائی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوشی میں زور سے ''اللہ اکبر'' کہا، اور سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صورت حال معلوم ہوئی، جس سے سب خوش ہو گئے اور غلط فہمیاں سب دور ہو گئیں۔ یہ سلسلہ انتیس

روز جاری رہا، یہاں تک کہ یہ آیتِ تخییر یعنی:

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾ آخر تک نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں اختیار دیدو کہ ان دو راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں: اگر انہیں دنیا کی زیب و زینت، عیش و عشرت مرغوب ہے تو آپ صاف طور پر کہہ دیجئے کہ میرا تمہارے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا، آؤ میں تمہیں پوشاک جوڑا دے کر (جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے) خوبصورتی سے رخصت کر دوں، اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو، اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں احسان کے ساتھ نوازا، اور اللہ تعالیٰ نے نیک کام کرنے والی عورتوں کے لئے اجر عظیم تیار فرمایا ہے۔

مقصود یہ تھا کہ جو عورتیں نبی علیہ السلام کی زوجیت میں ہیں ان کا دل دنیاوی زینت کی طرف التفات سے بے نیاز ہو جائے۔ نبی کی رفیقہ حیات وہی عورت ہو سکتی ہے جو دنیا کے تمام تر خد و خال، اور ذوق و شوق سے بیزار اور پاک ہو، اور اس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے کے ساتھ صرف آخرت کی طلبگار رہو۔

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ﴾ اے نبی اکرم! آپ اپنی ازواج سے کہہ دیں: ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ﴾ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں ایک جوڑا پوشاک کا فائدہ پہنچا کر: ﴿اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ اور تمہیں بہتر طریقے سے رخصت کر دوں، طلاق دے کر فارغ کر دوں۔ ﴿وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا چاہتی ہو، اور آخرت کو پسند کرتی ہو، سو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایسی عورتوں کیلئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴾ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی، تو اس کی سزا بھی دوگنی ہو جائے گی، اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسی شخصیت کا جس قدر درجہ بلند ہو گا، کوتاہی کی صورت میں اس کا مؤاخذہ بھی اتنا ہی سخت ہوگا۔

فائدہ اولیٰ:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہ خطاب بطور شرط فرضی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بالفرض والتقدیر اگر تم سے کوئی

گناہ سرزد ہو جائے تو جو سزا دوسروں کو ملتی ہے تم کو اس سے دوگنی سزا ملے گی۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا: ﴿لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر: ۶۵] یعنی اگر بالفرض والتقدیر آپ سے شرک سرزد ہو جائے تو آپ کے اعمال حبط کئے جائیں گے۔ اگرچہ نبی سے شرک کا سرزد ہونا محال ہے، مقصد دوسروں کو سنانا، اور تنبیہ کرنا ہے۔

فائدہ ثانیہ:

نبی کی بیوی مشرکہ کافرہ ہو سکتی ہے، مگر بدکار اور بے حیا قطعاً نہیں ہو سکتی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

فائدہ ثالثہ:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن باجماع اُمت دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ہیں، لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا زوجہ نبی ہونا صرف دنیا تک محدود ہے، یہ سراسر گمراہی اور افتراء ہے۔ اور شیعوں کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت سے علیحدہ کر کے طلاق دی ہے، یہ صریح گمراہی اور کفر ہے، اور بہتان بھی ہے۔ نعوذ باللہ مِن ذٰلِک۔

فائدہ رابعہ:

ساری دنیا کی عورتیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ درجہ میں برابر نہیں ہو سکتیں، اور اُمہات المؤمنین کا جو لقب ان کو ملا ہے یہ کائنات کی تمام عورتوں پر فوقیت کا ثبوت اور علامت ہے، پس وہ سب کی مائیں ہیں۔ اَلحمدُ للہ

انتیس (۲۹) روز گزرنے کے بعد جب آیت نازل ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے، اور سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کا حکم (تخییر کا حکم) سنایا، انہوں نے سنتے ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دار آخرت کو اختیار کیا۔ اس کے بعد تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بخوشی و رغبت ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اپنے دلوں سے بصد رغبت دنیا کی زیب و زینت اور عیش و عشرت کو نکال کر فقر و فاقہ کو شعار بنایا۔ اس مجموعی اتفاقی عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ملال جاتا رہا، اور چہرۂ مبارک پر بشاشت آ گئی۔ اس مضمون کا بقیہ جو مذکور ہوا، وہ اگلے آیات میں ملاحظہ ہو۔

☆☆☆

الجزء الثانی والعشرون

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ
وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ
الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اورتم میں سے جوعورت اللہ تعالیٰ اوررسول کی فرمانبرداری کرے گی، اورنیک عمل کرے گی، ہم اس کا ثواب دوہرادیں گے، اورہم نے اس کے لئے رزق کریم تیارکیا ہے ﴿۳۱﴾ اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی طرح نہیں ہو، اگرتم تقویٰ اختیارکرو، پس تم نرمی کے ساتھ مت بولاکرو، ایسا شخص لالچ نہ کرنے لگے جس کے دل میں مرض ہو، اورمناسب طریقہ پربات کرو ﴿۳۲﴾ اورتم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، اورقدیم جہالت کے دستور کے موافق نہ پھرو، اورنماز قائم کرواورزکوٰۃ اداکرو، اوراللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھروالو! تم سے گندگی کو دورفرمادے، اورتم کواچھی طرح پاک کردے ﴿۳۳﴾ اور یادکروجو تلاوت کی جاتی ہے تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیات اورحکمت کی باتیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے، باخبر ہے ﴿۳۴﴾

معارف ومنازل

گناہ پردوہرے عذاب اورنیکی پردوہرے اجرکی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کواللہ تعالیٰ انسانی معاشرے میں کسی بلندمرتبے پرسرفرازفرماتا ہے، وہ بالعموم لوگوں کے راہنمابن جاتے ہیں، اوربندگان خداکی بڑی تعدادبھلائی اوربرائی میں انہی کی تابعداری کرتی ہے، ان کی برائی تنہاانہی کی برائی نہیں ہوتی، بلکہ ایک قوم کے بگاڑکی موجب بھی ہوجاتی ہے، اوران کی بھلائی صرف انہی کی انفرادی بھلائی نہیں ہوتی، بلکہ بہت سے انسانوں کی فلاح کاسبب بھی بنتی ہے۔ اس لئے جب وہ برے کام کرتے ہیں تواپنے بگاڑکے ساتھ دوسروں کے بگاڑکی بھی سزاپاتے ہیں، اورجب نیک کام کرتے ہیں توانہیں اپنی نیکی کے ساتھ اس بات کی جزابھی ملتی ہے کہ انہوں نے دوسروں کوبھلائی کی راہ دکھائی۔

﴿وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا﴾ اور تم میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گی، اور نیک اعمال انجام دے گی۔ ﴿نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ﴾ ہم اس کو اجر بھی دوگنا دیں گے، اور: ﴿وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيۡمًا﴾ ہم نے اس کے لئے عزّت وشرف کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے چونکہ دنیوی عیش وعشرت کے رزق وروزی پر فقر وفاقہ کو ترجیح دی، اور آخرت کو دنیاوی رزق وروزی اور تمام لذتوں پر اختیار کیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آخرت میں رزق کریم کا وعدہ فرمایا، یہ ان کی قربانی کا بدلہ ہے۔

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ﴾ اے نبی کی بیویو! تم اجتماعی اور انفرادی طور پر عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، کیونکہ تمہاری شان، قدر اور شرف تمام عورتوں سے ممتاز ہے، تمہیں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کا جو شرف حاصل ہے وہ تمام دنیا کی شرافتوں سے بڑھ کر ہے۔ مزید برآن کہ تم ساری امت کی مائیں ہو۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی دنیاوی بادشاہتوں سے افضل ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت کا مقام بہت ہی اونچا اور نرالا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ سب سے بڑا شرف شمار ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تمہاری زوجیت کا انتخاب اللہ کی طرف سے ہے۔ جب تمہارا مقام پوری کائنات کی عورتوں پر مسلم ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے:

﴿فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ﴾ پس غیر محرم مردوں سے نرمی میں بات نہ کرنا۔ مساویانہ، اور محکومانہ انداز پر بات نہ کرنا، ماں بن کر حاکمانہ انداز میں سخت لہجہ میں بولنا، کیونکہ نرم لہجہ میں یہ نقصان ہے:

﴿فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ﴾ مبادا وہ شخص جس کے دل میں نفسانیت کی کوئی بیماری یا روگ ہے، اس کو تمہاری نرم اور نازک گفتگو سے تمہارے متعلق کوئی برا خیال نہ آسکے۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو ادب سکھایا ہے کہ غیر مرد سے بات کرتے وقت اس طرح بات کرو جس طرح اپنے بیٹے سے کی جاتی ہے۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب قیامت تک آنے والی مسلمان عورتوں سب کو شامل ہے کہ غیر محرم مردوں سے نرم ونازک، اور پیار کے انداز میں بات نہ کریں۔

﴿وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا﴾ اور جب بات کرو تو سیدھی بات کرو۔ یعنی سادہ انداز اور سادہ لب ولہجہ میں بات کیا کرو، جس میں قدرے سختی اور درشتی ہو، تاکہ کوئی بدباطن بیوقوف کسی بدگمانی کا شکار نہ ہو۔

﴿وَقَرۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ﴾ اور اپنے گھروں میں قرار پکڑو، بیٹھو، بلا وجہ گھروں سے باہر نہ نکلو، اپنے معصوم اور

پاکیزہ چہروں کولوگوں کی زہر آلود نظروں سے بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت وحکمت کے تحت مرد وعورت میں تقسیم کار فرمایا ہے، مرد باہر جاکر معاش کا نظام کرے، اور اور عورت گھر کی زینت بنے، اور بچوں کی پرورش کرے اور مرد کو سہارا دے کر خوش رکھے۔ اور:

﴿وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ الۡاُوۡلٰى﴾ قدیم اور گزشتہ زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تم اپنی زیب وزینت کا مظاہرہ نہ کرو۔ اسلام سے پہلے جاہلیت کا دور شتر بے مہار کا دور تھا، حیا وعفت کا سراسر فقدان تھا، عورت بازیچہ اطفال بنی ہوئی تھی، عورت کو آئینہ کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا، اور وہ بھی اسی طرز زندگی پر خوش تھی۔ جب اسلام اور اس کی تعلیمات کا نزول ہوا تو ساری نجاستوں، غلاظتوں اور بے حیائی کے تمام کرتبوں پر پابندی لگ گئی، اور انسانی شرف وعزّت کی پہچان ہوگئی، حیوانیت کا خاتمہ ہوگیا۔

جاننا چاہئے کہ یہ خطاب اگرچہ اُمہات المؤمنین کو ہے، مگر آیت کا حکم عام ہے، اور شریعت اسلامیہ نے اپنے تمام ماننے والوں پر لازم کیا ہے کہ جاہلیت کے تمام رسوم ورواج کو ختم کر کے اپنے دین اور ایمان اور اسلامی معاشرے کا تحفظ کیا جائے۔ آج دنیا میں جاہلیت اولیٰ اور جاہلیت ثانیہ دونوں کا دور ہے، اور بے حیائی اپنے انتہائی عروج پر ہے۔ یورپ کی عریانی اور فحاشی پورے انسانی معاشرے کی پیشانی پر ناپاک داغ کی طرح چمٹا ہوا ہے، یہاں تک کہ اشرف المخلوقات انسان پالتو کتوں سے بھی بدتر، بد اخلاق اور بے حیا ہے۔ جس عورت کو اس کے خالق و مالک ربّ العٰلمین نے گھر کی زینت اور گھر کا چراغ بنایا تھا، آج وہ دفتروں، محفلوں، ہوٹلوں اور کلبوں کی زینت بنی ہوئی ہے، اور فخریہ طور پر مردوں کے ساتھ برابری کی گیت گا رہی ہے۔ ایسی بے پردہ فاحشہ عورتوں پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔ [مسلم]

﴿وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيۡنَ الزَّكٰوةَ﴾ اور نماز قائم رکھو، اور زکوٰۃ ادا کرو۔ ﴿وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ﴾ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتی رہو۔ آگے اس کی حکمت کا بیان ہے:

﴿اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے گندی باتوں کو، اہل بیت! تم سے دور کردے، اور تم نے جو لباس تقویٰ زیب تن کئے ہیں اس پر کوئی مکھی بیٹھ نہ جائے، کیونکہ تمہاری عصمت وعفت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مربوط اور منسلک ہے۔

﴿وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا﴾ اور تم کو خوب صاف اور پاک کردے، اور یہ تطہیر صفاء باطن کا نام ہے، جو کامل

ولایت کا مقام و معیار ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اھل البیت فرمایا، جبکہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر کے نیچے جمع کر کے ارشاد فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ أَھْلُ بَیْتِي''۔ اے اللہ پاک! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ [ابن کثیر] وہاں پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بھی اہل بیت میں شامل فرمائیں، تو فرمایا: ''أَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ'' یعنی تم تو خیر پر ہو۔

اس مسئلے میں علماء کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ وہ ہے جو اس آیت کے مطابق صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل بیت میں شمار کرتا ہے، اور اولاد و خاندان کو اہل بیت میں شمار نہیں کرتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اولاد کو اور خاندان کے افرد کو تو اہل بیت سمجھتا ہے، اور ازواج رضی اللہ عنہن کو اس میں شامل نہیں کرتا، جیسا کہ اس چادر والی حدیث سے معلوم ہوا، اور یہ لوگ شیعہ رافضی ہیں اور گمراہ ہیں۔ اور جو لوگ صرف پنج تن کو اہل بیت کہتے ہیں، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اور خاندان کے دیگر افراد کو اہل بیت سے نکالتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں۔

اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقتاً قرآن اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، صرف سمجھنے کی بات ہے۔ نص قرآنی عام ہے، اور اس کے مطابق اہل بیت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی شامل ہیں، اور اولاد بھی، ہم اپنی زبان میں اہل بیت کا متبادل لفظ (گھر والے) بولتے ہیں، اور جب ایسا کہتے ہیں تو اس سے مراد نہ صرف ازواج ہوتی ہیں، اور نہ صرف اولاد، بلکہ ازواج اور اولاد دونوں ہی مراد ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں صرف اولاد کو اہل بیت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! میری ازواج تو نص قرآنی کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں، میری یہ اولاد بھی اہل بیت میں شامل ہے، ان سے بھی گندگی دور کر کے انہیں پاک وصاف کر دے۔ [بیان القرآن]

مزید فرمایا: مسلم شریف میں روایت ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے کہ آپ سے شاگردوں نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج اہل بیت میں نہیں ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت ہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ (زکوٰۃ) حرام ہے۔ ارشاد ہے: ''اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِأَھْلِ مُحَمَّدٍ''۔ بیشک صدقہ نہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے حلال ہے، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے لئے۔

اوراہل بیت میں یہ پانچ خاندان آتے ہیں، جن پر صدقہ حرام ہے: (۱) اہل حارث۔ (۲) اہل عباس۔ (۳) اہل علی۔ (۴) اہل عقیل۔ (۵) اہل جعفر رضی اللہ عنہم۔ یہ سارے خاندان اسلام لانے سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون تھے، اور اسلام لانے کے بعد بھی وفادار رہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عصبہ ہیں، اہل بیت ہیں، ان پر صدقہ حرام ہے۔ پس یہ پانچوں خاندان اور اولاد، ازواج، یہ سب اہل بیت کہلائیں گے۔ [خلاصہ بیان القرآن]

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ اور تمہارے گھروں میں جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہے، اس کو یاد کرو۔ آیات اللہ سے مراد قرآن مجید ہے، اور حکمت پوری سنت کو شامل ہے۔ حدیث وقرآن دونوں لازم وملزوم ہیں، اور انہی پر دین کی عمارت کھڑی ہے۔ تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں انہی دونوں بابرکت چراغوں کی روشنی جگمگاتی رہتی تھی۔ یہ تو ان کے گھروں کا حال تھا کہ بقعہ نور بنے ہوئے تھے، رات دن علوم ومعارف کے انوار وبرکات کا راج ہوتا تھا۔ آج بھی جن گھروں میں، مساجد اور مدرسوں اور خانقاہوں میں اگر قرآن وسنت کے انوار وبرکات صبح وشام جاری رہتے ہیں، اور ان کے سننے اور درس سے مردہ دل زندہ ہوجاتے ہیں تو یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام اور خصوصی نگاہِ کرم کا حصہ شمار ہوگا، پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس عظیم نعمت کے وارث ہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا﴾ بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان، باریک بین، اور بڑا خبردار ہے، ہر چیز پر اس کا علم محیط ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان آیات میں جس قدر بھی احکام مذکور ہیں وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لئے عام ہیں۔ البتہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں ان کی خصوصی عزّت وشرف اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ مؤکد اور ضروری ہیں، کیونکہ جتنا کسی کا مقام وشرف بلند وبالا ہوگا، اسی کے مطابق اس سے اونچے اور بلند اعمال کا مطالبہ ہوگا۔

ان آیات میں ایسے سنہرے اعمال اور پسندیدہ احکام کا بیان ہے اگر انہیں غور سے دیکھا جائے کہ شریعت مطہرہ نے عورتوں کے گلوں کا ہار بنا کر انہیں پہننے کا حکم صادر فرمایا، جن میں تعلیمات نبوی، اور اسلامی شعائر واحکام کی خوبصورت جھلک موجود ہے، مثال کے طور پر یہ فرمایا: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ کہ تم کسی عام مرد کے ساتھ نرم لہجہ میں بات نہ کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں نہ پڑ جائے۔ اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جو دین (اسلام) عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے بھی لوچدار انداز گفتگو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا، اور اسے مردوں کے

سامنے بلاضرورت بولنے سے بھی روکتا ہے، یہاں تک کہ اسے زور سے قرآن پڑھنے کی بھی اجازت نہیں، جہاں مرد قریب موجود ہوں، تو کیا وہ کبھی اس کو پسند کرتا ہے کہ عورت مردوں کے ساتھ شیر وشکر بن کر سیاحت کرے؟ دفتروں، کالجوں اور ہسپتالوں میں مردوں کے ساتھ مخلوط نشست و برخاست، طنز ومزاح، پیار ومحبت سے رہے؟ اور اسٹیج پر آکر گائے، ناچے؟ تھر کے ناز ونخرے دکھائے، یا ریڈیو، ٹیلیویژن پر، یا تقریبات میں نیم عریان حالت میں گیت گائے؟ غزل پڑھے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش باتیں سنا سنا کر لوگوں کے جذبات میں آگ لگائے؟ اور ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی، کبھی کسی کی معشوقہ کا کردار ادا کرے؟

سرور عالم ﷺ نے ایسے حیا وایمان فروش عورتوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا: ''شب معراج میں ایسی عورتوں کو دیکھا جو ننگی ہیں، اور الٹی جہنم میں لٹکی ہوئی، سر نیچے، پاؤں اوپر جل رہی تھیں''۔ باقی احکام کی اہمیت اور ان میں غفلت برتنے والی عورتوں کو اسی پر قیاس کرو۔

مسئلہ:

اگر عورتیں مسجد میں مردوں کے پیچھے صفوں میں کھڑی ہوں، اور امام سے قرأت وغیرہ میں غلطی ہو تو مردوں کو زور سے سُبحانَ الله پڑھ کر امام کی رہنمائی کی اجازت ہے، مگر عورتوں کو سُبحانَ الله تک کہنے اور زور سے پڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

۞ ۞ ۞

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ
وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ
وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵

ترجمہ: بلاشبہ مسلم مرد اور مسلم عورتیں، اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں، اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں، اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ تعالیٰ کی بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ﴿۳۵﴾

معارف ومنازل

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ جب گزشتہ آیتیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئیں تو عورتوں کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ ہمارے لئے تو کچھ نازل نہیں ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، تاکہ سب کو تسلی ہوجائے کہ مرد ہو یا عورت، اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کا عمل ضائع نہیں ہوتا، اور جس طرح ایک مرد اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے، اسی طرح ایک عورت بھی نیک اعمال کی بدولت اسی مقام کو پاسکتی ہے، کیونکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ میں مردوں اور عورتوں کا حکم ایک جیسا ہے، علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، سوائے چند مخصوص احکام کے، جو ہر فریق کے ساتھ مخصوص ہوں جو کہ معلوم ہیں۔

اس آیت کریمہ میں جن دس صفات کا ذکر ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ جن لوگوں میں یہ دس صفات ہوں وہ مقام صدیقیت پر فائز ہوں گے۔ یہ صفات ظاہراً اگرچہ دس ہیں، مگر بہت سی دیگر صفات بھی ان میں مندرج ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے، اور منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا: ”یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللهَ یَقُوْلُ“: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَة۔ [ابن کثیر] اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم سب کے بارے میں یہ فرماتا ہے کہ: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ﴾ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَة۔

قرآن کریم میں اکثر وبیشتر خطاب صرف مردوں کو ہوتا ہے، اور عورتیں احکام میں مردوں کے تابع ہوتی ہیں، مگر اس آیت کریمہ میں عورتوں کی دلجوئی کے لئے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل کرلیا گیا، اور ان کے نام مردوں کے شانہ بشانہ مذکور ہوئے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دین کے اہم شعبوں کو بیان فرمایا۔ ان صفات میں طہارت ظاہر وباطن دونوں کا تذکرہ ہے، جس کے ساتھ دیگر سارے اعمال آسان ہوجاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ﴾ تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کردیا، اور اس کے حکموں کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔ دراصل اسلام کے معنی ہیں: تابعداری، فرمانبرداری، جو کہ مقصد اصلی ہے۔ ﴿وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ تحقیق ایمان والے مرد، اور ایمان والی عورتیں۔ یہ

باطنی طہارت کا پیغام ہے۔اس سے وہ لوگ مراد ہیں، جن کے دلوں میں ایمان اتر چکا ہے۔

﴿وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری پر ثابت قدم رہنے والے مرد، اور ثابت وقائم رہنے والی عورتیں۔ ﴿قُنُوت﴾ کا معنی اپنی رضا ورغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت قبول کرنا، اور کسی بھی طریقے سے اس کی اطاعت سے باہر نہ نکلنا۔ ﴿وَالصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ﴾ اور سچے مرد، اور سچی عورتیں۔ سچائی کا معنی بہت وسیع ہے، مثلاً عقیدہ، اعمال، کردار، ارادہ، اخلاق، اور معاملات وغیرہ، تمام اُمور میں سچائی اور راستبازی کا مظاہرہ ہو، خلاف شریعت کوئی چیز نہ ہو۔

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ﴾ اور صبر کرنے والے مرد، اور صبر کرنے والی عورتیں۔ یہاں صبر کے تمام درجات اور اقسام مراد ہیں: اَلصَبرُ عَلَى الْبَلِيَات وَالأفَات وَ المَكرُوهَات، وَالصَبرُ عَنِ الْخَطِيئات وَ الْمَعْصِيتِ وَالْمَنهِيات، وَالصَبرُ عَلَى الطَاعَاتِ والْمأمُورَات"۔ زندگی کے ہر موڑ پر صبر کی اشد ضرورت ہوتی ہے، ہر ہر قدم پر صبر سے واسطہ پڑتا ہے، گویا کہ مؤمن کی زندگی کا نام ہی صبر ہے، اسی بنیاد پر صابرین دوہرے اجر وثواب کا انعام حاصل کرتے ہیں۔

﴿وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ﴾ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، جو اپنے آپ کو حق عبودیت کی ادائیگی سے قاصر سمجھتے ہیں، ان کی نظر صبح وشام اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی، اور اپنی کوتاہی اور تقصیر پر مرکوز رہتی ہے۔ اعجاب وخود پسندی سے مکمل ناواقف اور بیزار رہتے ہیں، یہاں تک کہ لوگوں سے بھی عاجزی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ ﴿وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ﴾ اور صدق دل سے خیرات وصدقہ کرنے والے مرد، اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔ صدقہ دراصل صدیقین کا پیشہ ہے۔ خلق خدا کے ساتھ ہمدردی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، گناہوں کا کفارہ ہے، نیکیوں کی قبولیت کا ذریعہ ہے، دافعِ بلیات وآفات ہے، دعاؤں کی قبولیت کا عجیب پیغام ہے، پلِ صراط پر رحمت کا سایہ ہے، اور سکرات الموت کی آسانی اور خاتمہ بالخیر کا عمدہ وقابل قدر ذریعہ ہے۔ علماء کرام نے اس کے ستر سے زائد فوائد لکھے ہیں۔

﴿وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ﴾ اور روزہ رکھنے والے مرد، اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔ روزہ فرضی، نفلی، استحبابی، کفارات، منذورات، ادا، اور قضاء سب کو شامل ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَلصَومُ لِی وَ أنا أجزِی بِه"۔ میرا بندہ خالص میرے لئے روزہ رکھتا ہے، اور اس کی جزا بھی میں اپنی شان ومرضی کے مطابق دوں گا، اور روزہ

داروں کا جنت میں دروازہ باب الرّیان صرف روزہ داروں کے لئے ہے۔

﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾ اور اپنے ناموس کی حفاظت کرنے والے مرد، اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اسلام میں پاکباز اور عفت مآب مردوں اور عورتوں کا بہت بڑا مقام ہے۔ مسلمان قوم کا یہ قیمتی عمل اور سرمایہ حیات، اور وہ عظیم الشان مقام ومنصب ہے کہ اس سے تمام اقوام عالم عاری اور ننگے ہیں۔ اس بنیاد پر ہم فخر یہ طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سارے مرد اور عورت حلالی اور حلال زادے ہیں، جبکہ دیگر اقوام عالم کو یہ سعادت حاصل نہیں ہے، اور ان کے لئے ممکن بھی نہیں۔

﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے مرد، اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔ اس اونچے اور عظیم عمل کا بیان اسی سورت کی آیت (۴۱) کے تحت تفصیلاً آنے والا ہے۔ دراصل یہ ذکر اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ایک بڑا تعلق ہے۔ ذاکرین ہمیشہ اسی تعلق اور معیت سے سرفراز رہتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، الغرض ہر لحہ ذکر الٰہی کے پاکیزہ دریا میں غوطہ زن رہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ أَحْيَانِهِ" [بخاري] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام حالات اور اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

﴿أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا﴾ شروع آیت سے جن خوش قسمت مردوں اور عورتوں کا جو بیان ہے، اور ان کے دس امتیازی اوصاف کا ذکر ہے، آخر میں ان کے لئے بڑی بشارت اور عظیم کامیابی کا اعلان ہے۔ فرمایا: ایسے مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے، جو ان کی طاعات سے کہیں زیادہ اور بے حساب بڑا انعام ہے۔ اس آیت کے نزول نے مسلمان عورتوں کے لئے خوشی اور راحت وسکون کا عظیم مژدہ سنا کر انہیں ہمیشہ کے لئے اطمینان نصیب کیا، اور ہر قسم کی پسماندگی اور وحشت دور فرمائی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ؕ
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝٣٦ وَإِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ
عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ
أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ

اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ
حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَۨا ﴿۳۸﴾
الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کے لئے اس کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا ﴿۳۶﴾ اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، اور آپ نے انعام کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں اس چیز کو چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا، اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے، اور آپ کو یہ سزاوار ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا، تو ہم نے اس عورت کا آپ سے نکاح کرا دیا، تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے، جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں، اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہی ہونے والا تھا ﴿۳۷﴾ نبی پر اس بارے میں کوئی تنگی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرما دیا، جو لوگ اس سے پہلے گزرے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہی معمول رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم مقرر کیا ہوا ہے ﴿۳۸﴾ جو اللہ تعالیٰ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حساب لینے والا ﴿۳۹﴾

معارف ومنازل

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں، ان کا تعلق قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کرا دیں (حضرت زید رضی اللہ عنہ کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور اس کے بھائی عبد اللہ بن جحش اس پر راضی نہ ہوئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ زید رضی اللہ عنہ نسبی اور خاندانی حیثیت سے کم ہیں، اور وہ غلام بھی رہا ہے، خواہ کسی حیثیت سے بھی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں جو فیصلہ کریں گے تو کسی مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کو قبول کرنے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ جب یہ آیت پڑھی گئی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی

نے بلا چون وچرا سرِتسلیم خم کر دیا اور مان لیا۔

یہ آیت اگر چہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مگر عموم الفاظ (مُؤْمِن اور مُؤْمِنَة نکرہ کے ساتھ) میں جو حکم یہاں بیان کیا گیا ہے، وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے، اور اس کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اس کی رُو سے کسی مسلمان فرد یا قوم، یا ادارے، یا عدالت، یا پارلیمنٹ، یا ریاست، یا تنظیم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم و پیغام ثابت ہو، اس میں وہ خود اپنی آزادی رائے استعمال کریں۔

مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لئے اس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی عقلمند انسان ان دونوں (باتوں) رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ جسے مسلمان رہنا ہو اس کو لازماً خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے بلا دلیل جھکنا ہوگا، اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے، خدا اور خلق خدا دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔

یہ تو پہلا مرحلہ تھا، اور دوسرا مرحلہ یہ پیش آیا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح تو ہو گیا، مگر باہم مزاجوں میں موافقت اور موانست نہ ہوئی، اور روز روز کشیدگی میں اضافہ ہوتا رہا۔ اصل سبب خاندان اور نسب کا معاملہ تھا، کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اگر چہ عرب تھے، مگر ایک عرصہ غلام ضرور رہے۔ جب بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ کرتے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں منع کرتے اور تسلی دیتے کہ آئندہ شاید معاملہ بہتر ہو، اور فرماتے آپ خدا سے ڈرتے رہیں، اور طلاق دینے سے اجتناب کریں۔ پھر رفتہ رفتہ برداشت سے کام لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کچھ صبر کیا، مگر حالات کبھی نہیں سدھرے، حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے کر فارغ کر دیا۔

اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ زید رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو طلاق دیں گے، اور اس طلاق کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوگا۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے، جسے اکثر ائمہ تفسیر نے نقل کیا اور پسند کیا۔ [روح المعاني، قرطبي، حكيم، ترمذي]

پریشانیوں کی یلغار اور خلاصی:

شروع سورت کے بعد احزاب کی مدینہ پر یلغار، پھر بنو قریظہ کی غداری، اس کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی جانب سے نان ونفقہ میں اضافہ کا مطالبہ، پھر نکاح زینب رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں کچھ پریشانیوں میں اضافہ، آخر میں مشرکین اور منافقین کا پروپیگنڈہ، وہ یہ کہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی زید رضی اللہ عنہ سے خلاصی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اوپر سے طے پایا۔

﴿زَوَّجْنٰكَهَا﴾ ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر ہی لیا۔ اس پر جہلاء، مشرکین، منافقین نے خوب شور مچایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے (منہ بولے بیٹے) زید رضی اللہ عنہ کی بیوی سے نکاح کرلیا جو کہ عرب میں ایسا کرنا حرام اور معیوب تھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس رسم بد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے ذریعہ سے چونکہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنا ہی تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح اوپر منظور ہو کر طے پایا، تاکہ اس میں موافق ومخالف سب کو اطمینان اور جواب دہی ہو۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کے لئے روا، اور لائق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا فیصلہ کردیں تو ان کو اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم وفرمان واجب العمل ہے۔ اس میں کرنے اور نہ کرنے کا کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف کرے گا تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔ ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ﴾ اور جب آپ اس شخص سے بطور نصیحت یہ کہہ رہے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا کہ اچھی طرح سے اس کی پرورش کی، پھر اُسے آزاد کردیا، اس کے ساتھ نہایت پاکیزہ شریف لڑکی سے جو آپ کی پھوپھی زادی ہیں ان کا نکاح کرادیا، اور اسے بیٹا بھی بنالیا، وغیرہ۔ یہ سارے آپ کے احسانات اس پر ہوئے، پھر آپ نے اس کو یہ بھی کہا کہ: ﴿اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو، طلاق دینے کا ارادہ نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، معمولی باتوں کو برداشت کرو، اور اپنی بیوی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس کو تکلیف نہ دو۔

یہ مشورہ ظاہری طور پر نہایت درست تھا، مگر پنہانی اور اندرونی طور پر بات دوسری تھی۔ جس کا اظہار اس وقت مصلحت کے خلاف تھا، وہ یہ کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ عنقریب زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں گے، اس کے بعد ہم اس کو آپ ﷺ کے نکاح میں دیں گے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل کریں گے۔ جس کے ذریعہ مشرکین کی رسمِ بد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرلیں گے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ ﴿وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ﴾ اور آپ بشریت کے تقاضے کے ساتھ لوگوں کے عار دلانے اور ملامت کرنے سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار اور لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ یہ تو ہر مسلمان کی صفت ہے کہ لوگوں سے کم اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرا جائے، بلکہ اصلی اور واقعی ڈر صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہونا چاہئے، اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ تمام جہان میں سب سے زیادہ خداوند تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے، اس لئے کہ خوف وخشیت کا دارو مدار علم اور معرفت پر ہے، جیسے فرمایا: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [فاطر: ۲۸] (بیشک اللہ کے بندوں میں سے علماء اس سے ڈرتے ہیں) اور حدیث میں ہے: "أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِاللهِ وَأَخْشَاكُمْ"۔ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

وہ چیز کیا تھی جس کو آپ ﷺ نے لوگوں کے خوف سے چھپایا، مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے ظاہر کردیا؟ وہ یہی بات تھی کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی تھی کہ زینب رضی اللہ عنہا کو عنقریب زید رضی اللہ عنہ طلاق دیں گے، اور وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ پس جب زید رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے اپنی حاجت پوری کرلی، یعنی اس کو طلاق دیدی اور عدت بھی گزر گئی، تو ہم نے اس کا نکاح آپ ﷺ سے کرادیا۔ اور اس سے مقصود آپ ﷺ کے دل کی خلش کو دور کرنا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا ہے۔

﴿لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا﴾ تاکہ مسلمانوں پر اپنے متبناؤں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی اور حرج نہ رہے، جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرچکیں۔ مطلب واضح ہے کہ متبنیٰ لڑکوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی پابندی نہیں، اور کسی لڑکے کو

ہزار مرتبہ بیٹے کہنے اور مستقل بیٹے بنانے سے وہ قطعاً بیٹا نہیں بن سکتا۔

﴿وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا﴾ اور جو کام اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر ہو چکا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئے گی، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ جو مقدر کر دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، اس کو کوئی نہ روک سکتا ہے، نہ مؤخر کر سکتا ہے۔

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنۡ حَرَجٍ فِيۡمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کے نبی کے لئے اس چیز میں کوئی حرج نہیں ہے جو اس نے اپنے نبی کے لئے مقرر کر دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جائز کام کو انجام دینے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرنی چاہئے، اور لوگوں کے طعن و تشنیع، اور عیب گیری کو خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ﴾ یہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا دستور ہے۔ یعنی پہلے زمانے میں بھی لوگ انبیاء کرام علیہم السلام پر اسی طرح اعتراض کیا کرتے تھے، مگر انبیاء و رسل علیہم السلام نے جائز کام کو انجام دینے میں کسی قسم کا پس و پیش نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جس چیز کا حکم دیا اسے بہر صورت پورا کر دیا۔

﴿وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ تو ٹھہرا ہوا ہوتا ہے، اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا، اور اس کا خلاف بھی نہیں ہو سکتا۔ ﴿الَّذِيۡنَ يُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخۡشَوۡنَهٗ وَلَا يَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾ وہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے احکام اور پیغام اپنی اُمتوں کو ٹھیک ٹھیک پہنچاتے تھے، اور تبلیغ احکام میں کسی کے طعن اور تشنیع سے کبھی نہیں ڈرتے تھے، اور نہ کسی ملامت کنندہ کی ملامت کرنے کی پرواہ کرتے تھے، اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرا کرتے تھے، اور کسی سے ہرگز نہیں ڈرتے تھے۔

﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے، لہٰذا آپ بھی پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح مخالفین سے اور ان کے طعن و تشنیع سے نہ ڈرا کریں، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے مطمئن ہو جایئے، وہی سب سے حساب لینے والا ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی منقبت و فضیلت:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رہے۔ یہ مرتبہ بہت اونچا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا، اور اپنا منہ بولا بیٹا بنایا، یہ سونے پر سہاگہ ہوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُم المساکین

کے ساتھ ان کا نکاح پڑھایا، اور اپنے مال سے اس کا حق مہر ادا کیا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بحیثیت شرف و فضیلت انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی شخصیت کا نام مذکور نہیں، سوائے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے۔ پہلے لوگ انہیں ''زید بن محمد'' کہتے تھے، جب ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ﴾ [الأحزاب:۵] (ان کو اپنے باپ کے نام سے پکاریں) کے نزول سے مسلمانوں نے ''زید بن محمد'' کہنا چھوڑ دیا، تو وہ اس اعزاز سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یوں تلافی فرمائی کہ ان کا نام قرآن مجید میں ذکر فرمایا۔ یہ بہت بڑی فضیلت ہے، جو صرف انہیں کو حاصل ہے۔ جب آیت قرآنیہ کی تلاوت کی جائے گی جس میں لفظ ''زید'' موجود ہے تو اس کے پڑھنے سے تیس نیکیاں ملیں گی، کیونکہ قرآن کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملنے کا وعدہ ہے۔

آنحضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس طرح بھی دلداری فرمائی کہ انہیں جس کسی لشکر میں بھیجتے تھے تو انہیں اس لشکر کا امیر بنا دیتے تھے۔ ۸ سنہ ھ میں پچپن (۵۵) سال کی عمر میں انہوں نے غزوۂ موتہ ملک شام میں شہادت پائی۔ اس وقت بھی وہ لشکر کے امیر تھے۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مرتبہ انہیں اپنے پیچھے مدینہ منورہ کا امیر بھی بنایا، اور ان کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی ایک لشکر کا امیر بنایا تھا، پھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر ملال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو روانہ فرمایا تھا۔

❁ ❁ ❁

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ: تمہارے مردوں میں سے محمد کسی کے باپ نہیں ہیں، اور لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور نبیوں کی مُہر ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ﴿۴۰﴾

معارف ومنازل

یہ آیت کریمہ سورت کے شروع میں آیت نمبر (۶) کا تتمہ ہے۔ اس آیت کا مطلب سمجھنے کے لئے آیت (۶) کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے۔ اس آیت میں مشرکین، منافقین اور بدباطن اہل کتاب سب کی تردید ہے۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب حریمِ نبوت میں رونق افروز ہوئیں، تو بہتان تراشی کے جس طوفان کا اندیشہ تھا وہ امڈ کر سب کے سامنے آ گیا، اور بدباطن یہودیوں اور منافقین نے ہر طرف سے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو! اپنے بیٹے کی بیوی کو، یعنی

بہو کو اپنی زوجہ بنالیا، یہ کتنا اندھیر کام ہوا جو انہوں نے کر کے دکھایا۔ چلو ہمارے رسم ورواج کو رہنے دو، وہ خود بھی آج تک یہی کہتے رہے کہ بیٹے کی بیوی سے باپ نکاح نہیں کرسکتا، اب پھر خود اپنے بیٹے زید کی مطلقہ بیوی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

منافقین کی اس ہرزہ سرائی کو قرآن حکیم نے اس ایک جملہ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ تم میں سے رسول کریم ﷺ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں، جب نسبی باپ نہیں ہیں تو زید بیٹا کیسے بن گیا؟ وہ تو بنی ہاشم کا اور قریش کا فرد بھی نہیں ہے، اور حضور ﷺ کی بیویوں میں کسی کے بطن سے پیدا شدہ بھی نہیں ہے۔ وہ تو حضور ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہے، اور اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے، تمہارا یہ اعتراض تمہارے خبث باطن کی پیداوار ہے، حقیقت سے اس کا دور کا واسطہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نسبی باپ ہونے کی نفی فرمائی، اور رسول ہونے کا اعلان فرمادیا۔ بیشک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے، لیکن رسول ﷺ کو جو قلبی تعلق اپنی اُمت کے ہر ہر فرد سے ہوتا ہے، اور جو لطف وکرم وہ فرماتے ہیں، اور جو روحانی جذبہ محبت کا وہ اظہار کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں، اور تمام چاہتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں اولاد کی جسمانی اور مادی دنیا تک محدود ہوتی ہیں، اور رسول ﷺ کی نگاہ کرم سے اُمتی کا جسم اور روح، ظاہر اور باطن، دل اور قلب سب فیضیاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں روز حشر کسی کام نہیں آئیں گی، بلکہ سارے نسبی دنیاوی رشتے اس دن ٹوٹ جائیں گے۔

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ﴾ لیکن رسول کے لطف وکرم، اور شفقت وعنایت سے دونوں جہانوں میں اُمتی بہرہ مند ہوگا، اور طرح طرح کی پریشانیوں سے ابدی نجات پائے گا، کیوں نہیں، آپ ﷺ مقصد کائنات ہیں، بلکہ روح کائنات ہیں، آپ ﷺ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی، اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی، بس جن کو ملنی تھی مل چکی، اسی لئے آپ ﷺ کی نبوت کا دورہ سب نبیوں کے بعد رکھا، جو قیامت تک صرف آپ ﷺ کی نبوت کا سلسلہ اور اس کے فیوض جاری رہیں گے۔

دراصل آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہ جہاں اپنے مجموعی لحاظ سے نابالغ معلوم ہوتا تھا، گو کہ اقوامِ عالم میں طرح طرح کی ترقیاں نمودار ہوئیں، مگر محدود اور کم مقدار میں۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے ساتھ کائنات کے تمام روحانی اور مادی خزانوں کی چابیاں جب آپ ﷺ کے سپرد ہوگئیں تو اب پتہ چلا کہ اس جہاں کا

مستقبل بڑا شاندار اور زرخیز ہے۔ آج تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں، مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری وساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام زمین پر زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے اتباع کے چارہ نہ ہوتا۔ [مشکوٰۃ]

بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین علیہم السلام اپنے اپنے عہد میں بھی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیتِ عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے، جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں، حالانکہ سورج اس وقت رات کو دکھائی نہیں دیتا۔ اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں، اسی طرح نبوت ورسالت کے تمام مراتب وکمالات کا سلسلہ بھی روحِ محمدی پر ختم ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں، اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں بحیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کے آئیں گے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔ خود ان کی نبوت ورسالت کا عمل جاری اس وقت نہ ہوگا، البتہ وہ دجال اکبر لعین کے قتل پر مامور ہوں گے۔ فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کثرت ازواج کے تمہارے مردوں میں سے کسی کے نسبی باپ نہیں۔ اسی طرح جب وہ کسی بالغ مرد کا باپ نہ ہوا تو زید بن حارثہ کیسے ان کے بیٹے ہوئے؟ تفصیل گزر چکی۔ ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ﴾ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور ساری اُمت کے روحانی باپ ہیں۔ نکاح کی حلت وحرمت کا دارومدار نسبی ابوت وبنوت پر ہے، نہ کہ روحانی، جس کا کسی نکاح کی حلت وحرمت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

﴿وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی، اور قصر نبوت کی تکمیل ہوگئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوبصورت قصر ہو، اس کی عمارت حسین ہو، لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو، دیکھنے والے اس کے گرد گھومتے ہیں اور اس کے حسنِ تعمیر پر تعجب کرتے ہیں، لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے (قصر نامکمل ہے) پس اس ایک اینٹ کی جگہ میں نے پُر کی، اور وہ عیب ختم ہو کر قصر کی تکمیل ہو گئی، اور میرے آنے پر نبوت کا قصر مکمل ہو گیا، میرے بعد کوئی بھی نبی نہیں آئے گا۔ [مظهري، معالم، مشكوٰة]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قصر نبوت مکمل اور پورا ہو گیا، اور آپ ﷺ جسمانی اور نسبی حیثیت سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں۔ (آپ ﷺ کے تینوں بیٹے قاسم، اور طیب، طاہر، اور ابراہیم کی وفات بچپن ہی میں ہو چکی تھی)۔ البتہ روحانی حیثیت سے آپ ﷺ ساری اُمت کے باپ ہیں، اور روحانی باپ اور جسمانی باپ کے احکام الگ الگ ہیں۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جاننے والا، اس نے اپنے علم و حکمت سے نبوت کو آپ ﷺ پر ختم فرمایا، اور اسی کے متعلق ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ [الأنعام: ۱۲۴] (اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی نبوت و رسالت کو رکھتا ہے) اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس قابل ہے کہ سلسلہ نبوت کو اس پر ختم کیا جائے۔ اس نے اپنے علم و حکمت سے آپ ﷺ کو خاتم النبیین کے مقام پر فائز فرمایا۔ اور جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول بدرجہ اولیٰ نہیں، اس لئے کہ مقام رسالت مقام نبوت سے اخص ہے، ہر رسول تو نبی ہے، مگر ہر نبی رسول نہیں۔

پس یہ آیت قدسی اس بارے میں نص قطعی اور محکم ہے کہ سرور دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور یہی مضمون بکثرت احادیث صحیحہ صریحہ اور متواترہ میں چونسٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو گئی، اور آپ ﷺ کے بعد اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا، کذاب، دجال ہی ہو گا، اور وہ اللہ تعالیٰ کا نبی نہیں ہو گا، وہ ابلیس ہی کا کوئی ہمنوا و گماشتہ ہو گا۔

ہم نے ایسے کذاب اور شیاطین مزاج مدعیانِ نبوت کی فہرست سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں لکھ دی ہے۔ ختم نبوت کے سلسلہ میں علماء کرام نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

﴿خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ لفظ خَاتَم میں دو قراءتیں ہیں، اور دونوں متواترہ ہیں۔ امام عاصمؒ کی قراءت بفتح تاء کے ساتھ ہے خَاتَم، اور دوسرے ائمہ کی قراءت بکسر تاء ہے۔ حاصل معنیٰ دونوں کا ایک ہی ہے، اور دونوں کے معنی آخر کے بھی ہیں، اور مُہر کے معنی میں بھی دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کو ختم کرنے والے ہیں، اور آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا قیامت تک، آپ ﷺ کی نبوت پورے جہاں پر قائم رہے گی۔

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جس پر طرح طرح کے اختلافات کے باوجود تیرہ چودہ صدیوں تک امت کا شرقاً وغرباً کلّی اتفاق اور قطعی اجماع رہا ہے۔ جس طرح کسی مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید، اور قیامت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے، اسی طرح ختمِ نبوت کا مسئلہ بھی کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے، اور یہ مسئلہ مسلمانوں میں کبھی نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کی طرح زیر بحث نہیں آیا کہ اس کے اثبات ونفی میں بحث وتمحیص جاری ہو، بلکہ اسلام کے ارکانِ خمسہ کی مانند یہ متفق علیہ رہا ہے۔

ہاں! مرزا غلام قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ دراصل مسلمانوں کے ذہنوں سے جذبہ جہاد کو مٹانے کے لئے، اور اپنے کو تحفظ دینے کے لئے اور مسلمانوں کی تلوار سے بچنے کی خاطر عیسائی انگریزوں نے چال چلا کر مصنوعی پیروں، مصنوعی سادات، مصنوعی مفکروں، اور مصنوعی نبیوں کا سہارا لے کر اوران کے ارشادات کی روشنی میں فتویٰ لے کر، جہادی عمل کو ختم کرنے کے لئے یہ چال چلائی، اور مسلمانوں میں تفریق ڈال کر "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی اپنائی۔ یہ لوگ آج بھی اسی پالیسی پر گامزن ہیں، جو جہاد کو کھلم کھلا دہشت گردی کا نام دیتے ہیں، اور مسلمانوں کے انگریزی خواں طبقہ، اور یورپ کا کاسہ لیس گروہ ان کی ہاں میں ہاں ملا کر جو سیاسی یتیم بنے ہوئے ہیں یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ جہاد ایک قسم کی دہشت گردی ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔

آج سے ڈیڑھ دوسو سال پہلے برصغیر میں حکومت برطانیہ کا یہی پروگرام رہا کہ کسی نہ کسی طرح جہاد کو دہشت گردی قرار دے کر اس کو منسوخ کرو۔ اسی جہاد کی منسوخی ہی تو مرزا قادیانی کا سب سے بڑا اور اصلی کارنامہ ہے۔ انہوں نے اپنے آقائے اعظم اور محسن انگریز کو خوش کرنے کیلئے پچاس الماریوں کو ایسی ابلیسی کارنامہ والی کتابوں سے بھر دیا اور اپنے ایمان کا سودا کر کے چار پیسوں پر سب کچھ فروخت کر کے لعنت کا طوق اپنے اور اپنے عقیدت مندوں کے گلے میں ڈال کر مسیلمہ کذاب کی رفاقت میں ابدی جہنم پہنچے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار لعنتیں ہوں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، خوب کثرت کے ساتھ ﴿۴۱﴾ اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کرو ﴿۴۲﴾ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے، اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے، اور وہ ایمان والوں پر رحم فرمانے والا ہے ﴿۴۳﴾ جس دن یہ لوگ اس سے ملاقات کریں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا، اور اس نے ان کے لئے اجر کریم تیار فرمایا ہے ﴿۴۴﴾

معارف ومنازل

ذکر اللہ تمام طاعات اور عبادتوں کی جڑ اور روح ہے۔ اگر کسی عبادت میں خواہ نماز ہو یا جہاد، اور صبح وشام جاری ہو، مگر ذکر الٰہی سے (ذکر قلبی یا ذکر لسانی) خالی ہو تو اس کی مثال اس درخت کی ہے جو خشک ہو۔ ذکر قلبی ہو یا زبانی اس میں ضروری ہے کہ محبوب حقیقی کا استحضار ہو، اور قلب کی کیفیت استحضار کے ساتھ ہو، اور محبوب کی صفات و کمالات کا تصور دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو، تب ہی معیت کا دروازہ خصوصی کھل جائے گا۔

عام معیت تو ساری مخلوقات کے ساتھ بھی ہے، وہ مرتبہ کمال نہیں، مرتبہ کمال وہ ہے جس میں ذاکر کے قلب میں انوار الٰہی کا جذب ہو، اور یہ مرتبہ تب حاصل ہوگا جب ذاکر کا قلب غیر اللہ سے پاک اور خالی ہو۔ خصوصاً حب دنیا اور حب جاہ سے۔ حضرات اکابرین نے اس کی علامت یہ بتائی ہے کہ اگر کوئی آپ کو مال دیدے، یا آپ کی مدح وثنا بیان کرے، تو آپ کو کوئی خوشی حاصل نہ ہو۔ اسی طرح اگر آپ سے مال چھین لے، یا آپ کے مال کی چوری ہو، یا کوئی آپ کی مذمت اور تنقیص بیان کرے، تو آپ کو پریشانی لاحق نہ ہو، اور رنج محسوس نہ ہو۔ پس یہ صفات اہل اللہ اور حقیقی ذاکرین کی ہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کثرت سے ذکر کا مطلب تعداد نہیں، بلکہ اس سے مراد دوام ہے کہ رات دن کے اوقات میں کوئی لمحہ ذکر قلبی اور ذکر لسانی سے خالی نہ ہو۔ اور اس کا حصول نہایت آسان ہے، اگر صحیح صحبت دستیاب ہو۔ دعاء ہے کہ یہ مرتبہ سب کو نصیب ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب لوگوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! بندوں میں سب سے زیادہ افضل کون ہے؟ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون شخص سب سے زیادہ بلند درجہ والا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَلذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذَّاکِرٰتِ"۔ یہ فضیلت اور مرتبہ ان لوگوں کو

حاصل ہے جو (مرد اور عورت) اللہ تعالیٰ سبحانہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں۔ کسی نے عرض کیا کہ کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاد کرنے والا اگر کافروں اور مشرکوں میں اتنی کثرت کے ساتھ اپنی تلوار چلائے اور ان کو مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خود یہ مجاہد خون میں رنگ جائے، تو بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا شخص ہی درجہ کے اعتبار سے افضل رہے گا۔ [مشکوٰۃ]

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! اسلام کے کام تو بہت ہیں، مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے میں اس میں ہر لمحہ لگا رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ''۔ تیری زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔ [مشکوٰۃ]

درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی پورے عالم کا سرمایہ ہے، اور پورے عالم کی جان ہے۔ جب تک دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے گا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، اور تمام مخلوقات قائم رہیں گی، اور جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہیں رہے گا، تو قیامت قائم ہوجائے گی۔ [مسلم]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ذکر اللہ کے سوا کوئی ایسا فرض عائد نہیں کیا جس کی کوئی خاص حد مقرر نہ ہو۔ نماز پانچ وقت کی، اور ہر نماز کی رکعات متعین ہیں، روزے ماہ رمضان کے متعین اور مقرر ہیں، زکوٰۃ سالانہ ہے، نصاب اور مقدار مقرر ہے، حج عمر میں ایک مرتبہ ہے، جس کے اوقات اور مقامات اور اعمال مقرر ہیں، شرائط کے ساتھ، مگر ذکر اللہ ایک ایسی جامع ہمہ گیر عبادت ہے کہ نہ اس کی کوئی حد مقرر ہے، نہ عمل، اور نہ ہی وہ اذکار وظائف اور اوراد، نہ وقت، نہ ہیئت، بیٹھ کر، کھڑے ہو کر، لیٹے ہوئے، قلب سے اور زبان سے، وضو کر کے یا بے وضو۔

الغرض جس طرح انسان سانس لیتا رہتا ہے، اس کے لئے کوئی شرط نہیں، اسی طرح ذکر اللہ کے لئے بھی کوئی شرط نہیں، بلکہ سفر و حضر میں بھی جاری رہے گا۔ اسی عمومی بنیاد پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، فرمایا: ''کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِی کُلِّ أَحْیَانِہٖ''۔ [مسلم] کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ''۔ یعنی سب سے بڑی فضیلت والا ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے، اور سب سے بڑی فضیلت والی دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے۔ [ترمذي]

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" جو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں پر بھاری ہے، جن کے اقرار کرنے سے اور پڑھنے سے ہزار سال کا مشرک دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے، اور پوری زندگی کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اپنے معاصی کی وجہ سے دوزخ میں ہو اور اس کے بھائی، بیٹے، یا رشتہ دار ستر ہزار مرتبہ ایصال ثواب کے طور پر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" پڑھ کر اس میت کو ثواب بخش دیں، تو وہ دوزخی مسلمان جہنم سے نجات پا کر جنت میں داخل ہوجائے گا۔ یہ بات بزرگوں نے کشف سے معلوم کی۔ [المستطرف] اسی طرح سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ایک مرتبہ سُبحٰنَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اللہُ اَکْبَر کہہ دوں تو یہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع کرتا ہے۔ [مسلم]

خلاصہ یہ ہے کہ ذکر اللہ اور اس کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ اس کا ثواب پوری کائنات میں نہیں سما سکتا، اور سارا جہاں اور پوری فضا سُبحٰنَ اللہِ، الحمدُ لِلہِ، اللہ اکبر کے ثواب سے بھر جاتی ہے۔ اسی طرح تلاوت قرآن اور دیگر اوراد، وظائف، تسبیحات، تہلیلات، تکبیرات اور قسم قسم کے اوراد، وظائف اور دعوات جو قرآن مجید اور احادیث میں ثابت ہیں، اور مختلف قسم کے اوراد، صلوٰۃ وسلام، درود شریف جو بزرگانِ دین کی تعلیمات اور معمولات اور مجربات ہیں، یہ سب برکت کی چیزیں ہیں۔ ان کو ہر موقع پر پڑھنا فوائد وبرکات کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

علماء کرام اور طلباء علوم دینیہ صبح وشام درس وتدریس میں، مطالعہ کتب اور تکرار کتب، نیز دینی مسائل کے متعلق جو بحث ومباحثہ میں مشغول رہتے ہیں، یہ لوگ اعلیٰ اور بہترین اور افضل ترین ذاکرین میں شمار ہوتے ہیں، اور حد سے زیادہ ثواب انہی حضرات کے نامہ اعمال میں درج ہوتے ہیں، بغیر حساب کے۔ پھر دوسرے نمبر پر وہ لوگ ہیں جو تبلیغ کرتے ہیں، چلہ اور سہ روزہ لگاتے ہیں، یا تبلیغی مراکز میں باقاعدہ دنیا سے کٹ کر صرف عبادت کی نیت سے قیام پذیر ہیں، یہ لوگ لمحہ بہ لمحہ ذکر اور عبادت میں وقت گزارتے ہیں، یہ بڑے خوش قسمت ہیں۔

فائدہ:

ذکر واذکار کا ثواب غیر متناہی اور بے شمار ہے، مگر یاد رکھو! دو ایسے بُرے عمل ہیں کہ جن سے ذکر واذکار کے پہاڑوں جتنے عمل قیامت کے دن اکارت ہوکر گرد وغبار کی طرح ضائع ہوجائیں گے۔ ایک شرک، اگرچہ ذرہ جتنا ہو، اور دوسرا غرور، خود پسندی، اپنی عبادت پر اترانا، اور مغرور ہونا۔ اکثر جہال اور بے علم کثرت سے ذکر کرنے کے باوجود ان امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِيَةً﴾ [الغاشیۃ: ۴] (مصیبت جھیلتے

ہوئے تھکن سے چور۔ وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے)۔ اتنے بڑے عمل کرتے ہیں کہ تھک جاتے ہیں، مسلسل طاعات میں لگے رہنے کے باوجود جہنم میں گرتے ہیں، کیونکہ عقیدہ صحیح نہیں تھا، یا اس لئے کہ گھمنڈ وغرور کے شکار ہوئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بہت قیمتی جامع دعا روایت کی ہے، وہ یہ ہے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي أُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَأُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاتَّبِعُ نَصِيحَتَكَ وَأَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ. [ترمذي، أحمد] یا اللہ تعالیٰ! مجھے ایسا بنادے کہ میں تیرا شکر بہت زیادہ کروں، اور تیرا ذکر کثرت سے کیا کروں، اور تیری نصیحت کا اتباع کروں، اور تیری وصیت کو محفوظ رکھوں۔ آمین

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرة: ١٥٢] (سو تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد کروں گا)۔ ذکر کے سارے فضائل وثواب ایک طرف صرف یہی ایک بات ایک طرف کہ میں تمہیں یاد کروں گا۔ دیکھو! یہ کتنی بڑی سعادت ہے، اور کتنا بڑا عظیم الشان انعام ہے کہ فرش خاکی کا رہنے والا انسان مٹی کا پتلا جس کا پیٹ گند سے بھرا ہوا ہے، اسے مالک الملک اپنے عرش پر یاد فرماتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہلتے ہیں۔ [بخاري]

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھے، جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کیا، اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن ان کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا، اگر چہ ثواب کے لئے جنت میں جائیں۔ [الترغيب]

بہر حال! عقلمند اور ہوشیار لوگ وہی ہیں جو اپنی چند روزہ زندگی کو طاعات وعبادات اور ذکر اللہ کے ذریعہ قیمتی بناتے ہیں، جن کے بدلے وہ اونچے اور بلند وبالا درجات تک پہنچتے ہیں، جنہیں دنیا کے تاجدار بادشاہ ایک جھلک دیکھنے کے محتاج ہوں گے۔ دنیا میں ناداں اور ناعاقبت اندیش وہ لوگ ہیں جو دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہو کر آخرت کی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں۔ اسی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عذاب الٰہی سے نجات دینے والی چیزوں میں ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ [مشكوة]

﴿وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ اور اس کی تسبیح بیان کرو صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی۔ مطلب ہر

وقت، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس بیان کرو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ تسبیح سے مراد نماز ہے، پس دونوں معنی ایک دوسرے سے قریب بھی ہوں گے، اور معاون بھی، کیونکہ نماز اوّل سے آخرت تک ذکر اللہ بھی ہے، اور تسبیح بھی۔

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جو تم پر رحمت نازل کرتا ہے، اور اس کے حکم سے اس کے فرشتے تمہارے لئے دعا اور استغفار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا اس لئے ہے تا کہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور اور ہدایت کی طرف لے جائے۔ ہر وہ چیز جو غیر شرعی ہو، یا اس میں ثواب نہ ہو وہ ظلمت ہی ہوگی۔ اس کے مقابل ہر شرعی عمل، یا وہ چیز جس میں ثواب ہو وہ نور روشنی کہلائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بے فائدہ اور غیر شرعی کاموں سے نکال کر ثواب والے کاموں کی طرف لائے گا، جن سے تمہاری سعادت وابستہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم اور انعام ہے۔

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ بڑا مہربان ہے۔ ﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ﴾ جس دن یہ ایماندار لوگ اپنے ربّ کے سامنے پیش ہوں گے اس دن ان کی دعا سلام ہے۔ یہ سلام مؤمنون کا تحیہ ہوگا۔ مؤمنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں سلام کا ذکر سورۂ یٰسں میں مذکور ہے: ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ [یس: ۵۸] (رحمت والے پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کیا جائے گا)۔ اور دخول جنت کے وقت فرشتے انہیں سلام کریں گے۔ سورۂ رعد میں ہے: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ [الرعد: ۲۴] (اور تم نے جو صبر سے کام لیا تھا اس کی بدولت اب تم پر سلامتی ہی سلامتی نازل ہوگی)۔ اور سورۂ الزمر میں ہے: ﴿وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ﴾ [الزمر: ۷۳] (سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ملک الموت مؤمن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچاتا ہے، اور کہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ربّ نے سلام بھیجا۔ [قرطبي، روح المعاني]

واقعی یہ بات متحقق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جنہوں نے بندگی کا حق ادا کیا اتنے پیار ومحبت سے نوازتا ہے جس کا اثر نمایاں معلوم ہوتا ہے، اور وہ لوگ قرب الٰہی کے اونچے مدارج طے کرتے ہوئے کشف کے مراتب پر فائز ہوجاتے ہیں۔

﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اجر کریم تیار فرمایا ہے۔ اجر کریم سے جنت اور اس کی نعمتیں، اور طرح طرح کی جنتی لذتیں اور راحتیں مراد ہیں۔ [ابن کثیر] عارفوں کا قول ہے: دنیا دار الغرور ہے، آخرت دار السرور ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾

ترجمہ: اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ، اور بشارت دینے والا، اور ڈرانے والا ﴿٤٥﴾ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا، اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے ﴿٤٦﴾ اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بڑا فضل ہے ﴿٤٧﴾ اور آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے، اور ان کی ایذاء کو چھوڑیئے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے، اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے ﴿٤٨﴾

معارف ومنازل

ان آیات میں سرور عالم ﷺ کی صفات خمسہ کا بیان ہے: شَاهِد، مُبَشِّر، نَذِيْر، دَاعِي اِلَى اللّٰهِ اور سِرَاج مُنِيْر۔ ان صفات سے پہلے آپ کو يَاَيُّهَا النَّبِيُّ کے ساتھ خطاب ہوا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو ان کے نام لے کر پکارا ہے، مگر رحمۃ للعلمین ﷺ کی جب باری آئی تو طرز خطاب ہی بدل دیا، نام لے کر خطاب کرنے کی بجائے: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ. يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ. يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ. يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اور یٰس کے پیارے خطابات سے نوازا، نام نہیں لیا، اور کہیں بھی یا مُحَمَّد نہیں فرمایا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی سنت، مگر اہل بدعت کے شیدائی گمراہوں کو خدا تعالیٰ شانہ کی بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ نام لے کر یا مُحَمَّد کہہ کر پکارتے ہیں، اور اپنے عشق کا بے ادبی کے ساتھ اظہار کرتے ہیں، اور ان کی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہم حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

ایسے لوگوں کے لئے قرآن حکیم کا فیصلہ سماعت فرمالیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾[حجرات:۴] (یعنی بیشک جولوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔اس میں واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باہر سے پکارنا ہے بے عقلی اور بے ادبی ہے۔مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا ممنوع ہے۔

پہلی صفت شَاهِد: شاہد کا کیا معنی ہے؟ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ مفردات القرآن میں فرماتے ہیں کہ شاہد کا معنی ہے: **مُعَلِّمًا**۔ یعنی ہم نے آپ کو معلم بنا کر بھیجا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **شَاهِدًا لِلّٰهِ بِالْوَحْدَانِيَةِ**۔ہم نے آپ کو اللہ تعالیٰ شانہ کی وحدانیت کا گواہ بنا کر بھیجا۔

نبی اکرم سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنانے کا مفہوم اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے، جس میں تین قسم کی گواہیاں شامل ہیں: ایک قولی شہادت، یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا دین جن حقائق اور ہزاروں اصولوں پر مبنی ہے، نبی نے ان سب کی حقانیت وصداقت پر گواہ بن کر سارے جہان کے سامنے گواہی دی۔اس کے علاوہ دنیا وآخرت میں جو کچھ ہوگا نبی نے ان سب کے حقائق اور وجود وصداقت پر گواہی دی۔اسی کے ساتھ دنیا والوں نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے متعلق جو غلط اور بے بنیاد تہمتیں اور ناجائز مفروضے پیش کئے تھے نبی نے ان داغدار تہمتوں کا ابطال کرکے انہیں غلط ثابت کرکے سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے صدق وصداقت اور طہارت پر گواہی دی۔

دوسرے عملی شہادت، یعنی یہ کہ نبی اپنی پوری زندگی میں اس مسلک کا عملاً مظاہرہ کرے جسے دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے وہ مبعوث ہوا ہے، بلاکم وکاست اس کا عمل پوری شریعت پر ایسا منطبق ہو جس میں بال برابر فرق نہ ہو۔یعنی فرائض سے لے کر مستحبات تک اثبات و پابندی کے ساتھ عمل ہو، اور اس کے مقابلے میں محرمات سے خلاف اولیٰ امور تک مکمل نفی اور اجتناب ہو۔اور نبی کی شان یہی ہے، اور ان کا یہ عمومی اور کلّی عمل اثباتاً ونفیاً ایک گواہی اور شہادت ہے، اور اس سلسلے میں نبی کا عمل مکمل نمونہ ہے۔

تیسرے اخروی شہادت، یعنی آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی، اس وقت نبی اس بات کی شہادت دے کہ جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا وہ اس نے بے کم وکاست لوگوں تک پہنچایا۔اور اس کے علاوہ بخاری، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیام اپنی قوم کو پہنچایا تھا؟ نوح علیہ السلام کہیں گے: جی ہاں! پھر ان کی امت سے دریافت فرمائیں گے کہ کیا نوح علیہ السلام نے میرا پیغام تم کو پہنچادیا تھا؟ وہ کہیں گے:

ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا، پیغام پہنچانے والا نہیں آیا۔ پھر نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ تمہارا شاہد کون ہے؟ لاؤ گواہ پیش کرو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام قوم کو پہنچایا تھا۔ نوح علیہ السلام کہیں گے: حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت۔ تفصیل سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں دیکھیں۔ الغرض! شَاهِد کے معنی ہیں: گواہ اور معلّم۔ یہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں پہلی صفت کا بیان ہوا۔

اہل بدعت کی خوش فہمی:

یہ بیچارے لفظ شہید کو حرز جان بنا کر کہنے لگے: دیکھو! شاہد کا معنی گواہ، جو ہر موقع پر حاضر تھا، سب کچھ دیکھا تب گواہ بنا، تو معلوم ہوا کہ آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جگہ حاضر ہیں۔

جواب: افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے ان کی خوشیوں پر پانی پھیر کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا قرآن وحدیث اور فقہائے حنفیہؒ سے کہیں ثابت نہیں ہے۔ ایک جگہ پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لفظ حاضر وناظر کا اطلاق نہیں کیا، اگر کیا ہو تو بسم اللہ کر کے لاؤ، چشم ما روشن، دل ما شاد۔ ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرة:١١١] (لاؤ تمہاری دلیل اگر تم سچے ہو)۔ مگر قیامت برپا ہوسکتی ہے، چاند، سورج، ستارے اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں، جو خداوند تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے شَاهِدًا کا لفظ بول سکتا ہے، وہ حاضر وناظر کا لفظ بھی قرآن مجید میں لاسکتا ہے۔

بقول اہل بدعت کے اگر گواہ کے لئے موقعہ پر موجود ہونا ضروری ہو تو جب یہ التحیات کے آخر میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھتے ہیں تو یہ بتا سکتے ہیں کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تھا تو تم اور یہ لوگ اس وقت وہاں موجود تھے؟ اگر یہ لوگ وہاں موجود نہیں تھے تو یہ کس طرح گواہی دیتے ہیں؟ کیونکہ ان کے نزدیک تو گواہ کے لئے موقعہ پر موجود ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح جنت، دوزخ، سدرۃ المنتہٰی، آسمان دنیا کے علاوہ دوسرے آسمانوں کی گواہی دیتے وقت بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ اسی طرح دوزخ، اسی طرح سدرۃ المنتہٰی، لوح محفوظ اور علیین۔ جن کے متعلق خبر دیتے رہتے ہیں، تو کیا یہ لوگ وہاں موجود تھے؟ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ دیکھے بغیر گواہی دیتے ہیں۔

یہ مفروضہ اہل بدعت اور مشرکین کا اپنا قائم کردہ ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کریم میں ایسے گواہوں کا تذکرہ موجود ہے جو موقع پر موجود نہ تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں جس گواہ نے گواہی دی

وہ موقع پر موجود نہ تھا، فرمایا: ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ﴾ [یوسف: ۲۶] (اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے کہ اگر کرتا اس کا پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس بچہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت کی گواہی دی وہ موقع پر موجود نہ تھا، جس سے واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آئی کہ گواہی کے لئے موقعہ پر موجود ہونا ضروری نہیں، ورنہ دین کے سیکڑوں مسائل سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر موجود ہوں گے، اور اپنی امت کے لوگوں کو پانی پلا رہے ہوں گے، اس درمیان کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں گے، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے ان کے بارے میں مزاحم ہوں گے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے فرمائیں گے کہ ان کو میرے پاس آنے دو، یہ میرے ساتھی، یعنی اپنے ہی لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر فرشتے جواب دیں گے: إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔ آپ نہیں جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی بدعتیں ایجاد کیں۔ (أَحْدَثُوا بمعنی بدعت)۔

جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بدعتوں کی ایجاد کا سنیں گے تو فرمائیں گے: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ. ان لوگوں کے لئے تباہی ہو، ان کو مجھ سے دور لے جاؤ، جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیر پیدا کیا، اور بدعات ایجاد کیں، وغیرہ۔ اس حدیث میں بدعات کی حرمت اور بدعتیوں کی حوض کوثر سے محرومی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی علم غیب تینوں باتیں معلوم ہوئیں۔

دوسری صفت مُبَشِّرًا: آپ ایمانداروں، متقیوں اور فرمانبرداروں کو رضائے الٰہی اور جنت کی بشارت دینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

تیسری صفت نَذِيْرًا: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو شرک و کفر اور تمام معاصی کے برے انجام سے ڈرانے والے ہیں۔ اسی طرح جہاں اپنی اُمت کو بشاراتِ خداوندی اور عنایاتِ ربانی کی خوشخبری سناتے ہیں وہیں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قیامت کے احتساب اور گناہوں کے برے انجام سے ڈراتے بھی ہیں۔

چوتھی صفت دَاعِيًا إِلَى اللهِ: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ مخلوق کا جو رشتہ خالق جلّ شانہ سے منقطع ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رشتے کے دوبارہ جوڑنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضبوط رشتے کے جوڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور پوری زندگی شب و روز اس پر

محنت کی، اور طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں۔

پانچویں صفت سِرَاجًا مُّنِيْرًا: آپ ﷺ پوری کائنات کے لئے روشن چراغ ہیں۔ مفسرین کرامؒ نے سراج منیر کے دو معانی بیان کئے ہیں:

(۱)...... اس کا پہلا معنی روشن چراغ کے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ روشن چراغ سے تشبیہ دینا اس میں خاص حکمت ہے، وہ یہ کہ سورج کی روشنی صرف دن کے وقت ہوتی ہے، اور رات کو غائب ہوجاتی ہے، جبکہ چراغ ایسا نہیں، اس کو دن اور رات کے کسی بھی حصے میں روشن کرو تو کارآمد رہے گا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ سے ہدایت کی روشنی کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے اس لئے چراغ سے تشبیہ دی۔

(۲)...... دوسری وجہ یہ ہے کہ سورج ایک ہے، اور اس سے دوسرا سورج نہیں بنتا، اس کے برخلاف چراغ سے چراغ جلایا جاتا ہے، چنانچہ سرور عالم ﷺ جیسے روشن چراغ سے روشنی لے کر کتنے روشن چراغ دنیا میں پھیل گئے؟ اور اسی طرح پوری دنیا کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر نور ہدایت کی روشنی میں آگئی۔

آپ ﷺ کے علوم و معارف سے بہت سے چراغ روشن ہوئے۔ صرف آج نہیں، زمانۂ رسالت سے لے کر مسلسل بغیر انقطاع کے موجودہ زمانہ تک، اور ابھی بھی بلکہ آئندہ بھی بے شمار چراغوں سے دوسرے چراغوں کو روشنی مل رہی ہے۔ اربوں کی تعداد میں انوار و برکات پھیل چکے، اور پھیل رہے ہیں۔ لاکھوں استاذ اپنے لاکھوں شاگردوں میں یہ روشنی منتقل کرتے رہتے ہیں۔

قرآن کریم میں سِرَاج کا لفظ چار مقامات پر مذکور ہے، جو یہ ہیں:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا﴾ [الفرقان: ۶۱] (بڑی شان ہے اس کی جس نے آسمان میں برج بنائے، اور اس میں ایک روشن چراغ اور نور پھیلانے والا چاند پیدا کیا)۔

یہی موجودہ آیت کریمہ، یعنی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ [الاحزاب: ۴۶] (اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ، اور بشارت دینے والا، اور ڈرانے والا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا، اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے)۔

﴿وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ [نوح: ۱۶] (اور ان میں چاند کو نور بنا کر اور سورج کو چراغ بنا کر پیدا کیا ہے)۔ ﴿وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا﴾ [النباء: ۱۳] (اور

ہم نے ہی تمہارے اوپر سات مضبوط وجود تعمیر کیے۔ اور ہم نے ہی ایک دہکتا ہوا چراغ پیدا کیا)۔ سورج سے تشبیہ ہو یا چاند ستاروں سے، یہ محض اس لئے ہے کہ ہم ظاہر بینوں کو آفتاب نبوت کا تھوڑا سا ادراک ہو، ورنہ حقیقت کچھ اور ہے، جس کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے آفرینش دنیا سے لے کر قیامت تک نہ کوئی کلی طور پر سمجھا ہے، اور نہ کسی کی کچھ سمجھ میں آسکتی ہے۔

احقر کے خیال میں نورِ نبوت آفتاب رسالت متشابہات میں سے ہیں، جس کا ظاہری اور حقیقی مظاہرہ اس وقت ہوگا جب آپ ﷺ مقام محمود کے مراحل میں شفاعت کبریٰ کے لئے جلوہ افروز ہوں گے۔ اس وقت آپ ﷺ کا کلی طور پر تعارف ہوگا۔ مرزا غالبؒ نے اسی نکتے پر اشارہ کیا: ؎

غالب ثنائے خواجہ بیزدان گذاشتیم ☆ کان ذات پاک مرتبہ دان محمد ستز

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو معلّم بنا کر بھیجا ہے، اور خوشخبری دینے والا، اور ڈرسنانے والا بھی۔ آپ ﷺ بشیر بھی ہیں، نذیر بھی ہیں۔

﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ اور آپ ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے والے ہیں، اور یہی آپ ﷺ کی دعوت، آپ ﷺ کا فریضہ بھی ہے، اور بعثت کا مقصد بھی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم واذن کے ساتھ۔ اسی طرح ہم نے دنیا والوں کے لئے آپ ﷺ کو روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ کے قلب اطہر کے نور سے سارے جہاں والوں کے قلوب خوب روشن ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی جو صفات قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت میں بھی مذکور ہیں، جیسے شاہد، بشیر، نذیر وغیرہ، اور توریت میں ان کے علاوہ یہ صفات بھی ہیں کہ آپ ﷺ کو امی قوم عرب کی حفاظت کی خاطر بھیجا، تو میرا بندہ ہے، میں نے تیرا نام متوکل رکھا، جو سخت مزاج نہیں ہے، تندخو نہیں ہے، اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں ہے، اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے والا نہیں ہے، معاف کرنے والا، اور بخش دینے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعہ کجی (کفر و بے دینی) والی ملت کو سیدھی نہ کرلے۔ اس طرح سے کہ وہ لوگ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں گے، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا، اور بہرے کانوں کو بھی، اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو بھی کھول دے گا۔ [بخاری: ج اول]

﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کو بشارت سنادیں کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ یہ امت خیر الامم ہے، اور آخری اُمت بھی ہے، لیکن جنت میں سب اُمتوں سے پہلے داخل ہونے والی ہے، اور سب کی قیادت کرنے والی ہے۔ فرمایا: نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْن۔ [بخاري] ہماری آمد سب سے آخر میں ہے، اور جنت کا دخول سب سے پہلے ہے۔

﴿وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے، اور ان کے ساتھ کسی طرح کوئی مصالحت بھی نہ کریں، اور ان کی شرارتوں، ایذاؤں پر صبر کریں۔ فرمایا: ﴿وَدَعْ اَذٰىهُمْ﴾ وہ جو ایذاء پہنچائے درگزر فرمائیں، چھوڑ دیں۔ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، اعتماد کے ساتھ، وہ ہر کامیابی کا مالک وخالق ہے، وہ آپ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ اور وہی کارساز کافی ہے، وہی کاموں کا بنانے والا ہے، اور انتشاروں کو ختم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مؤمن عورتوں کے ساتھ، پھر تم ان کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ، پس نہیں ہے تمہارے لئے ان پر کوئی عدت، جس کو تم ان عورتوں سے پورا کراؤ، پس فائدہ پہنچاؤ ان کو، اور رخصت کرو ان کو رخصت کرنا اچھے طریقے سے ﴿٤٩﴾

معارف ومنازل

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی جب طلاق ہوئی تو عدت گزارنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح ہوا۔ اکثر وبیشتر قرآن مجید میں نکاح، طلاق اور عدت کا تذکرہ ایک ساتھ ہوتا ہے، مختلف صورتوں میں عورتوں کی عدت مختلف ہوتی ہے، جب تک عدت باقی ہے عورت کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں، اور یہ اسلام دین الٰہی کی خصوصیت ہے، تاکہ انسانوں کی نسل میں خلط ملط نہ ہو۔ قرآن کریم میں مختلف صورتوں میں عدت کی مقدار کا تعین ہو چکا ہے۔

مطلقہ عورت کی عدّت تین حیض ہے، اور اگر کم سنی کی وجہ سے، یا کبرسنی کی وجہ سے، یا عقر کی وجہ سے حیض ختم ہو چکا ہے تو پھر عدّت تین ماہ تصور ہوگی۔ اگر عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو عدّت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے۔ اور اگر عورت حاملہ ہے تو طلاق اور موت دونوں صورتوں میں عدت وضع حمل ہوگی۔ اگر یہ مدت تھوڑی ہو، مثلاً چار پانچ دن یا زیادہ، کچھ فرق نہ ہوگا۔

موجودہ آیت کریمہ اس بارہ میں ہے کہ میاں بیوی میں خلوت صحیحہ بھی نہ ہو، اور ایک دوسرے کے ساتھ ہم بستری بھی نہ ہو، تو ایسی صورت میں کوئی عدّت نہیں، کیونکہ اختلاط نسل کا کوئی امکان تک بھی مفقود ہے۔ فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ اے ایمان والو! جب تم مؤمنہ عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم اگر ان کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو (کنایہ ہے جماع سے)۔

﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ پس تمہارے لئے ایسی عورتوں پر کوئی عدّت نہیں ہے، جسے تم پورا کراؤ۔ ﴿تَمَسُّوْهُنَّ﴾ کا مطلب صرف ہاتھ لگانا نہیں، بلکہ اس سے مراد مجامعت ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خلوت صحیحہ کو بھی مباشرت کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی کو نکاح کے بعد ایسی خلوت و تنہائی حاصل ہو جائے اور اکٹھے رہنے کا موقعہ ہاتھ آئے تو ایسی خلوت کو مباشرت سمجھا جائے گا، اور عورت پر عدّت پوری کرنا لازمی ہوگا۔ عدّت کے دوران مطلقہ عورت یا جس کا شوہر فوت ہو دونوں صورتوں میں عورت کو اسی مکان میں رکھا جائے، اور دورانِ عدّت اس کے تمام اخراجات کا بندوبست ورثا کے ذمہ ہوگا، بغیر کسی سخت مجبوری کے اس مکان سے نکال کر دوسرے کسی مکان میں، یا عورت کے والدین کے پاس منتقل ہونے کی ہرگز اجازت نہیں، سوائے ایک سخت عذر اور مجبوری کے۔ تفصیلات کے لئے سورۂ نساء اور سورۂ طلاق کی طرف رجوع کریں۔

﴿فَمَتِّعُوْهُنَّ﴾ تو ان کو فائدہ پہنچاؤ، جو کم از کم ایک جوڑہ کپڑا دیدو، اور اس کی دل آزاری سے بچو۔

نکاح اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ رفیقۂ حیات کا انتخاب موافق ہو، کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بہت کم ایسا ہوا کہ میاں بیوی دونوں میں مکمل اتفاق ہو، پس دونوں طرف سے صبر و تحمل اور برداشت کا مظاہرہ ہونا چاہئے، تاکہ طلاق کی نوبت نہ آئے، کیونکہ طلاق اگرچہ ایک جائز امر ہے، مگر پسندیدہ نہیں، شرافت و دیانت کے لئے مضر ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ اگر طلاق کی نوبت آئی خواہ قصور مرد کا ہو یا عورت کا، پھر بھی

عورت قابلِ رحم اور ضعیف و کمزور ہے، تو مرد کو چاہئے کہ اُسے بے عزّت کر کے اپنے گھر سے نہ نکالے، بلکہ بڑی سنجیدگی اور دریا دلی کے ساتھ اس کی تلخیوں کو بھلا کر، بہتر اور باعزّت طریقہ سے اُسے رخصت کرلے، اس کو اللہ تعالیٰ کی باندی سمجھ کر مالی تعاون اور حوصلہ افزائی کرے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ قیامت کے روز کچھ لوگ بغیر حساب و کتاب کے شہادت کا درجہ پائیں گے، اور جنّت میں جائیں گے، ان میں ایک وہ مرد ہے جس نے بری بیوی کی بداخلاق پر صبر کیا، اور وہ عورت بھی ہے جس نے شوہر کے ظلم وستم پر صبر کر کے طلاق کا مطالبہ نہیں کیا۔ [فضائل شہداء، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ]

﴿وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ پھر انہیں اچھے طریقے سے رخصت کرو، کسی قسم کی بداخلاقی کا مظاہرہ نہ کرو، اور شیطان کے ورغلانے پر کوئی انتقامی کارروائی نہ کرو۔ یہ بلند اخلاق، حسن کردار، نرم گفتار شریعت محمدیہ کا طرۂ امتیاز ہے، اور حسن معاشرت کا اسلامی اصول اور رحمت و شفقت کا پسندیدہ مظاہرہ، جس سے اقوامِ عالم کا دامن خالی ہے۔ جس طرح نکاح کے وقت اسلامی اصولوں پر کاربند رہے، اب جدائی کے وقت بھی اسلامی اصولوں کا پاس رکھو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ
اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ
مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً
لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

ترجمہ: اے نبی! ہم نے آپ کے لیے یہ بیویاں حلال کردیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں، اور وہ عورتیں بھی حلال کیں جو آپ کی مملوکہ ہیں، ان اموال میں سے جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں سے دلوائے، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں، اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں، اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں، اور خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی، اور وہ عورتیں حلال کیں جو بغیر عوض کے اپنی جان نبی کو بخش دیں، اگر پیغمبر ان سے نکاح کرنا چاہیں، تو یہ آپ کے لئے مخصوص ہے، نہ کہ مؤمنین کے لئے، ہم نے جان لیا جو کچھ ہم نے ان پر ان کی

بیویوں، اور باندیوں کے بارے میں احکام مقرر کئے تا کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے ۵۰

معارف ومنازل

اس سے پہلے نکاح اور طلاق کے متعلق عمومی مسائل کا بیان تھا، اب ان آیات میں نکاح کے ان احکام کو بیان کرتے ہیں جو سرورِ عالم ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اب یہ سات حکموں پر مشتمل ہیں، جو یہ ہیں:

حکم اول: ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَالَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ اے پیغمبر! بیشک ہم نے حلال رکھا تیرے لئے تیری ان بیویوں کو جو اس وقت تیرے نکاح میں ہیں، اور جن کا مہر بھی آپ ادا کر چکے ہیں۔

یہ حکم بظاہر سب ہی مسلمانوں کے لئے عام ہے، مگر اس میں وجہ خصوصیت یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں موجود تھیں، اور عام مسلمانوں کے لئے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں ہے، اور یہ چار سے زائد عورتوں کو ہم نے صرف آپ کے لئے حلال رکھا، یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ یہ تفسیر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ [ابن جرير طبري]

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جمہور علماء کے نزدیک آیت کریمہ کے یہی معنی مختار اور راجح ہے کہ آیت میں ﴿اَزْوَاجَكَ﴾ سے موجودہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں، جنہوں نے مسئلہ تخییر میں دنیا کے مقابلہ میں شوق وذوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو اختیار کیا، اور دنیا کی لذتوں پر فقر وفاقہ پر صبر کا دامن تھامے رکھا۔

﴿اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ﴾ بصیغہ ماضی آیا ہے، جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ﴿اَزْوَاجَكَ﴾ سے وہی بیبیاں مراد ہیں جن کا مہر آپ ﷺ ماضی میں ادا کر چکے، اور یہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ رہی ہے کہ عورتوں کا مہر بروقت دیا کرتے تھے، اور ادھار سے قطعاً پرہیز فرماتے تھے۔

حکم دوم: ﴿وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ﴾ اور ہم نے آپ کے لئے وہ لونڈیاں اور باندیاں حلال کیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال غنیمت میں عطا کیں، اور آپ کو ان کا مالک بنا دیا۔ باندی کا حکم عام ہے، مال غنیمت سے ہو یا آپ ﷺ کی زر خرید ہو، یا کسی نے ہبہ کے طور پر آپ ﷺ کو دی ہو، یہ سب آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں۔

باندیوں کے معاملہ میں آپ ﷺ کی تین خصوصیات ہیں:

☆......پہلی یہ کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار حاصل تھا کہ کوئی چیز اپنے لئے مخصوص کرلیں، اس کو صَفِي کہتے ہیں، جیسے غزوۂ خیبر کی غنیمت سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے اپنے لئے پسند فرمایا۔

☆......دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دوسروں کا نکاح مکمل حرام ہے، اسی طرح جو باندی آپ ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کے پاس رہی ہو، جیسے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تو وہ بھی دوسروں پر حرام ہے۔

☆......تیسری خصوصیت یہ کہ اگر دارالحرب سے کوئی ہدیہ آجاتا تو وہ آپ ﷺ کی ملکیت بن جاتا، اس میں عوام کا، اور بیت المال کا استحقاق نہ ہوتا، چنانچہ بادشاہ مصر مقوقس نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور اس کی بہن سیرین رضی اللہ عنہا کو، اور خچر دلدل کو آپ ﷺ کے لئے ہدیہ بھیجا، جو آپ ﷺ کی ملکیت متصور ہوئے، وغیرہ۔

حکم سوم: ﴿وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ﴾ اور ہم نے حلال کیا تیرے لئے تیرے چچا کی بیٹیاں، اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں، اور تیرے ماموؤں کی بیٹیاں، اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت بھی کی ہو۔ یعنی جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت نہیں کی، اور اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی نہیں دی، وہ آپ ﷺ کے لئے حلال نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ چچا، اور پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کی بیٹیاں جو باپ اور ماں کی طرف سے آپ ﷺ کے رشتہ دار ہیں، یہ سب لڑکیاں آپ ﷺ کے لئے حلال ہیں، سوائے ان کی جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کا نکاح پھوپھی کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا، انہوں نے ہجرت کی، وام ہانی رضی اللہ عنہا (نام فاختہ ہے) بنت ابی طالب سے آپ ﷺ کا نکاح جائز نہ ہوا، کیونکہ انہوں نے ہجرت نہیں کی، اور فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئی۔ آپ ﷺ کا سفر معراج انہیں فاختہ کے گھر سے ہوا تھا۔

اور یہ ہجرت کی شرط عام مسلمانوں کے لئے نہیں، اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، اور یہ خصوصیت (شرط ہجرت) صرف خاندانی عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث شامل نہیں، کیونکہ ان کا تعلق آپ ﷺ کے خاندان کے ساتھ نہیں، اول کا تعلق یہود قبیلہ کے ساتھ ہے، اور

دوسری کا تعلق قبیلہ بنی المصطلق کے ساتھ ہے۔

حکم چہارم: ﴿مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ہم نے حلال کر دیا آپ کے لئے اس عورت کو کہ جو مسلمان ہو، اگر وہ اپنے نفس اور ذات کو بلا کسی مہر اور کسی عوض کے (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی کہا۔ قرطبي) پیغمبر کو ہبہ کر دے، اور نبی کی زوجیت کا شرف حاصل کر لے، تو اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہے تو ان کے لئے جائز اور درست ہے، اور یہ دوسرے مؤمنین کے لئے نہیں۔

اس معاملہ میں اصل حکم یہ ہے کہ بغیر مہر کے عام مسلمانوں کو نکاح کی اجازت نہیں، اور مہر شرط لازم ہے، مگر سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے لئے مؤمنہ عورت کا نکاح بدون مہر جائز ہے، اور جو عورت اگر بدون مہر اپنا نفس ہبہ کرنا چاہے تو درست ہے، بشرطیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منظور ہو۔ عام لوگ ہزار مرتبہ بدون مہر نکاح کریں، نکاح اگرچہ منعقد ہو جائے گا، مگر مہر مثل ضرور واجب ہوگا۔

حکم پنجم: ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے عام مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور باندیوں کے بارہ میں جو حقوق اور فرائض اور شرائط عقد مقرر کئے ہیں، جیسے مہر اور گواہ اور نان ونفقہ اور سکنیٰ وغیرہ۔ میاں بیوی کے حقوق واحکام کی بہت بڑی تفصیل ہے، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک مرد بیک وقت چار سے زائد عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتا، اسی طرح مہر بہر صورت لازمی امر ہے، اور مقرر نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ یہ احکام سب کے لئے واجب الاتباع ہیں۔ البتہ ان احکام میں سے بعض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ساقط اس لئے ہیں:

﴿لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ﴾ تاکہ آپ پر تنگی نہ ہو۔ یعنی نکاح کے متعلق جو حقوق، شرائط اور فرائض عورتوں کے بارہ میں عام لوگوں پر لازم کئے گئے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازم نہیں کئے گئے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سہولت وآسانی ہو، اور لوگوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان امتیازی ظاہر ہو۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان، اور یہ سب کچھ اسی کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

☆☆☆

فائدہ:

جب کوئی عورت ازخود بغیر مہر کے اپنا نفس محض رضائے الٰہی کے پیش نظر، اور آپ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل کرنے کی خاطر پیش کش کرے تو آپ ﷺ کو اس سے نکاح کی اجازت دی گئی۔ یہ ایک امکانی حکم ہے، مگر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ آپ ﷺ نے اس سہولت مخصوصہ سے فائدہ اٹھایا ہو۔ ہاں! ایک عورت نے اپنے آپ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا، مگر آپ ﷺ نے یہ پیش کش قبول نہیں فرمائی، اور اس خاتون کا نکاح ایک صحابی سے کرادیا۔ [بخاری]

تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ
اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

ترجمہ: آپ ان میں سے جسے چاہیں اپنے سے دور رکھیں، اور جسے چاہیں اپنے نزدیک ٹھکانا دیں، اور جسے آپ دور کردیں، پھر اسے طلب کریں، تو اس بارے میں آپ پر کوئی گناہ نہیں، یہ اس بات سے قریب تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، اور وہ رنجیدہ نہ ہوں، اور جو کچھ آپ ان کو دیں وہ سب اس پر راضی رہیں، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے، حلم والا ہے ﴿۵۱﴾

معارف ومنازل

اِرجاء کے معنی ہیں: مؤخر کرنا، دور رکھنا۔ ایواء کے معنی ہیں: اپنے پاس نزدیک رکھنا۔ عام اُمت کے لوگوں کے لئے جب متعدد بیویاں ہوں تو سب میں برابری کرنا ضروری ہے، اور اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔ برابری سے مراد نفقہ اور لباس، نیز سکنیٰ وغیرہ، اور شب باشی میں برابری ہے۔ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گزارے، اتنی دوسری اور تیسری کے ساتھ گزارے، کمی بیشی ناجائز ہے۔ باقی رہا قلبی رجحان وہ انسان کے اختیار میں نہیں، اور اس میں برابری ممکن بھی نہیں، اس لئے وہ معاف ہے۔

آیت کریمہ میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں برابری

کرنے سے مستثنیٰ فرمادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے جس کو چاہیں مؤخر رکھیں، اور جس کو چاہیں اپنے قریب کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر برابری لازم نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنگی بھی نہیں۔ لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس استثناء اور اجازت کے باوجود رخصت پر عمل کرنے کی بجائے عزیمت پر عمل کیا، اور برابری کبھی ترک نہیں فرمائی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ يَقْسِم فَيعْدلُ فَيَقُولُ: اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا لَا أَمْلِكُ۔ قال أبو داؤد: يَعْنِي القلب۔ [أبو داؤد، والترمذي، والنسائي، وأحمد]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب ازواج میں برابری فرماتے تھے، اور یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! جس چیز میں میرا اختیار ہے اس میں تو میں نے برابری کر لی، یعنی شب باشی اور نفقہ وغیرہ میں، مگر جس چیز میں میرا اختیار نہیں اس میں آپ مجھے ملامت نہ فرمائیں۔ اس سے مراد قلبی محبت ہے، جو غیر اختیاری ہے، اور اس میں برابری کا کوئی امکان بھی نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بی بی کی نوبت میں اس کے پاس جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اجازت لیتے تھے۔ [بخاري]

یہ حدیث تمام کتب حدیث میں معروف ہے کہ مرض وفات میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازوج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں روزانہ منتقل ہونا مشکل ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اجازت حاصل کر کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بیماری کے ایام گزارے، اور وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال پر ملال ہوا، اور وہی گھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ بنا۔

حکم ششم: ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ آپ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہیں پیچھے مؤخر کر دیں، اور جس کو چاہیں اپنے قریب کر لیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مساوات و برابری کے قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہیں، اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی عزت ہے۔

﴿وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ اور جن عورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدہ کر دیا ہے، اگر ان میں سے پھر کسی کو بلانا چاہیں، اور دوبارہ اسے اپنے قریب رکھنا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے، اس میں نہ گناہ ہے، اور نہ ملامتی۔ آگے اس حکم کی حکمت اور مصلحت کا بیان ہے، فرمایا:

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ﴾ یہ بات بہت زیادہ قریب

ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور وہ رنجیدہ بھی نہ ہوں، اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیدیں وہ راضی ہوں، کیونکہ جب ان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ باری دینا، برابری کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب نہیں تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ جس طرح سلوک کریں گے، اور عدل و احسان کا معاملہ فرمائیں گے، وہ اسے تبرع و احسان اور بخشش سمجھ کر بڑی مسرت سے قبول کر کے راضی رہیں گی، اور شکر کریں گی۔

﴿وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ﴾ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ مطلب قلبی رجحان اگر کسی طرف زیادہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے، اور معاف کرتا ہے، اس لئے کہ:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَلِيۡمًا﴾ اللہ تعالیٰ جاننے والا، اور بردبار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زاہدانہ زندگی، اور کثرت ازواج:

یہود و نصاریٰ اور دیگر ملحدین جہاں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر لب کشائی سے نہیں شرمائے وہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر بھی طرح طرح کے نامناسب، ناروا طعن و تشنیع کرنے میں کوئی کمی نہیں کی، خصوصاً کثرت ازواج کو بڑھا چڑھا کر اس پر مقالے لکھے، اور پمفلٹ شائع کئے، اور رسالے بھی لکھے۔ تقسیم سے پہلے لاہور کے ہندو راجپال ملعون نے ''رنگیلا رسول'' رسالہ لکھ کر مسلمانوں کی دل آزاری میں کوئی کمی نہیں کی، چنانچہ شہید ناموس رسالت نوجوان غازی علم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے راجپال ملعون کو جہنم رسید کر کے خود جنت الفردوس کی بلندیوں پر پرواز کی۔ یہ بڑا دلچسپ واقعہ کتابی شکل میں دستیاب ہے۔ بہت سارے مستشرقین ملحدین نے اس تعدد و کثرت ازواج کو موضوع بحث بنایا ہوا ہے، حالانکہ یہ نہایت عام فہم مسئلہ ہے۔

دنیا کی قدیم تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام جیسے حضرت داؤد خلیفۃ اللہ علیہ السلام، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سو تک کی شادیاں کیں، اور ان کا مقصد صرف بکثرت مجاہدین پیدا کرنا تھا، اور اُمت میں باکمال انسانوں کی کثرت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زاہدانہ پوری زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی بڑے شیطان کو بھی شان رسالت کے خلاف وسوسہ پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی، جس سے واضح ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح عنفوان شباب پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا، جو سن رسیدہ چالیس سال کی عمر میں بیوہ اور صاحب اولاد، دو شوہروں کے نکاح میں آنے کے بعد آئی تھیں۔ پھر پچاس سال کی عمر تک صرف اسی ایک بوڑھی بیوی کے

ساتھ اپنے شباب کا پورا زمانہ گزارا۔

یہ سارا زمانہ اہل مکہ کے سامنے گزر کر طے ہوا، جسے سب نے مشاہدہ کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اور نبوت کا آغاز ہوا۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پچپن سال کو پہنچ گئی تھیں۔ اس موقعے پر پورے مکہ میں زور وشور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہونے لگی، اور یہ مخالفت اتنی شدت سے پھیل گئی کہ دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو کیا ہوا کہا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنون اور ساحر کہنے لگے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکدامنی اور عفت و پرہیز گاری، تقویٰ وطہارت کے خلاف کسی نے آدھا جملہ، آدھا حرف کہنے کی جرأت نہیں کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق وامین اور پاکدامن کہتے رہے۔

پچاس سال عمر شریف کے گزرنے پر حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی پینسٹھ سال کی عمر میں وفات ہوئی، اور اس کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے شادی نہیں کی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معمر عمر رسیدہ بیوہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ اور حضرت امّ حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح نجاشی شاہ حبشہ کے ہاں ہوا۔ ہجرت مدینہ اور عمر شریف چون سال ہوجانے کے بعد ۲ سنہ ھ ہجری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، اور چند دنوں کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ سے نکاح ہوا۔ یہ زینب بنت خزیمہ چند ماہ کے بعد وفات پاگئیں۔

۴ سنہ ھ ہجری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، جو صاحب اولاد بیوہ تھیں۔ ۵ سنہ ھ ہجری میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی حکم کے ساتھ جاہلیت کی رسم کو ختم کرنے کی خاطر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا، جس کی تفصیل اسی سورت میں گزر چکی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اٹھاون سال (۵۸) تھی۔ آخری پانچ سال میں باقی ازواج مطہرات (حضرت میمونہ بنت حارث، حضرت جویریہ بنت حارث، حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہوئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل کی مخالفتوں اور عداوتوں کو کم کرنے کے پیش نظر یہ شادیاں کیں۔ اس کے علاوہ دینی مسائل واحکام اور احادیث کو یاد کرنے کی خاطر، اور گھریلو معاملات، خانگی زندگی، تعلیم وتربیت اولاد وغیرہ مقاصد کے پیش نظر یہ کثرت ازواج کے مراحل پیش آئے۔ چنانچہ دین کا ایک بہت بڑا قابل ذکر حصہ ان نو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے تعاون ومساعی اور تذکیر وتبلیغ کے ذریعہ اُمت کو معلوم ہوا، اور کثیر تعداد میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

نے مسائل کی اشاعت کی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مسند مرویات (احادیث) کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے، اور آپ رضی اللہ عنہا کے فتاوے بہت ہی زیادہ ہیں، جنہیں حضرت حافظ ابن کثیر الدمشقیؒ نے چار ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مرویات احادیث کی تعداد تین سو اڑسٹھ ہے، اور آپ رضی اللہ عنہا کے فتاوے بہت زیادہ ہیں۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صحبت صادقہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف آٹھ یا نو سال ہے، اس کے باوجود وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو سو سے زائد حضرات کی استاذ اور معلمہ ہیں، اور بڑی تعداد میں حضرات تابعین رحمہم اللہ علیہم نے آپ رضی اللہ عنہا سے استفادہ کیا۔

آنحضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال تھی، اگر آپ رضی اللہ عنہا کی صحبت کوئی دس سال زائد ہوتی تو نبوت کے علوم کا بڑا خزانہ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس ہوتا۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! نہیں حلال آپ کے لئے عورتیں اس کے بعد، اور نہ یہ کہ آپ تبدیل کریں ان کے بدلے میں دوسری بیویاں، اگرچہ ان کا حسن آپ کو زیادہ اچھا لگے، مگر آپ کی مملوکہ باندیاں، اور اللہ تعالیٰ سبحانہ ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿۵۲﴾

معارف ومنازل

حکم ہفتم: اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے بندوں کی اطاعت اور قربانیوں کی قدر کرتے ہیں، ابھی تک اپنے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ اس طرح نوازا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مہر نکاح کی اجازت دی، اور پھر بیبیوں میں برابری کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کیا، اب اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ موجودہ نو بیویوں کے علاوہ آپ کو کسی دسویں بیوی سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور اسی طرح ان نو میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی دوسری عورت سے نو کا عدد پورا کرنے کی خاطر بھی نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

یہ موجودہ حکم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی قربانیوں کا صلہ اور انعام ہے، کیونکہ انہوں نے جب زیادہ خرچہ کا مطالبہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو گئے، اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ازواج میں یہ اعلان فرمادیا کہ اگر دنیا کی عیش و عشرت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کردوں، اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دار آخرت کی فلاح چاہتی ہو تو پھر اسی فقر و فاقہ پر گزارہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کا انتخاب کر کے فقر و فاقہ کو پسند کیا۔ اس سے ان کی قدر و منزلت مزید بڑھ گئی، اور قربانی کا صلہ انہیں یہ حاصل ہوا کہ ان کی موجودگی میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ملا کہ آئندہ آپ ان کی موجودگی میں، یا ان میں سے کسی کو چھوڑ کر اس کی جگہ کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کر سکتے، اگرچہ اس کا حسن آپ کو پسند کیوں نہ ہو۔ گویا کہ ان موجودہ ازواج پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مزید نکاح کرنے سے روکا گیا۔

مفسرین کرامؒ نے فرمایا کہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس قناعت کو قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیدیا کہ آئندہ ان بیویوں کے علاوہ مزید نکاح نہ کریں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم کی پابندی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویاں موجود تھیں، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت زینب، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ۔ رضی اللہ عنہن۔ اور دو باندیاں حضرت ماریہ قبطیہ (ام ابراہیم) اور حضرت ریحانہ قرظیہ رضی اللہ عنہما۔

واضح رہے کہ یہ اس اکمل البشر کی ازدواجی سیرت طیبہ کا تذکرہ ہو رہا ہے جس نے خود اپنی نسبت فرمایا کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کے برابر ہے، جن میں سے ایک مرد کی قوت سو کے برابر ہوگی۔ گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کی قوت کے برابر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھی۔ اور بیشک دنیا کے اکمل ترین بشر کی تمام روحانی و جسمانی قوتیں ایسے ہی اعلیٰ اور اکمل پیمانہ پر ہونی چاہئیں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار ہزار بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں ہونی چاہئیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جا سکتا تھا، جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کر لے، لیکن اللہ اکبر! اس شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانہ ہے کہ ترپن (۵۳) سال کی عمر اس تجرد یا زہد کی حالت میں گزار دی، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرما کر محض کسر پوری فرمادی۔

غور طلب امر:

دنیا کا سب سے بڑا بے مثال انسان جو اپنے فطری قویٰ کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار بیویوں کا مستحق ہو تو کیا نَو کا عدد دیکھ کر کوئی انصاف پسند اس پر کثرت ازواج کا الزام لگا سکتا ہے؟ پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر ترپن (۵۳) سال سے متجاوز ہو چکی تھی، باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے، جو کچھ آتا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دے ڈالتے۔ وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زِرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ اختیاری فقر وفاقہ سے پیٹ پر دو دو پتھر باندھتے، مہینوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا، پانی اور معمولی کھجوروں پر گزارہ چلتا تھا۔ روزہ پر روزہ رکھتے، کئی کئی دن افطار نہ کرتے، ساری رات کی نمازوں کی وجہ سے پاؤں پر ورم آجاتا۔ لوگ دیکھ کر رحم کھاتے۔ بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو ہمارے ساتھ رہے، اور جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری زندگی بچپن سے لے کر وصال تک معجزہ ہے، اور ساری کائنات کے لئے رحمت بھی ہے، اور نمونہ بھی ہے۔ غزوۂ حنین کے موقع پر بے شمار مال غنیمت جمع ہوا، جس میں چالیس ہزار بکریاں، اور چوبیس ہزار اونٹ، اور آٹھ ہزار اوقیہ چاندی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ مکرمہ سے آٹھ نو میل کے فاصلہ پر مقام جعرانہ میں پندرہ روز قیام فرمایا، تاکہ لوگ آکر اسلام قبول کریں، اور اپنا مال اور بیوی بچے لے جائیں، مگر وہ لوگ وقت پر نہیں آئے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سارا مال مسلمانوں غازیوں زیادہ تر اہل مکہ نومسلموں میں مکمل تقسیم فرمایا۔ اس پورے مال سے ایک ادنیٰ رسی کا ٹکڑہ اپنی سواری کے لئے نہیں لیا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب مبارک میں ادنیٰ ذرہ برابر دنیا کا خیال ہوتا تو کچھ نہ کچھ اپنے لئے رکھتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی بھی کسی دنیوی چیز کے خیال کو دل مبارک میں جگہ نہیں دی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا بھی یہی حال رہا۔

❁ ❁ ❁

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ
بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿٥٣﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٥٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے، ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہوجایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے، سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں کرتا، اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات تمہارے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے، اور تم کو یہ جائز نہیں ہے کہ رسول کو کلفت پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو، بیشک تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا بھاری مجرمانہ عمل ہوگا﴿٥٣﴾ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے، یا اسے پوشیدہ رکھو گے، تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے﴿٥٤﴾

معارف ومنازل

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اور ولیمہ کھانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں لوگ حاضر ہوئے، تو طعامِ ولیمہ کھا کر وہیں باتیں کرتے ہوئے چند لوگ بیٹھے رہ گئے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا، اور آنے والے لوگ تقریباً تین سو تھے۔ اکثر لوگ چلے گئے، تقریباً دس بارہ آدمی بیٹھے رہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی بغیر ضرورت نشست، اور بے مقصد گپ شپ کو پسند نہیں فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت مبارکہ پر بوجھ محسوس ہونے لگا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے اٹھنے لگے کہ مجھے اٹھتے ہوئے دیکھ کر شاید وہ لوگ بھی اٹھ جائیں، مگر وہ لوگ نہیں اٹھے، اور بدستور بیٹھے رہے، اور باتیں کرتے رہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں وسعت اخلاق کی وجہ سے بہت ہی لحاظ ہوتا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کچھ بھی نہیں کہا، اور جانے کا حکم بھی نہیں دیا۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اٹھنے کے بعد اکثر لوگ اٹھ کر چلے گئے، مگر تین چار لوگ بدستور بیٹھے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ تک جا کر یہ سمجھتے ہوئے واپس ہوئے کہ وہ لوگ نکل گئے ہوں گے، جب تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر واپس ہوگئے۔ اس کے بعد وہ لوگ کھڑے ہوکر چلے گئے۔ میں نے ان کے چلے جانے کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، اور گھر میں داخل ہونے لگے، میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال کر مجھے اندر جانے سے روکا۔ اس پر اس آیت کریمہ کا نزول ہوا:

﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم خاص تھے انہیں یہ شرف اس وقت نصیب ہوا جب ان کی عمر دس سال تھی، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خدمت گرامی میں پیش کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی منظوری دی۔ اب اس واقعہ پر انس رضی اللہ عنہ کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی، اب وہ بالغ ہو چکے تھے، اس لئے آیت حجاب کے نزول پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انس رضی اللہ عنہ کو گھر میں داخل ہونے سے روکا، اور درمیان میں پردہ ڈال دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ چونکہ شروع واقعہ سے آخر تک موجود تھے، اس لئے فرمایا کرتے تھے کہ پردہ کی آیت کے متعلق میں سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ [بخاري]

اس آیت میں متعدد احکام بیان فرمائے ہیں:

☆...... پہلا حکم یہ ہے کہ نبی کے گھروں میں داخل مت ہوا کرو، ہاں! اگر تمہیں کھانے کے لئے بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، لیکن اس صورت میں بھی ایسا نہ کرو کہ جلدی پہنچ جاؤ، اور کھانے کے پکنے کے انتظار میں بیٹھے رہو۔

☆...... دوسرا حکم یہ فرمایا کہ جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے اٹھ کر منتشر ہو جاؤ، اور چلے جاؤ، ایسا نہ کرو کہ کھانا کھا کر محفل سجاؤ، اور خوب مجلس کرو، اور جی لگا کر باتیں کرو، کیونکہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگواری ہوتی ہے، اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہوئے اگرچہ زبان سے کچھ نہیں فرماتے، لیکن قلب مبارک میں بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں صاف صاف حکم دیتا ہے کہ آئندہ ایسا ہرگز نہ کرو، اور میزبانوں پر خواہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، یا اور کوئی بھی ہو ہرگز بوجھ نہ بنو، اور کھانے کے بعد منتشر ہو جاؤ۔ اس لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ شان نزول اگرچہ خاص ہے، مگر الفاظ قرآنی کا عموم سب کے لئے ہے۔ پس چاہئے کہ مسلمان حضرات ان عمومی آداب پر عمل کر کے میزبانوں کو پریشان نہ کریں، یہاں تک کہ مریض کی عیادت کرنے والوں سے بھی یہی کہا گیا ہے کہ عیادت کے بعد فوراً چلے جائیں، دیر تک محفل نہ سجائیں۔

☆...... تیسرا حکم یہ دیا کہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کوئی چیز مانگو، یا کوئی چیز انہیں دیدو، یا کوئی دینی مسئلہ پوچھو تو پردہ کے باہر سے طلب کرو۔ اس میں صراحۃً پردہ کا حکم ظاہر فرما رہے ہیں، جو ابھی نازل ہوا، اور تاکید

ہورہی ہے کہ آئندہ مردوں کو عورتوں کے سامنے آکر کسی طرح جائز نہیں، بلکہ سب کچھ پردہ کے پیچھے سے ہو۔اس مسئلہ کا ایک حصہ ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ کے تحت بیان ہوا، اور ایک حصہ آئندہ رکوع میں آنے والا ہے۔اس پردہ اور حجاب کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے، کیونکہ شیطان کسی بھی گناہ پر اتنا زور نہیں لگا تا جتنا کہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابی پر، اس چیز پر وہ پہاڑوں جتنا وقت خرچ کرتا ہے۔آج ہمارے معاشرے میں ہزاروں فواحش اور منکرات اور بدامنی اور خیانتوں کا واحد سبب بے پردگی، اور بے حجابی، اور مخلوط تعلیم، اور اداروں میں مرد و زن کا غیر ضروری ناجائز اختلاط ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان ملکوں اور مسلمان شہروں میں یہ آزادی اور بے حجابی اتنی عام اور مکمل عروج پر ہے کہ بے پردگی کے بانی یورپ انگشت بدندان ہے۔

☆...... چوتھا حکم یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر رحمۃ للعلمین شافع محشر حضرت محمد ﷺ (فداہ أرواحنا) کی ایذاء پہنچانے سے کلیۃً پرہیز کرو، اور جو لوگ کھانا کھانے کے بعد مزید محفل سجا کر گھر میں بیٹھے رہے، ان کا یہ بیٹھنا روح اقدس کے لئے باعث ایذاء بنا، کیونکہ آپ ﷺ کو ایذاء دینا بالاجماع حرام ہے، حتی کہ ابھی سے قیامِ قیامت تک ایذاء پہنچانے کی ممانعت ہے۔علماء کرام نے کہا کہ سارے گناہ اور بداعمالی اور سنتوں کی پامالی برزخ میں بھی آپ ﷺ کی پریشانی اور ایذاء رسانی کا سبب بن سکتا ہے، کیونکہ مجموعی طور پر اُمت کے اچھے اور برے اعمال ہر وقت آپ ﷺ کے سامنے برزخ میں پیش ہوتے رہتے ہیں، پس اچھے اعمال سے اور اچھے طبقوں کے اعمال سے خوش ہوتے ہیں، اور برے اعمال اور برے طبقوں کے اعمال سے رنجیدہ ہوتے ہیں، اور آپ ﷺ کو ایذاء پہنچتی ہے۔

حدیث معراج میں آپ ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق یہی ارشاد فرمایا کہ جب نیک لوگوں کی طرف دیکھتے تو ہنس کر خوش ہوجاتے، اور جب بائیں طرف کے لوگوں کو دیکھتے تو رو رو کر پریشان ہوجاتے۔[بخاري]

☆...... پانچواں حکم فرمایا کہ نبی کریم سید الانبیاء ﷺ کے بعد ان کی بیویوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح مت کرنا۔اس سورت کے شروع میں فرمایا: ﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ کہ آپ ﷺ کی پاکیزہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن امت کی مائیں ہیں (زہے سعادت)۔اس اُمت کے بہت سے فضائل میں سے ایک بہت بڑا

قابل قدر و قابل ذکر نہایت عمدہ بے مثال فضیلت یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ طیبہ و طاہرہ سعیدہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس امت کی مائیں ہیں۔ الحمدللہ

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبرئیل (علیہ السلام) ہیں، آپ کو سلام کہتا ہے۔ بی بی نے کہا: وَعلَيهِ السَلام۔ [بخاري]

اللہ تعالیٰ جل شانہ کو معلوم تھا کہ میرے عظیم المرتبت نبی سرورِ عالم پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ہادی و مرشد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کی اپنی حقیقی ماؤں سے زیادہ عزّت و احترام کریں گے، ان سے نکاح کا تو تصور تک نہیں کریں گے، جیسے کوئی شخص اپنی حقیقی ماں کے متعلق بھی نہیں سوچتا، لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی امت کے سامنے قدر و منزلت اور شرف و کرامت کو واضح کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ یہ پاکیزہ ہستیاں تمہاری ماؤں کی مانند ہیں، خبردار! ان کے بارے میں سنجیدہ رہو، اور کوئی غلط خیال دل میں نہ لاؤ۔ اسی کو فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سنگین بھاری ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ﴾ اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوں، یہاں تک کہ تمہیں کھانا کھانے کی اجازت دی جائے، اور تمہیں کھانے پر بلایا جائے۔ ﴿غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ﴾ کہ کھانے پکنے کے انتظار میں بیٹھے والا نہ بنو۔ مطلب یہ ہے کہ قبل از وقت جا کر مت بیٹھو کہ جب کھانا تیار ہوگا تو کھالیں گے، یہ اچھی بات نہیں۔

﴿وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا﴾ بلکہ نبی کے گھر میں اس وقت داخل ہو جب تمہیں بلایا جائے۔ ﴿فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا﴾ پھر جب تم کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ، مزید وہاں مت بیٹھو، اسی کو فرمایا: ﴿وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ﴾ اور بات چیت میں مصروف ہو کر جی لگا کر باتیں نہ بناؤ۔ ﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ﴾ بیشک بلاوجہ بیٹھے رہنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دیتا ہے، مگر وہ حیاء کی وجہ سے اظہار نہیں فرماتے، اور تمہارا لحاظ کرتے ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ حق بات کو ظاہر کرنے سے نہیں رُکتا۔

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کوئی سامان وغیرہ طلب کرنا چاہو تو پردے کے باہر سے مانگو، سامنے مت آؤ۔ ﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ یہ تمہارے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزہ گی والی بات ہے، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے دلوں کے

لئے بھی۔ اس طرزِ عمل میں کسی قسم شیطانی وساوس کی آمد کا امکان نہیں۔

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ یہ تمہارے لئے لائق نہیں، اور یہ تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح بھی تکلیف پہنچاؤ۔ ﴿وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا﴾ اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی۔ ﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾ بیشک تمہاری یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا سنگین گناہ ہے۔ دراصل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر عارضی موت طاری ہو چکی ہوتی ہے، وہ قبروں میں زندہ ہیں۔ وہ حیات النبی جو مشہور ہے انہیں مکمل حاصل ہے، پس ان کی بیویوں سے نکاح نہ کرنے کے دیگر اسباب میں سے ایک سبب یہی حیات حقیقی ہے، جو کہ شہیدوں کی حیات سے ہزاروں لاکھوں درجہ بلند و بالا ہے، اسی وجہ سے ارشاد فرمایا: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهٗ۔ [رواه البيهقي في شعب الإيمان] یعنی جو شخص میری قبر پر آکر درود پڑھے گا تو میں اس کو سنتا ہوں، اور جو دور سے پڑھے گا تو وہ مجھ تک بذریعہ ملک پہنچایا جائے گا۔

﴿اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

❁ ❁ ❁

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ان بیویوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اپنے باپوں کے بارے میں، اور اپنے بیٹوں کے بارے میں، اور اپنے بھائیوں کے بارے میں، اور اپنے بھتیجوں کے بارے میں، اور اپنے بھانجوں کے بارے میں، اور اپنی عورتوں کے بارے میں، اور اپنی لونڈیوں کے بارے میں، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے ﴿۵۵﴾

معارف ومنازل

جب آیت حجاب کا نزول ہوا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے آباء و ابناء اور اقارب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم بھی ان سے پردہ کے پیچھے سے بات کیا کریں؟ اس پر آیت بالا نازل ہوئی، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

کو اجازت دیدی گئی کہ اپنے باپوں، اور بیٹوں، اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں، اور بہنوں کے بیٹوں کے سامنے آسکتی ہیں۔ [روح المعاني]

صاحب روح نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں چار رشتوں کا ذکر ہے۔ دوسرے جو محرم ہیں نسب سے ہوں یا رضاع سے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں والدین کی طرح ہیں۔ محرموں سے پردہ نہ کرنے کی اجازت کے ساتھ: ﴿وَلَا نِسَآئِهِنَّ﴾ فرمایا ہے، یعنی مسلمان عورتوں سے بھی ان کا پردہ کوئی نہیں ہے، البتہ کافر عورتوں کے سامنے نہ آئیں، اگرچہ کتابیہ یہود یہ نصرانیہ ہوں۔ فرمایا:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ.........تا.........وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کی اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، اپنی عورتوں اور غلاموں کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عورتیں اور غلام تو ویسے ہی پردے سے مستثنیٰ ہیں، باقی تمام رشتہ دار عورت کے محرم بنتے ہیں، جن سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے، اس لئے فرمایا کہ ان سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ لونڈی غلام کو تو سورۂ نور میں پردہ سے مستثنیٰ قرار دیا جا چکا تھا، وہاں تفصیل گزر چکی ہے۔

﴿وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ﴾ ہر وقت تقویٰ اختیار کرو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو، ظاہر و باطن کو یکساں پاک وصاف رکھو۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، اس کی نگاہ سے کوئی چیز غائب نہیں، وہ تمہارے اعمال و کردار کا نگہبان اور محافظ ہے، لہٰذا تمہیں از حد محتاط رہنا ضروری ہے۔ یہ تعلیم امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے لئے خصوصی ہوگئی۔

❀ ❀ ❀

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو، اور خوب سلام بھیجا کرو ۝۵۶

معارف ومنازل

گزشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت شان اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ادب واحترام کو بیان

کیا، اب یہاں سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزید عظمت شان کا بیان ہو رہا ہے، جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا تذکرہ ہے۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ ہجرت کے دوسرے سال سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔ [القول البدیع] حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن مجید میں بہت سے احکام بیان فرمائے ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ، اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے، اوران کا اعزاز واکرام بھی بیان فرمایا ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرو، مگر کسی حکم یا کسی اعزاز میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی یہ کام کرو، یہ اعزاز صرف رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لئے خاص ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے صلوٰۃ کی نسبت سب سے پہلے اپنی طرف کی ہے، اس کے بعد فرشتوں کی طرف، پھر اہل ایمان کو حکم دیا ہے۔ [فضائل درود]

صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام محمود تک پہنچایا ہے، اور وہ مقام شفاعت کبریٰ ہے، اور فرشتوں کے درود کا مطلب یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترقی درجات کے لئے دعا کرتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے استغفار کرتے ہیں، اور اہل ایمان کے درود کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثناء کرتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

صلوٰۃ وسلام کے معنی:

لفظ ''صلوٰۃ'' عربی زبان میں چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، رحمت، دعا، مدح وثناء۔ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو نسبت ہے، اس سے مراد رحمت ہے، فرشتوں کی طرف نسبت سے مراد دعا ہے، اور عام مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا اور مدح وثناء کا مجموعہ ہے، اور لفظ ''سلام'' کے معنی ہیں: سلامتی، اس سے مراد عیوب ونقائص سے سلامتی ہے، اور تحیہ وسلام بھی ہے، کیونکہ اَلسَّلَام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے، بمعنی سلامتی دینے کے۔ تو صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا کے معنی یہ ہوئے کہ ہم سب مسلمان قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور سلامتی کی دعا کریں، اور کثرت سے درود شریف پڑھا کریں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقصود آیت کا تو یہ تھا کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم کا حق خود ادا کریں، اور یہ کہیں کہ: اُصَلِّي وَاُسَلِّمُ عَلٰى سَيِّدِيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ مگر طریقہ یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ

سے عرض کر کے دعاء کریں، اور کہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ۔ اے اللہ تعالیٰ! آپ ہی رحمت فرما اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور ان کے آل واصحاب پر۔ یہ اس لئے کہ ہم لوگ کسی بھی صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کا حق ادا نہیں کر سکتے، اور نہ ہی یہ ہمارے کسی کے بس میں ہے۔ اسی کو شاعر نے یوں پیش کیا:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزدان گزاشتیم ☆ کان ذت پاک مرتبہ دان محمد است

درود شریف کے متعلق مسائل:

ذکر مبارک کے وقت افضل اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں پڑھے، اور اگر لکھنا ہو تو دونوں لکھے، جس طرح زبانی صلوٰۃ وسلام ضروری ہے، اسی طرح لکھنے میں بھی یہی حکم ہے، اور جو لوگ حروف کا اختصار کر کے صرف صلعم لکھ دیتے ہیں، یہ جائز نہیں، بے ادبی ہے۔ اگر کوئی صلوٰۃ وسلام میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرے، یعنی صرف صلوٰۃ پڑھے، یا صرف سلام تو ثواب پورا حاصل نہ ہوگا۔

البتہ! جمہور فقہاءؒ کے نزدیک گناہ نہ ہوگا۔ امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ ایک پر اکتفاء مکروہ ہے۔ علامہ ابن حجر ہیتمیؒ نے فرمایا کہ کراہت سے مراد خلاف اولیٰ مکروہ تنزیہی ہے۔ علماء اُمت نے نص قرآنی پر عمل کرتے ہوئے صلوٰۃ و سلام دونوں کو پڑھنے کی تاکید کی ہے، اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ نام مبارک کے ساتھ سب سے مختصر درود صلّى الله عَلَيهِ وَسلَّم کا التزام ضروری ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایک مجلس میں بکثرت بار بار نام مبارک مذکور ہو تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ ہر بار درود شریف پڑھے۔ علماء حدیث اس استحباب پر پابندی کے ساتھ عمل کرتے ہیں، اور یہ بہت ہی ثواب کماتے ہیں۔

اسی طرح حدیث کی کتاب لکھنے پر بھی اس کا التزام کرتے ہیں، اور ایک ایک صفحہ پر بیسیوں صلّى الله عَلَيهِ وَسلَّم لکھتے ہیں۔ جب تک وہ کتاب پر لکھا ہوا درود باقی رہے گا کاتب کے لئے اجر وثواب جاری رہے گا۔ یہ بڑی خوش قسمتی ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ وہ شخص بخیل ہے، اور ثواب سے محروم ہے جس کے سامنے میرا ذکر آجائے، اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ [رواه الترمذي، وقال: حسن صحيح]

علماء اُمت نے درود شریف کے فضائل وبرکات، اور اس کی اہمیت پر مختلف زمانے میں عجیب وغریب عمدہ سے عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ذیل میں علامہ سخاویؒ کی مشہور اور جامع کتاب "القول البديع في الصلوة على الحبيب الشفيع صلى الله عليه وسلم" سے چند اہم اور مفید اقتباسات نقل کرتے ہیں، جن سے درود شریف کی اہمیت

واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ صاحب القول البدیع نے درود شریف کے فضائل و برکات پر مشتمل احادیث و آثار کو جمع فرمایا ہے، اور ان فضائل و برکات کا خلاصہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے، جو یہ ہیں:

آنحضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف بھیجنے سے یہ دولتیں میسر آتی ہیں: درود شریف پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت بھیجتے ہیں۔ خطاؤں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس سے اعمال بڑھتے اور پاکیزہ ہو جاتے ہیں۔ درجے بلند ہوتے ہیں۔ گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ درود شریف اپنے پڑھنے والے کے لئے استغفار کرتا ہے۔ درود شریف پڑھنے والے کے لئے ایک قیراط کا اجر لکھا جاتا ہے، ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ درود شریف کا اجر کامل ترین پیمانے سے تولا جاتا ہے۔ جو شخص اپنا تمام تر وظیفہ درود شریف پڑھنے کو بنا لے اس کے دنیا و آخرت کے تمام امور کی کفایت ہو جاتی ہے۔ درود شریف پڑھنا غلاموں اور باندیوں کے آزاد کرنے سے افضل ہے۔

درود شریف کے ذریعہ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات ملتی ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درود پڑھنے والے کے حق میں شہادت دیں گے، اور اس کے لئے شفاعت واجب ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا نصیب ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے غصہ سے امان ملے گا۔ عرش الٰہی کے سایہ میں جگہ ملے گی۔ روز محشر میں نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا۔ حوض کوثر پر حاضری نصیب ہوگی۔ محشر میں پیاس سے امان اور ہر قسم کے عذاب سے آزادی نصیب ہو جائے گی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب اور رفاقت نصیب ہوگی۔ پل صراط سے تیزی کے ساتھ پار ہوگا۔ مرنے سے پہلے جنت میں اپنے قرب والی جگہ کو دیکھ لے گا۔ جنتی حوروں سے شادی ہوگی۔

درود شریف کا ثواب بیس غزوات سے بڑھ کر ہے۔ تنگدست لوگوں کے لئے صدقہ کا قائم مقام ہے۔ سو سے زیادہ حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ خاتمہ بالخیر کے لئے اعلیٰ ذریعہ ہے۔ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا ذریعہ ہے۔ ہمارے اعمال مقبول و مردود ہو سکتے ہیں، مگر درود شریف ہر حال مقبول ہی رہے گا۔ یہ نصرت خداوندی کا ذریعہ ہے۔ درود شریف دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہے۔ پس دعاؤں کے اول و آخر میں درود پڑھنے سے دعاء قبول ہو جاتی ہے، رد نہیں ہوتی۔ درود شریف پڑھنے والا محتاج نہیں ہوگا، اس کے مال و اولاد میں اسی طرح عمر اور صحت میں برکت ہو جاتی ہے۔ وہ لوگوں میں عزت والا ہوگا۔ دل اور خیالات پاک ہوں گے۔ علماء کرام نے اور بہت سے فوائد لکھے ہیں۔ [القول البدیع]

حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ پر کن الفاظ میں سلام بھیجا کریں، یعنی تشہد میں جو وارد ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُه، لیکن فرمائیے کہ آپ پر درود اور کس طرح بھیجا کریں؟ ارشاد فرمایا کہ یوں کہا کرو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ [بخاری]

شیخ ملا علی قاریؒ شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں کہ درود شریف کے یہی الفاظ سب سے صحیح تر اور سب سے افضل و اکمل ہیں، پس چاہئے کہ نماز و غیر نماز میں ان کی پابندی کی جائے، کیونکہ اس درود شریف کا درجہ بہت بلند ہے۔

فائدہ:

صحیح احادیث اور آثار میں درود شریف کے بہت سے نمونے اور عجیب و غریب روح پرور خزانے موجود ہیں، جن میں سے ہر ایک کے فضائل و ثواب حیران کن اور خوش کن ہیں۔ علماء سلف و خلف نے ان مختلف بکھرے ہوئے موتیوں کو مستقل کتابوں میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور ایک حد تک تمام ذخیرہ کو جمع کرنے پر کامیاب ہوئے ہیں۔ علامہ جزریؒ کی حصن حصین، شیخ عبدالجلیل القروانی کی شفاء الاسقام، اور سید محمد بن سلیمان جزولیؒ کی دلائل الخیرات قابل ذکر ہیں۔ البتہ بعض لوگ محض عشق و محبت کی بنیاد پر جو درود شریف لکھ چکے ہیں جن میں غلو سے کام لیا گیا ہے، ان سے اجتناب لازم ہے، جیسے درود تاج اور درود لکھی وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو، اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے، اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے ﴿٥٧﴾ اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو بغیر گناہ کے ایذاء پہنچاتے ہیں وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں ﴿٥٨﴾

معارف و منازل

اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و احترام کا بیان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے والا اللہ کا

مقرّب بندہ شمار ہوگا، اوراسی حکم الٰہی کے بجالانے پراس کو رضاء الٰہی بھی حاصل رہے گی، اور آپ ﷺ کے قرب و شفاعت کا حقدار بھی ہوگا۔ اب فرمارہے ہیں کہ رضاء الٰہی اور منشاء رسول ﷺ کے خلاف جو شخص عمل کرے گا وہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی مخالفت (ایذاءرسانی اور نافرمانی) کی وجہ سے ملعون ہوگا، اور دنیا و آخرت دونوں میں لعنتی متصور ہوگا۔ چونکہ ایذاء پہنچانے سے مراد ناراضگی لی گئی تو معنی صحیح ہوا، کیونکہ حقیقی ایذاء اللہ تعالیٰ کے حق میں جب ممکن نہیں تو عرفی اور مجازی معنی مراد ہوگا۔ اس میں کفر وشرک سے لے کر تمام معاصی داخل ہوئے، جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب ہیں، اور انسانوں کے آپس میں یہ چیزیں بھی باعث ایذاء اور تکلیف کے ہیں، جیسے سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ۱۴۲] (بیشک منافقین اللہ سے دھوکہ کرتے ہیں) تو واضح ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا، یا ایذاء دینا غیر ممکن ہے تو معنی عرفی مجازی ہی مراد ہوگا۔

دوسرے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہاں درحقیقت آنحضرت ﷺ کی ایذاء سے روکنا اوراس پر وعید کرنا مقصود ہے، اوراسی ایذاء رسول کو ایذاء حق تعالیٰ کہا گیا، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، اور آپ ﷺ کو ایذاء دینا اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینے کے مترادف ہے، پس سیاق وسباق سے یہی معنی راجح اور متعین ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن مغفل مزنی کی روایت اسی کی تفسیر ہے: قَالَ: رَسُولُ اللهِ: اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُم غَرَضًا مِنْ بَعدِي فَمَنْ أَحَبَّهُم فَبِحُبِّي أَحَبَّهُم وَمَن أَبْغَضَهُم فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُم وَمَن آذَاهُم فَقَدآذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَد آ ذَى اللهَ وَمَنْ آ ذَى اللهَ يُو شَكُ أَنْ يَأْخُذَهُ۔ [ترمذي]

اس آیت اور حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص خاتم المرسلین ﷺ کو کسی طرح کی ایذاء پہنچائے، خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً یا اشارۃً وہ کافر ہوگا، اوراس پر دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔ [مظهري]

حضرت ابن ہمامؒ نے مسامرہ میں فرمایا ہے کہ زبان وقلم سے حضرت ﷺ کو کچھ ایذاء پہنچانا بڑی بات ہے، محض دل میں نفرت کرنے سے آدمی مرتد ہوجائے گا، اور واجب القتل ہوگا۔ اگر وہ ہزار توبہ کرے مگر قتل کی سزا ساقط نہیں ہوگی۔ علماء کرام نے لکھاہے کہ یہ قول اہل کوفہ حضرت امام اعظم، صاحبین اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ ایک روایت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ [مظهري]

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ بیشک وہ لوگ جو قصداً اللہ تعالیٰ

اوراس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی ہے، اور انہیں مطرود وملعون بنا کر اپنی رحمتوں سے محروم کیا ہے۔ ﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور جولوگ مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کو ایذاء دیتے ہیں۔ ﴿بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا﴾ یعنی ناحق، بغیر کسی گناہ کے مسلمانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، جو سراسر بلا وجہ ہو۔

﴿فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ انہوں نے بہت بڑا بہتان اٹھایا ہے، جھوٹ باندھا ہے، اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

بدزبانی اور بدگوئی قطعاً حرام ہے:

گزشتہ آیت میں ایذاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور اس پر سخت وعید کا بیان ہوا، اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اور اس کی محبت پر کٹ مرنے والے، اور اس کے پسندیدہ بندے مؤمنین ومؤمنات کی ایذاء رسانی پر وعید شدید کا بیان ہے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا اسود (گناہ) یہ ہے کہ ناحق بغیر وجہ کسی مسلمان کی آبرو میں زبان درازی کی جائے۔ [أبو داؤد]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے وہ لوگو! جنہوں نے زبان سے اسلام قبول کیا ہے، اور ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا، مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، اور ان پر عیب نہ لگاؤ، اور ان کے پوشیدہ حالات کے پیچھے نہ پڑو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی چھپی ہوئی عیب کی بات کے پیچھے پڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کے پوشیدہ عیب کے پیچھے لگے گا، اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب کے پیچھے لگے اسے رسوا کر دے گا، اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی کرے۔ [ترمذي]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے، وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں، یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں، اور ان کی بے آبروئی کرتے ہیں۔ [أبو داؤد]

آج ہمارا معاشرہ شیطانی اور غیر شرعی ہے، جن لوگوں کے پاس مال ہو یا اقتدار یا قوم وقبیلہ یا تجارت و سرمایہ یا عصری تعلیم ہو، وہ غریب عوام کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں، اور ان کی تذلیل کرتے ہیں، اور انہیں طرح

طرح سے پریشان کرتے ہیں، ان پر بہتان تراش کر ان کی غیبت کر کے ان کو ذلیل کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے اوپر رحم کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب اور اس کی لعنت سے اپنے کو بچائیں، ورنہ انہیں اس جہاں میں اور آخرت دونوں میں ذلت اٹھانی پڑے گی۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ
ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾ لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ
الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ
فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۛۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں سے، اور اپنی صاحبزادیوں سے، اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی چادریں نیچی کرلیا کریں، اس سے جلدی پہچان ہو جایا کریں گی، تو آزار نہ دی جایا کریں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۵۹﴾ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں، اگر یہ لوگ باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کردیں گے، پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے ﴿۶۰﴾ جو پھٹکارے ہوئے ہوں گے، جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ ہوگی، اور قتل کئے جائیں گے ﴿۶۱﴾ جو لوگ پہلے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا یہی دستور رکھا ہے، اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ردوبدل ہرگز نہ پائیں گے ﴿۶۲﴾

معارف ومنازل

مدینہ کے یہود اور منافقین وفساق راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے تھے، خصوصاً رات کے وقت جب خواتین عرب کے دستور کے مطابق رات کو قضاء حاجت کے لئے باہر نکلتیں، پھر جب عورت کو چادر اوڑھے ہوئے دیکھتے تو یہ کہتے کہ آزاد اور شریف عورت ہے، تو اسے نہ چھیڑتے، اور اگر دیکھتے کہ اس پر چادر نہیں ہے تو اسے باندی سمجھ کر چھیڑتے رہتے۔ یہود اور منافقین کا ایک فتنہ تو یہی تھا، اور دوسرا فتنہ یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی خبریں

شائع کرتے، اور پروپیگنڈا کر کے مسلمانوں کو پریشان کرتے۔ آیات کریمہ میں ان دونوں فتنوں کا تذکرہ اور سدباب کا بیان ہے، فرمایا:

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ اے نبی! اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور عام مؤمنوں کی عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنی کشادہ بڑی چادریں گھروں سے باہر نکلتے وقت سر اور پورے بدن پر لٹکائیں، اور پورے بدن کو چادر سے ڈھانک لیں، البتہ ایک آنکھ کسی طرح کھول لیں، تاکہ راستہ پر چلنا آسان ہو۔ جب پردہ کا یہ اہتمام ہوگا تو آزاد عورتیں اور باندیاں الگ الگ پہچانی جاسکیں گی، اور منافقین کا بہانہ بند ہوجائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے سروں کو، اور چہروں کو بڑی بڑی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں، اور صرف ایک آنکھ کھلی رہے، جس سے راستہ چلنا آسان ہو، اور آزاد عورتوں اور خدمتگار باندیوں میں امتیاز ہو، اور بدمزاج شریر لوگوں کا بہانہ ختم ہو۔

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ یہ سر اور چہرہ کا چھپانا قریب تر ہے اس بات کے کہ پہچان لی جاویں، اور شناخت ہوجائے کہ یہ چادروں میں چلنے والیاں شریف و پاکباز آزاد عورتیں ہیں، اور تاکہ ان کو ایذاء نہ دی جائے، اور منافق ان سے تعرض نہ کریں، اور انہیں تنگ نہ کریں۔

اس آیت کریمہ سے اوّلاً یہ معلوم ہوا کہ گھروں سے نکلتے وقت عورت کو اپنا سر اور چہرہ اور پورا بدن چھپانا فرض ہے کہ عورت کا خاص کر چہرہ (جو محل فتنہ اور باعث کشش ہے) کسی کو نظر نہ آئے، اور یہی پردہ مروجہ ہے جو شروع اسلام سے اب تک مسلمانوں کا شعار ہے، اور عالم اسلام میں رائج ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پردہ کا حکم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ ساری مسلمان عورتوں کا زیور اور عصمت وعفت کا پیغام ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اگر کبھی بے احتیاطی یا غیر اختیاری طور پر کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے، وہ اس قسم کی کوتاہیوں کو معاف فرماتا ہے۔ ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ اگر یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے ضعف ایمان کی وجہ سے، شہوت پرست ہیں، اور وہ لوگ جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے ہیں، اگر یہ اپنی شرارتوں اور حماقتوں سے باز نہ آئے: ﴿لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ﴾ تو ضرور ہم آپ کو ان پر مسلط کردیں گے، اور ان پر مضبوط گرفت

کرنے کا حکم دیں گے، تاکہ آپ انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔

﴿ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ پھر وہ لوگ آپ کے ساتھ مدینہ میں رہنے نہیں پائیں گے، مگر بہت تھوڑی مدّت۔ یعنی جلدی شہر بدر اور جلاوطن کئے جائیں گے، تاکہ سرزمین مدینہ ان کی حرکتوں سے پاک وصاف ہو۔ ﴿مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا﴾ لعنت کے مارے پھٹکارے ہوئے ہوں گے، مگر کہیں بچ نہیں سکیں گے، امن نہیں پائیں گے، اور ایسے ذلیل وخوار ہوں گے جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے، اور خوب قتل کئے جائیں گے، اور انہیں کہیں بھی پناہ نہیں ملے گی۔

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے۔ گزشتہ لوگوں کے بارہ میں کہ فساد پھیلانے والوں کو اوّل مہلت دی جاتی رہی ہے، بصورت دیگر انہیں قتل کیا جاتا رہا ہے، اور جلاوطن کئے جاتے رہیں گے، اور جہاں کہیں ہوں گے ملعون ومطرود رہیں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس دستور میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں پائیں گے۔ چنانچہ جس وقت سورۂ توبہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقوں کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا، اور خطبہ کے بعد نام بنام منافقوں کو مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا، پھر ان منافقین کے رشتہ دار جو مؤمنین صالحین مخلصین تھے اٹھے، اور منافقین کو ذلت وخواری کے ساتھ مسجد سے نکال دیا۔ [قرطبي]

آیت کریمہ میں لفظ بَنٰتِكَ جمع ہے، چنانچہ تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں: حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت امّ کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن، مگر روافض شیعہ صرف حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکلوتی بیٹی مانتے ہیں، اور دیگر صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں، اور اس آیت کریمہ میں لفظ جمع میں تاویل کرتے ہیں۔ علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد منافقین ڈر گئے، اور اپنی شرارتوں سے باز آئے، اس لئے قتل سے بچ گئے۔ [روح المعاني] البتہ یہود جلاوطن ہوئے، اور بنو قریظہ مارے گئے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

❀ ❀ ❀

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ

تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝۶۶ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝۶۷ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝۶۸

ترجمہ: وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دو: بیشک اس کا علم اللہ کے پاس ہے، اور آپ کو اس کی کیا خبر؟ عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی زمانہ میں واقع ہو جائے ۝۶۳ بیشک اللہ تعالیٰ نے لعنت کر دی ہے کافروں پر، اور ان کے لئے دہکنے والی آگ تیار کی ہے ۝۶۴ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کوئی یار و مددگار نہ پائیں گے ۝۶۵ جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے یوں کہیں گے: اے کاش! کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوتی، اور رسول کی اطاعت کی ہوتی ۝۶۶ اور وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم نے اپنے سرداروں کی فرمانبرداری کی، اور اپنے بڑوں کی فرمانبرداری کی، سوانہوں نے ہمیں راستہ سے گمراہ کر دیا ۝۶۷ اے ہمارے ربّ! انہیں عذاب کا دوہرا حصہ دیجئے، اور ان پر لعنت کر دیجیے، بڑی لعنت ۝۶۸

معارف ومنازل

قیامت کے متعلق یہ سوال قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال عموماً کفار و منافقین کیا کرتے تھے، اور اس سے ان کا مقصد علم حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ وہ دل لگی اور استہزاء کے طور پر یہ بات پوچھا کرتے تھے۔ دراصل ان کفار و منافقین کو آخرت کے آنے کا یقین ہی نہ تھا، قیامت کے تصور کو وہ محض ایک خالی خولی دھمکی سمجھتے تھے، اور اس کے وجود کو غیر ممکن تک خیال کرتے تھے۔ پس وہ قیامت کے آنے کی تاریخ اس لئے دریافت نہیں کرتے تھے کہ اس کے آنے سے پہلے وہ اپنے معاملات درست کر لینے کا ارادہ رکھتے ہوں، بلکہ ان کا اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کریں، اور مسلمانوں کے دلوں میں قیامت کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کریں۔

﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ لوگ معاندانہ طور پر آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ان سے فرما دیجئے کہ قیامت کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، کسی نبی مرسل یا ملک مقرب کو اس کا علم نہیں۔ ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا﴾ اور آپ کو کیا معلوم، شاید قیامت قریب ہی ہو؟ حدیث میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت

اس طرح ملے ہوئے ایک دوسرے سے قریب ہیں جیسے یہ دو انگلیاں، اور دو انگلیاں ملا کر دکھایا، جیسے شہادت کی انگلی کے ساتھ درمیانی انگلی کا اتصال ہے، اسی طرح میری بعثت کے ساتھ قیامت ملی ہوئی ہے، لہٰذا اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب اور کس طرح آئے گی، بلکہ اس کی تیاری کرو، اور اعمال جمع کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور پھینکا، اور لعنت کی ہے کافروں کو، اور دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ان کے لئے تیار کیا ہے۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور نہ پائیں گے اپنے لئے کوئی دوست، اور نہ مددگار، جو ان سے عذاب کو ہٹا سکے۔ ﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴾ جس دن ان کے چہرے جہنم کی آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے، وہ اس وقت تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ اور رسول کی تابعداری کرتے، اور ایمان لا کر ہمیشہ کے لئے عذاب سے بچ جاتے۔ پھر جن کافروں اور سرداروں نے انہیں گمراہ کیا تھا ان کے متعلق شکایت کریں گے، اور کہیں گے:

﴿وَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝۶۷ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝۶۸﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں کی، اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی، پس ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کر دیا، اے ہمارے پروردگار! ان کو ہم سے دو چند عذاب دیدے، اور ان پر بڑی لعنت فرمائیے۔ آج بھی دنیا میں لیڈروں، مالداروں، سیاستدانوں، چودھریوں کا یہی حال ہے کہ اپنے ماتحت ماننے والوں کو دین وایمان اور اعمالِ صالحہ سے روکتے ہیں، اور کفر ومعاصی پر انہیں آمادہ کر کے صراط مستقیم سے دور رکھتے ہیں، اور کروڑوں انسانوں کو جہنم کا ایندھن بنا کر انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ روز قیامت یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست پیش کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ان کو دوہرا عذاب دے، خود جو گمراہ تھے اس کا عذاب بھی دے، ہمیں جو انہوں نے گمراہ کیا اس کے عوض بھی ان کو عذاب دے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
وَجِيْهًا ۝۶۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۷۰ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی، سو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات سے بری کر دیا جو ان لوگوں نے کہی تھی، اور موسیٰ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باوجاہت تھے ﴿۶۹﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ٹھیک بات کہو ﴿۷۰﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو صحیح بنا دے گا، اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے سو وہ کامیاب ہو گیا بڑی کامیابی کے ساتھ ﴿۷۱﴾

معارف ومنازل

ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک منافقین ومعاندین کی انواع واقسام کی ایذاؤں کا ذکر تھا، جن میں بنوقریظہ کے یہود کا بھی تذکرہ تھا۔ گزشتہ آیات میں ایذاء رسول کو موجب لعنت قرار دیا۔ اب سورت کو اسی مضمون پر ختم کرتے ہیں جو اس سورت کے متفرق مضامین کا خلاصہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانا موجب لعنت وہلاکت ہے، اور اطاعت رسول اور تقویٰ موجب فلاح وصلاح، اور باعث رحمت اور کیمیائے سعادت ہے۔

ابتداء سورت میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تقویٰ کا حکم تھا، اب آخر سورت میں اہل ایمان کو تقویٰ کا حکم دیا، جس درجہ کا تقویٰ ہوگا اسی درجہ کا ایمان ہوگا، اور ایمان اور تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن کو کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا روحانی باپ، اور ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو روحانی مائیں سمجھے۔ ان کے بارے میں کوئی غلط عقیدہ نہ رکھے، اور کسی قسم کا طعن یا بدگمانی نہ کرے۔

ہم صاحب مظہری اور حضرت ابن ہمامؒ کا قول نقل کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں کسی بھی قسم کی بے احترامی کفر ہے، اور ایسا شخص واجب القتل ہے۔ فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا﴾ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دی تھی، پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے بری کر دیا، اور ایذاء دینے والے ہمیشہ کے لئے ملعون ومغضوب ہوئے۔ ﴿وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑے وجیہ اور آبرو والے تھے۔ وہ کلیم اللہ تھے، اور رب العلمین کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام تھا، مگر

لوگوں نے ہر چند ان کی بے احترامی کی، اور انہیں ان کی قوم نے بہت ہی ستایا، اور ایذاء پہنچائی، اور انہیں پریشان کر گئے، مگر ان کے عظیم شرف ومرتبہ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا، یہاں تک کہ ایک فاحشہ عورت کو بڑا مال رشوت دے کر ان پر بدکاری کا الزام لگانے کی منصوبہ بندی کی گئی، اس کام میں ان کے چچازاد بھائی قارون کا ہاتھ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کی صفائی اسی عورت کی زبان سے کرا کر قارون کو ہمیشہ کے لئے غرق فرمایا، زمین میں زندہ فسخ کر کے دھنسا کر مال ودولت سمیت۔

اس کے علاوہ بھی بنی اسرائلی قوم نے موسیٰ علیہ السلام کی ایذاء رسانی میں کوئی کمی نہیں کی۔ اسی طرح اگر منافقین اور بد باطن لوگ آخر الانبیاء سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیں گے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے احترامی کریں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم مرتبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجاہت ومرتبہ میں کسی قسم کا فرق نہیں آئے گا۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور ہمیشہ درست بات کہا کرو، اور زبان سے ایسی کوئی بات نہ نکالو جو خلاف شرع اور خلاف ادب ہو، یا باعث ایذاء رسول ہو، یا روز قیامت باعث گرفت ہو۔ ﴿يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ درست عقیدہ رکھنے، اور درست بات کرنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول فرمائیں گے، اور تمہاری بخشش فرمائیں گے۔

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ اور جس کسی نے اللہ تعالیٰ، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، وہ بڑی کامیابی کو پہنچا، کیونکہ ہر طرح کی کامیابی کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر ہے، اور یہی اطاعت سعادتوں کی کنجی ہے، جبکہ اس کے برخلاف نافرمانی اور ایذاء رسانی شقاوتوں کی چابی ہے۔

فائدہ:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح اور مغفرت کے دو طریقے ذکر فرمائے: ایک تقویٰ، اور ایک قول سدید۔ تقویٰ کا تعلق قلب سے ہے، اور قول سدید کا تعلق لسان سے ہے۔ مؤمن کے تمام تر نیک اعمال، اصلاح و فلاح، سعادت وشقاوت اور ناکامی وغیرہ کا دارومدار انہی دو پر ہے، اگر یہ دونوں صحیح اور درست ہوں، تابع کتاب و سنت ہوں تو زہے سعادت۔ لیکن اگر یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک غلط اور بُری ہو تو سارے اعمال ناکارہ ہوں گے، اور شقاوت وبدبختی کا دور دورہ ہوگا۔ نعوذ باللہ

حدیث میں ہے کہ جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کو قسم دیتے ہیں، اور کہتے ہیں: اے

زبان! ہمارے بارے میں تم اللہ تعالیٰ سے ڈور، کیونکہ ہم تیرے تابع ہیں، پس اگر تو درست ہوگی تو ہم سب درست رہیں گے، اور اگر تم کج ہوگی تو ہم سب کج رہیں گے۔ اسی طرح دل کے متعلق بھی ارشاد گرامی ہے کہ جب دل درست ہوگا تو سارے اعضاء درست رہیں گے، اور اگر دل ٹیڑھا ہوگا (فاسد ہوگا) تو سارے اعضاء فاسد ہوں گے۔ [مشکوٰۃ، بخاري]

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے آسمانوں اور زمینوں، اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی، سوانہوں نے اس کی ذمہ داری سے (یعنی اٹھانے سے) انکار کردیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا، بیشک وہ ظلوم ہے، جہول ہے ﴿۷۲﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور منافقات کو، اور مشرکوں کو اور مشرکات کو سزا دے، اور مؤمنین اور مؤمنات پر توجہ فرمائے، اور اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے ﴿۷۳﴾

معارف ومنازل

آسمان بار امانت نتوانست کشید ☆ قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

کردۂ بار امانت را قبول ☆ از کشیدن پس بناید شد ملول

پہلی آیت کریمہ میں امانتوں کا بیان ہے، جنہیں آسمانوں اور زمینوں، اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کیا، اور انسان نے انہیں اٹھالیا۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر، اور پہاڑوں پر امانت پیش کی، اور انہوں نے اس کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کردیا، اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ یہ امانت کیا ہے؟ اور اس سے کیا مراد ہے؟

اس بارے میں متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس سے حکم کی فرمانبرداری کرنا، یعنی احکام وفرائض کا انجام دینا مراد ہے۔ آسمانوں سے اور زمین سے، اور پہاڑوں سے اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ تم امانت کو قبول کرو، یعنی احکام الٰہی کی فرمانبرداری کی ذمہ داری کا اقرار کرو، اور ان کی ادائیگی کا بوجھ اٹھالو۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان میں ادراک اور شعور بھی پیدا کردیا، اور اٹھانے اور نہ اٹھانے کا اختیار بھی دیدیا، اور انجام ونتیجہ بھی انہیں بتادیا کہ اگر تم ان احکام کی پابندی کروگے تو اجر وثواب کے مستحق بنوگے، وگرنہ تو سزا کا مستحق بنوگے۔ تو آسمان وزمین اور پہاڑ خوفزدہ ہوکر ڈرگئے، اور انکار کردیا، اور کہا: آپ نے جو ہمارے ذمہ کام لگائے ہیں ہم تیری تکوینی تسخیر پر راضی ہیں، مگر تیرے اوامر ونواہی کے اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آسمان وزمین کا یہ انکار ابلیس کے انکار کی طرح نہ تھا، بلکہ یہ انکار اپنے آپ کو کمزور وحقیر سمجھتے ہوئے کیا تھا، اور اپنی کمزوری کے اظہار سے مقصود نیازمندانہ عذر تھا، اور پھر یہ جبری اور لازمی حکم بھی نہ تھا، بلکہ اختیاری امر تھا۔ بخلاف ابلیس کے کہ وہاں اسے سجدہ کرنے کا جو حکم ہوا، وہ لازمی ضروری تھا، جس میں کرنے نہ کرنے کا اختیار نہ دیا گیا تھا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آسمان وزمین اور پہاڑوں نے اس امانت کے ثقل اور بھاری بوجھ پر نظر کی، اس لئے انکار کیا، مگر انسان نے اس امانت کے پیش کرنے والے پر نظر کی کہ وہ میرا پروردگار ہے، غیرت کے مارے اس نے قبول کرلیا، اور یہ کہا کہ میرا پروردگار میرے ظلم اور جہالت کو بخوبی جانتا ہے، مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنی رحمت سے مجھے معاف فرمادے گا۔ [تفسیر کبیر]

جب انسان نے شرم کے مارے اپنے ربّ کے پیش کردہ امانت کو باوجود اپنے ضعف وکمزوری کے قبول کرلیا، اور بصدر غبت وشوق کے ساتھ قبول کیا، نہ اپنی کمزوری پر نظر کی، اور نہ کسی اندرونی اور بیرونی دشمنی کا خطرہ محسوس کیا۔ زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب انسان نے اللہ تعالیٰ کی اس امانت کو قبول کیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تیری اعانت کرنے والا ہوں، اس بوجھ کے اٹھانے پر تیری مدد کروں گا۔ [ابن کثیر]

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ ہم نے یہ امانت (یعنی احکام، جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمانوں اور زمین، اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی (یعنی ان میں کچھ شعور پیدا کرکے جو کہ اب بھی ہے) ان کے روبرو اپنے احکام اور بصورت ماننے کے اس پر انعام واکرام، اور بصورت نہ ماننے کے اس پر تعذیب وآلام پیش کرکے، ان کو لینے نہ لینے کا اختیار دیا، اور حاصل اس پیش کرنے کا یہ تھا کہ اگر تم ان احکام کو اپنے ذمہ رکھتے ہو تو ان کے موافق عمل کرنے کی صورت میں تم کو ثواب ملے گا، اور خلاف کرنے کی صورت میں عذاب ہوگا،

اور اگر نہیں لیتے تو مکلف نہ بنائے جاؤ گے، اور ثواب وعذاب کے مستحق بھی نہ ہو گے۔ تم کو دونوں باتوں میں اختیار ہے کہ اس کو نہ لینے سے نافرمان نہ ہو گے۔ جس قدر ان کو شعور تھا، وہ اجمالاً اس قدر مضمون سمجھ لینے کے لئے کافی تھا۔ چونکہ ان کو اختیار بھی دیا گیا تھا۔

﴿فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ سوانہوں نے خوف وعذاب کے سبب احتمال ثواب سے دست برداری کی، اور اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا، اور اس کی ذمہ داری سے ڈر گئے کہ اللہ تعالیٰ جانے کیا انجام ہو، اور وہ اگر اپنے ذمہ رکھ لیتے تو مثل انسان کے ان کو بھی عقل عطاء کی جاتی، جو تفصیل احکام ومثوبات وعقوبات کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ چونکہ اس کو نہیں منظور کیا اس لئے عقل کی بھی ضرورت نہیں ہوئی۔ غرض انہوں نے تو عذر کر دیا، اور جب ان سمٰوٰت وارض وجبال کے بعد انسان کو پیدا کر کے اس سے یہی بات پوچھی گئی تو:

﴿وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ تو انسان نے (بوجہ اس کے کہ علم الٰہی میں اس کا خلیفہ ہونا مقرر و طے شدہ تھا) اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔ غالباً اس وقت تک اس میں بھی اتنا ہی بقدر ضرورت شعور ہو گا، اور غالباً یہ پیش کرنا اخذ میثاق سے مقدم ہے، اور وہ میثاق اسی حمل امانت کی فرع ہے۔ اور اس میثاق کے وقت اس میں عقل عطاء کی گئی ہو گی۔ اور یہ کسی خاص انسان سے مثل آدم کے نہیں پوچھا گیا، بلکہ مثل اخذ میثاق کے یہ عرض بھی عام ہو گا، اور التزام بھی عام تھا، پس سمٰوٰت وارض وجبال مکلف نہ ہوئے، اور یہ مکلف بنا دیا گیا۔

آیت میں اس کا یاد دلانا غالباً اسی حکمت سے ہے، جیسا کہ میثاق یاد دلایا۔ یعنی ان احکام کا تم نے از خود التزام کیا ہے، تو پھر نباہنا چاہئے، اور چونکہ مکلف جنات بھی ہیں، اس لئے غالباً وہ اس عرض اور حمل میں شریک ہیں۔ مگر تخصیص ذکر انسان کی صرف اس لئے ہے کہ اس مقام میں کلام اسی سے ہو رہا ہے۔ پھر اس التزام کے بعد انسان کی حالت باعتبار اکثر افراد کے یہ ہوئی کہ:

﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ کہ انسان عملیات میں ظالم ہے، اور علمیات میں جاہل ہے۔ یعنی دونوں امر میں اعمال میں بھی اور عقائد میں بھی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ تو حالت باعتبار اکثر افراد کے ہے، باقی مجموعہ کے اعتبار سے اس ذمہ داری کا انجام یہ ہوا: ﴿لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور منافقات کو، اور مشرکین ومشرکات کو سزا دے گا، کیونکہ یہ لوگ نافرمان اور احکام کے ضائع کرنے والے ہیں۔ ﴿وَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ اور مؤمنین ومؤمنات پر توجہ اور رحمت فرما دے گا، اور

بعد مخالفت بھی اگر کوئی باز آجاوے تو پھر اس کو بھی مؤمنین ومؤمنات کے زمرہ میں شامل کرلیا جائے گا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے۔[معارف القران]

فائدہ:

قرآن کریم میں کلمہ الْاِنْسَانُ پینسٹھ (۶۵) مقامات پر مذکور ہے۔ان مقامات میں کہیں بھی اس کی مدح مذکور نہیں، مثلاً ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾[ابراھیم:۳۴] (بیشک انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے)۔﴿خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾[النحل:۴] (کھلا جھگڑالو)۔﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ [الإسراء:۱۱] (اور انسان بڑا جلد باز تھا)۔﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ [الإسراء:۶۷] (اور انسان بڑا ناشکرا تھا)۔﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ [الإسراء:۱۰۰] (اور انسان بڑا بخیل تھا)۔﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [الکھف:۵۴] (اور انسان زیادہ جھگڑالو تھا)۔﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الزخرف:۱۵] (بیشک انسان کھلا ناشکرا ہے)۔﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ [الأحزاب:۷۲] (بیشک انسان بڑا ظالم اور ناداں تھا)۔﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا﴾ [المعارج:۱۹] (بیشک انسان بہت کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے) وغیر ذلک۔

البتہ! نیک اور متقی لوگوں کا ان اوصاف ذمیمہ سے اکثر مقامات پر استثناء بھی موجود ہے۔تو اس مقام پر ظلوم وجھول جو صغیۂ مبالغہ کے ساتھ مذکور ہیں اسی سلسلہ کی کڑی ہیں، جس میں انسان کی کمزوری اور پستی کا بیان ہوا۔

البتہ! بعض محققین جیسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ وغیرہ نے ان صفات میں مدح کا پہلو نکال کر فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ظالم اس کو کہتے ہیں جس میں عدل وانصاف کرنے کا وصف اور استعداد ہو، مگر وہ اپنی مرضی سے ظلم کرے، اور جھول اس کو کہتے ہیں جس میں علم حاصل کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہو، مگر وہ استعداد کو ضائع کرے، اور جہالت پر چلے۔ چونکہ انسان کے اندر عدالت کا وصف بھی تھا، استعداد بھی تھی، نہ کرے گا تو ظلوم بنے گا۔اسی طرح انسان میں علم حاصل کرنے کی صفت واستعداد بھی ہے، نہ کرے گا تو جاہل بنے گا۔اس میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر یہ استعداد رکھی، اور آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں میں فطری طور پر یہ استعداد نہیں تھی۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ لفظ ظلوم وجھول بطور محبانہ خطاب کے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے رضاء الٰہی اور اس کی پیش کش کو فرط محبت سے قبول کر کے اس کے انجام کو نہیں سوچا۔تفسیر مظہری میں حضرت مجدد الف ثانیؒ و دیگر صوفیاء

عَلَیہِم سے یہی منقول ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ظلوم وجہول کے الفاظ ان لوگوں کے لئے ہیں جنہوں نے امانت الٰہیہ کو ضائع کیا، لہٰذا یہ تمام بنی نوع انسانی کے لئے نہیں، جس میں اہل تقویٰ شامل ہوں، لہٰذا انبیاء علیہم السلام وصالحین پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا۔ مسند احمد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ تمہیں حاصل ہو جائیں تو دنیا کی اور کوئی چیز تمہیں حاصل نہ ہو تو کوئی افسوس کی بات نہیں، وہ چار چیزیں یہ ہیں: امانت کی حفاظت۔ بات کی سچائی۔ حسن اخلاق۔ اور لقمہ حلال۔ [ابن کثیر]